فتاویٰ نوریہ

جلد اوّل

شیخ الحدیث فقیہ اعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی القادری

انجمن حزب الرحمٰن شعبہ تبلیغ
دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور (ساہیوال)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

فتاویٰ نوریہ

جلد اوّل

تصنیف

شیخ الحدیث فقیہ اعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمّد نور اللہ صاحب النعیمی القادری

بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

ترتیب و تدوین

استاد الفقہ والحدیث حضرت مولانا علامہ الحاج ابوالفضل محمد نصر اللہ صاحب نوری

رحمہ اللہ تعالےٰ

ناشر:

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

(ساہیوال)

Marfat.com

نام کتاب ——— فتاوٰی نوریہ

تصنیف ——— فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی مدظلہ

ترتیب ——— مولانا ابوالفضل محمد نصراللہ نوری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر ——— شعبہ تصنیف و تالیف دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور

اشاعت بار اول ——— جمادی الاخرٰی ۱۳۹۴ھ / جون ۱۹۷۴ء

اشاعت ثانی ——— ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ / ستمبر ۱۹۸۱ء

تعداد ——— گیارہ سو

مطبع ———

صفحات ——— ۵۶۸

قیمت ——— ۸۵ روپے

52809

سٹاکسٹ

انجمن حزب الرحمٰن بصیرپور، ضلع ساہیوال

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری دروازہ، لاہور

حامد اینڈ کمپنی ۳۸ اردو بازار لاہور

مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ، لاہور

فریدیہ بک سٹال ۴۰ اردو بازار لاہور

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور

مکتبہ اشرفیہ مدینہ مارکیٹ، مریدکے ضلع شیخوپورہ

مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال

Marfat.com

ذخیرہ

حرفِ آغاز

اسلام ایک جامع دین ہے۔ اس نے اپنے ماننے والوں کو نہ صرف عبادات کے احکام کی تعلیم دی ہے؛ دنیا میں رہنے سہنے کے اسلوب سے بھی روشناس کرایا ہے اور زندگی کے تمام مسائل و مشکلات میں اس کی دستگیری بھی کی ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے اور دین و دنیا کو سنوارنے کے لئے اہل علم اور فقہی بصیرت سے بہرہ منداشخاص سے ہدایت و رہنمائی کی ضرورت ہے۔

فقہائے کرام نے قرآن و سنت کی روشنی میں عبادات سے لیکر معاملات تک کے مسائل کا بہترین حل اپنی تصانیف میں پیش کیا ہے تاکہ انسان خیر و شر اور مفید و مضر سے آگاہ ہو سکے۔ ہر دور میں فقہی کام ہوتا رہا ہے، زیر نظر فتاویٰ نوریہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حضرت فقیہ اعظم دامت برکاتہم العالیہ کے فیوض و برکات کا دائرہ جس طرح درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم کے سلسلے میں وسیع ہے اسی طرح آپ کے فتاویٰ کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ آپ کے تحریر کردہ بعض فتاویٰ کی نقول محفوظ کی جاتی رہیں۔ اس طرح اب تک چار جلد مکمل ہو چکے ہیں اور پانچواں جلد زیر تکمیل ہے۔ ان فتاویٰ کی اہمیت اور افادیت کے باوصف اس وقت تک ان سے استفادہ ناممکن تھا جب تک اُنہیں مرتب نہ کیا جاتا، مگر ترتیب کا کام جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ بالآخر برادر محترم حضرت مولانا ابوالفضل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کٹھن کام کا بیڑا اُٹھایا۔ ابتداءً اس وقت تک تحریر کردہ فتووں کی ایک فہرست تیار کرائی۔ ازاں بعد فقہی کتب کے مطابق ابواب کے تحت تدوین کی اور یوں پہلا حصہ ۱۹۷۳ء میں اور دوسرا حصہ ۱۹۷۷ء میں انجمن حزب الرحمٰن شعبہ تبلیغ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کی طرف سے شائع ہوا۔ جب کہ تیسرا حصہ راقم نے مرتب کیا ہے جس کی طباعت کا سہرا بھی انجمن کے سر ہے۔

فتاویٰ نوریہ کو عوام و خواص نے بے حد سراہا۔ ۹ جون ۱۹۸۰ء کو پاکستان نیشنل سنٹر لاہور میں اس کی تقریب تعارف صدر الافاضل سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقد ہوئی جس میں ممتاز علماء کرام، دانشوروں اور صحافیوں نے شرکت کی۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی، پروفیسر محمد طاہر القادری، راجا رشید محمود، مولانا احمد علی قصوری اور مولانا تابش قصوری نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا تقریب میں پڑھے گئے اکثر مقالات انجمن حزب الرحمٰن کے ترجمان "نور الحبیب" کے مختلف شماروں میں چھپ چکے ہیں جب کہ پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب کا مقالہ اس حصے میں شامل کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

اس وقت جو حصہ پیش نظر ہے کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے۔ کتاب الصلوٰۃ میں بارہ ۱۲ ابواب ہیں۔ ۵۶۸ صفحات کے اس ضخیم مجموعے میں صرف ۲۶۴ استفتار شامل کیے گئے ہیں۔ اکثر استفتار متعدد سوالات پر مشتمل ہیں۔ محتاط اندازے کے مطابق مجموعی طور پر اس میں ۶۰۰ سے زائد فتوے بڑے مدلل انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ زیر نظر مجموعے میں بعض فتوے ایسے بھی ہیں جو مفصل ہونے کی وجہ سے مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں:۔

۱۔ عقود العساجد لعمار المساجد (۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء) ص۹۷ تا ص۱۰۴

۲۔ تنویر فیئ الزوال بنور عدل فیئ الزوال (عربی) (۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۰ء) ص۱۳۹ تا ص۱۴۶

۳۔ ابدار البشریٰ بقبول الصلوٰۃ فی الضحوۃ الکبریٰ (۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء) ص۱۴۶ تا ص۱۷۴

۴۔ مکبر الصوت (۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء) ص۲۵۱ تا ص۳۳۷

۵۔ انوار التعین الدولہ فی اجوبۃ اسئلۃ فکادولہ (غالباً ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء) ص۲۶۴ تا ص۵۰۱

فتاویٰ کی توقع سے بڑھ کر پذیرائی ہوئی۔ پہلا ایڈیشن عرصہ سے نایاب تھا مگر انجمن کے پیش نظر چونکہ باقی جلدوں کی طباعت کا مسئلہ اولیت کا حامل ہے لہذا اس علمی پیش کش کو اہلسنت کے مرکزی علمی ادارے دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے شعبۂ تصنیف و تالیف کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس ایڈیشن میں چند ترامیم کی گئی ہیں:

- قارئین کی سہولت کے لئے مفصل فہرست آخر کے بجائے ابتدا میں لگا دی گئی ہے۔
- صاحب فتاویٰ اور مرتب کے مختصر حالات بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔
- تقریب کے عنوان سے پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب کا مقالہ بھی شامل اشاعت ہے جس میں موصوف نے فقہ اسلامی میں فقہ کا مقام، فتویٰ کی لغوی تحقیق اور تاریخ فتاویٰ پر بڑے جامع انداز میں تبصرہ کیا ہے۔
- طوالت کے پیش نظر ماخذ و مراجع کی فہرست نہیں دی جا رہی۔ انشاء اللہ آئندہ کسی جلد میں تمام حصص کی جامع فہرست ماخذ جدید اسلوب تحقیق کے مطابق شائع کر دی جائے گی۔

خداوند قدوس کا بے پایاں کرم ہے کہ کتاب دوبارہ شائع ہو رہی ہے۔ امید کہ یہ ایڈیشن بھی بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔ خدا کرے فتاویٰ نوریہ کا نور عام ہو تا کہ جادۂ حق کے مسافر زیادہ سے زیادہ مستنیر ہو سکیں۔

محمد محب اللہ
مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ رجسٹرڈ بصیر پور
۱۱ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ / ۱۱ ستمبر ۱۹۸۱ء

Marfat.com

فہرست ——— ۷ تا ۳۰

تعارفِ فقیہِ اعظم ——— ۳۱ تا ۳۶

تعارفِ مرتب ——— ۳۷ تا ۳۸

تقریب ——— ۳۹ تا ۴۶

فتاویٰ نوریہ ——— ۴۷ تا ۵۶۸

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

شمار	مسائل	صفحہ
	کتاب الطہارت	
۱	غسل خانہ میں بوقتِ غسل وضو جائز ہے۔	۴۹
۲	اس وضو کے ساتھ نماز ہو سکتی ہے	"
۳	بوقتِ غسل ننگے جسم کلمہ طیبہ نہیں پڑھنا چاہیے	"
۴	وضو کے لیے نیت شرط نہیں۔	۵۰
۵	نماز جنازہ یا سجدۂ تلاوت کیلئے وضو یا تیمم کیا تو اس سے باقی نمازیں جائز ہیں	"
۶	وضو اور غسل کے لیے نیت شرط نہیں۔	۵۱
۷	نماز جنازہ میں قہقہہ مفسدِ وضو نہیں باقی تمام نمازوں میں مفسدِ نماز و وضو ہے۔	
۸	ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کے فضائل۔	۵۷
۹	وضو پر وضو نورٌ علیٰ نور ہے	۵۸
۱۰	ہوا خارج ہونیکی وجہ سے استنجا کی ضرورت نہیں اور نہ ہی شلوار دھونی ضروری ہے	۵۹
۱۱	خون جاری والا پھولا ہوا یا پھٹا ہوا جانور چاہ سے برآمد ہوا تو تمام پانی نکالا جائے کنواں چشمہ دار ہے تو تمام موجود پانی کا قدر نکالا جائے۔	
۱۲	اگر یہ معلوم نہیں کہ وہ جانور کب گرا ہے تو تین دن رات کی نمازیں قضا کریں اور جو کپڑے وغیرہ دھوئے ہوں پاک کئے جائیں	۶۰
۱۳	کنوئیں میں پاخانہ گرا تو پہلے وہ نکالا جائے پھر قدر کثیر تمام پانی	۶۱
۱۴	جب جانور مر کر مٹی ہو جائے تو صرف کل پانی نکالنے سے پاک ہو جائیگا	
۱۵	روٹا یا پرانا جوتا جس کے پلید ہونیکا شبہ ہے کنوئیں میں گرے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔	۶۲
۱۶	پلید شے کے وجود کا شک ہو تو اصل طہارت باقی ہے	"
۱۷	حلال جانور کنوئیں میں گر جائے تو جب تک اس پر یقیناً نجاست نہ ہو پلید نہیں ہوتا۔	"
۱۸	اگر کنوئیں میں پلید چیز کے وقوع کا یقین ہے تو وہ چیز نکال کر تمام پانی نکالا جائے۔	"
۱۹	اگر وہ شے کنوئیں میں گم ہو جائے تو تمام پانی نکالنے سے کنواں اور وہ چیز دونوں پاک ہو جائیں گے۔	
۲۰	تنور میں کتا گرا اگر چربی وغیرہ اس پر لگی ہوئی ہے یا بدبو آتی ہے تو تنور پلید ہے جو آگ سے پاک ہو سکتا ہے۔	۶۳
۲۱	بدبو دھوپ یا ہوا سے زائل ہو جائے تب بھی تنور پاک ہو سکتا ہے۔	
۲۲	پلیدی دھوپ آگ یا ہوا سے خشک ہو جائے اور اسکا اثر زائل ہو جائے تو زمین نماز کے حق میں پاک ہو جاتی ہے۔	"
۲۳	اور تیمم اس سے نہیں ہوتا۔	"
۲۴	خشک ہونے کے سبب سے پاک ہونیوالی زمین پانی کے ساتھ تر ہو جائے تو دوبارہ پلید نہیں ہوتی۔	"
۲۵	اگر پلید مٹی سے کوزے ہانڈیں یا اینٹیں بنائی جائیں اور آگ میں پکائے جائیں تو پاک ہو جاتے ہیں	۶۴

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۲۶	بچے نے تنور میں پیشاب کر دیا یا خبازہ نے پلید پانی سے تر کیا ہوا کپڑا تنور میں پھیرا پھر روٹیاں لگا دیں اگر روٹیاں لگنے سے پہلے تنور خشک ہو چکا تھا تو روٹیاں پاک ورنہ پلید۔	۶۴
۲۷	کتا گرنے کی صورت میں اگر تنور کے ساتھ اس کی چربی یا بُو نہیں لگی تو تنور پاک ہے۔	
۲۸	پلید چیز کا دھواں گزرتے ہوئے پلید نہیں کرتا۔	
۲۹	گندگیوں سے گزر کر ہوا کپڑے کو چھوئے تو کپڑا پلید نہیں ہوتا۔	
۳۰	حمام میں نجاست جلانے سے اگر اس کی دیواروں سے عرق کے قطرے گریں تو وہ پلید نہیں ہوتا۔ ہر نجس شی قلب ماہیت کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔	۶۴، ۵۳۹
۳۱	اگر گوبر اوپلوں سے تنور گرم کیا جائے تو کراہت تنزیہی ہے جو پانی چھڑکنے سے زائل ہو جاتی ہے۔	
۳۱	احتیاط اسمیں نہیں کہ خواہ مخواہ شبہات پیدا کئے جائیں	۶۵
۳۳	تنور میں روٹیاں پک رہی ہوں مینڈک گرے تو اگر دھوئیں کی بو یا رنگت یا ذائقہ روٹیوں میں محسوس ہو تو پاک نہیں ورنہ حرج نہیں	۶۶
۳۴	تنور میں گدھا گرا اگر چربی وغیرہ کوئی آلائش نہیں لگی تو پہلے کی طرح پاک ورنہ ناپاک جو کھرچنے اور جلانے سے پاک ہو جائے گا۔	۶۶
۳۵	حدیث شریف جعلت لی الارض مسجدا وطهورا	،،
۳۶	خروج وقت سے پہلے پانی ملنے کی امید ہو تب بھی اول	

شمار	مسائل	صفحہ
۳۷	وقت میں تیمم کے ساتھ جائز ہے۔	۶۶

کتاب الصلوٰۃ

باب وقف المساجد وغیرھا

شمار	مسائل	صفحہ
۳۸	نئی مسجد تعمیر کر کے پہلی مسجد کو اپنے تصرف میں لانا ہرگز ہرگز جائز نہیں	۶۷، ۸۰
۳۹	اگر آبادی ویران ہو جائے تو مسجد پھر بھی مسجد ہی ہے	۶۷، ۸۰
۴۰	مسجد آسمان کی بلندی اور تحت الثری تک مسجد ہی ہے	۶۷
۴۱	اگر موجودہ مسجد قائم رکھیں اور نئی تعمیر کریں جس سے موجودہ غیر آباد ہو تو ناجائز ہے۔	۶۷، ۶۸
۴۲	اگر گاؤں ویران ہو گیا تو گاؤں والے مسجد کا سامان اپنے نئے گاؤں والی مسجد پر لگا سکتے ہیں۔	۶۸
۴۳	مسجد میں دکانیں بنانا کرایہ پر دینا حرام ہے	۶۹
۴۴	مسجد کے کسی حصہ کو نفع کمانے یا بسنے کی جگہ بنانا منع ہے	۷۰
۴۵	غیر آباد گاؤں کی مسجد کا سامان حاکم اسلام کی اجازت سے کسی نئی یا پرانی مسجد پر لگا سکتے ہیں۔	۷۱
۴۶	وقف حوض یا وقف رباط غیر آباد کا سامان دوسرے وقف میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔	۷۲
۴۷	دریا سے غرق شدہ مسجد کا بعینہ سامان یا اس کی قیمت حاکم شرع کی اجازت سے دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں۔	۷۳
۴۸	مسجد کا مستقل سامان خرید کر اپنی عمارت میں لگا سکتا ہے مگر ناپاک و حقیر جگہ پر نہ لگایا جائے۔	۷۳، ۷۴

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۴۹	مسجد کا کوڑا کرکٹ ناپاک جگہ نہ ڈالا جائے۔	۷۳، ۴۸، ۵۶۴
۵۰	قبرستان کے درختوں کو مسجد کی تعمیر میں صرف کر سکتے ہیں	۷۴
۵۱	مسجد کا پرانا سامان فروخت کر کے اس کے عوض اسی مسجد کے لئے نیا سامان خریدنا جائز ہے۔	۷۴، ۷۵، ۵۶۴
۵۲	مسجد کے لئے وقف شئے چراغ وغیرہ کسی اور جگہ استعمال کرنا منع ہے۔	۷۶
۵۳	مسجد کے چراغ کی روشنی میں مسجد میں کتب شرعیہ کا درس دینا تہائی رات تک جائز ہے اس کے بعد منع ہے۔	۷۷
۵۴	آلات مسجد عاریۃً کسی دوسری مسجد کو دینے جائز نہیں	״
۵۵	متولی امام اور خادم مسجد کے گھروں کے لئے مسجد کی چیز استعمال کرنا ناجائز ہے۔	״
۵۶	مسجد کے لئے کوئی چیز زائد از ضرورت آجائے تو بہ شرائط فروخت یا دوسری مسجد میں منتقل کر سکتے ہیں اور بعض صورتوں میں واقف اپنے تصرف میں لا سکتا ہے۔	״
۵۷	پختہ مسجد بن جانے کی وجہ سے سابقہ کچی مسجد مسمار کرنا اور سکنی بنانا منع ہے۔	۷۸
۵۸	نئی مسجد تعمیر کر کے پہلی مسجد کی جگہ امام کا گھر بنانا ناجائز ہے	״
۵۹	رسالہ عقود العساجد لعمار المساجد	۷۹
۶۰	صحن مسجد کے کسی حصہ کو مسجد کے کسی حصہ سے خارج کرنے کے جواز میں مولوی عبد الجبار صاحب کے فتویٰ کا تفصیلی رد۔	۸۰
	فصل اول	

شمار	مسائل	صفحہ
۶۱	مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کرنا ناجائز ہے۔	۸۰
۶۲	مسجد بجمیع اجزائہ مسجد ہے۔	״
۶۳	"ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ" الآیۃ کا شان نزول اگرچہ خاص مگر حکم تمام مساجد کو عام ہے۔	۸۱
۶۴	مسجد میں نماز و عبادت سے روکنا منع ہے۔	״
۶۵	شعائر اللہ کی تعریف۔	۸۲
۶۶	مسجد اور دعا و قربانی دین کے نشان ہیں۔	״
۶۷	کریمہ "فی بیوت اذن اللہ ان ترفع" میں تمام مساجد مراد ہیں	۸۳
۶۸	ارشاد باری تعالیٰ "ان المساجد للہ" سے استدلال	״
۶۹	مسجد سے گم شدہ چیز کے تلاش کرنے کی ممانعت میں حدیثیں۔	۸۴
۷۰	جس کام کے لئے مسجدیں نہیں بنائی گئیں اس کا کرنا مسجدوں میں ممنوع ہے۔	۸۵
۷۱	مسجد کے آباد رکھنے میں چند حدیثیں	۸۶
۷۲	ویران مسجد مسجد ہی ہے اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی	۸۷
۷۳	مسجد کا فراخ بنانا نظر شارع علیہ السلام میں محبوب ہے اس کے متعلق ایک حدیث شریف۔	۹۱
۷۴	**فصل دوم** ۔ نوری جواب استدلال۔	״
۷۵	مخالف کی اس دلیل کا جواب کہ چونکہ حطیم کو کعبہ سے الگ کیا گیا لہذا مسجد کا حصہ اس سے الگ کیا جا سکتا ہے۔	״

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۷۶	حطیم صرف صورۃً کعبہ شریفہ سے خارج ہے اور شرعاً اس میں داخل ہے، احادیث سے اس کا ثبوت۔	۹۲
۷۷	حطیم کا کعبہ میں داخل ہونا عباراتِ فقہاء سے۔	۹۳
۷۸	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حطیم کو بناءِ کعبہ میں داخل نہ کرنے کا عذر احادیث سے۔	۹۴
۷۹	کنز اور شامی کی عبارت سے استدلال مخالف کا جواب	۹۵
۸۰	مسجد میں گزرگاہ مسجد ہی ہے لہذا اجنبی وغیرہ کا گزرنا منع ہے۔	״
۸۱	بوجہ عذر جو مسجد سے گذرے تحیۃ المسجد پڑھے البتہ دن میں متعدد مرتبہ گذرنے والے کو ایک مرتبہ تحیۃ المسجد پڑھنا کافی ہے۔	۹۶
۸۲	مسجد سے گزرنا جائز ہے مگر بلا ضرورت گذرنا مکروہ تحریمہ ہے۔	۹۷
۸۳	عبارت مذکورہ کا دوسرا جواب	۹۸
۸۴	صحن مسجد کو عرف میں مسجد کہا جاتا ہے بلکہ بعض احکام میں وہ حکماً مسجد ہے۔	״
۸۵	مسجد میں راستہ بنانے کے جواز و عدم جواز کے بارے میں فقہائے کرام کی عبارتیں اور ان میں بہترین تطبیق	۹۹
۸۶	مخالف کی تیسری دلیل اور اس کا جواب	۱۰۰
۸۷	مسجد یا کسی اور وقف زمین کی بیع و تملیک کے منع ہونے کا ثبوت از عبارات فقہاء و احادیث طیبہ۔	۱۰۱
۸۸	امام محمد علیہ الرحمۃ کا قول "عود الی ملک الباني" مرجوح ہے	״
۸۹	مخالف کی چوتھی دلیل اور اس کا رد۔	۱۰۲
۹۰	وقف کرتے وقت اگر واقف شرط کرے کہ جب چاہوں اس زمین کو اپنی دوسری زمین سے بدلا لوں گا تو یہ وقف و شرط دونوں صحیح ہیں۔	״
۹۱	اگر واقف فوت ہو جائے تو شرط استبدال دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔	۱۰۳
۹۲	مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف میں شرط استبدال معتبر ہے اور مسجد میں اگر یہ شرط ہے تو شرط باطل ہوگی مسجد مسجد ہی رہے گی۔ وقف میں یہ شرط بھی معتبر نہیں کہ اس میں فلاں قوم نماز پڑھے فلاں نہ پڑھے۔	״
۹۳	مخالف کی پانچویں دلیل اور اس کا رد	״
۹۴	وقف کے شرائط سے ہے کہ بوقت وقف واقف کا ملک ہو۔	۱۰۳-۱۰۴
۹۵	غیر واقف متولی اگر کسی وقف حویلی کو مسجد میں داخل کردے تو حقیقۃً مسجد نہیں بنتی۔ اسے دوبارہ حویلی بنانا جائز ہے۔	۱۰۴
۹۶	تعمیر مسجد کے بعد ضروریات مسجد سے امام اول نمبر پر ہے	۱۰۵
۹۷	تعمیر مسجد سے فارغ رقم سے امام کا مکان بنانا جائز ہے، یونہی دیگر ضروریات پانی چٹائی وغیرہ میں بھی وہ رقم صرف کی جا سکتی ہے۔	۱۰۵-۱۱۸
۹۸	مولانا سید مفتی مسعود علی صاحب قادری علیہ الرحمۃ کے ایک فتویٰ کی نقل کہ عیسائیوں کا چندہ مسجد پر لگانا	

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
	جائز ہے۔	۱۰۷
۹۹	مذکورہ فتوے پر نظر ثانی کرنے کے لئے مفتی صاحب کی خدمت میں مرسلہ خط کی نقل۔	۱۰۸
۱۰۰	مسجد قدس چونکہ نصاریٰ کا قبلہ ہے لہٰذا اس پر باقی مساجد کا قیاس قیاس مع الفارق ہے	״
۱۰۱	نصاریٰ کی رقم کو مسجد پر خرچ کرنے کا حیلہ۔	۱۰۹
۱۰۲	فقیر مال زکوٰۃ کے مالک بننے کے بعد تعمیر مسجد میں خرچ کر سکتا ہے۔	״
۱۰۳	مذکورہ خط کے جواب میں مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کا خط۔	״
۱۰۴	مفتی صاحب کے خط کا جواب۔	۱۱۰
۱۰۵	"جعلت لی الارض مسجدا" الحدیث کے حکم سے نصاریٰ کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز جائز ہے۔	״
۱۰۶	نصاریٰ کی تعمیر کردہ مسجد کو حکم مسجد ہے یا نہیں اس کی دو صورتیں ہیں۔	۱۱۱
۱۰۷	مسجد کے لئے حکومت نے رعایتی زمین دی تو یہ بیع و رعایت درست ہے اور ملک مشتری ثابت ہو جائیگا وقف کرنے کا اختیار مشتری کو ہے۔	۱۱۲
۱۰۸	سرکاری زمین میں انجمن کو بلا تصفیہ مسجد تعمیر نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر تعمیر ہو جائے تو نماز اس میں جائز ہے	۱۱۴
۱۰۹	حکومت کو چاہیئے کہ رعایتی نرخ پر وہ زمین انجمن کو فروخت کر دے۔	۱۱۵

شمار	مسائل	صفحہ
۱۱۰	اراضی متروکہ غیر مسلم میں مسجد تعمیر کرنا جائز ہے اور وہ شرعی مسجد ہوگی اس پر خرچ کرنے کا وہی ثواب ہے جو دیگر مساجد پر خرچ کرنے کا ہے۔	۱۱۶
۱۱۱	اراضی متعلقہ مسجد میں طلباء کی رہائش کے لئے مکان بنانا بالتواتر ثابت ہے۔	۱۱۹
۱۱۲	"للفقراء الذین احصروا" الآیۃ میں طلباء کرام پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔	۱۲۰
۱۱۳	گوردوارے کا سامان مسجد میں لگایا جا سکتا ہے۔	״
۱۱۴	ایک آدمی نے اپنی زمین کے دو ٹکڑوں میں سے بڑے ٹکڑے کو وقف لکھا۔ چھوٹے کو متعلق وقف لکھا جسے بعد میں فروخت کر کے اس کی قیمت بڑے ٹکڑے پر صرف کر دی تو بڑے ٹکڑے کا وقف ہونا جائز و صحیح و لازم ہے۔	۱۲۱
۱۱۵	لزوم وقف میں امام ابو یوسف کے قول پر فتوے ہے۔	״
۱۱۶	چھوٹے ٹکڑے کے فروخت سے بڑے کے وقف ہونے کو نقصان نہیں پہنچتا۔	۱۲۲
۱۱۷	تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا وقف کرنا جائز و صحیح ہے۔	۱۲۳
۱۱۸	اس منقول کا وقف جو غیر منقول کے تابع ہے جائز ہے	۱۲۴
۱۱۹	واقف کی طرف سے متارکل وصی بنانا مشروع و جائز ہے اس کے لئے تحریر شرط نہیں۔	״

Marfat.com

نمبر	مسائل	صفحہ
۱۲۰	وصی کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے شخص کو حقِ تولیت نہیں۔	۱۲۴
۱۲۱	وصی کے اختیارات قاضی القضاۃ سے بھی وسیع ہیں۔	۱۲۵
۱۲۲	وصی واقف کے باپ سے بھی مقدم ہے۔	″
۱۲۳	گاڑی میں نماز کے دوران قبلہ کا خیال رکھنا ضروری ہے بیمار و کمزور نہیں تو کھڑا ہو کر پڑھے، اس نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔	۵۹
۱۲۴	چلتی گاڑی چلتی کشتی کے مشابہ ہے کہ دونوں کسی جانور کے کھینچنے سے نہیں چلتیں۔	۱۲۶
۱۲۵	بحکم احادیث و کتب فقہ کشتی میں نماز فرض ادا ہو سکتی ہے۔	
۱۲۶	کشتی کنارہ کے قریب ہو اور اتر سکتا ہو تب بھی اس میں نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔	″
۱۲۷	کشتی کا چلنا اس کے سوار کی طرف منسوب نہیں بخلاف جانور کے کہ اس کا چلنا حکماً سوار کا چلنا ہے	″
۱۲۸	چلتی کشتی جواز نماز میں بمنزلہ زمین ہے، اپنے سوار کے حق میں کمرہ کی طرح ہے۔	۱۲۷
۱۲۹	چلتی ریل بھی سوار کے حق میں بمنزلہ زمین و کمرہ ہے۔	″
۱۳۰	فقہائے کرام نے ایسی گاڑی پر جس کا کوئی حصہ جانور پر نہ ہو جواز نماز فرائض کی تصریح فرمائی۔	″
۱۳۱	ریل رواں میں نماز کا جواز شرطِ اتحادِ مکان کے منافی نہیں۔	۱۲۸

شمار	مسائل	صفحہ
۱۳۲	کشتی یا ریل میں نماز سمت قبلہ کی طرف شروع کرے اور اگر وہ سمت قبلہ سے پھر جائے تو نمازی بھی قبلہ کی طرف پھر جائے	۱۲۸
۱۳۳	وہ عوارض جن کی وجہ سے ایسی چلتی گاڑی پر نماز جائز ہے جو جانور کے کندھے پر ہو یا خود نمازی ہی جانور پر ہو	″
۱۳۴	ان عذروں سے بعض ریل کے مسافروں کو بھی غالباً لاحق ہوتے ہیں لہذا ریل گاڑی پر نماز بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔	″
۱۳۵	مسافر ریل کو نماز کے لئے انتظار اسٹیشن لازم نہیں	۱۲۹
۱۳۶	مذکورہ عذروں میں سے کسی عذر کی موجودگی میں جانور پر فرض نماز جائز ہے اگرچہ خروج وقت سے پہلے زوالِ عذر کی امید ہو۔	″
۱۳۷	بحری و ہوائی جہازوں میں نماز جائز ہے۔	۱۳۰
۱۳۸	ہوائی جہاز میں نماز جائز ہے۔	۵۹
۱۳۹	معتکف مسجد میں حجامت بنوا سکتا ہے ہاں مسجد میں بال ناخن نہ گریں۔	۱۳۴
۱۴۰	مسجد میں نعتیں پڑھنی جائز بلکہ مستحب و مسنون ہیں۔	″
۱۴۱	حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھاتے جس پر وہ کھڑے ہو کر کفار کے رد میں اشعار پڑھتے۔	″
۱۴۲	مسجد میں مباح دنیاوی گفتگو نیکیوں کو نقصان دیتی ہے اور یہی قول ظلم ہے۔	″

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۱۴۳	مسجد میں جھوٹی قسمیں اٹھانا سخت حرام ہے اور اس کا استحلال کفر ہے۔	۲۲۲
	باب الاوقات	۱۳۹
۱۴۴	وقت نماز معیار نہیں بلکہ ظرف ہے اور اس کی وہی جزو سبب وجوب ہے جس کے ساتھ ادا متصل ہو۔	۱۲۹
۱۴۵	غفلت دور کرنے کے لئے اذان تثویب جائز و مستحسن ہے	۱۳۰
۱۴۶	ممانعت تثویب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی۔	۱۳۱
۱۴۷	سایہ اصلی اور فیئ الزوال کے بیان میں عربی رسالہ "تنویر فی الزوال بنور عدل فیئ الزوال"	۱۳۹
۱۴۸	وقتِ ظہر کے اختتام میں صاحبین اور امام اعظم رضی اللہ عنہم میں اختلاف۔	۱۴۰
۱۴۹	کتبِ شروح سے فیئ الزوال کی تعریف اور اس پر اشکال	″
۱۵۰	فیئ الزوال کی صحیح تعریف۔	۱۴۱
۱۵۱	فیئ الزوال کی اضافت اور الزوال کے لام کی تحقیق	″
۱۵۲	الدائرۃ الہندیہ کی تشریح۔	″
۱۵۳	اصلی سایہ معلوم کرنے کا طریقہ۔	۱۴۴
۱۵۴	سایہ اصلی پہچاننے کا ایک اور آسان طریقہ۔	۱۴۵
۱۵۵	بوقت ضحوۃ الکبریٰ نماز کے جواز میں رسالہ "ابداء البشریٰ لقبول الصلوٰۃ فی الضحوۃ الکبریٰ"	۱۴۶
۱۵۶	نمازِ عید میں حقیقی نصف النہار ہو جائے تو فاسد ہو جائے گی۔	۱۵۰
۱۵۷	ضحوۃ الکبریٰ میں نمازِ عید اور باقی نمازیں بلاشبہ یقیناً جائز ہیں۔	۱۵۰
۱۵۸	آیاتِ شریفہ سے استدلال۔	
۱۵۹	کسی واقعی عذر کی وجہ سے نماز میں دیر ہو جائے تو آخر وقت میں بھی پڑھنی جائز ہے	
۱۶۰	احادیث سے استدلال	۱۵۲
۱۶۱	متعدد احادیث مع کتب شرح حدیث سے ان کی توضیح و تشریح۔	تا ۱۵۹
۱۶۲	نصوصِ فقہیہ سے استدلال	″
۱۶۳	قبل زوال تک نمازِ عید کے وقت باقی رہنے کے متعلق نصوصِ فقہیہ۔	۱۶۱
۱۶۴	شہادت زوال کے بعد آئی یا زوال سے پہلے ایسے وقت میں آئی کہ نمازی جمع نہ ہو سکیں یا ابر تھا اور سلام کے بعد ظاہر ہوا کہ نماز بعد زوال کے ہوئی تو دوسرے دن پڑھے۔	۱۶۲
۱۶۵	امام نے بلا وضو نمازِ عید پڑھی زوال سے پہلے علم ہوا تو اعادہ کرے اور بعد کو ہوا تو دوسرے دن پڑھے	
۱۶۶	چودھویں صدی سے پہلے کی کسی کتاب میں یہ بالتفصیل نہیں ملا کہ انتہائے وقت عید ضحوۃ الکبریٰ ہے	۱۶۳
۱۶۷	روزہ پر نماز کا قیاس درست نہیں۔	۱۶۴
۱۶۸	برجندی، قہستانی کا قول۔	۱۶۶
۱۶۹	اس قول کے نو جوابات (۱۲۶ تا ۱۳۳)	
۱۷۰	نماز کے آخری وقت میں جس میں صرف اللہ اکبر کہا جا سکتا	

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۱۷۱	جو بالغ ہو جائے یا کافر اسلام لائے یا حائض ونفساء پاک ہو جائے یا دیوانہ ہوش پائے تو بالشروط نماز واجب ہو جاتی ہے	۱۶۹
۱۷۲	جبریل نے عرض کیا کہ میرے "لا نعم" عرض کرنے کی مدت میں سورج نے آسمان میں ڈیڑھ لاکھ میل فاصلہ طے کیا۔	۱۷۲
۱۷۳	بعض صورتوں میں مکروہ کبرے ہونے کے بعد نماز عید کا پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔ بطور مثال بعض صورتوں کی تفصیل۔	۱۷۳
۱۷۴	طلوع صبح سے طلوع آفتاب تک قبل از نماز فجر اور بعد از نماز فجر فرض نماز کی قضا ادا ہو سکتی ہے۔	۱۷۵
	باب الاذان	″
۱۷۵	ولد الزنا کی اذان جائز ہے۔	۱۷۶
۱۷۶	ریش بریدہ فاسق ہے اس کی اذان مکروہ ہے۔	″
۱۷۷	اذان مسجد سے باہر کہی جائے۔	″
۱۷۸	اذان ثانی جمعہ مسجد کے اندر نہ پڑھی جائے ہاں اگر مسجد بنانے سے پہلے ہی اذان کے لئے جگہ مقرر کر لی جائے تو جائز ہے۔	۱۷۸
۱۷۹	مسئلہ اذان ثانی جمعہ کی قدرے تفصیل۔	۱۷۹
۱۸۰	اذان ثانی کا جواب اور اس کے بعد دعا جائز ہے۔	
	شروع خطبہ سے پہلے غیر دنیاوی کلام بلا کراہت جائز ہے	۱۸۰
۱۸۱	جمعہ کی اذان ثانی کا جواب اور اس اذان میں نام پاک	

شمار	مسائل	صفحہ
	سننے پر انگوٹھے چومنے کے جواز میں نہایت مدلل ومبرہن رافع اشکالات رسالہ۔	۱۹۰
۱۸۲	ان اذانوں کا جواب بھی دینا چاہئے جو کسی نماز کے لئے نہ ہوں جیسے اذان نومولود۔	۱۸۳
۱۸۳	متعدد افراد کا بیک وقت اذان کہنا۔	۱۹۹
۱۸۴	اذان یا دیگر جگہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنکر انگوٹھے چومنے اصل میں مباح، نیت تعظیم کی وجہ سے مستحب وعبادت ہے۔	۲۰۳
۱۸۵	حدیث پاک "لا تثویب فی غیرها" کے جوابات	۱۳۱
۱۸۶	منع تثویب کا حکم معلول بعلت خاصہ وجوداً وعدماً ہے جو تمام نمازوں کے حق میں موجود ہے۔	″
۱۸۷	استحباب تثویب کے ثبوت میں فقہائے کرام کی عبارتیں۔	۲۳۲
۱۸۸	حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے تثویب پر ناراض ہونے کی وجہ۔	″
۱۸۹	اذان، وعظ، تلاوت میں تلحین ناجائز ہے اگر ہو تو ان کا سننا جائز نہیں۔	۲۹۵
	بوقت تکبیر حی علی الفلاح سے پہلے بیٹھنا ضروری نہیں	۲۰۱
	باب الامامۃ	۲۰۶
۱۹۰	جھوٹ بولنا جھوٹی شہادت دینا سود لینا یہ ایسے جرم ہیں کہ ان میں سے کوئی کسی میں ہو تو اسے امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔	
۱۹۱	بلا وجہ جماعت سے روکنا اور مصلی باہر پھینکنا بہت بڑا ظلم ہے	۱۹۲

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۱۹۲	جو شخص اپنے آپ کو بے ایمان کہتا ہے وہ امام قطعاً نہیں بن سکتا۔	۲۱۳
۱۹۳	امام اہلسنت اعلیحضرت رضی اللہ عنہ کی شان میں بے ادبی کے کلمات بولنے والے اور چوری گداگری کرنے والے فتنہ آمیز تعویذ دینے والے کے پیچھے نماز ناجائز ہے	〃
۱۹۴	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے افضل جاننے والے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فاسق کہنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہے واجب الاعادہ ہے۔	۲۱۴
۱۹۵	میاں بیوی کے جھگڑے وغیرہ ایسے مسائل میں کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔	۲۱۵
۱۹۶	لڑکیوں کے عوض روپیہ لینے والے اور باپ کے نافرمان کی امامت مکروہ تحریمہ ہے۔	۲۱۶
۱۹۷	زید نے اپنی منکوحہ لڑکی کو سسرال کے ناجائز تنگ کرنے کی وجہ سے اپنے پاس ٹھہرایا تو اس صورت میں اس کی امامت بلا شبہ جائز ہے۔	۲۱۷
۱۹۸	قاذف جھوٹے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہے اگر توبہ کرے اور جس پر بہتانِ زنا لگایا ہے اس سے معافی لے لے تو امامت درست ہو جائے گی۔	۲۱۸
۱۹۹	بکر پر تہمت زنا لگی لیکن ثبوت نہ ہوا تو اس کی امامت بلا کراہت صحیح ہے۔	
۲۰۰	زید نے اپنے پیشوا کے حق میں جو شعر پڑھے ہیں اگر اس کا پیشوا اسنی عالم عارف ہے تو وہ شعر درست اور اس کی امامت صحیح ورنہ شعر حرام اور امامت و خطابت غیر صحیح۔	۲۱۹
۲۰۱	علاج کے لیے باؤلے کتے کا جگر نکالنے والے کی امامت کا حکم۔	〃
۲۰۲	ڈاڑھی منڈوانے والے زناکار نمازیں قضا کرنے والے کو امام بنانا ناروا و گناہ ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہے مگر جب توبہ کرے۔	۲۲۰
۲۰۳	انگریزی تعلیم اور اردو ریڈر پڑھنا امامت سے مانع نہیں	〃
۲۰۴	امام مسجد نے لاعلمی میں ایک عورت کو طلاق کے دن ہی نیا نکاح پڑھا دیا تو اس امام کا اپنا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں اور اس کی امامت جائز یا نہیں۔	۲۲۱
۲۰۵	جھوٹے دھوکے باز امامت کے لائق نہیں طاقت والوں پر لازم کہ اسے امامت سے الگ کر دیں۔	۲۲۴
۲۰۶	احق بالامامت کی موجودگی میں طاقت یا اثر و رسوخ سے امام بن جانا یا اصحاب اقتدار کا اسے امام بنا دینا ناجائز و ظلم مبین ہے۔	۲۲۵
۲۰۷	غیر مستحق امامت کو امام بنا دیا جن نمازیوں کے اختیار میں نہیں ان کی نمازیں جائز ہیں البتہ ان میں سے بعض کی نمازیں مکروہ تنزیہی ہیں۔	۲۲۶
۲۰۸	حدیث شریف "صلوا خلف کل بر و فاجر" اور ائمہ جور کے پیچھے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نماز پڑھنے	

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
	مسئلہ مذکورہ پر استدلال	۲۲۸
۲۰۹	کتب علم عقائد سے استدلال۔	۲۲۹
۲۱۰	کتب فقہ سے استدلال۔	۲۳۰
۲۱۱	فاسق کی مجبوراً اقتدا سے ثواب جماعت حاصل ہوجاتا ہے گو اتنا نہیں جتنا کہ متقی کی اقتداء سے۔	
۲۱۲	اگر دوسری مسجد میں امام متقی کی اقتدا، حاصل کرسکتا ہے تو دوسری مسجد میں جانا بہتر ہے۔	۲۳۱
۲۱۳	ایک نماز یا متعدد قضا کرنے والا فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہے	۲۳۵
۲۱۴	بوجہ مجبوری گداگری کرنے والے کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے لیکن بہتر غیر ہی ہے۔	۲۳۷
۲۱۵	ڈاڑھی منڈوانے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہے اس کا لوٹانا واجب ہے۔	
۲۱۶	ڈاڑھی منڈوانے والا امام بنے تو اصل فرض ساقط ہوجاتا ہے گو نماز سخت مکروہ ہے۔	۵۰۰
۲۱۷	قابلِ امامت نہ ملنے کی صورت میں ایسے آدمی کی اقتدا کرنا جس کی ڈاڑھی قبضہ سے کم ہو، صحیح و جائز ہے	۲۳۸
۲۱۸	صورت مذکورہ میں اقتدا انفراد سے اولیٰ ہے بلکہ اگر نماز جمعہ ہے تو اقتدا ضروری ہے۔	۲۳۹
۲۱۹	امام کی ڈاڑھی اگر پوری ہوئی ہی نہ ہو یا سرے سے خلقۃً ہوئی ہی نہ ہو یا کتروانے والا تائب ہوگیا	

شمار	مسائل	صفحہ
	ہو تو امامت کا حرج نہیں۔	۲۳۹
۲۲۰	خشخاشی ڈاڑھی والے کی اقتدا سے پرہیز چاہئے۔	۲۴۰
۲۲۱	ڈاڑھی منڈوانے یا مشت سے کم ترشوانے والے کی اقتدا مکروہ ہے مع تفصیل کراہت۔	۲۴۲ ۲۴۳
۲۲۲	اپنے جیسے فاسق کے پیچھے نماز ادا کرنے کا بھی یہی حکم ہے کہ فرض ادا ہوجائے گا اور نماز واجب الاعادہ ہے۔	۲۴۳
۲۲۳	اگر قدرتی طور پر ڈاڑھی نہ ہو یا تازہ بالغ ہوا ہو ابھی ڈاڑھی اتری نہیں تو وہ امام بن سکتا ہے	
۲۲۴	ڈاڑھی مشت سے کم کرانی حرام ہے، سیاہ خضاب بھی ناجائز ہے۔ جس میں یہ جرم ہوں اسے امام نہ بنایا جائے۔	۲۴۴
۲۲۵	بالغ امرد کی امامت کے بارے متعدد استفسارات از ص ۲۰۴ تا ص ۲۰۸۔	
۲۲۶	بدعقیدہ گستاخ ختم نبوت کے منکر کی امامت فرض و نفل کسی میں جائز نہیں۔	۲۴۸
۲۲۷	دوکاندار امامت کرسکتا ہے۔	۲۴۹
۲۲۸	ایسا شخص جس کے مردانہ عضو کے درمیان سوراخ ہے، پیشاب بھی اسی سے کرتا ہے اور کوئی عورتوں والی علامت اس میں نہیں وہ خنثیٰ نہیں ہے مرد ہے اس کی امامت درست ہے	۲۵۰
۲۲۹	عورت مرد کے ساتھ جماعت میں کھڑی ہو تو	

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
	مرد کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔	۲۴۸
۲۳۰	اکیلا لڑکا ہو تو مردوں کے ساتھ کھڑا ہو۔	״
۲۳۱	امام کے پیچھے صرف ایک بالغ اور نابالغ ہو تو نماز جائز ہے۔ بالغ اگر زیادہ ہوں تب بھی ایک بچہ ساتھ کھڑا ہوگا۔	۵۹
۲۳۲	مقتدی پر مطلقاً قرآنِ پاک پڑھنا منع ہے نہ فاتحہ پڑھ سکتا ہے نہ دوسری سورت۔	۲۴۳
۲۳۳	قربانی کی کھالیں امام مسجد کو بطور ہدیہ و امداد کے دینی جائز ہیں۔	۱۰۶
۲۳۴	لاؤڈ سپیکر سامنے رکھ کر نماز پڑھانے کے جواز میں محققانہ رسالہ مکبر الصوت استفتاء اول۔	
۲۳۵	یہاں سے ۲۴۰ تک بارہ مقدمات کا ذکر ہے۔	۲۵۳
۲۳۶	صوت و صدا کی تعریفیں مع فوائد ضروریہ۔	۲۵۹
۲۳۷	لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز متکلم کی اپنی ہی آواز ہے۔	۲۶۲
۲۳۸	اقتدائے حقیقی کی تعریف۔	۲۶۴
۲۳۹	اقتدائے صوری کی تعریف۔	״
۲۴۰	موافقت صوریہ بلانیتِ اقتدار مفسد نہیں۔	״
۲۴۱	مسبوق باقی رکعتیں بھول گیا اور ساتھ ہی کو دیکھ کر نماز پوری کی تو اس کی نماز صحیح ہے۔	
۲۴۲	مسبوق اپنی رہی ہوئی نماز میں حقیقۃً و حکماً منفرد ہوتا ہے۔	״
۲۴۳	مسبوق اپنی باقی نماز میں کسی کی اقتداء نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کا مقتدی بن سکتا ہے یہ اقتداء مفسد نماز ہے۔	۲۶۵
۲۴۴	نمازی کا غیر امام سے آیتِ سجدہ سننے کے متعدد احکام۔	۲۶۵
۲۴۵	آیتِ سجدہ پڑھنے والا سامع کے لئے بمنزلہ امام ہے۔	تا ۲۶۶
۲۴۶	مسافر امام نے مقیم مقتدیوں کو چار رکعتیں پڑھائیں تو مقتدیوں کی نماز فاسد ہے البتہ اگر پچھلی دو رکعتوں میں انہوں نے مفارقت کا ارادہ کر لیا تو اگرچہ صوری اقتدار کرتے رہے، ان کی نماز درست ہے۔	۲۶۶
۲۴۷	مکبر کی متابعت متابعتِ صوریہ ہے۔	۲۶۷
۲۴۸	یہ جائز نہیں کہ ایک نماز میں دو امام ہوں۔	״
۲۴۹	مقتدی کی اقتدار جائز نہیں۔	۲۶۸
۲۵۰	نمازی کسی عارضے کے سبب سے کوتاہی کر رہا ہو یا کرنے کا احتمال ہو تو وہ جو نماز میں نہیں اسے ہدایت دے سکتا ہے اور نمازی بھی اس ہدایت کے مطابق اصلاحِ نماز کر سکتا ہے۔	تا ۲۶۹
۲۵۱	امام مسافر جب نماز قصر سے سلام پھیرے تو نمازیوں کو کہے ”اتموا صلوٰتکم الخ“	۲۷۰
۲۵۲	امام مسافر کے سلام کے بعد مقیم مقتدی منفرد کے حکم میں ہوتے ہیں۔	۲۷۱

شمار	مسائل	صفحہ
۲۵۳	تفصیلی جواب وصل اول اثبات جواز۔	۲۸۰
۲۵۴	سپیکر کے ذریعہ انتقالات امام پر اطلاع پاکر پیروی کرنے والے مقتدیوں کی نماز جائز ہے ص۲۲۷ تک قرآن وسنت اور عبارات فقہاء سے استدلال۔	″
۲۵۵	ہمارے فقہائے کرام کی یہ تصریحات ہیں کہ ایجادِ سپیکر سے صدیوں پہلے وضاحت فرما گئے۔	۲۸۴/۳۳۳
۲۵۶	عبارت شامی میں "لسماع اور رؤیتہ من الامام والمکبر" سے اشتباہ کا تفصیلی جواب	۲۸۴
۲۵۷	اگر صدا سے انتقالات امام پر مطلع ہو کر نماز پڑھنا روا نہ ہوتا تو اہالیان اسلام مسجدوں کے گنبد و محراب نہ بناتے	″
۲۵۸	وصل دوم شبہات عدم جواز کا رد۔	۲۸۵
۲۵۹	شبہ اقتداء "من لم یدخل فی الصلوٰۃ" کا جواب۔	۲۸۶
۲۶۰	حاشیہ میں اعلیحضرت رضی اللہ عنہ کی متعدد عبارتوں کی نقل جن سے ثابت کہ فونوگراف کی آواز بعینہ اصل آواز ہے۔	″
۲۶۱	شبہ "تلقن من الخارج" کا جواب۔	۲۹۱
۲۶۲	(صدا سے آیتِ سجدہ سنی جائے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا) سے اشتباہ کا جواب۔	″
۲۶۳	مقتدی آیت سجدہ تلاوت کرے تو اس کے سماع سے امام و مقتدی کوئی بھی سجدہ نہ کرے نہ نماز میں	

شمار	مسائل	صفحہ
	نہ فارغ ہونے پر۔	۲۹۱
۲۶۴	شبہ (جہر مفرط مفسدِ صلوٰۃ ہے) کا جواب۔	۲۹۲
۲۶۵	مکبروں کا چلا کر تکبیریں کہنے کے مفسد ہونے کی وجہ۔	۲۹۳
۲۶۶	رسالہ مکبر الصوت میں استفتاء ۲ جس میں مستفتی نے نماز میں استعمال سپیکر کے چھ مفاسد ذکر کئے ہیں۔	۲۹۸
۲۶۷	استفتاء ۲ کا جواب پہلے مفسدہ کا رد۔	۳۰۰
۲۶۸	مسجع کا قائم کرنا عبادت مقصودہ نہیں۔	۳۰۱
۲۶۹	نماز میں اقامت مبلغ کو طریقہ مسنونہ کہنا درست نہیں۔	۳۰۳
۲۷۰	جہرِ امام مسنون ہے۔	۳۰۴
۲۷۱	جب امام کی آواز پہنچ رہی ہو تو مبلغ بننا یا بنانا بیجا ہے۔	″
۲۷۲	دوسرے مفسدہ کا رد۔	″
۲۷۳	تیسرے مفسدہ کا رد۔	″
۲۷۴	نماز میں اپنے مقتدیوں کا خیال رکھنا مسنون ہے۔	″
۲۷۵	چوتھے مفسدہ کا رد۔	۳۰۵
۲۷۶	پانچویں اور چھٹے مفسدہ کا رد۔	۳۰۶
۲۷۷	نماز میں استعمالِ سپیکر کے چھ فوائد۔	۳۰۷
۲۷۸	ضمیمہ مکبر الصوت استفتاء	۳۰۹
۲۷۹	"ولا تجہر بصلاتک الخ" کا شانِ نزول۔	۳۱۰
۲۸۰	اس شانِ نزول کے پیشِ نظر تشریح آیت کی صورت اول جو مانعین کی دلیل بنتی ہے۔	۳۱۱

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۲۸۱	جن مفسرین نے تشریح مذکور فرمائی ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔	۳۱۱
۲۸۲	آیتِ مذکورہ کی تشریح کی دوسری صورت جو مثبتِ مدعا ہے۔	۳۱۲
۲۸۳	عبارتِ فقہا سے اس تشریح کا ثبوت۔	۳۱۳
۲۸۴	تفاسیر سے تشریح مذکور کا ثبوت	۳۱۵
۲۸۵	آیت مذکورہ و احادیثِ مرفوعہ سے بالخصوص جہرِ قوی کا ثبوت۔	۳۱۶
۲۸۶	احادیثِ موقوفہ و عباراتِ فقہا سے ثبوت۔	۳۱۸
۲۸۷	سراجِ وہاج کی عبارت "اذا جہر فوق الحاجۃ فقد اساء" کا جواب۔	۳۱۹
۲۸۸	گنبد دار مساجد سے اثبات۔	۳۲۱
۲۸۹	صدا سے سنی گئی آیت سجدہ سے سجدہ واجب نہ ہونے والے شبہ کا رد۔	۳۲۲ / ۳۳۰
۲۹۰	جواب اس شبہ کا کہ استعمال سپیکر سنتِ مستمرہ کا خلاف ہے۔	۳۲۳
۲۹۱	سپیکر سے سنی گئی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے۔	۳۲۸
۲۹۲	وحدتِ آواز وحدتِ نوعی ہے۔	۳۲۹
۲۹۳	شبہ استعمال سپیکر کی صورت میں نزدیکی مقتدی دوہری آواز سنتے ہیں لہٰذا مکروہ کا جواب۔	۳۳۳
۲۹۴	اس شبہ کا جواب کہ احتیاط اس میں ہے کہ نماز میں سپیکر استعمال نہ کیا جائے۔	۳۳۴

شمار	مسائل	صفحہ
۲۹۵	اس شبہ کا ازالہ کہ اگر سپیکر دورانِ نماز بند ہو جائے تو دور والوں کی نمازیں برباد ہو جائیں گی۔	۳۳۵
۲۹۶	اس شبہ کا ازالہ کہ سپیکر ایجادِ کفار اور ان کی مجالسِ کفریہ میں استعمال ہوتا ہے۔	۳۳۶
۲۹۷	نماز میں استعمال سپیکر کے متعلق استفتا جس میں تین اشکالات اقتداء "من لم یدخل" صدا سے آیت سجدہ سننا اور جہر مفرط کا ذکر ہے۔	۳۳۷
۲۹۸	فاعلِ مختار کا وہ کام جو کسی آلہ غیر مختار کے ذریعہ انجام پائے فاعلِ مختار کا ہی کام شمار ہوتا ہے۔	۳۳۸
۲۹۹	اسرافیل کی آواز کرنا کے ذریعہ سنائی جائے گی۔ اس کے باوجود "یتبعون الداعی" فرمایا گیا۔	۳۳۹
۳۰۰	استفتا جس میں جواز استعمال سپیکر دورانِ نماز کے خلاف شبہ " ولا تجہر الآیۃ " کا ذکر ہے۔	۳۴۰
۳۰۱	سپیکر کے متعلق مختصر استفتا اور اس کا جواب۔	۳۴۷
۳۰۲	نماز عیدین یا جمعہ وغیرہ میں سپیکر و مکبرین دونوں کا انتظام ہو تو کیا حکم ہے ؟ (استفتا)	
۳۰۳	ماہنامہ نوری کرن کے بارہ سوالات اور ان کے جوابات (الاستفتاوات)	۳۵۳
۳۰۴	اجتماع نماز عیدین و جمعہ میں استعمال سپیکر کے متعلق استفتا۔	۳۶۸
	باب ما یجوز فی الصلوٰۃ وما لا یجوز	۳۶۹
۳۰۵	سنیوں کیساتھ ضد کیوجہ سے آمین اونچی کہنا سخت حرام ہے	۳۷۰

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۳۰۶	بوجہ بلند آمین اونچا کہنا باقی نمازیوں کے خشوع میں بھی نقص ڈالتا ہے۔	۳۷۱
۳۰۷	اشتمال الصماء کی تفسیر اور اس سے نہی۔	۳۷۲
۳۰۸	کمبل اوڑھ کر بائیں جانب شانے پر ڈالی جائے تو یہ اشتمال الصماء میں داخل نہیں۔	۳۷۳
۳۰۹	ٹوپی پہنکر نماز پڑھنا مکروہ نہیں بلکہ مستحسن ہے۔	۳۷۴
۳۱۰	لباس ستر پہنکر نماز پڑھنا ضروری ہے۔	"
۳۱۱	لباس ستر سے زائد ہر وہ لباس جو شرعاً جائز ہو اور باعث زینت ہے مسنون و مستحسن ہے۔	"
۳۱۲	بلاوجہ محض ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔	۳۷۵
۳۱۳	نماز میں ٹوپی گر جائے تو نماز میں اٹھا کر سر پر رکھنا افضل ہے۔	"
۳۱۴	عمامہ بمع ٹوپی یا صرف ٹوپی یا صرف عمامہ پہننا تینوں طریقے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔	۳۷۶
۳۱۵	عمامہ بمع ٹوپی پہنکر نماز پڑھنے کے بارے مستفتی کی نقل کردہ حدیث کسی کتاب میں نہیں ملی۔	۳۷۷
۳۱۶	مطلقاً عمامہ پہن کر نماز پڑھنے کی فضیلت میں دو ضعیف حدیثیں۔	۳۷۸
۳۱۷	حدیث " ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عمامے ہیں " کی بحث۔	۳۷۹
۳۱۸	قادری ٹوپی، ترکی ٹوپی، جناح کیپ علامت اسلام ہے	۳۸۰

شمار	مسائل	صفحہ
۳۱۹	گاندھی ٹوپی وغیرہ جو شعار کفر ہیں، ممنوع ہیں۔	۳۸۰
۳۲۰	فقہ کی کسی کتاب میں نہیں کہ اکیلی ٹوپی یا اکیلا عمامہ پہنکر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور یہ بھی نہیں کہ نماز میں عمامہ بمع ٹوپی ضروری ہے۔	۳۸۱
۳۲۱	فضائل دعا۔	۳۸۳
۳۲۲	تین مرتبہ دعا مسنون ہے۔	۳۸۴
۳۲۳	ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت۔	۳۸۵
۳۲۴	نماز کے بعد تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز و مستحب ہے۔	"
۳۲۵	نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت۔	
۳۲۶	نماز میں امام کو تخفیف کرنی چاہئے۔	۳۸۸
۳۲۷	دعا وغیرہ کو اتنا لمبا نہیں کرنا چاہئے کہ مقتدی اکتا جائیں۔	۴۰۱
۳۲۸	استفتاء، گھڑی کا چین سٹیل یا رولڈ گولڈ وغیرہ کسی دھات کا پہننا کیسا ہے اور پہن کر نماز کا حکم۔	۳۹۰
۳۲۹	لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت کو چین کی ممانعت پر دلیل بنانا درست نہیں۔	۳۹۱
۳۳۰	یہ خیال کہ کڑا سکھوں کا شعار ہے لہذا چین منع ہے، بے جا ہے۔	۳۹۲
۳۳۱	گھڑی کا چین لوہے تانبے پیتل کا جائز ہے۔	۳۹۳
۳۳۲	سونے چاندی کے علاوہ کسی دھات کا چین	

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
	ناجائز نہیں۔	۵۹
۳۳۳	جب یقینی طور پر انسان جان لے کہ فلاں کام اسی وقت میرے ذمہ فرض ہے تو طاقت ہوتے ضرور کرے اگرچہ نماز میں ہو۔	۲۶۳
۳۳۴	نماز میں پتہ چلا کہ قبلہ اس طرف ہے تو ادھر پھر جائے۔	،،
۳۳۵	کسی کو چھت سے گرنے یا آگ میں جلنے یا پانی میں ڈوبنے کا خطرہ ہوا اور اس نے نمازی کو فریاد کردی تو نمازی پر نماز توڑ کر مدد کرنا ضروری ہے۔	۲۶۳
۳۳۶	نابینا کسی اور سمت تحری سے نماز شروع کر دے بعد ازاں کوئی اسے قبلہ کی طرف پھیر دے تو اس کی نماز جائز ہے۔	۲۷۰
۳۳۷	مریض بوجہ غلبہ مرض رکوع سجود اور رکعتوں کا خیال نہیں رکھ سکتا تو اگر کوئی اسے ساتھ ساتھ بتاتا جائے اور وہ اس کے مطابق ادا کرتا جائے تو نماز جائز ہو سکتی ہے۔	۲۷۱
۳۳۸	لکھی ہوئی عبارت دیکھ کر نمازی سمجھ لے اور زبان سے نہ پڑھے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔	۲۷۶
۳۳۹	وہ تمام صورتیں جن میں نمازی کو خبر و علم اور تذکر حاصل ہو جاتے ہیں اور بولتا نہیں مفسدِ نماز نہیں۔	،،
۳۴۰	کسی غیر کے کہنے یا سننے سے نمازی کا وہ کام کرنا جو جزوِ نماز نہیں مفسدِ نماز نہیں جبکہ وہ کام قلیل ہو۔	۲۷۷
۳۴۱	نمازی کو سلام کہا جائے تو ہاتھ کے اشارے سے	

شمار	مسائل	صفحہ
	جواب دے سکتا ہے۔	۲۷۸
۳۴۲	نمازی کے آگے سے کوئی گزرنے لگے تو نمازی اشارہ یا تسبیح سے روک سکتا ہے۔	،،
۳۴۳	نمازی کا پوچھنے والے کو انگلیوں کے اشارے سے بتانا کہ کتنی رکعتیں پڑھ چکے ہیں مفسد نماز نہیں۔	
۳۴۴	نمازی سر کے ساتھ ہاں یا نہیں کا اشارہ کر سکتا ہے۔	،،
۳۴۵	کسی بات کا لفظوں میں جواب دینا مفسد نماز ہے مگر جہاں حدیث پاک سے بغرض اصلاح نماز اجازت ہے وہاں ہرگز مفسد نہیں۔	۲۸۰
۳۴۶	اذکار (الحمد للہ سبحان اللہ وغیرہ) اگر بغرض جواب بولے تو نماز فاسد ورنہ نہیں وہ کلام جو جنس اذکار سے نہیں مطلقاً مفسد ہے۔	،،
	باب القراءۃ	۲۹۵
۳۴۷	بڑی سورت کو دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھنے کو مکروہ و ناجائز کہنا غلط ہے قرآن و احادیث و فقہ سے استدلال۔	،،
۳۴۸	فاتحہ کے بعد سورت یا تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت کا پڑھنا واجب ہے۔	۲۹۶
۳۴۹	نماز میں فاتحۃ الکتاب کا پڑھنا واجب مگر مقتدیوں کو ممنوع ہے	۲۹۷
۳۵۰	فرضوں کی تیسری یا چوتھی رکعت میں فاتحہ کا پڑھنا	

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
	ضروری نہیں۔	۳۹۰
۳۵۱	نمازِ فرض چونکہ اصل میں دو دو رکعت فرض ہوئی تھی لہٰذا آخری رکعتوں میں قراءت ضروری نہیں۔	۵۹
۳۵۲	فاتحہ کے بعد مکمل سورت پڑھنا ضروری نہیں۔	۳۹۸
۳۵۳	افضل یہ ہے کہ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں مکمل سورت پڑھی جائے۔	۴۰۴
۳۵۴	نماز میں دورانِ قراءت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ درود شریف پڑھا جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔	۴۰۵
۳۵۵	قراءت و خطبہ میں تعیل ابہامن سے اجتناب چاہیے۔	۴۰۲
۳۵۶	بعد از فاتحہ قراءت میں کوئی آیت دوبارہ پڑھی جائے تو نماز بلا کراہت درست ہے سجدۂ سہو واجب نہیں۔	۴۰۶
۳۵۷	" ان تتبعون الا رجلا " کی جگہ " ان ہذہ الا رجلا " پڑھا گیا تو نماز فاسد ہو گئی۔	۴۰۸
۳۵۸	فرائض کی پہلی رکعت میں بعد والی اور دوسری رکعت میں اول کی سورت اگر قصداً پڑھی تو مکروہ ہے نوافل و سنن میں مکروہ نہیں۔	۴۰۹
۳۵۹	وتروں کی پہلی دو رکعتوں میں پچھلی اور تیسری میں پہلی سورت قصداً پڑھنا مکروہ ہونا چاہیے۔	،
۳۶۰	تراویح میں جب قرآنِ کریم ختم کرے تو دوسری رکعت میں بعد از فاتحہ سورۃ بقرہ کی پہلی آیتیں تلاوت کرے۔	۴۱۰
۳۶۱	" قد رما تجوز بہ الصلوٰۃ " کے بعد امام آیت چھوڑ کر دوسری کی طرف منتقل ہوا کسی مقتدی نے لقمہ دیا امام لقمہ لے یا نہ تحقیق یہ ہے کہ کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔	۴۱۰
۳۶۲	" معاذ اللہ انہ ربی " کے بجائے " معاذ اللہ ربی انہ " پڑھا گیا تو نماز درست ہے البتہ اگر قصداً پڑھا تو اچھا نہیں۔	۴۱۲
۳۶۳	قاری کے بھولنے کی چند صورتوں کی وضاحت۔	"
۳۶۴	سورہ مزمل پڑھتے ہوئے جب " خیرا تجدوہ " تک پہنچا تو آخر سورت جمعہ " خیر من اللہو الآیۃ " پڑھ لیا اس کی آٹھ صورتیں ہیں تمام میں نماز درست ہے۔	۴۱۴
۳۶۵	پہلی رکعت میں سورہ صف اور دوسری میں سورۂ البقرہ کا رکوع پڑھا اگر قصداً کیا تو مکروہ ورنہ نہیں۔	۴۱۷
۳۶۶	نمازی کا قراءۃ میں بھول جانا اور غیر نمازی کا لقمہ دینا اس کی متعدد صورتوں کا بیان مع وضاحتِ فساد و عدمِ فسادِ نماز۔	۴۱۳
۳۶۷	نمازی قرآنِ کریم دیکھ کر پڑھے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔	۴۱۵
۳۶۸	حافظ جو کہ بلا دیکھے پڑھ سکے، دیکھ کر پڑھے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔	۴۱۶
	باب الوتر والنوافل	۴۱۸
۳۶۹	مستحب یہ ہے کہ تراویح کو دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے۔	۴۱۸

52809

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۳۸۰	ہر ترویحہ کے بعد چار رکعتوں کے مقدار ٹھہرنا مستحب ہے اور اسے اختیار ہے کہ اس وقت تسبیح پڑھے یا قرآن کریم یا نفل یا چپکے رہے۔	۴۱۹
۳۸۱	نماز تراویح میں ہر دو رکعت کے بعد تسبیح کیلئے بیٹھنا مکروہ ہے۔	"
۳۸۲	ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں میں پہلے قعدہ میں درود شریف اور تیسری رکعت کی ابتداء میں ثناء اور اعوذ نہ پڑھا جائے اور باقی سنتوں و نفلوں میں پڑھا جائے۔	۴۲۰
۳۸۳	استفتاء۔ اگر تراویح اکٹھی چار رکعت پڑھی جائیں تو پہلے التحیات پر درود شریف اور تیسری رکعت میں سبحانک اللھم پڑھا جائے یا نہ؟	۴۲۱
۳۸۴	افضل یہ ہے کہ نماز جمعہ کے بعد پہلے چار سنتیں بہ یک سلام پھر دو سنتیں پڑھی جائیں۔	۴۲۳
۳۸۵	فرض عشاء کی جماعت سے رہ جانے والا وتروں کی جماعت میں شامل ہو سکتا ہے۔	۴۲۴ ۴۲۵
۳۸۶	اکیلا فرض پڑھنے والا جماعت کے ساتھ تراویح پڑھ سکتا ہے۔	۴۲۵
۳۸۷	دیر سے آنے کیوجہ سے اگر بیس تراویح پوری نہیں کر سکا تو جماعت وتر میں شامل ہو سکتا ہے	۴۳۰ ۴۳۴
۳۸۸	تراویح کا وقت فرض عشاء کے بعد صبح صادق تک وتر سے پہلے اور پیچھے ہے۔	۴۳۱

شمار	مسائل	صفحہ
۳۸۹	ایسی کوئی حدیث نہیں کہ نماز تراویح میں جبرائیل سامع ہوتے تھے ایک دن وہ نہ آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح نہ پڑھائی۔	۵۶۰
۳۹۰	کسی معتمد کتاب میں یہ نہیں کہ بلا سامع نماز تراویح نہیں ہوتی۔	"
۳۹۱	نماز تراویح کی نیت میں عشاء کا وقت کہنا ضروری نہیں۔	۲:۵
۳۹۲	نفل سنت تراویح میں مطلق نیت کافی ہے لیکن احتیاط یہ ہے کہ نماز تراویح میں تراویح کی نیت کرے یا سنت وقت کی یا قیام اللیل کی؟	"
۳۹۳	فجر کی سنتیں سنتوں سے زیادہ مؤکدہ ہیں۔ حدیث فجر کی سنتیں ترک نہ کرو اگرچہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔	۵۶
۳۹۴	اجلہ صحابہ و تابعین فجر کی سنتیں جماعت کے نزدیک ستون دیوار وغیرہ کی آڑ میں ادا فرماتے تھے۔	
۳۹۵	یہ ضروری ہے کہ سنت فجر کی وجہ سے جماعت کلی طور پر فوت نہ ہو۔	۵۷
۳۹۶	مسئلۂ مذکورہ میں دلیل مخالف "اذا اقیمت الصلوٰۃ الحدیث" کا جواب۔	"
۳۹۷	تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کو فرائض و سنن و نوافل میں ادا کرنا اور اس کے علاوہ دیگر	

52809

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
	متعلقہ احکام کا تفصیلی فتویٰ ۔	۴۳۶
۳۹۸	جنب، محدث، مجنون، نائم، سکران، صبی، حائض، نفسا، بلکہ کافر آیت سجدہ پڑھے تو سامع پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے ۔	۴۳۷
	باب سجدۃ السہو	۴۴۴
۳۹۹	نماز جمعہ وعیدین میں ترک واجب سے سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے قول متاخرین کی وضاحت ۔	۴۴۵
۴۰۰	فاتحہ کے بعد سورت یا اس کے عوض آیات نسیانا نہ پڑھی جائیں تو نماز ہو گئی بوجہ ترک واجب سجدۂ سہو لازم ہے ۔	۴۴۶
۴۰۱	سجدہ سہو کے متعلق فقہاء حنفیہ کا اختلاف ہے کہ ایک سلام کے بعد ہو یا دو کے، بہتر ایک سلام کے بعد ہے ۔	۴۴۷
۴۰۲	فاتحہ کے بعد امام چار آیت کا مقدار پڑھ کر بھول گیا لقمہ دیا گیا جو اسے سمجھ نہ آیا، وہ آیت چھوڑ کر اگلی کی طرف منتقل ہو گیا تو نماز درست ہے سجدۂ سہو نہیں ۔	۴۴۸
۴۰۳	اصح یہ ہے کہ جہری نماز میں ایک آیت آہستہ پڑھنے پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے ۔	۴۵۰
۴۰۴	عید کی تکبیریں سہواً رہ جائیں تو سجدۂ سہو سے نماز کامل ہوجاتی ہے ۔	۴۵۲
۴۰۵	پہلی رکعت میں امام نے قراءت شروع کر دی	

شمار	مسائل	صفحہ
	بعد لقمہ تکبیرات کہیں اور دوسری رکعت میں سہواً چار تکبیریں کہہ دیں سجدۂ سہو کر لیا تو ہو گئی ۔	۴۵۴
	باب صلوۃ المسافر	۴۵۵
۴۰۶	مسافر قعدۂ اولیٰ بیٹھ کر چار رکعت پوری پڑھا دے تو اس کی نماز اور مقیم مقتدیوں کی نماز کا حکم ۔	۴۵۵ / ۴۶۶
۴۰۷	مسافر نے مقیم کی اقتدا میں نماز شروع کر کے توڑ دی تو اب دو رکعت پڑھے یا چار ؟	۴۵۶
۴۰۸	جنگی قیدی چار رکعت والی فرض نمازوں میں قصر کریں ۔	۵۶۶
۴۰۹	مجاہد سفر و حضر میں دوسرے مسلمانوں کی طرح نماز پڑھے ۔	۵۹
۴۱۰	آیات واحادیث وکلام فقہاء سے مبرہن فتویٰ کہ مسافر کے لئے ادائے سنن مستحسن ومسنون ہے	۴۵۷
	باب صلوۃ الجمعۃ والعیدین	۴۶۷
۴۱۱	رسالہ ” انوار التقن الدولہ فی اجوبۃ اسئلۃ فکادولہ “	
	(نوٹ، اس رسالہ میں بارہ مختلف مسائل ہیں ان میں مسئلہ اولیٰ یہ ہے کہ جمعہ کے لئے شہر جامع شرط ہے ۔	۷
۴۱۲	حنفی مذہب میں نہ چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ ہے نہ بڑے میں بلکہ بڑے شہر میں بھی نہیں جب تک جامع نہ ہو ۔	۴۶۸

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۴۱۳	تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ آیت جمعہ میں امر عام مخصوص عنہ البعض ہے	۴۶۸
۴۱۴	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شہر جامع کا جمعہ کے لئے شرط ہونا۔	۴۷۰
۴۱۵	مخالفین کی دلیل حدیث جواثی کا جواب۔	״
۴۱۶	چند احادیث سے اس بات کا ثبوت کہ اہلِ عوالی جمعہ مدینہ طیبہ میں پڑھا کرتے تھے۔	۴۷۳
۴۱۷	ص۴۶۱ سے ص۴۷۱ تک متعدد اجمالی و تفصیلی فتوے کہ گاؤں میں جمعہ نہیں شہروں میں ضروری ہے۔	۵۰۱
۴۱۸	مسجد کا پختہ ہونا اور گاؤں کا شہر نما ہونا جمعہ کے لئے مجوز نہیں۔	۳۷۱
۴۱۹	گاؤں میں فرضیتِ جمعہ کے انکار کرنے والے کا کافر کہنا ائمہ عظام و صحابہ کرام کو کافر کہنے کے مترادف ہے۔	۵۰۵
۴۲۰	اگر کوئی بزعم خود دیہات میں جمعہ پڑھے تو فرض ظہر ضرور ادا کرے۔	۵۰۷
۴۲۱	جمعہ پڑھنے کی شرائط۔	۵۰۹
۴۲۲	احتیاط الظہر بعض وجوہ کی بنا پر صرف خواص کے لئے مستحب ہے۔	۵۱۱
۴۲۳	عورتیں نمازِ عیدین میں شریک نہیں ہوسکتیں۔	۵۱۲
۴۲۴	گاؤں میں نمازِ عید نہیں بلا تکبیرات نفل بجماعت پڑھے جاسکتے ہیں۔	۵۱۵
۴۲۵	جنگی قیدیوں پر نمازِ عید لازم نہیں	۵۶۶
۴۲۶	خطبۂ جمعہ فرض اور شرطِ جواز ہے کہ بلا خطبہ پڑھا جائے جائز نہیں۔	۴۵۲
۴۲۷	صرف ذکر اللہ سے خطبہ ادا ہو جاتا ہے اور قراءۃ قرآن سے بھی۔	״
۴۲۸	دوسرا خطبہ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرنا حمد و ثنا حمد و صلوٰۃ کے ساتھ شروع کرنا خلفاء راشدین کا ذکر خطبہ کے سنن و مستحبات ہیں۔	۴۵۳
۴۲۹	تمام خطبہ عربی زبان میں ہونا سنتِ متواترہ ہے اس کا خلاف برا ہے۔	״
۴۳۰	خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے۔	۵۱۹
۴۳۱	خطبہ شروع ہونے سے پہلے آنیوالا لوگوں سے گزر کر محراب کے قریب آسکتا ہے۔	۲۰۱
۴۳۲	بوقتِ خطبہ قوم کے لئے امام کی طرف منہ کرنا مستحب ہے۔	۲۰۲
۴۳۳	قرأت و خطبہ میں تعجیل ابہامین سے اجتناب چاہیے۔	۲۰۶
۴۳۴	خطیب صاحب کی اجازت سے داڑھی مونڈانے والے کی تقریر کی وجہ سے بارش کا چلا جانا جمعہ چھوڑنا خود قابلِ نفرت ہے	۱۳۸
	مسائل شتی	۵۲۳

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۴۳۵	نمازی کے سامنے اتنا دور سے گذرنا جائز ہے کہ با خشوع جب جائے سجدہ پر نظر رکھے تو سامنے نظر آئے۔	۵۲۰
۴۳۶	نمازی کو خالی پیشانی رکھنا اور اس سے استہزاء بدترین حرام ہے۔	۵۲۳
۴۳۷	لہجہ استہزاء میں اللہ اکبر کہنا گناہ اور بے ادبی ہے۔	۵۲۴
۴۳۸	پابندی صوم وصلوٰۃ ولحیہ کی وجہ سے مخول کرنا حرکت کفریہ اور توہین شریعت ہے	۵۲۵
	باب الجنائز	
۴۳۹	بالکل چھوٹا بچہ نر ہو یا مادہ اسے مرد و عورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔	″
۴۴۰	اقسام خنثیٰ کی مکمل تشریح — ان علامتوں کا بیان جنکی موجودگی میں خنثیٰ کو مرد کا حکم ہے	۵۴ ۲۵۰
۴۴۱	خنثیٰ مرد کو مردوں کا اور خنثیٰ عورت کو عورتوں کا حکم ہے	۵۵
۴۴۲	خنثیٰ مشکل کو غسل یا تیمم کرانے کی صورتیں۔	۵۵
۴۴۳	نماز جنازہ کی جن دعاؤں میں ضمیروں کی تذکیر و تانیث کا فرق ہے خنثیٰ مشکل کے لئے مذکر ضمائر لائی جاتی ہیں۔	۵۶
۴۴۴	غلبۂ تذکیر کی وجہ سے خنثیٰ مشکل کہا جاتا ہے خنثیٰ مشکلہ نہیں کہا جاتا۔	″
۴۴۵	خنثیٰ مشکل کو دفن کرتے وقت عورتوں کیطرح پردہ کیا جائے۔	۵۶
۴۴۶	بیان خنثیٰ کا کہ جنازہ و غسل میں اسے مرد شمار کیا جائے یا عورت اور خنثیٰ مشکل کا حکم۔	۵۱۶
۴۴۷	مرد جو مصنوعی خسرہ ہے غسل و جنازہ وغیرہ میں مرد ہی ہے۔	۵۱۷
۴۴۸	کلمہ گو اور مسلمان زانیہ کا جنازہ پڑھایا جائے	۵۲۶
۴۴۹	ایسے شخص کا جنازہ فرض ہے جو عمر بھر سنیوں کے ساتھ نماز پڑھتا رہا اور اس کا بدعقیدہ ہونا شرعی شہادت سے ثابت نہیں۔	۵۲۷
۴۵۰	روزہ کے درمیان مرنے والے کا جنازہ دوسرے اہل اسلام کی طرح ہے۔	۵۱
۴۵۱	ہر نیک و بد مسلمان کا جنازہ پڑھا جائے	۵۳
۴۵۲	خودکشی کرنے والے کا جنازہ پڑھا جائے۔	۵۴
۴۵۳	ہر مسلمان کا جنازہ لازم ہے البتہ ڈاکو یا باغی جو ڈکیتی کے یا بغاوت کے دوران قتل ہوا اور اپنے باپ یا ماں کے قاتل کا جنازہ نہ پڑھایا جائے۔	۵۱۶
۴۵۴	بدکار جو زنا یا چوری وغیرہ کو حلال جانتا ہو مسلمان ہی نہیں تو اس کا نہ جنازہ ہے نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاسکتا ہے۔	″
۴۵۵	بلا رکوع و سجود نماز پڑھنے والے اور قرآن پاک کے ۴۰ پاروں کے قائل کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔	۵۹

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۴۵۶	سنیوں کے جنازہ میں شیعہ کی شمولیت سے اجتناب کیا جائے۔	۵۴۱
۴۵۷	حدیث "من صلّی علی میت" کی تشریح میں عبارتِ کبیری کی توضیح۔	۵۴۲
۴۵۸	نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد فوراً دونوں ہاتھ کھولکر سلام کہے	
۴۵۹	نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کیساتھ ہی دونوں ہاتھ چھوڑ دے پھر دونوں طرف سلام کہے۔	۱۸۰
۴۶۰	نمازِ جنازہ میں امام کے ساتھ ہنسی مخول کا حکم۔	۴۹۹
۴۶۱	بلا جنازہ یا بلا تکمیلِ غسل دفن کیے گئے کا جنازہ قبر پر پڑھنا فرض ہے	۵۳۷
۴۶۲	بلا ولیِ اقرب جنازہ پڑھکر دفن کیے گئے کی قبر پر ولیِ اقرب جنازہ پڑھ سکتا ہے	״
۴۶۳	قبرستان کے سامنے یا درمیان نمازِ جنازہ کی متعدد صورتیں و انکے الگ الگ احکام بتفصیل تمام نیز نجاست بلا حجاب یا بہ حجاب قریب ہونے کے احکام	״
۴۶۴	نمازِ جنازہ کے بعد فوراً اور دفن کرنیکے بعد قبرستان کے باہر چالیس قدم پر دعا مانگنی شرعاً جائز ہونیکا آیات و احادیث و اقوالِ ائمہ کے عموم سے ثبوت	۵۴۳
۴۶۵	بالخصوص دعا بعد جنازہ کا صراحۃً ثبوت۔	۵۴۶
۴۶۶	بالخصوص دفنِ میت کے بعد دعا کا حکم۔	۵۴۸
۴۶۷	سات دن تک میت کی طرف سے طعام کھلانیکا ثبوت۔	۵۴۹
۴۶۸	دعا بعد جنازہ۔	۵۵۳
۴۶۹	اگر قبرستان مشرق کیطرف ہے تو جنازہ لیجاتے ہوتے پاؤں جانب قبلہ کے جائیں یعنی میت کا سر آگے رہے۔	۵۵۴ تا ۵۵۸
۴۷۰	قطبِ شمالی کیطرف منہ کر کے قضاءِ حاجت یا پاؤں کر کے سونا یا وقتِ غسلِ میت کے پاؤں کرنا سب جائز و حلال ہیں۔	۵۵۴
۴۷۱	میت کیلئے ایک قبر تیار کی گئی لیکن اسے دوسری قبر میں دفن کیا گیا تو پہلی قبر کو مٹی سے پُر کیا جاتے یا کوئی اور میت اس میں دفن کیا جائے۔	۵۶۰
۴۷۲	مزار تنگ ہونیکی وجہ سے صاحبِ مزار کو قبر سے نہ نکالا جائے۔	۵۵۹
۴۷۳	تکمیلِ دفن کے بعد قبر اکھیڑنا میت باہر نکالنا ممنوع و حرام ہے	۵۶۱
۴۷۴	میت کو امانت رکھنا پھر نکالکر دوسری جگہ دفن کرنا منع ہے۔	״
۴۷۵	اسی مضمون کا ایک اور فتوےٰ۔	۵۶۲
۴۷۶	قبر پر پھول عدس اور ماش وغیرہ ڈالنا مباح ہیں	۵۶۳
	فوائدِ منفرقہ مسائل اصولِ فقہ و حدیث و فتوٰی۔	״
۴۷۷	کتاب و سنت کا اطلاق حجت ہے۔	۵۱
۴۷۸	شرعاً اطلاق اتنا قوی ہوتا ہے کہ خصوصِ سبب یا خبرِ واحد و قیاس سے بھی مرتفع نہیں ہوتا۔	۳۰۰
۴۷۹	عموم و اطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ سے آجتک علماء میں شائع و ذائع ہے	۳۱۵
۴۸۰	نفیِ وُرودِ حدیث نفیِ وجود نہیں، نفیِ صحیح نفیِ حسن و ضعیف نہیں اور نفیِ مرفوع نفیِ موقوف نہیں۔	۲۰۴
۴۸۱	فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہے۔	۲۰۴ تا ۲۰۵
۴۸۲	حدیث موقوف حجت ہے۔	۲۰۴
۴۸۳	استحباب ضعیف حدیث سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔	
۴۸۴	حدیثِ مرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔	۲۲۷
۴۸۵	حضور کا فعلِ صحابی پر مطلع ہو کر منع نہ فرمانا دلیلِ جواز ہے	۳۲۵
۴۸۶	حکایتِ فعلِ مثبت عام نہیں ہوتی۔	
۴۸۷	فعلِ مثبت کے افرادِ متماثلہ میں قیاساً جواز ثابت ہو سکتا ہے	۳۲۶
۴۸۸	صورِ عموم بلوی میں کسی حدیث کا بطورِ خبرِ واحد ہی پایا جانا انقطاعِ معنوی کی دلیل ہے۔	۲۵۵
۴۸۹	دیانات میں خبرِ واحد معتبر ہے۔	۲۵۷

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۴۹۰	زیادۃ الثقۃ مقبولۃ۔	۲۰۰
۴۹۱	صحابی کا "کن نفعل" فرمانا حدیث مرفوع کے حکم میں ہے	۳۶۳
۴۹۲	شان نزول اگرچہ خاص ہو مگر معتبر عموم لفظ ہوتا ہے۔	۹۲، ۱۲۰
۴۹۳	فتویٰ امام اعظم کے قول پر دیا جائے پھر امام ابو یوسف کے قول پر	۸۹
۴۹۴	ان الفاظ کا بیان جو مختلف فیہ مسائل ترجیح و افتاء پر دال ہیں	
۴۹۵	اس کا بیان کہ الفاظ افتاء میں سے کونسا لفظ کس پر مقدم ہے	۹۰
۴۹۶	"یفتی" "الفتویٰ علیہ" سے زیادہ مؤکد ہے مع وجہ فرق۔	۱۲۲
۴۹۷	قول مرجوع کیساتھ فتویٰ دینا جہل اور اجماع کو پھاڑنا ہے	[illegible]
۴۹۸	اختلافی مسائل میں مفتی کو ارفق و اصلح قول پر فتویٰ دینا چاہئے	۱۲۲
۴۹۹	منقول کے خلاف بحث معتبر نہیں۔	۱۶۷، ۲۹۹
۵۰۰	مافی المتون مافی الشروح سے اور مافی الشروح مافی الفتاویٰ سے مقدم ہے	۱۶۰، ۲۴۲، ۱۴۲
۵۰۱	قنیہ اور اس کے مصنف زاہدی اور قہستانی پر تبصرہ۔	
۵۰۲	سراج وہاج ضعیف و غیر معتبر کتاب ہے۔	۳۰۹
۵۰۳	درمختار، نہر، شرح عینی، الاشباہ والنظائر، قہستانی سے فتویٰ کا بیان	۱۰۴
۵۰۴	کبھی ایک مصنف کی غلطی کی وجہ سے بیس کتابوں میں غلطی آجاتی ہے	۱۰۳، ۵۲۱، ۲۹۹، ۱۹۴
۵۰۵	فتاویٰ رضویہ میں انیس صد سے زیادہ تطفلات ہیں۔	۵۲۱
۵۰۶	"اصل" امام محمد علیہ الرحمۃ کی کتاب کا نام ہے۔	۱۷۶
۵۰۷	مفہوم مخالف روایات میں معتبر ہے۔	۲۰۴
۵۰۸	اشیاء میں اصل اباحت ہے۔	۳۰۳، ۲۰۳، ۲۳۸، ۲۹۱، ۴۷۱، ۴۷۴
۵۰۹	کراہت تحریمی ہو یا تنزیہی بلا دلیل خاص ثابت نہیں ہو سکتی۔	۱۷۱
۵۱۰	ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی۔	
۵۱۱	تحقیق کامل کے سوا کسی چیز کو حرام یا مکروہ ماننے میں احتیاط	

شمار	مسائل	صفحہ
	نہیں بلکہ احتیاط اس کے مباح ماننے میں ہے۔	۲۲۰، ۲۴۸
۵۱۲	بلا علم فتویٰ دینے کے متعلق دو حدیثیں۔	۵۳
۵۱۳	ہر زمانہ میں اس زمانہ والوں کا عرف معتبر نہیں۔	۱۳۱
۵۱۴	ثابت بالعرف، ثابت بالنص کی مانند ہوتا ہے	
۵۱۵	لفظ "لا" جیسے حرام و مکروہ تحریمی کیلئے آتا ہے یونہی مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔	۴۲۶
۵۱۶	مکروہ تنزیہی حرام کا مقابل اور جائز ہوتا ہے۔	۵۱۶
۵۱۷	مکروہ تحریمی سے بچنا واجب ہے۔	۵۱۷
۵۱۸	بلا دلیل خاص شرعی کسی شے کو حرام و مکروہ کہنا جھوٹ و حرام ہے۔	۲۵۵
۵۱۹	بلا تحقیق و ثبوت کامل حرام و مکروہ کہنا افتراء ہے۔	۲۵۶
۵۲۰	قوی گمان ممانعت نہ ہو تو تحقیقات کی ضرورت نہیں۔	۲۵۶، ۳۰۹
۵۲۱	اطلاق مطلق بمنزلہ نص ہے۔	۲۵۶
۵۲۲	فرض و حرام ایسی آیت یا حدیث متواتر سے ثابت ہوتے ہیں جو اپنے معنی پر یقینی طور پر دلالت کریں طلب جازم کے ساتھ۔	۲۰۸
۵۲۳	رعایت خلاف کیلئے کام نہ کرنے کے استحباب کے مراتب دلیل مخالف کے قوت و ضعف کے لحاظ سے مختلف ہیں۔	۳۰۶
۵۲۴	ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی۔	۳۰۹
۵۲۵	المباحات تصیر طاعات بالنیات الصالحات۔	۲۰۴
۵۲۶	معارض خلاف اصل ہے جب تک تطبیق ممکن ہو معارضہ کا حکم نہ کیا جائے۔	۱۹۰
۵۲۷	حقیقت ہی اصل ہے جب تک اس سے مانع نہ ہو مجاز کیطرف نہیں لوٹا جاتا۔	۱۴۱
۵۲۸	اسماء و عنوانات کا اختلاف جبکہ معنون و مسمیٰ ایک ہو قطعاً مضر نہیں۔	۱۵۸
۵۲۹	مقلد اگر معتبر کتابوں کی نقل کے سوا فتویٰ دے تو اسکے فتویٰ کو نہ دیکھا جائے۔	۳۲۰

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۵۳۰	بدعت حسنہ کی چند قسمیں	۳۲۶
۵۳۱	بدعت سیئہ کی تعریفیں۔	۳۲۸
	مسائل الابواب المتفرقہ۔	
۵۳۲	بھیڑ وغیرہ سے بدفعلی کے ثبوت کیلئے دو ایسے شاہد ضروری ہیں جنہوں نے فعلِ بد کا بعینہ مشاہدہ کیا ہو۔	۴۵۰
۵۳۳	بکری وقتِ مقررہ سے پہلے بچہ گرادے یا بلا حمل ہی دودھ اتر آئے تو وہ دودھ حلال ہے	۴۵۱
۵۳۴	بکرے یا مینڈھے کا دودھ اتر آئے تو وہ حلال ہے۔	۴۵۱
۵۳۵	بھوک پیاس، غشی، دھمکی قتل کی تفصیل تام کر کن صورتوں میں روزے کا افطار مباح ہے اور کن صورتوں میں ضروری ہے۔	۵۲ تا ۵۴
۵۳۶	بحالتِ روزہ موت کے فضائل میں دو حدیثیں۔	۵۲
۵۳۷	نیتِ روزہ کا وقت ضحوۃ الکبریٰ تک ہے یا زوال تک فقہاء کرام کی مختلف عبارتیں مع وجہ اختلاف۔	۱۶۳
۵۳۸	مسئلہ مذکورہ کے متعلق مزید تنبیہ۔	۱۶۴
۵۳۹	قربانی کی کھالیں اور گوشت غنی یا غیر کیلئے دیا جا سکتا ہے جبکہ بطور مزدوری نہ ہو	۱۰۶
۵۴۰	فقیر مالِ زکوٰۃ کے مالک بننے پر تعمیر مسجد میں خرچ کر سکتا ہے۔	۱۰۹
۵۴۱	جنگی قیدیوں پر ماہِ رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں، ماہِ رمضان ہی میں رکھیں تو بہتر رخصت پر عمل کریں تو جائز۔ زوالِ عذر کے بعد قضا لازم ہوتی ہے	۵۶۶
۵۴۲	سفرِ حج والے کے پاس پورا خرچ نہیں تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے لیکن اسے سوال کی اجازت نہیں۔	۴۱۷
۵۴۳	بیع میں کوئی معیارِ قیمت معین نہیں کہ اسکی خلاف ورزی سے فساد لازم آئے۔ صرف تراضی کافی ہے۔	۱۱۲
۵۴۴	اصحابِ صُفّہ کی تعداد تقریباً چار صد تھی۔	۱۱۹
۵۴۵	شعر اگر اچھی کلام و فوائد پر مشتمل ہو تو یقیناً اچھا ہے	۳۳
۵۴۶	حضرت حسان کے چند اشعار۔	۱۳۵
۵۴۷	بری بات کو حج سے تشبیہ۔ حج مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے استہزاء مذکور و راستخفاف صریح کفر ہے۔	۱۳۰
۵۴۸	بطور استہزاء یا استخفاف کلمۂ کفر کہنا کفر ہے گو متکلم کا وہ اعتقاد نہ ہو۔	〃
۵۴۹	احکامِ شرع سے استہزاء کفر ہے۔	〃
۵۵۰	حرام کو حلال کہنا کفر ہے۔	۱۳۷
۵۵۱	بے نکاحی عورت اپنے پاس رکھنا بہت بڑا گناہ ہے زنا بہت بڑا جرم ہے اسکی بہت بڑی سزا ہے جو حکامِ اسلام کا کام ہے لوگوں کو بقدرِ قدرت ہوتے ہوئے ایسے شخص کو توبہ پر مجبور کرنا چاہیے یا اس سے ترکِ تعلق ہو جائیں۔	〃
۵۵۲	بیوی کے مرنے کے فوراً بعد اس کی ہمشیرہ سے نکاح ہو سکتا ہے۔	۵۵۷
۵۵۳	داڑھی منڈوانے والا صحیح روایات سے وعظ کرے تو جائز ہے۔	۱۳۸
۵۵۴	داڑھی منڈوانا سخت گناہ ہے مگر کفر نہیں اس سے سید کے سید ہونے میں فرق نہیں آتا	〃
۵۵۵	صحیح النسب سُنی سادات اہلِ سنت کے سروں کے تاج ہیں۔	〃
۵۵۶	سادات کو چاہیے کہ حضرات ائمۂ اطہار رضی اللہ عنہم کی طرح شریعت کے مطابق داڑھی رکھیں	〃
۵۵۷	شرعاً داڑھی کا مشت بھر رکھنا واجب ہے۔	۲۳۰
۵۵۸	مسوڑھے سے خون نکالنا مفسدِ روزہ نہیں۔	۲۴۰
۵۵۹	حضرت اویس قرنی کے والد کا نام عامر ہے۔	〃
۵۶۰	عشر یا نصف العشر مکمل پیداوار سے لیا جاتا ہے۔	〃
۵۶۱	عالم عامل کامل ولی صاحبِ کرامات کو مظہرِ اعجازِ نبوت کہنا جائز ہے۔	۲۴۲
۵۶۲	سونے کی انگوٹھی مرد کو سفر و حضر میں حرام ہے۔	۵۵۹
۵۶۳	شرعاً پندرہ سال کا لڑکا بالغ ہو جاتا ہے اگرچہ احتلام نہ آئے۔	۲۴۳
۵۶۴	رجسٹرار نکاح بننا کیسا ہے۔	۲۴۹
۵۶۵	حلتِ ذبیحہ کے لئے ذابح کا مسلمان عاقل ہونا کافی ہے۔	۱۰۵
۵۶۶	ولد الزنا جبکہ مسلمان سمجھدار ہے تو اس کا ذبیحہ بلا کراہت جائز ہے۔	〃

Marfat.com

شمار	مسائل	صفحہ
۵۶۷	مرتد ہوں کے جلسوں میں جانا حرام ہے مگر مناظرہ وغیرہ کے لئے جائز ہے	۲۰۶
۵۶۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ بولنے کی نسبت کرنے والا بے ایمان مرتد ہے	۲۰۹
۵۶۹	مرتد کافر ہے یہود و نصاریٰ ہندوؤں سکھوں سے زیادہ برا ہے۔	۲۱۰
۵۷۰	کفر کا لغوی اور شرعی معنیٰ۔	〃
۵۷۱	مردار کھانے یا جنس کا جامہ اتار کر رنگنے کے بعد بیچنا جائز ہے	۲۱۱
۵۷۲	امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کلمات بے ادبی بولنا خبث باطنی کی دلیل ہے	۲۱۳
۵۷۳	حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما انبیاء و رسل کے بعد افضل البشر ہیں و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی اور واجب الاحترام ہیں	۲۱۴
۵۷۴	فرمانبردار بیوی کو سفر حج میں ساتھ لیجانا اور نافرمان کو نہ لیجانا گناہ نہیں۔ حج جائز ہے۔ کار ثواب ہے۔	۲۱۶
۵۷۵	لڑکیوں کے عوض روپیہ لینا رشوت ہے۔	〃
۵۷۶	زنا کا بہتان لگانے والی سزا قرآن کریم نے اسی کوڑے مقرر فرمائی۔	۲۱۸
۵۷۷	علاج کے لئے باولے کتے کے جگر کا حکم	۲۱۹
۵۷۸	عدت میں نکاح کرنے سے نکاح خواں کا نکاح ٹوٹتا ہے یا نہیں۔	۲۲۱
۵۷۹	داڑھی منڈانا حرام ہے اور یہی مشت بھر رکھی جائے	۳۷۱
۵۸۰	چاندی کی انگوٹھی مرد کیلئے جائز ہے جبکہ زنانہ یا فاسقانہ طرز کی نہ ہو۔	۳۹۲
۵۸۱	مرد زنانہ طرز کا اور عورت مردانہ طرز کا جوتا نہ پہنے۔	〃
۵۸۲	عینک چھڑی یا لگی ہوئی دستار اچکن وغیرہ جائز الاستعمال ہے۔	〃
۵۸۳	آیت سجدہ کا پڑھنے والا سامع کے لئے بمنزلہ امام ہے۔	۲۶۶
۵۸۴	اہل اللہ کے عرس کا جواز۔	۴۷۷
۵۸۵	زیارت قبور کا جواز۔	۴۷۸
۵۸۶	مسلمانوں کے اجتماع کا فائدہ۔	
۵۸۷	صاحب عرس سے استمداد کا جواز۔	〃
۵۸۸	ملاقات سلام مصافحہ کے فوائد۔	۴۷۹
۵۸۹	ضرورت تبلیغ	۴۹۰
۵۹۰	نیک کام کرتے وقت مقرر کرنا۔	〃
۵۹۱	کھلے مندوں قوالی غیر مشروع ہے۔	۴۸۳
۵۹۲	تعزیہ داری منع ہے۔	
۵۹۳	صدارت حاضر رکھ کر پڑھنا شرعاً جائز ہے۔	
۵۹۴	ساتواں علم جبکہ وارث بطیب خاطر کریں اور ان میں سے کوئی یتیم و غیر حاضر نہ ہو مستحب ہے۔	۴۹۰
۵۹۵	قبر کا اوپر سے پختہ بنانا اور روضہ بنانا بہ نیت صالح ہو تو جائز ہے۔	〃
۵۹۶	حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا روضہ بنایا	۴۹۲
۵۹۷	معظم شرعی کے ہاتھ پاؤں چومنے کا ثبوت۔	۴۹۲
۵۹۸	جواز استعانت و استمداد بالمخلوق کا ثبوت۔	۴۹۳
۵۹۹	خاص استمداد و امداد بعد از موت کا ثبوت بینے۔	۴۹۵
۶۰۰	اگر پہلے مرشد کا انتقال ہو جائے تو دوسرے مرشد سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔	۵۰۹
۶۰۱	مرشد وہی ہو سکتا ہے جو عالم دین سنی پابند شریعت ہو۔	〃
۶۰۲	داڑھی رکھنا ضروری ہے۔	۵۱۲
۶۰۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کی شرارتوں پر مطلع ہو جاتے تھے۔ آپ جیسا آگے دیکھتے تھے ویسا ہی پیچھے دیکھتے تھے۔	۵۱۴
۶۰۴	شہادت کا نصاب دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں اور وہ بھی پابند شرع ہوں۔	۵۲۷
۶۰۵	درست بیت ہے (اے علی مرتضیٰ مجھے بخش دے) کہنا جائز ہے۔	

تم الفہرس

Marfat.com

فقیہ اعظم

ازـ مولانا محمد منشا تابش قصوری ناظم شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

نازش علم و عمل، جامع فضل و کمال، مشرب فیض و کرم، مخزن تقویٰ و طہارت، راہبر شریعت و طریقت ناشر رشد و ہدایت، ماہر علوم و فنون اسلامیہ، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف استاذ الاساتذہ فقیہ اعظم محدث اعظم حضرت مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی اشرفی قادری شیخ الحدیث و بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور دامت برکاتہم العالیہ ۱۹ رجب المرجب ۱۳۳۲ ہجری کو تحصیل دیپال پور کے ایک مشہور گاؤں سوجیکے میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد زبدۃ الاصفیاء حضرت مولانا الحاج ابو النور محمد صدیق صاحب چشتی علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء) اور جد امجد حضرت مولانا احمد دین صاحب علیہ الرحمۃ (م ۱۳۴۲ھ) نے اپنی نگرانی میں تعلیم و تربیت کا آغاز فرمایا یہ باعظمت ارائیں خاندان نسلاً بعد نسل علوم و فنون اسلامیہ کا امین چلا آرہا تھا۔ اس لئے ان بزرگوں نے اپنی علمی وراثت کی حفاظت کے لئے تمام مساعی جمیلہ اس جوہر قابل کی طرف منعطف فرما دیں۔ قرآن کریم اور فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد اور جد امجد سے حاصل کی۔ پھر علوم متداولہ کی تحصیل کے لئے مختلف مدارس میں جانا ہوا۔ ۱۳۴۵ھ میں مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم لکھمنڈو میں داخل ہوئے۔ محقق عصر حضرت مولانا الحاج فتح محمد صاحب محدث بہاولنگری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء) سے متعدد علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ ۱۳۵۱ھ میں مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں داخلہ لیا، امام اہل سنت حضرت العلام الحاج سید ابو محمد دیدار علی شاہ محدث اعظم الوری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء) اور حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا الحاج ابو البرکات سید احمد قادری علیہ الرحمۃ (م ۱۹۷۸ء) سے علم حدیث کی تعلیم پائی۔ اس وقت دورہ حدیث شریف پڑھنے والوں میں آپ کو امتیازی مقام حاصل تھا۔ دورہ حدیث شریف کے طلباء سے حضرت محدث اعظم الوری اکثر فرمایا کرتے کہ آپ حضرات اس سال دورہ شریف مولانا محمد نور اللہ صاحب کی طفیل پڑھ رہے ہو۔ دار العلوم حزب الاحناف سے علم حدیث کی تکمیل پر آپ کو ۲۳ نومبر ۱۹۳۳ء / ۶ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ کو سند فراغت

Marfat.com

اور سندِ فضیلت سے نوازا گیا۔ امام اہلِ سنت نے خصوصی اسناد بھی عطا فرمائیں۔ اسی موقع پر آپ کو ابو الخیر کی نسبت سے بھی سرفراز فرمایا جب کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد قادری مدظلہ نے بعد میں فقیہ اعظم کے لقب سے ممتاز فرمایا۔ فقیہ اعظم مدظلہ العالی نے فارغ التحصیل ہوتے ہی عملی زندگی کا آغاز درس و تدریس سے فرمایا۔ ۱۳۵۱ھ سے ۱۳۵۶ھ تک موضع واسو سالم میں تدریسی خدمات انجام دیں بعدہٗ ۱۳۵۷ھ میں تقریباً ایک سال کے لئے مولانا محمد اکبر چشتی بصیر پوری کے دربار پر اسی طور پر کام کیا مگر آپ کی خداداد صلاحیتیں آپ سے اعلیٰ تعمیری کام کی متقاضی تھیں چنانچہ آپ نے دیپالپور ایسے جہالت زدہ علاقہ کو علوم و فنونِ عربیہ کے انوار سے منور کرنے کی طرح ڈالتے ہوئے مدرسہ حنفیہ فریدیہ کے نام سے ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء میں ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی۔ تشنگان علم مخزنِ علم و عمل کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے لگے۔ آپ کی قابلیت اور پرتاثیر تدریس کا شہرہ عام ہونے لگا۔ روز بروز طلباء کی تعداد بڑھتی گئی حتیٰ کہ فریدپور جہاں آمد و رفت کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں مدرسہ کی رونق میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ و حدیث، منطق، فلسفہ، صرف، نحو، فارسی وغیرہ فنونِ عقلیہ و نقلیہ پر کامل دسترس حاصل تھی۔ عربی ادب میں درجہ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ سارا دن ہر علم و فن کی تدریس میں اکیلے گزار دیتے کسی بھی فن کا درس ہو ہر سبق میں عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جوت جگاتے چلے جاتے۔ اسی مقام پر ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء میں بخاری شریف سے دورۂ حدیث شریف کا آغاز فرمایا۔ یہ بات بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے کہ دورۂ حدیث کی اس پہلی جماعت میں دیگر تلامذہ کے علاوہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد عربی علیہ الرحمۃ بھی شریکِ درس تھے۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر آپ نے فوری طور پر اس مدرسہ کو ایک عظیم الشان دار العلوم کی شکل میں منتقل کرنے کا مصمم ارادہ فرماتے ہوئے ضلع ساہیوال کے ایک مشہور قصبہ بصیر پور کا انتخاب کیا۔ چنانچہ اس عظیم مقصد کی تکمیل فرماتے ہوئے آپ ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء کو فریدپور میں بخاری شریف کو مکمل فرماتے ہوئے بصیر پور میں تشریف لے آئے اور دار العلوم حنفیہ فریدیہ کی داغ بیل ڈال دی۔ دار العلوم کی تعمیر و تاسیس سے عروج و ارتقاء کے مرحلے طے کرنے میں آپ کو بڑے صبر آزما امتحان سے گزرنا پڑا کئی ایسے مشکل مقام اور آڑے وقت آئے کہ دار العلوم بند کرنے کی بھی تجاویز آپ کو دی جانے لگیں مگر آپ نے صبر و استقامت

Marfat.com

سے ہر آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور دارالعلوم کو نازک ترین لمحات میں ترقی کی راہ پر ہی چلاتے نظر آئے۔ ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء کو دارالعلوم کی تعمیر شروع ہوئی۔ ابتدا میں چار کچے کمرے بنائے گئے۔ نماز کے لیئے ایک قطعہ زمین پر چھپر ڈال کر مسجد بنائی گئی۔ بعد ازاں مختلف مراحل طے کرتا ہوا دارالعلوم اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ آج وطن عزیز پاکستان کے عظیم الشان علمی مرکز کی حیثیت سے اپنا نام پیدا کر چکا ہے۔ پچاس سے زائد پختہ کمرے، متعدد برآمدے اور درس گاہیں، دوسری منزل پر رہائشی کمروں کے علاوہ وسیع و عریض ہال کی صورت میں دارالحدیث حضرت کے جذبۂ عشق رسول کی عملی تصویر پیش کر رہا ہے۔ اب دارالعلوم اپنی تمام ترصوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ تشنگانِ علوم اسلامیہ کی پیاس بجھا رہا ہے۔

اور اب نہایت ہی خوبصورت جامع مسجد جو زیارت کے قابل ہے کی ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء سے ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء تک جس کی تعمیر کا کام مسلسل جاری رہا پورے جمالیاتی حسن کی بہار دکھاتی نظر آرہی ہے جو اپنی دلآویزی اور خوبصورتی میں ایک منفرد شان رکھتی ہے۔

بیعت

فقیہ اعظم فرمایا کرتے ہیں کہ میری زندگی کا محبوب ترین وظیفہ درس و تدریس ہے مجھے سن شعور سے ہی لمبے لمبے وظیفے پڑھنے کی رغبت نہ تھی، جب مرشد کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی سوچتا تو خیال آیا کہیں لمبے لمبے وظیفے پڑھنے کا ارشاد نہ ہو جائے اور میرے محبوب ترین وظیفہ تدریس میں کہیں کمی نہ واقع ہونے لگے یہی خیالات دل میں جگہ کیے ہوئے تھے کہ حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل الحاج الحافظ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا بیعت کی سعادت پائی تو آپ نے فرمایا۔ تمہارے لئے میری طرف سے درس و تدریس اور خدمت قرآن و حدیث کا وظیفہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کی آرزو کے عین مطابق مرشد کامل حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی طرف سے جوہر حیات ودیعت ہوا۔

حج و زیارت

حضرت فقیہ اعظم مدظلہ کی پوری زندگی عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عبارت ہے اور یہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے۔ قرآن وسنت پر آپ اس شان سے عمل پیرا ہیں کہ آپ کی خدمت میں بیٹھنے والا محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ولی کامل کی کچہری میں حاضر ہے۔ جہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر خیر ہر وقت جاری ہے اور فقیہ اعظم احادیث رسول کی عملی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔ آنکھیں جمال محبوب میں محو ہیں اور ان کی نمی سے نمایاں ہوتا ہے کہ آپ دیدار حضور پر نور سے مخمور ہیں۔ اسی اثنا میں اعلیحضرت فاضل بریلوی کے پر عشق نعتیہ اشعار گنگناتے ہیں تو کچھ اور ہی سماں بندھ جاتا ہے۔ زبان حرکت کرتی ہے تو یوں ؎

آنے دو یا ڈبو دو اب تو تمہاری جانب
کشتی تمہی پہ چھوڑی لنگر اٹھا دیے ہیں

کبھی کبھی وفور محبت میں اپنے جذبات کو نعت کے سانچے میں بھی ڈھالتے ہیں ؎

فداک اخوتی امی ابی ابنائی احبائی
ودادی ودّی مرغوبی اتمنّی یا رسول اللہ

جب عشق کمال تک پہنچتا ہے تو در حبیب سے بلاوا آجاتا ہے آپ حج وزیارت کی پہلی بار ۱۹۶۰ء کو سعادت عظمیٰ حاصل کرتے ہیں واپسی پر کیف ومستی کا کچھ اور ہی عالم ہو جاتا ہے۔ عشق ومحبت کا دریا موجزن ہوتا ہے تو بقول جامی التجا کرتے ہیں ؎

مشرف گرچہ شد جامی ز لطفش
خدایا ایں کرم بار دگر کن

پھر ایسا کرم ہوتا ہے کہ بار بار حج وزیارت کی نعمت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ آپ دس مرتبہ حج وزیارت اور پانچ مرتبہ عمرہ شریف اور مدینہ طیبہ میں جانے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ گویا کہ آپ حرمین شریفین (زادھما اللہ شرفاً) میں پندرہ بار جا چکے ہیں۔ ۱۳۹۹ھ کو حاضری مدینہ منورہ کے لئے عراق اور شام کا راستہ اختیار کیا۔ بغداد شریف، کربلا معلی، بصرہ، کوفہ اور دمشق میں صحابہ کرام، اہل بیت، اور کئی مشاہیر بزرگان دین کی مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ امسال سولھویں بار حج وزیارت کے لئے حجاز مقدس روانہ ہو چکے ہیں۔ آپ نے اکثر دورہ حدیث شریف پڑھاتے اس خواہش کا اظہار کیا کہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ میں تو حدیث شریف کا درس دیتے عمر بیت رہی ہے کبھی گنبد خضراء

Marfat.com

کے سایہ میں محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھانے کی آرزو پوری ہو جائے تو زہے نصیب چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سے اس آرزو کی تکمیل بھی ہو چکی ہے۔ دو تین مرتبہ مسجد نبوی میں گنبد خضرا کے سایہ تلے روضہ پاک کے سامنے قرآن پاک کا درس دینے اور بخاری شریف کا دورہ پڑھانے کی نعمت سے بہرہ ور ہو چکے ہیں ۱۹۷۲ء میں احقر کو بھی مسجد نبوی کے سایہ تلے روضہ مقدسہ کے قریب کتاب الحج تک حضرت فقیہ اعظم سے بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

سیاسی خدمات

حضرت فقیہ اعظم مدظلہ نے تدریسی انہماک کے باوجود بھی سیاسی طور اہم خدمات انجام دی ہیں۔ تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی، اہل سنت وجماعت کے اکابر علماء و مشائخ کے ساتھ مل کر اپنے پیر و مرشد حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی خاطر نمایاں کردار ادا کیا۔ آخر بزرگان دین اور علماء اہل سنت کی مساعی جمیلہ سے دنیا کے نقشے پر ایک نظریاتی اسلامی ملک کا قیام عمل میں آگیا۔ جہاد کشمیر میں غازی کشمیر حضرت مولانا علامہ ابوالحسنات قادری علیہ الرحمۃ کا ساتھ دیا۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء میں خصوصیت سے حصہ لیا اور قید وبند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے ساہیوال جیل میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا ابوالنور محمد صدیق اور اپنے اکابر تلامذہ حضرت مولانا ابوالضیاء محمد باقر ضیاء النوری، حضرت مولانا ابوالنصر منظور احمد شاہ ہاشمی وغیرہما کے ساتھ قید ہوئے۔ آپ کو ایک سال قید با مشقت کی سزا سنائی گئی مگر تین ماہ بعد رہا کر دیے گئے۔ ۱۹۷۴ء میں جب سانحہ ربوہ کے باعث تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو آپ نے تحفظ ناموس رسالت کا نعرہ بلند کیا اور اس تحریک میں ناقابل فراموش کردار کا مظاہرہ کیا۔

۷ مارچ ۱۹۷۷ء میں ہونے والے انتخابات میں پاکستان قومی اتحاد کے ٹکٹ پر جمعیت علمائے پاکستان کی طرف سے آپ نے نظام مصطفےٰ کے نفاذ اور مقام مصطفےٰ کے تحفظ کی خاطر باقاعدہ الیکشن میں حصہ لیا۔ ملک کے دیگر مقامات کی طرح اس حلقہ انتخاب میں بھی وسیع پیمانے پر دھاندلیاں ہوئیں۔ اگر پیپلز پارٹی کو ان مذبوحی حرکات کا سہارا نہ ہوتا تو آپ کا مقابل ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوتا۔ پھر انتخابات میں

Marfat.com

دھاندلیوں کے خلاف ابھرنے والی تحریک نظام مصطفےٰ نے حکومت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ اس تحریک میں آپ کا مثالی کردار ہمیشہ دعوت فکر و عمل دیتا رہے گا۔ تحریک نظام مصطفےٰ کے ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے ۲۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو آپ نے گرفتاری پیش کر دی۔ آپ کو رہا کر دینے کی متعدد کوششیں ہوئیں مگر آپ نے رہا ہونے سے بالکل انکار کر دیا۔ چنانچہ جب تک تحریک جاری رہی۔ آپ سنٹرل جیل ساہیوال میں رہے اور جیل کے اندر بھی اپنے مشن کو جاری رکھا۔ درس قرآن کریم کے علاوہ بخاری شریف بھی متعدد قیدی طلبا و علما کو پڑھاتے رہے۔

اولاد فقیہ اعظم مدظلہ کے ہاں پانچ صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تولد ہوئیں جن میں دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں بقید حیات ہیں۔ صاحبزادگان کے نام یہ ہیں: (۱) مولانا ابو العطار محمد طہور اللہ صاحب نوری زید مجدہ (۲) مولانا ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمہ (مرتبِ فتاویٰ) (۳) صاحبزادہ محمد عبداللہ (۴) صاحبزادہ محمد اسد اللہ (یہ دونوں صاحبزادے کم سنی میں وفات پا گئے) (۵) مولانا محمد محب اللہ نوری زید مجدہ مہتمم و متولی دار العلوم حنفیہ فریدیہ ——— صدر انجمن حزب الرحمٰن بصیر پور۔

تصنیفات (۱) فتاویٰ نوریہ (چار جلد مکمل پانچواں زیر تکمیل) اول، دوم، سوم مطبوعہ باقی زیر طبع۔) (۲) مکبر الصوت (۳) حدیث الحبیب (۴) فئی الزوال (عربی) (۵) نعمائے بخشش (نعتیہ دیوان) (۶) نور القوانین (مجموعہ قواعد منظوم بزبان پنجابی) (۷) حرمت زاغ (۸) مسئلہ سایہ (۹) روزہ اور ٹیکہ (۱۰) ابدار البشریٰ بقبول الصلوٰۃ فی الصحوۃ الکبریٰ (۱۱) یہ تمام مطبوعہ ہیں۔ غیر مطبوعہ میں ایک نعتیہ دیوان عربی، فارسی، پنجابی، اردو پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ بخاری شریف اور مسلم شریف پر حواشی لکھے۔

آپ سے فیض یافتگان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے جن کا شمار اس مختصر میں ممکن نہیں۔ انشاء اللہ العزیز تذکرہ فقیہ اعظم میں آپ کی زندگی کے تمام گوشوں کو جب اجاگر کیا جائے گا تو تلامذہ کی فہرست مع مختصر حالات لکھ دیے جائیں گے۔ طوالت کے خوف سے انہی کلمات پر اختتام کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں کہ حضرت فقیہ اعظم مدظلہ کے فیوض و برکات سے زمانہ کو تادیر مستفیض فرماتا رہے اور آپ کی اس عظیم تصنیف فتاویٰ نوریہ کو پہلے سے بڑھ کر قبولِ خاص و عام بنائے۔ (آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔

Marfat.com

مولانا خلیل احمد نوری
رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

استاذ الفقہ والحدیث حضرت مولانا الحاج

محمد نصر اللہ نوری قدس سرہٗ

تحریک پاکستان کے نامور مجاہد مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ نے دنیا نے علم و عمل کو بڑے رفیع المرتبت افراد عطا کئے ہیں۔ اس لحاظ سے برصغیر پاک و ہند پر نعیمی علماء و مشائخ کی دینِ اسلام کی خدمت کے حوالے سے احسانات کی فہرست خاصی طویل ہے۔

مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری قدس سرہ سلسلہ نعیمیہ کے ایک عظیم بزرگ اور حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین نور اللہ مرقدہٗ کے خصوصی فیض یافتہ فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ مدظلہٗ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ ۶ جنوری ۱۹۳۹ء کو قصبہ فرید پور میں پیدا ہوئے۔ مستقبل کے ایک عظیم عالم دین کے خدوخال لڑکپن سے ہی آپ کے چہرۂ پرانوار پر واضح تھے۔ تمام تر تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی کی زیرنگرانی حاصل کی۔ اور اس عظیم باپ نے اپنے ذہین و فطین بیٹے کو بڑی محنت اور توجہ سے پڑھایا۔ نتیجۃً زمانۂ طالب علمی میں ہی آپ نے اسباق کی تدریس شروع کر دی تھی۔ سند فراغت حاصل کرتے ہی درس و تدریس سے مکمل طور پر منسلک ہو کر ترویج و اشاعتِ دین کی اہم ذمہ داری سنبھال لی۔ والد گرامی نے آپ کی ذات پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے ۱۳۷۹ ہجری کو دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کا نائب مہتمم مقرر فرما کر آپ کی شان و وقار میں چار چاند لگا دیئے، اسی دن آپ ابوالفضل کی کنیت سے نوازے گئے۔

آپ ۸ مئی ۱۹۷۳ء کو دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے شعبۂ تبلیغ انجمن حزب الرحمٰن کے صدر مقرر ہوئے۔ یہ ان کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ انجمن نے بے دست و پا ہونے کے باوجود قلیل مدت میں کافی ترقی کی۔ فتاویٰ نوریہ جلد اول و دوم کو ترتیب دے کر شب و روز کی کاوش اور جدوجہد سے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔ اس طرح یہ عظیم علمی ذخیرہ تشنگانِ علوم کو سیراب کرنے لگا۔ اسی فتاویٰ کی باقی جلدیں مولانا مرحوم کے رفیقِ کار، معاونِ خصوصی اور برادرِ عزیز مولانا صاحبزادہ محمد محب اللہ صاحب

Marfat.com

نوری زید مجدہ ترتیب دے کر شائع کروا رہے ہیں۔ مولانا ابوالفضل علیہ الرحمہ کی زیر صدارت انجمن حزب الرحمٰن، بصیرپور ایسے دور دراز علاقے سے ایک ماہوار جریدہ نورالحبیب شائع کرنے لگی جو تاحال صاحبزادہ محمد محب اللہ صاحب کی زیر نگرانی اُسی آب و تاب اور شان و شوکت سے مطلعِ صحافت پر جگمگا رہا ہے۔

آپ کے سینہ میں علم و فضل کا ایک بحر بے کنار تھا۔ انداز تقریر ایسا تھا کہ ادق اور پیچیدہ مباحث کو ایسے سہل اور آسان طریقے سے بیان فرماتے کہ معمولی ذہن رکھنے والے طالب علم کے دل و دماغ پر معانی و مفاہیم نقش ہو کر رہ جاتے۔ علم تفسیر، فقہ اور حدیث میں تو آپ مسلّم امام تھے ہی، آپ کا مقام منطق اور فلسفہ میں بھی بہت بلند تھا۔ یہ آپ کی بلند پایہ منطق دانی کا نتیجہ تھا کہ طلبا رقت آنے سے پیشتر ملاحسن، مُلا جلال اور قاضی مبارک ایسے دقیق اسباق اپنے پاس رکھنے پر اصرار کرتے درس و تدریس کے سلسلہ میں آپ کی تاریخ کا یہ باب کتنا روشن ہے کہ دوسری مرتبہ حاضریٔ مدینہ منورہ کے دوران جب آپ نے درس بخاری شریف شروع کیا تو وہ علماء و فضلا جنہوں نے آپ کا بچپن دیکھا لڑکپن ملاحظہ کیا تھا، آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوئے فخر محسوس کرنے لگے۔

عمر بھر علوم عربیہ سے وابستہ رہنے کے باوجود اُردو زبان کی نشو و نما میں بھی کافی حصہ لیتے رہے درجن بھر کتب و رسائل تصنیف کیے۔ مثلاً: فتاویٰ نصریہ، نورالانوار، المیلاد، گیارھویں شریف، المعراج، مناقب غوثیہ، فضیلت روزہ، اسلام ذریعہ نجات وغیرہ۔

آپ کی سیاسی خدمات بھی قابل رشک ہیں۔ آپ جمعیت علمائے پاکستان کے مقامی صدر تھے، تحریک ختم نبوت میں تقاریر کے ذریعے بھرپور حصہ لیا۔ تحریک نظام مصطفےٰ (۱۹۷۷ء) میں تو آپ کا کردار سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

عبادت گزاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ رمضان المبارک کی کوئی شب ایسی نہ تھی جس میں آپ نماز تسبیح ادا نہ کرتے ہوں بچپن تا وصال سحر خیزی میں بے اعتنائی نہ ہونے دی۔ طلباء کو بھی نماز تہجد ادا کرنے کی ترغیب دیتے۔ آپ کی پوری زندگی اشاعت اسلام کے لیے وقف تھی۔ تاریخ وصال ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ / ۱۹ اگست ۱۹۷۸ء ہے۔ پس ماندگان میں ایک بیوہ کے علاوہ تین صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے محمد فضل اللہ، محمد لطف اللہ اور محمد ابی اللہ سلمہم بطور یادگار ہیں۔

Marfat.com

تقریب

پروفیسر محمد طاہر القادری
پنجاب یونیورسٹی لاہور

فتاویٰ فتویٰ کی جمع ہے۔ اس کے لئے انگریزی زبان میں (Verdict یا Legal Opinion) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ فتویٰ کا معنیٰ امام راغب اصفہانی المفردات فی غریب القرآن (ص۳۷۳) میں یوں بیان کرتے ہیں: "الفتویٰ الجواب عما یشکل من الاحکام" (احکام یعنی مسائل شرعیہ میں سے کسی اشکال کے جواب کو فتویٰ کہتے ہیں) اس سلسلے میں مفتی سے سوال کرنے کو 'استفتاء'، اور احکام شرعی کے باب میں سوال وجواب کے اس نظام کو نظام افتاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فقہ اسلامی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ اس کی تاسیس تشکیل اور تدوین مختلف صورتوں میں ہوتی رہی ہے۔ اس کی تاسیس متعدد مصادر اور ماخذ کے ذریعے ہوئی، جن میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کو زیادہ اہمیت حاصل رہی۔ جبکہ ہر دور میں اجتہاد کی کئی باقاعدہ فقہی صورتیں مختلف مذاہب فقہی کے ہاں مروج رہی ہیں۔ اسی طرح فقہ اسلامی کے ان ماخذ کے ذریعے احکام کی تشکیل اور ان کی تدوین بھی مختلف طریقوں پر مبنی رہی ہے، جن کی تفصیل اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ احکام کی تشکیل و تدوین کی متعدد صورتوں میں سے ایک صورت طریق افتاء کی ہے۔ یعنی مسائل میں جب بھی کسی کو کوئی اشکال یا التباس ہوا تو اس نے فوراً کسی صاحب علم فقیہ یا مفتی سے رجوع کیا اس مفتی نے سائل کے سوال پر جو جواب دیا اسے پورے طور معرض تحریر میں لایا گیا۔ اس طرح سوال وجواب کی صورت میں لاکھوں فقہی مسائل اور شرعی احکام مرتب ہوتے گئے۔ اور رفتہ رفتہ یہ طریق تدوین فقہ کی مستقل صورت اختیار کر گیا۔ جو کتابیں اس ڈھب پر تالیف ہوئیں انہیں فتاویٰ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان فتاویٰ کے ذریعے ہزاروں علماء و فقہاء کی تحقیقات اور فقہی آراء (Legal Opious) محفوظ ہو گئی ہیں اور یہ ہمارے لئے نقد گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔

اس تمہیدی وضاحت کے بعد میں آپ کے سامنے فتویٰ یا نظام افتاء کی اصل (Origin)

Marfat.com

پیش کرنا چاہتا ہوں۔ احکام و مسائل کے سلسلے میں افتاء کا اسلوب خود قرآن اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے۔ سورہ نساء میں مذکور ہے:

(۱) ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن (النساء: ۱۲۷)

ترجمہ: (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔

(۲) اسی سورت میں ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ (النساء: ۱۷۶)

ترجمہ: (اے محبوب) تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔

(۳) فرعون مصر کے ایک خواب کی تعبیر کے سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یا ایھا الملأ افتونی فی رؤیای ان کنتم للرؤیا تعبرون (یوسف: ۴۳)

ترجمہ: اے درباریو! میرے خواب کا جواب دو۔ اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہے۔

(۴) ملک سبا کی ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ملنے پر اپنے درباریوں سے رائے طلب کرتی ہے۔ ارشاد ہے:

قالت یا ایھا الملأ افتونی فی امری (النمل: ۳۲)

وہ بولی اے سردارو میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو۔

(۵) ایک اور مقام پر مذکور ہے:

قضی الامر الذی فیہ تستفتیان (یوسف: ۴۱)

فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے تھے۔

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں یہ امر طے ہو گیا کہ مختلف مسائل و احکام میں اشکال پیدا ہو جائے تو کسی صاحب علم سے پوچھنا، اس کی رائے طلب کرنا اور صاحب علم کا اس سوال پر جواب دینا قرآنی حکم ہے۔ اس طرح فتویٰ، افتاء اور استفتاء یہ سب قرآنی اصطلاحات ہیں۔ گویا فقہ اسلامی کی یہ اصطلاح اور اسلوب و طریق دونوں قرآنی تعلیمات پر مبنی ہیں۔

مزید براں فتویٰ کا طریق کار قرآن کے علاوہ عملی طور پر سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی

Marfat.com

ثابت ہے۔ اس سلسلے میں کافی احادیث مروی ہیں۔ لیکن میں طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے صرف دو تین کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔ سنن ابی داؤد اور نسائی میں سعد بن عبادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بئراً وقال ھذہ لام سعد

ترجمہ: یارسول اللہ سعد کی والدہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ پس کون سا صدقہ بہتر ہے جو ان کے لئے کیا جائے آپ نے فرمایا پانی۔ چنانچہ انہوں نے ایک کنواں کھدوا دیا اور کہا کہ یہ کنواں سعد کی والدہ کے لئے ہے۔ یعنی یہ صدقہ سعد کی والدہ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لئے ہے۔)

اسی نوعیت کا ایک اور فتویٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ جسے حضرت عائشہ نے روایت کیا ہے۔ کہ ایک شخص نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ کچھ بولے بغیر فوت ہوگئی ہیں۔ اگر وہ کلام کرتیں تو میرا خیال ہے صدقہ کرتیں۔ اس کے بعد فتویٰ دریافت کیا "فھل لھا اجرٌ ان تصدقتُ عنھا قال نعم" (متفق علیہ)۔

ترجمہ: کہ اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے کوئی صدقہ کروں تو کیا انہیں ثواب پہنچے گا (یعنی اجر ملے گا) تو حضور نے فرمایا ہاں ضرور ملے گا) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

ان دو احادیث میں فتویٰ کی نوعیت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصراً سائل کے سوال کا جواب مرحمت فرما دیا اور مزید تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ سائل نے کسی مسئلہ پر فتویٰ طلب کیا اور حضور علیہ السلام نے فتویٰ میں حکم کی دلیل بھی بیان فرما دی۔ اس سے شرعی معلومات کا دائرہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔

مثلاً۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک عورت نے سوال کیا، ان ابی کان شیخاً کبیراً ادرکہ الحج ولا یستمسک علی الراحلۃ افیجزئنی ان احج عنہ۔

استفسار یہ تھا کہ میرا والد بہت ضعیف ہے اس پر حج فرض ہے اور ضعف کی وجہ سے وہ اونٹ یعنی سواری پر بیٹھ نہیں سکتا کہ حج کے لئے جا سکے تو کیا یہ کافی ہے کہ میں اس کی طرف سے حج کر لوں۔ اس سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فتویٰ دیا اس کے الفاظ اور اسلوب ملاحظہ ہو: قال علیہ السلام ارایتِ لو کان علی ابیک دین فقضیتہ لہما ای ان

Marfat.com

یجزئک فقالت بلیٰ فقال علیہ السلام فدین اللہ احق و اولیٰ۔

ترجمہ: حضور نے فرمایا۔ بتلاؤ تو سہی اگر تیرے باپ کے ذمہ قرض ہوتا تو تو اس کو ادا کرتی کیا وہ کافی ہوتا۔ اس عورت نے عرض کیا بلاشبہ ادا کرتی اور وہ کافی ہوتا۔ تو حضور نے فرمایا پس اللہ تعالیٰ کا قرض یعنی حج کو اس کی طرف سے ادا کرنا زیادہ ضروری اور بہتر ہے۔

اس فتویٰ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس شرعی کو بطور دلیل استعمال کرتے ہوئے شیخ فانی کے حق میں حج کو حقوق مالیہ کے مماثل قرار دیا اور ادائیگی کو علت مؤثرہ (Effective Cause) ٹھہرایا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور عبداللہ بن عباس اس کے راوی ہیں۔ انہیں سے صحیح بخاری اور مسلم میں اس قسم کی ایک اور روایت ایک ایسے شخص کی نسبت مروی ہے جس نے اپنی بہن کے انتقال کے بعد اس کی نذر کی تکمیل کے لئے یہی سوال کیا اور حضور علیہ السلام نے مذکورہ بالا فتویٰ صادر فرمایا۔ ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب المناسک فصل اول صہ۲۱۳ مطبوعہ دہلی) ایسی روایات صحیحین کے علاوہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مؤطا، مسند احمد بن حنبل اور دیگر کتب حدیث میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ ان فتاویٰ نبویہ سے صدقات و عبادات کا کسی غیر کی طرف سے ادا کرنا نہ صرف جائز ثابت ہوا بلکہ اس کے لئے ان کا اجر و ثواب بھی متحقق ہو گیا۔

چنانچہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی دونوں کے ورود اور صدور کے مواقع اور اسباب مختلف ہوتے تھے۔ ان میں ایک صورت افتاء کی تھی کہ صحابہ کرام انفرادی یا اجتماعی طور پر پیش آنے والی کسی صورت حال کے مطابق اپنے اشکالات کے اندفاع اور حل کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کرتے جس پر آپ اپنا ارشاد صادر فرماتے تھے اور بعد کے ادوار میں صحابہ و تابعین کے علاوہ اہل علم کے ہاں ہمیشہ یہ طریق مروج رہا۔

مدینہ طیبہ میں حضرت عائشہ، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، ابوہریرہ، حضرت علی، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، علی بن حسین بن علی، سالم بن عبداللہ بن عمر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، ابن شہاب زہری، امام محمد باقر، امام جعفر الصادق، یحیٰ بن سعید انصاری اور امام مالک وغیرہم نے نظام افتاء کو زندگی بخشی۔

Marfat.com

مکہ معظمہ میں عبداللہ بن عباس، مجاہد بن جبیر، عکرمہ، عطا بن ابی رباح اور دیگر صحابہ و تابعین نے اس طریق کو اپنائے رکھا۔

کوفہ میں عبداللہ ابن مسعود، علقمہ بن قیس نخعی، مسروق بن اجدع ہمدانی، عبیدہ بن عمرو سلمانی، اسود بن یزید نخعی، شریح بن حارث، ابراہیم بن یزید نخعی، سعید بن جبیر، حضرت عامر الشعبی، سفیان ثوری، حماد بن ابی سلیمان، امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ نے مسند افتاء کو رونق بخشی۔

بصرہ میں انس بن مالک انصاری، ابوالعالیہ رفیع الریاحی، حسن بن یسار، محمد بن سیرین، قتادہ بن دعامہ وغیرہم نے اس سلسلے کو دوام بخشا۔

شام میں عبدالرحمان الاشعری، ابوادریس الخولانی، مکحول بن ابی مسلم اور حضرت عمر بن عبدالعزیز وغیرہم نے یہ فرائض سرانجام دیے۔

مصر میں عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابوالخیر ابن عبداللہ یزنی، یزید بن حبیب، امام شافعی اور ان کے تلامذہ نے اس سلسلے کو ترقی دی۔

یمن میں معاذ بن جبل، طاؤس بن کیسان، وہب بن منبہ صنعانی، یحیٰی بن ابی کثیر، وغیرہم نے فتاویٰ کا سلسلہ جاری رکھا۔

اسی طرح مختلف بلاد اسلامیہ میں عظیم فقہاء و علماء نے فرائضِ افتاء انجام دیئے اور بعض نے اس طریق پر کتب بھی تصنیف کیں۔

احناف کا وہ بنیادی ذخیرہ علم جس کے ذریعے فقہی علوم پہلی مرتبہ مرتب و مدون صورت میں منظر عام پر آئے، کتب ظاہر الروایۃ اور کتب النوادر پر مشتمل ہے جو امام اعظم کے تلمیذ رشید امام محمد بن حسن شیبانی کی مصنفہ ہیں۔ ان میں اکثر مسائل کا بیان اسی طرز پر ہے۔ احکام السیر تو کم و بیش تمام ہی اسی اسلوب پر مرتب کئے گئے ہیں۔ بعد کے ادوار کے فقہاء نے اس اسلوب کو اس حد تک اپنایا کہ مستقل کتب فتاویٰ کے نام سے تصنیف ہونے لگیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ کے سلسلے میں انتہائی احتیاط کی تلقین فرمادی تھی تاکہ اس میدان میں صرف علم و فن میں رسوخ اور کمال رکھنے والے ہی طبع آزمائی کریں۔ اس لئے یہ کام ہمیشہ محتاط اور محقق علماء و فقہاء کے ہاتھوں انجام پاتا رہا۔

Marfat.com

اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہمیشہ اہل علم کے پیش نظر رہی جو ابو داؤد (ج ۲ ص ۱۵۹) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

"من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ"

(جس شخص نے بغیر علم کے فتویٰ دیا اس کا گناہ اسی مفتی کے ذمہ ہے۔)

چنانچہ فتاویٰ کا کام خصوصی توجہ اور احتیاط سے طے پاتا رہا۔ مختلف ادوار میں مرتب ہونے والے فتاویٰ میں سے چند نمایاں کتب کے نام پیش خدمت ہیں۔

فتاویٰ ولوالجیہ، فتاویٰ خانیہ، فتاویٰ ظہیریہ، فتاویٰ طرسوسیہ، فتاویٰ تتارخانیہ، فتاویٰ بزازیہ، فتاویٰ خیریہ، فتاویٰ انقرویہ، فتاویٰ حامدیہ، فتاویٰ مہدیہ، فتاویٰ اسعدیہ، فتاویٰ سراجیہ فتاویٰ امام سبکی، فتاویٰ امام سیوطی، فتاویٰ ابن حجر، فتاویٰ ابن شہاب رملی وغیرہ۔

ہندوستان کے متعدد علماء و فقہاء نے اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں بڑی محنت کے ساتھ ایک فتاویٰ مرتب کیا جو فتاویٰ عالمگیری یا فتاویٰ ہندیہ کے نام سے معروف ہے۔ فتاویٰ عزیزی، فتاویٰ برہنہ اور فتاویٰ عبدالحی وغیرہ اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ لیکن یہاں ایک امر قابل توجہ ہے کہ فقہاء و مصنفین نے مذکورہ بالا فتاویٰ مرتب کرتے ہوئے اس خاص اسلوب اور طرز بیان کو قائم نہیں رکھا، جسے فی الحقیقت فتویٰ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے استفتاء و افتاء کے بجائے مسائل و احکام کو کم و بیش عام کتب کے انداز میں مرتب کر دیا ہے۔ اس طریق تالیف کو بھی بہرحال کتب فقہ میں ایک ممیز، منفرد اور نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ مگر اس طرح فتاویٰ کے اسلوب کی وہ خالصیت اور اصلی حیثیت برقرار نہیں رہی۔

یہ امتیاز بھی برصغیر کے علماء و فقہاء کو حاصل ہے کہ انھوں نے پھر سے اس خصوصی اسلوب کا احیاء کیا اور فتاویٰ کے نام سے فقہ اسلامی پر ایسی تصانیف کا سلسلہ شروع کیا جس نے طریق افتاء کے اصل روپ کو از سر نو محفوظ کر لیا۔ اس سلسلے میں علماء دیوبند کے اکابر و اصاغر کے مرتب کردہ فتاویٰ میں سے فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند قابل ذکر ہیں۔ یہ فتاویٰ اس انداز سے مرتب ہوئے کہ یہ اس فن کو علمی افادیت کے اعتبار سے زیادہ آگے نہ بڑھا سکے کیونکہ بیان مطالب کے سلسلے میں اختصار تھا اور دلائل کی کمی تھی مگر اس اسلوب کو عقلی و نقلی استدلال سے مزین کر کے علوم و فنون کا بحر ذخار

Marfat.com

بنانے والی شخصیت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی ہے۔ جنہوں نے بارہ ضخیم مجلدات پر مشتمل فتاویٰ رضویہ تحریر کیا جو کم و بیش ہم ہزار مسائل کا سرمایہ اپنے دامن میں لیئے ہوئے ہے اور ہر مسئلہ پر اس قدر کثیر عقلی و نقلی دلائل و براہین موجود ہیں جن سے اس فن کو بہت تقویت پہنچی ہے۔ یہ مقام فقہ اسلامی کی تاریخ میں بہت کم ائمہ و فقہاء کو نصیب ہوا ہے اس فتاویٰ کا اصل نام العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویہ ہے۔ شاید انہیں فتاویٰ پر نظر ڈال کر شاعر مشرق علامہ اقبال نے آپ کو اس دور کا امام ابوحنیفہ قرار دیا تھا۔ اس میں سوال و جواب کی صورت میں فتویٰ کے اصل انداز کو ہی اپنایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں فتاویٰ افریقہ، احکام شریعت اور آپ کی کئی دیگر کتب اسی اسلوب پر مبنی ہیں

عصر حاضر میں برصغیر پاک و ہند کے علماء و فقہاء میں سے فتاویٰ نوریہ جس کی تقریب تعارف آج منعقد ہو رہی ہے اسکے گرامی قدر مصنف فقیہ العصر مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ بصیرپوری کی شخصیت یقیناً اسلاف کی کامل نمائندہ ہے جنہوں نے اس قدر علمی اور مدلل انداز میں یہ کتاب تصنیف فرمائی کہ اس دور میں اس کی نظیر مفقود ہے اور یہ فتاویٰ بلاشک وشبہ فن افتاء کی تاریخ میں نمایاں قدر و منزلت کا حامل بن گیا ہے۔ میں بوجہ علالت تاحال ان دو جلدوں کا جو شائع ہو چکی ہیں تفصیلی مطالعہ نہیں کر سکا تاہم میں نے ان کے بعض مقامات کو بغور پڑھا ہے جس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ فتاویٰ کئی اعتبارات سے انتہائی اہم اور افادیت انگیز ہے اس کی زبان عام فہم ہے۔ استدلال نہایت قوی ہے۔ انداز بڑا دل پذیر ہے۔ جوابات میں حسب ضرورت اختصار و تفصیل دا پنایا گیا ہے جس سے عبارت کا حسن اور علمی تبحر دونوں بطریق احسن برقرار رہے ہیں۔ فتاویٰ میں فقیہ العصر علامہ بصیرپوری نے اپنی فقہی رائے کی تائید و توضیح کے لئے دلائل کو اس ترتیب سے بیان کیا ہے کہ اس سے بہتر اور عمدہ ترتیب ممکن نہ تھی۔ مثلاً سب سے پہلے وہ قرآن حکیم سے استدلال کرتے ہیں اس کے بعد احادیث نبوی سے اور پھر علماء و فقہاء کی تحقیقات و عبارات سے۔ اکثر فتاویٰ میں کثرت کے ساتھ دلائل اور مکمل حوالہ جات نے ان کی افادیت میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔ بعض مقامات جہاں انہوں نے کسی مسئلہ پر مفصل تحقیق پیش کی پڑھ کر علامہ بصیرپوری کا علمی و فقہی تبحر، وسعت مطالعہ صلابت رائے اور بے مثال تحقیق کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً فتاویٰ نوریہ جلد اول کے صفحہ ۲۱۱ سے ۲۲۸ تک نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کے موضوع پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی گئی ہے

Marfat.com

ہیں سمجھتا ہوں کہ اسی ایک فتویٰ سے ان کے علمی مقام کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہر چند کہ بعض علماء کی اس مسئلہ پر تحقیق مختلف ہے لیکن اہل علم کے ہاں علمی و فقہی تحقیقات کے باب میں اختلاف رائے کی گنجائش ہمیشہ سے موجود رہی ہے اگر یہ سلسلہ ختم ہو جائے تو تحقیقی و اجتہادی کاوشوں کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا اور علوم و فنون میں توسیع و ارتقاء کے امکانات معدوم ہو جائیں گے۔ مولانا بصیر پوری نے اکثر فتاویٰ میں اپنے استدلال کو متعدد مقدمات تنبیہات، توضیحات اور رد شبہات کی صورت میں پیش کیا ہے جس سے ان کی حیثیت معرکۃ الآراء قرار پاتی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ عقلی و نقلی انداز کو اپناتے ہوئے کسی استفسار کا جواب اس سے بہتر صورت میں دیا جا سکتا ہے۔

یہ فتاویٰ نہ صرف عوام کے لئے بلکہ خواص اور علماء کے لئے بھی از حد معلومات افزا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے بلاشبہ میرے ذوق علمی کی بھی بے پناہ حد تک تسکین ہوئی ہے۔ اس کا مطالعہ تشنگان علم و فن کے لئے یقیناً تسکین کا باعث ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ علامہ مذکور کو عمر خضر اور توفیق کامل سے نوازے۔ آمین۔

Marfat.com

فتاویٰ نوریہ

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

اَللهُ مَحْمِدُہٗ مُحَمَّدُہٗ مُحَمَّدٌ بِجَمَالِهٖ وَجَلَالِهٖ وَمُحَمَّدٌ اِللهُ مُحَمِّدُہٗ
بِاِجْمَالِهٖ وَاِجْلَالِهٖ اَحْمَدُ اللهَ رَبِّیْ وَاُمَجِّدُ عَلٰی اِرْسَالِهٖ وَاِیْصَالِهٖ وَاُصَلِّیْ وَاُسَلِّمُ
عَلٰی حَبِیْبِیْ اَحْمَدَ قَدَرِ جُوْدِهٖ وَنَوَالِهٖ وَعَلٰی اٰلِهٖ اَنْجَالِهٖ وَاَشْبَالِهٖ مَعَادِنِ کَمَالِهٖ وَاِکْمَالِهٖ
وَعَلٰی اَصْحَابِهٖ اَحْبَابِهٖ وَاَبْطَالِهٖ مَرَایَا اَعْمَالِهٖ وَاَحْوَالِهٖ وَعَلَی الْمُتَفَقِّهِیْنَ فِی الدِّیْنِ مَظَاہِرِ
بِاٰیَالِهٖ وَائْتِیَالِهٖ الْمُنْذِرِیْ الْمُکَلَّفِ مِنْ حَرَامِهٖ وَحَلَالِهٖ الْمُبْصِرِیْ دَلَائِلِهٖ وَاسْتِدْلَالِهٖ
لِیَبْلُغَ اِلٰی کَمَالِهٖ وَیَفْرَحَ فِیْ حَالِهٖ وَمَاٰلِهٖ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ
لَهٗ فِیْ مُلْکِهٖ وَاسْتِعْمَالِهٖ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُهٗ وَحَبِیْبُهُ الْمُتَحَبِّبُ
اِلَیْنَا بِمَاٰلِهٖ وَاسْتِمَالِهٖ **اَمَّا بَعْدُ** فَهٰذِهٖ اَجْوِبَةٌ مُّفِیْدَةٌ لِاَسْئِلَةٍ
عَدِیْدَةٍ مِّنَ الْفَقِیْرِ اِلَی اللهِ الْغَنِیِّ اَبِی الْخَیْرِ مُحَمَّدٍ نُوْرِ اللهِ النَّعِیْمِیْ
عُفِیَ عَنْهُ الْخَطَایَا وَهُدِیَ اِلٰی مَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی وَرَضِیَ عَنْهُ وَاَرْضٰی۔

---

۱ على زنة الفاعل من التحميد بمعنى تكثير الحمد وتكريره مبتدأ ۱۲ منه غفرله ۲ على زنة المفعول بالمعنى الوصفى مبدل منه ومحمد علمًا بدل الكل منه والمبدل مع البدل خبر المبتدأ والجملة خبر الجلالة ويتضح من هذا معنى الجملة الثانية ايضًا ۱۲ منه غفرله ۳ جمع النجل بمعنى الولد ۱۲ منه غفرله ۴ جمع شبل وهو ولد الاسد ۱۲ منه غفرله ۵ جمع بطل وهو الشجاع ۱۲ منه غفرله ۶ جمع المظهر الظرف المكان ۱۲ منه غفرله ۷ الاصلاح والسياسة والاحسان فيها ۱۲ منه غفرله ۸ الاصلاح والسياسة ۱۲ منه غفرله ۹ جمع المنذر المضاف الى المكلف اضافة لفظية بحذف النون ۱۲ منه غفرله ۱۰ جمع المبصر محذوف النون المضاف الى دلائله ومعطوفه ۱۲ منه غفرله ۱۱ مصدران اصلهما امالة واستمالة حذفت التاء عنهما للاضافة مثل اقام الصلوٰة ۱۲
۱۲ جمع للمرآة الة الروية ۱۲ منه غفرله ۱۳ لايخفى ما فى المتفقهين من براعة الاستهلال وكذا فى التكليف والحرام والحلال وفى الانذار والابصار والدلائل والاستدلال والبلوغ والفلاح وغير ذلك مما تقدم من الاعمال والاحوال والمرايا والاكمال الى غيرها مما بدا ۱۲ منه غفرله ۱۴ بحذفه مع المفعول العائد الى ابى الخير ليكون الحذف اشارة الى عدم موفنائه فى نفسه كما قال تعالى كل شيء هالك الا وجهه ۱۲ منه غفرنا

Marfat.com

کتاب الطہارۃ

بخدمت اقدس حضرت العلام مفتیٔ اسلام فقیہِ اعظم محدث بصیر لوپری دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ و برکاتہ :-

سوال ۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ غسل خانہ میں بوقتِ غسل وضو کرنا جائز ہے؟ اور اسی وضو کے ساتھ نماز ادا کرنا یا تلاوتِ قرآنِ پاک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲ : غسل خانے کے اندر بوقتِ غسل کلمہ شریف پڑھنا جائز ہے؟ حالانکہ انسان ننگے جسم غسل کر رہا ہو؟

السائل: سکندر علی از کندووال تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال ۹/۲۵ ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ و برکاتہ :-

۱ : بوقتِ غسل وضو اول کرنا سنتِ غسل ہے کما فی احادیث البخاری ومسلم اور جب شرعاً وضو ہو گیا تو نماز اور تلاوتِ قرآن پاک ہاتھ لگا کر یقیناً جائز ہو گی بلکہ شرعاً غسل کا نام طہارتِ کبریٰ ہے یعنی سب سے بڑی طہارت کیونکہ وضو سے غسل بڑا ہے اور جب صرف چھوٹی طہارت سے جائز ہے تو بڑی سے کیونکر جائز نہ ہو؟

۲ : غسل خانہ میں خصوصاً ننگے جسم کلمہ شریف یا قرآنِ پاک نہیں پڑھنا چاہیے۔ ہاں دل میں تو ہر وقت کلمہ رہتا ہے مگر ظاہر پڑھنا ادب کے خلاف ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین بارے ایں مسائل کے کہ بعد از غسل میت کو کفن دینے کے بعد جب چارپائی اٹھا کر تین...... منزل دیتے ہیں کہ شرع شریف میں اس کا کوئی ثبوت ہے؟ اس کا کوئی ثبوت ضرور تحریر فرمائیں۔

نمبر۲ : کیا نیتِ جنازہ کا جو وضو کیا گیا ہے اس وضو سے نماز فرضِ عین ادا کر سکتا ہے یا کہ نہیں! جواب عطا فرمائیں۔ اجرِ عظیم اللہ تعالیٰ سے حاصل کریں۔

السائل : حافظ دیوان علی و سید عبدالحمید شاہ چک نمبر ۵/۱۵۲ ایل

ڈاکخانہ خاص مدرسہ میاں چنوں تحصیل خانیوال ضلع ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

ہمارے مذہبِ مہذب حنفی میں وضو کے لئے نیت شرط نہیں تو وضو بلانیت ہی ہو جاتا ہے اور نمازِ جنازہ کی نیت تو ہے ہی نماز کی نیت، تو بطریق اولیٰ جائز ہو گیا۔ اور جب وضو ہو جائے تو اس سے سب نمازیں فرض و واجب اور سنت و نفل ادا ہو سکتی ہیں بلکہ تیمم جس میں نیت شرط ہے وہ بھی اگر نیتِ نمازِ جنازہ سے کیا جائے تو اس سے بھی ہر فرض نماز بلاخلاف جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیر صـ۱۳ جلد ۱ میں ہے لو تیمم لصلوٰۃ الجنازۃ او لسجدۃ التلاوۃ اجزأہ ان یصلی بہ المکتوبۃ بلا خلاف کذا فی المحیط۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ یہ دوسرے سوال کا جواب ہے اور پہلا سوال میں نہیں سمجھ سکا۔ یہاں ایسا کوئی رواج نہیں، تفصیل سے لکھا جائے تو جواب دیا جا سکتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت جواب میں ذرہ تاخیر ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ لفافہ گم ہو گیا اور کافی جستجو کے بعد کئی دنوں کے بعد آج ملا ہے تو آج ہی جواب لکھ دیا ہے۔

الاستفتاء

بخدمت شریف جناب مولانا مولوی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم : زیادہ آداب کے بعد عرض ہے کہ چند ایک مسئلہ جات کا فتویٰ لکھ کر مشکور فرمادیں، نہایت ہی مہربانی ہو گی۔

Marfat.com

نمبرا : نمازِ جنازہ کے وضو سے دوسری فرضی نماز جائز ہے یا نہیں ؟
نمبر۲ : روزے کے درمیان کوئی مسلمان آدمی فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ کس طرح ہے ؟
نمبر۳ : خسرے کا جنازہ کس طرح ہے ؟
نمبر۴ : نمازِ فجر کی سنتیں جماعت کے نزدیک کیسی ہیں اور کس طریقہ سے بہتر ہیں ؟
نمبر۵ : وضو پر وضو کر سکتا ہے یا نہیں ؟ جلدی ارسال فرمادیں۔ فقط والسلام مع الاکرام

السائل :- محمد منیر و محمد شریف چک ۵۲ لیلکے ڈاکخانہ بنگلہ ڈیو ضلع ساہیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور و الصواب

۱ : نمازِ جنازہ کے وضو سے مراد وہ وضو ہے جو بہ نیت نمازِ جنازہ کیا گیا۔ یا وہ ہے جس کے ساتھ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ سائل نے یہ تفصیل نہیں کی مگر شرعاً ہر طرح اس وضو سے دوسری تمام نمازیں نفلی و فرضی جائز ہیں۔ پہلی صورت میں اس لئے کہ وضو میں نیت سرے سے شرط ہی نہیں تو اگر نمازِ جنازہ کی نیت سے بھی نہ ہوتا تب بھی اس سے سب نمازیں جائز ہوتیں لاطلاق اوامر الکتاب والسنۃ والاطلاق حجۃ مطلقۃ۔ اور بدائع صنائع ص۲۰ جلد۱ وغیرہا میں ہے لایشترط لھما (ای الوضوء والغسل) النیۃ اور دوسری صورت میں یوں کہ وضو کے توڑنے والا صرف حدث ہی ہے، بدائع ص۲۴ جلد۱ وغیرہا میں ہے فالذی ینقضہ الحدث۔ اور نمازِ جنازہ کو کسی آیت یا حدیث یا کسی امام قدیم و حدیث نے حدث قرار نہیں دیا بلکہ ائمہ عظام نے صاف صاف فرمادیا کہ قہقہہ جو دوسری نمازوں میں مفسدِ نماز و وضو ہے، نمازِ جنازہ میں مفسدِ وضو نہیں۔ بدائع ص۳۲ جلد۱ وغیرہا میں ہے لا فی صلوٰۃ الجنازۃ۔ سنن بیہقی ص۳۰۶، ۳۰۷ جلد۱ میں ہے کہ حضرتِ نافع جو بہت بڑے تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ ہم نمازِ جنازہ پڑھتے تھے اور وضو نہ لوٹاتے تھے ونصلی علیہ ولا نعید الوضوء۔ اور ص۳۰۳ جلد۱ میں حضرتِ سعید ابن المسیب جو بہت بلند پایہ تابعی ہیں ان سے بیانِ سنت کے ماتحت ہے کہ نمازِ جنازہ سے وضو نہیں ٹوٹتا ولا وضوء علی احد من غیر ذلک ممن صلی علیہ۔ نیز ص۳۰۷ میں ہے کہ حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ نمازِ جنازہ چونکہ نماز ہے تو دوسری نماز کے لئے نئے وضو کی ضرورت نہیں قال انما کنا فی صلوٰۃ و رجعنا الی صلوٰۃ فلا وضوء۔

۲ : دوسرے اہلِ اسلام ہی کی طرح ہے۔ سائل نے اس سوال میں بھی تفصیل نہیں کی کہ روزہ

Marfat.com

کی حالت میں فوت ہونا کس طرح ہے آیا وفات کا سبب روزہ ہے یا کوئی اور مرض یا عرض جیسے عموماً امراض وغیرہ سے بلا حالتِ صیام بھی موتیں واقع ہوتی رہتی ہیں اور روزہ کی سببیت کی بھی کئی موتیں ہیں مثلاً بیماری میں روزہ رکھا یا روزہ پر بیماری یا سخت بھوک یا پیاس طاری ہوگئی اور کوئی دوا، غذا، پانی میسر نہ ہوسکا، یا میسر ہوا مگر اس گمان پر استعمال نہ کیا کہ روزہ پورا ہو جاتا ہے تکلیفیں ہوا ہی کرتی ہیں اور قابل برداشت سمجھتا رہا کہ موت آگئی۔ اور ایسے ہی مفر یا ان صورتوں میں اچانک غشی طاری ہوگئی، کچھ سوچ ہی نہ سکا یا کسی ظالم نے مقیم تندرست کو مجبور کیا کہ ماہِ رمضان شریف کا روزہ نہ رکھے یا توڑ دے ورنہ قتل کر دوں گا اور اس نے صبر کیا اور ظالم نے قتل کر دیا تو ایسی سب صورتوں میں وہ جنتی ہے کیونکہ اچھے کام روزہ پر اس کا خاتمہ ہوا۔ قرآنِ کریم میں معذورین کو فرمایا وان تصوموا خیر لکم یعنی تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ شرح الصدور ص۱۳۱، کنز العمال ص۹۵ جلد ۸ میں بحوالہ دیلمی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من مات صائما اوجب اللہ له الصیام الی یوم القیمة یعنی جو روزہ کی حالت میں فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے قیامت تک روزہ ثابت کر دیتا ہے۔ شرح الصدور صفحہ مزبورہ میں بحوالہ مسند امام احمد اور کنز العمال ص۲۹۳ جلد ۴ میں بحوالہ بزار حضرتِ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظ متقاربہ ہے کہ حضور پرنور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من ختم له بصیام یوم دخل الجنة "جس کا خاتمہ ایک دن کے روزے کے ساتھ یا بسبب ایک دن کے روزے کے ہوا بہشت میں داخل ہوگا۔ جامع الصغیر ص۵۵ جلد ۲ میں حضرتِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بحوالہ مسند امام احمد و مستدرک حاکم بر افادہ تصحیح مرفوع حدیث شریف ہے من مات علی شیٔ بعثه اللہ علیه یعنی جو کسی کام پر مرے اللہ تعالیٰ اس کو اس کام پر اٹھائے گا۔ بحر الرائق ص۲۸۳ جلد ۲، بدائع صنائع ص۹۴ جلد ۲ بیان اعذار میں ہے والنظم منها بعضها مبیح مطلق لا موجب کما فیه خوف زیادة ضرر دون خوف الهلاك۔ بحر الرائق ص۲۸۱ جلد ۲ میں ہے معرفة ذلك باجتهاد المریض۔ بدائع ص۹۷ جلد ۲ میں ہے واما الاکراه علی افطار صوم شهر رمضان بالقتل فی حق الصحیح المقیم فمرخص فالصوم افضل حتی لو امتنع من الافطار حتی قتل یثاب علیه۔ اور اگر ان صورتوں میں ماسوائے اکراہ ظالم کے اسے معلوم ہوگیا کہ روزہ پر قائم رہنا باعثِ ہلاک ہے اور دوا، غذا، پانی پر قادر بھی ہے یا مسافر و مریض کو ظالم مجبور کرے کہ روزہ نہ رکھے یا توڑ دے یا عموماً روزہ سنت و نفل

Marfat.com

کے متعلق یوں کہے اور دھمکی دے کہ نہ ماننے پر قتل کر دے گا اور غالب گمان یا یقین ہو کہ واقعی قتل کر دیگا تو شرعاً ان صورتوں میں اس پر لازم کہ جان بچانے کے لئے روزہ چھوڑ دے تو نہ چھوڑنے کی صورت میں گنہگار ہوگا۔ بدائع صـ۹۴ جلد ۲ میں ہے وما فیہ خوف الھلاک فھو مبیح مطلق بل موجب۔ ص ۹۷ جلد ۲ میں ہے واما الجوع والعطش الشدید الذی یخاف منہ الھلاک الخ ص ۹۶ جلد ۲ میں ہے واما فی حق المریض والمسافر فالاکراہ مبیح مطلق فی حقھما بل موجب (الی ان قال) یأثم۔ ہاں اگر اس مسئلہ سے ناواقف ہو اور ظاہر معنی ان تصوموا خیر لکم کی بنا پر جانے کہ شرعاً میرے اوپر روزہ پر قائم رہنا لازم ہے یا کسی عالم نما بے علم نے فتویٰ دے دیا کہ روزہ پر قائم رہنا ضروری ہے۔ بہرحال وہ اپنی دانست سے شرعی حکم کی تعمیل کرتا ہوا فوت ہوگیا تو ظاہر یہ ہے کہ معذور ہوگا کہ حدیث انما الاعمال بالنیات رواہ البخاری صـ۲ ج ۱ وغیرہ من ائمۃ الحدیث یعنی اعمال کے حکم نیتوں پر ہی ہیں اور حدیث ابوداؤد صـ۱۵۹ ج ۲ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ یعنی جو بغیر علم کے فتوے دے گا تو گناہ اس کا فتوے دینے والے پر ہوگا۔ اور حدیث ابوداؤد صـ۴۹ ج ۱، ابن ماجہ صـ۴۳، سنن بیہقی صـ۲۲۶، ۲۲۷ ج ۱ باسانید متعددہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ ایک صاحب کو سفر میں نہانے کی ضرورت ہوئی حالانکہ وہ نہانے سے معذور تھے تو فتوے طلب کیا۔ ساتھیوں نے نہانے کا فتوے دیا وہ نہائے اور فوت ہوگئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں یہ معروض ہوا تو فرمایا قتلوہ قتلھم اللہ یعنی ان فتوے دینے والوں نے اسے مارا اللہ انہیں مارے۔ وغیرہا احادیث کا یہی تقاضا ہے بلکہ علامہ طحطاوی علیہ الرحمۃ حاشیہ مراقی الفلاح صـ۳۶۵ میں مرض کیوجہ سے قاتلِ نفس کے متعلق فرماتے ہیں لانہ فی الظاھر ربما یعد معذورا اور اگر معذور نہ ہو تو گنہگار ہوگا اور مسلمان گنہگار کا جنازہ بلاشک و شبہ و ریب تمام اہل سنت کے نزدیک جائز بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ شرح العقائد مع النعقائد کے صـ۱۱۵ میں ہے ویصلی علی کل بر وفاجر اذا مات علی الایمان للاجماع ولقولہ علیہ السلام لاتدعوا الصلوٰۃ علی من مات من اھل القبلۃ اور ایسے ہی عامہ معتبراتِ مذہب مہذب میں مصرح ومشرح ہے اور اگر اسے مسئلہ معلوم تھا اور قصداً نہ چھوڑا تو پھر بھی یہی حکم ہے کہ گنہگار ہے اور جنازہ جائز ہے۔ اور اگر اس نے اس لئے روزہ نہیں چھوڑا کہ خودکشی کرنا چاہتا

Marfat.com

سے حالانکہ یہ صورت نہایت ہی ندرت رکھتی ہے تو پھر بھی اس کا جنازہ جائز ہے کہ خودکشی کرنے والے کا جنازہ جائز ہے کہ جنازہ حقوق اسلام سے ہے کما یدل علیہ صراح صحاح احادیث الصحاح وغیرھا وھو منطوق اسفار المذھب المھذب بلکہ ائمہ دین نے صراحتہً اس جزئیہ خودکشی کا بیان فرمایا ہے ۔ تنویر الابصار ، درالمختار ، ردالمحتار ص۸۱۵ ج ۱ فتاوی عالمگیری ص۱۵۸ ج ۱ وغیرہا میں ہے والنظم من الدر مع المتن من قتل نفسہ ولو عمدًا یغسل ویصلی علیہ بہ یفتی ۔ چونکہ دشمنان دین جو ہمیشہ علمائے کرام کو بدنام کرنے کی چالیں چلتے ہیں ۔ سالانہ ماہ رمضان المبارک کی آمد پر ایسے من گھڑت افسانے مشہور کر دیا کرتے ہیں جن سے سادہ لوح اہالیان اسلام کے سامنے قدرتی طور پر ایسے سوالات آجایا کرتے ہیں لہذا اس سوال کے جواب میں بعض صور کی قدرے تفصیل کی گئی ۔

ج۳ : خسرا جنی جس میں نر و مادہ کی علامتیں پائی جائیں تو وہ حقیقۃً یا نر ہوتا ہے یا مادہ ۔ اگر نروں کی علامت سے پیشاب کرتا ہے تو وہ نر ہے اور اگر مادائوں کی علامت سے کرے تو وہ مادہ اور اگر دونوں سے کرتا ہے تو جس سے پہلے کرے اس کا اعتبار ہے اور اگر دونوں سے برابر کرے تو وہ خنثیٰ مشکل ہے فتاوی عالمگیر ص۲۹۵ ج ۴ ، تنویر الابصار ، درالمختار ، ردالمحتار ص۶۳۶ ج ۵ میں ہے والنظم من الھندیۃ ان الخنثی ما یکون لہ مخرجان (الی ان قالوا) فان کان یبول من الذکر فھو غلام وان کان یبول من الفرج فھو انثی وان بال منھما فالحکم للاسبق کذا فی الھدایۃ وان یستویا فی السبق فھو خنثی مشکل عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ علیہ الخ اور یہ اشکال بلوغ سے پہلے تک ہے ۔ عالمگیریہ کے اسی صفحہ میں ہے قالوا وانما یتحقق ھذا الاشکال قبل البلوغ اور بعد بلوغ احتلام ، جماع ، حیض ، نفاس ، ڈاڑھی ، پستان ، دودھ ، حمل وغیرہ علامات کے لحاظ سے مرد یا عورت ہونا معلوم ہو سکتا ہے ۔ ان کتابوں کے انہی صفحات میں ہے واما بعد البلوغ والادراک یزول الاشکال فان بلغ او جامع بذکرہ فھو رجل وکذا اذا لم یجامع بذکرہ ولکن خرج لحیتہ فھو رجل کذا فی الذخیرۃ وکذا اذا احتلم کما یحتلم الرجل او کان لہ ثدی مستو ولو ظھر لہ ثدی کثدی المرأۃ او نزل لہ لبن فی ثدییہ او حاض او حبل او امکن الوصول من الفرج فھو امرأۃ

Marfat.com

اور اگر ان علامتوں میں سے کوئی بھی ظاہر نہ ہو یا علاماتِ متعارضہ ظاہر ہوں یعنی کوئی مرد کی علامت اور کوئی عورت کی پائی جائے تو وہ بھی خنثیٰ مشکل ہوگا انہی کتابوں کے انہی صفحات میں مگر ہندیہ کے صفحہ ۳۹۹ میں ہے وان لم تظهر احدی هٰذہ العلامات فهو خنثیٰ مشکل وکذا اذا تعارضت هٰذہ المعالم کذا فی الهدایة ۔ مگر مبسوط شمس الائمہ سرخسی (جو ظاہر الروایۃ کی جامع ہے) میں ہے کہ بعد بلوغ خنثیٰ مشکل نہیں رہتا کہ اگر اسمیں ان علامات سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو وہ مرد ہے ۔ اس لئے کہ پستانوں کا عورتوں کی طرح نہ ابھرنا دلیل شرعی ہوگا اس کے مرد ہونے پر ۔ صفحہ ۱۱۲ ج ۳۰ میں ہے وان لم یکن لشیٔ من ذالك فهو رجل لان عدم نبات الثدیین یکون دلیلا شرعیا علٰی انه رجل ۔ اور یہ فتاویٰ عالمگیر کے صفحہ ۳۹۹ ج ۴ میں بھی ہے ۔ مگر اس صورت میں بھی یوں خنثیٰ مشکل کے حکم میں ہو سکتا ہے کہ لوگوں پر واضح ہونے سے پہلے مر جائے ۔ مثلاً ایک خنثیٰ مشکل کو بلوغ سے پہلے لوگ جانتے ہیں اور وہ غائب ہو گیا ۔ پھر بالغ ہونے کے بعد آیا اور آتا ہی قتل ہو گیا اور قاتل نے یا جانوروں نے سینے کا گوشت اتار لیا تو حکماً یہ بھی خنثیٰ مشکل ہوگا ، جیسے بلوغ سے پہلے بچے کی دونوں علامتیں نہ ہوں اور ناف سے پیشاب کرتا ہو تو وہ خنثیٰ نہیں مگر خنثیٰ مشکل کے حکم میں ہے ۔ شامی صفحہ ۶۳۶ ج ۵ میں ہے قوله او من عری الخ (الیٰ ان قال) ویدل علیه قول محمد هو عندنا والخنثیٰ المشکل فی امره سواء ۔ اور ایسے ہی اگر بعد بلوغ علاماتِ متعارضہ پائی گئیں مثلاً مردوں کی طرح ڈاڑھی اتری اور عورتوں کی طرح پستان ابھرے تو مشکل ہوگا کما مر من الهندیة وغیرها نیز شامی صفحہ ۶۳۸ میں ۔ ہے قوله بعد تقرر اشکاله ای تقرره عندنا بعلمنا به کما لو رأینا له ثدیین ولحیة ۔ بہرحال جس کا لڑکا یا مرد ہونا معلوم ہو گیا تو اسکا حکم وہی ہے جو لڑکے اور مرد کا حکم ہے اور جس کا لڑکی یا عورت ہونا معلوم ہو گیا تو اس کا حکم انہی کا حکم ہے اور جس کے متعلق وضاحت نہ ہوئی تو وہ خنثیٰ مشکل ہے تو اگر چھوٹا ہے اور حدِ شہوت کو نہیں پہنچا تو عورت مرد دونوں اس کو غسل دے سکتے ہیں اور کفن لڑکیوں کی طرح دیا جائے مگر ریشم وغیرہ کے کپڑے جو مردوں پر منع ہیں ان میں کفن نہ دیا جائے ۔ اور اگر حدِ شہوت کو پہنچ چکا ہے یا بالغ ہے تو اس کو غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمم کرایا جائے ۔ پس اگر محرم مرد یا عورت مثلاً باپ ، بھائی یا ماں بہن تیمم کرائے تو ہاتھ پر کپڑا لپیٹنے کی ضرورت نہیں اور اگر غیر محرم ہے تو کپڑا لپیٹ کر تیمم کرائے اور

Marfat.com

کفن عورتوں کی طرح دیا جائے مگر ریشم وغیرہ نہ ہو۔ درالمختار و شامی ص۸۰۶ ج ۱ میں ہے و ییمم الخنثی المشکل لو مراھقا والا فکغیرہ فیغسله الرجال والنساء۔ فتاوٰی ہندیہ ص۳۹۹ ج ۴ میں ہے وان مات قبل ان یستبین امرہ لم یغسله رجل ولا امرأة الخ ص۸۲ ج ۱ الخنثی یکفن کما تکفن المرأة احتیاطا ویجتنب الحریر الخ البتہ عالمگیری میں شمس الائمہ حلوانی سے ہے کہ ٹوکرے وغیرہ میں ڈال کر غسل دیا جائے یعنی بہتے پانی میں وہ ٹوکرا ڈال کر ہلا دیا جائے کہ غسل ہو جائے۔ اور ہاتھوں سے غسل نہ دیا جائے۔ ص۳۹۹ ج ۴ میں ہے وقال شمس الائمة یجعل فی کوارة ویغسل مگر ظاہر الروایۃ پہلی ہی صورت تیمم والی ہے۔ بحرالرائق ص۱۷۴ ج ۱ میں ہے والظاهر انه ییمم لہٰذا تیمم ہی کرایا جائے اور نمازِ جنازہ میں دعائے مشہور تو مرد اور عورت کے لئے ایک ہی ہے اور دوسری دعائیں جو مسنون و مروی ہیں جن کی ضمیروں کا تذکیر و تانیث میں فرق ہوتا ہے یا غیر بالغ کی دعائیں تو ان کی تذکیر میں کوئی حرج نہیں کہ اصل تذکیر ہی ہے اور اسی لئے فقہائے کرام نے خنثیٰ مشکل کے لئے الفاظِ تذکیری ذکر کئے ہیں مثلاً مشکل کہتے ہیں اور مشکلہ نہیں کہتے۔ شامی ص۶۳۶ ج ۵ میں ہے لم یقل مشکلة لانه لم یتعین احد الامرین فجاء علی الاصل وهو التذکیر یا اس لئے کہ جب دونوں احتمال ہیں تو بوجہ شرف تغلیبِ تذکیر ہوگئی۔ اسی میں ہے او لانه لما احتمل الذکورة والانوثة غلبت التذکیر اور اگر الفاظِ تانیث استعمال کرے تو بتاویل نفس یہ بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کل نفس ذائقة الموت۔ اور دفن کرتے وقت قبر پر عورت کی طرح پردہ کرلیں۔ درالمختار شامی ص۸۳۸ ج ۱ نیز مع المتن ص۶۳۸ ج ۵ میں ہے والنظم من التنویر وندب تسجیة قبرہ۔

سوال ۴: فجر کی سنتیں سب سنتوں سے زیادہ مؤکدہ ہیں ان کی تاکید میں بکثرت احادیث وارد ہیں صرف ایک ہی بطورِ تبرک اختصاراً عرض کی جاتی ہے۔ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لا تدعوهما وان طردتکم الخیل یعنی انکو ترک نہ کرو اگرچہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں (رواہ ابوداؤد) ص۱۷۹ ج ۱۔ بدیں وجہ اجلہ صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جماعت کے نزدیک ستون، دیوار وغیرہ کی آڑ میں ادا فرمائی ہیں اسندہ الطحاوی فی

Marfat.com

شرح معانی الآثار ص۲۱۹، ص۲۲۰ ج ۱۔ تو جماعت کے نزدیک بھی بشرطِ پردہ ادا کرنا سنتِ صحابہ بنا۔ اور عموم احادیث مرفوعہ کے ماتحت اندراج کے باعث امتثال اوامر وسننِ حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہوا لہٰذا حضرات تابعین نے بھی اس پر عمل فرمایا۔ چنانچہ شرح معانی الآثار ص۲۲۰ ج ۱ میں حضرت حسن بصری اور مسروق وغیرہ سے مروی ہے اور کتب مذہب مہذب میں صراحۃً آیا۔ غنیہ شرح المنیہ ص۲۴۰ وغیرہا میں ہے لایکرہ سنۃ الفجر اذا علم انہ یدرک الرکعۃ الثانیۃ او التشھد علی ما فیہ من الخلاف اور ص۳۷۹ میں مع المتن ہے وان یاتی بھا اما فی بیتہ وھو الافضل او عند باب المسجد الخ ہاں یہ ضروری ہے کہ جماعت کلی طور پر فوت نہ ہو جائے یعنی کم از کم ایک رکعت اور ایک قول میں تشہد مل جانے کی قوی امید ہو کہ جماعت نماز کی بہت بڑی تاکیدیں آئی ہیں اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اذا اقیمت الصلٰوۃ الخ حدیثِ موقوف ہے ورنہ مؤوّل ہے اور ادا سے مانع نہیں کما فی شرح معانی الآثار ص۲۱۸ ج ۱۔ اور اس کا عموم یقیناً مراد نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ ایک مسجد میں جماعت کھڑی ہو جائے تو دوسری مساجد والے بھی ادا نہ کر سکیں اور نہ ہی معذور اپنے گھروں میں پڑھ سکیں بلکہ اسلامیانِ روئے زمین کے لئے بندش ہو جائے بلکہ فضا و سماء کے جن و ملائکہ کے لئے بھی ممانعت ہو جائے وذا مما لا یقول بہ احد۔ نیز سننِ بیہقی ص۴۸۳ ج ۲ میں یہ حدیث بہ استثنائے سنتِ فجر ہے وما اعترض البیھقی بہ اجاب عنہ العینی فی شرح البخاری ص۱۱ ج ۲ مفصلا۔

۵: ہاں کر سکتا ہے اور کارِ ثواب ہے۔ سیدِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ ہر نماز کے لئے وضو تازہ فرمایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری ص۳۴ ج ۱ میں حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ عند کل صلٰوۃ۔ اور یہ مضمون مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ، طحاوی، بیہقی وغیرہا کی احادیثِ کثیرہ سے قطعی طور صراحۃً ثابت کہ اس پر بہت ثواب ہوتا ہے۔ سنن ابوداؤد ص۹ ج ۱، ترمذی ص۱۰ ج ۱،

سہ کما ھو عن الغنیۃ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

ابن ماجہ ص۳۹۔ طحاوی ص۲۵ ج ۱ ۔ بیہقی ص۱۶۲ ج ۱ میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بالفاظِ متقاربہ ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من توضأ علی طھر کتب اللہ لہ بہ عشر حسنات یعنی جو طہارت پر وضو کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس وضو کے بدلے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ احیاء العلوم ص۱۴۰ ج ۱ میں حدیثِ مرفوع تحریر ہے الوضوء علی الوضوء نور علی نور یعنی وضو پر وضو نور پر نور ہے۔ شامی ص۸۶ ج ۱ میں فرماتے ہیں وقال الحافظ ابن حجر حدیث ضعیف و رواہ رزین فی مسندہ۔ اور احادیثِ ضعیفہ فضائل اعمال میں بالاتفاق مقبول و معمول بہا ہیں و ذا ظاھر من ان یظھر خصوصًا اذا تأیدت باحادیث صحاح وحسان۔ لہذا کتبِ مذہبِ مہذب حنفیہ میں صراحۃً مذکور کہ وضو پر وضو مستحب و ادب ہے۔ عالمگیر ص۵ ج ۱ وغیرہا میں ہے ومنھا الوضوء علی الوضوء۔ البتہ علماءِ کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ پہلے وضو کے ساتھ فرض یا نفل ادا کر لے تو دوسرا وضو مستحب ہے۔ شامی ص۱۱۱ میں شرح المصابیح سے ہے وانما یستحب الوضوء اذا صلی بالوضوء الاول صلوٰۃ کذا فی الشرعۃ والقنیۃ اھ و ھٰھنا زیادۃ بیان فانظر الشامی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہٖ واصحابہٖ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وبارک وسلم

ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ بروز منگل

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مندرجہ ذیل مسائل میں :۔

نمبر۱ : بعض حضرات گھڑی کے چین کو ممنوع قرار دیتے ہیں کہ دھات کا استعمال جائز نہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ گھڑی بھی تو دھات کی ہے اس کا جائز ہونا کیسے ثابت ہوا ؟

نمبر۲ : ایک آدمی با وضو تھا لیکن ہوا دبر سے خارج ہو گئی تو وضو ٹوٹ گیا لیکن پھر دوبارہ وضو جب کرتے ہیں تو وضو پورا کیا جاتا ہے اور استنجاء نہیں کیا جاتا ، اس کی کیا وجہ ؟

نمبر۳ : آدمی چلتی ہوئی ریل گاڑی پر سفر کر رہا ہے اور نماز کا وقت آگیا اور گاڑی میں کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ منہ بھی قبلہ کی طرف درست نہیں رہتا تو کیا اس وقت جیسے ہو سکے بیٹھ کر نماز پڑھ لے

Marfat.com

یا پھر ریل گاڑی کا سفر ختم ہونے پر پھر دوبارہ ان نمازوں کا اعادہ کرے یا نہ ؟

نمبر۴۔ اگر امام کے پیچھے ایک مقتدی بالغ ہو اور ایک بچہ نابالغ تو کیا اس طرح جماعت جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۵ : فرضوں کی ایک آخری رکعت یا دو رکعت میں قرارت کیوں نہیں کی جاتی ؟

نمبر۶ : ہوائی جہاز میں نماز کا حکم کیا ہے کیونکہ وہ ہوا میں ہوتا ہے ؟ پڑھنا اس میں جائز ہے یا قضاء کرے ؟

نمبر۷ : کیا مجاہد ایک رکعت نماز پڑھ سکتا ہے یا کہ نہیں ؟

السائل : مولوی مردان علی ۱۴ ہیوی اک اک رجمنٹ اڑیلری طیر کینٹ کراچی نمبر۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

نمبر۱ : سونے، چاندی کے علاوہ کسی دھات کا چین ناجائز نہیں کیونکہ شرعاً ممانعت نہیں۔

نمبر۲ : ہوا سے جسم آلودہ نہیں ہوتا لہذا استنجا کی ضرورت نہیں اور شلوار دھونی بھی ضروری نہیں۔

نمبر۳ : گاڑی میں قبلہ رخ کھڑے ہوکر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ میں خود ہمیشہ قبلہ رخ کھڑے ہوکر پڑھا کرتا ہوں البتہ اگر بیمار یا کمزور ہو تو بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر بھی جائز ہے مگر قبلہ کا خیال رکھنا ضروری ہے، نماز ضرور پڑھے اور اعادہ کی ضرورت نہیں۔

نمبر۴ : ہاں اس طرح نماز جائز ہے۔ بچہ بالغ کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ بالغ اگرچہ زیادہ ہوں تب بھی ایک بچہ ساتھ ہی کھڑا ہوگا۔

نمبر۵ : نماز فرض اصل میں دو دو رکعت ہی فرض ہوئی تھی اور جب بعد میں زیادہ کی گئی تو زائد میں تخفیف رکھی گئی اور قرارت ضروری نہ ٹھہری۔

نمبر۶ : ہوائی جہاز میں نماز جائز ہے گو ہوا میں ہوتا ہے مگر پھر بھی نمازی تو جہاز کے تختوں پر ہوتا ہے اور قطب نما وغیرہ سے قبلہ بھی معلوم ہو جاتا ہے اور جہاز کا سرکاری عملہ بھی تعاون کرتا ہے۔

نمبر۷ : مجاہد دوسرے مسلمانوں کی طرح نماز ادا کرے مقیم ہے تو چار ورنہ دو پڑھے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

Marfat.com

نوٹ: استفتاء میں ایک ہی سوال ہو تو باقاعدہ دلائل لکھے جاتے ہیں مگر یہ سوالات کی فہرست ہے لہذا مختصر لکھا گیا۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ چاہ مسجد سے پھولا ہوا چوہا برآمد ہوا ہے ایک فریق کہتا ہے کہ صرف بیس ڈول کافی ہیں۔ چوہے میں اس سے زیادہ کسی کتاب میں نہیں آیا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ تین سو ڈول نکالنے چاہئیں۔ ان دو فریق سے کون سا فریق راہ راست پر ہے بینوا ماجورین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

فریق اول کا قول غلط ہے اور محض غلط، تمام کتب فقہ متون و شروح فتاویٰ میں مصرح ہے کہ جو جانور خون جاری والا، پھولا ہوا، پھٹا ہوا، خواہ چھوٹا یا بڑا چاہ سے برآمد ہو تو تمام پانی نکالا جائے۔ غنیۃ المستملی میں شرح الآثار سے بسندہ عن علی ہے قال فی بئر وقعت فیہ فارۃ فماتت ینزح ماؤھا یعنی حضرت مولا علی مشکل کشا ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کنوئیں میں چوہا گر کر مر جاوے تو تمام پانی نکالا جاوے۔" یہ ارشاد پھولے یا پھٹے کے متعلق ہے کما صرح بہ فی الغنیۃ اور اگر کنواں چشمہ دار ہو تو اس کے متعلق قول فیصل یہ ہے کہ جتنا پانی کنوئیں میں موجود ہو تمام کا قدر نکالا جائے اور اس تقدیر و اندازہ کے متعلق کئی قول ہیں، صاحب ہدایہ و شرح الوقایہ وغیرہما نے اسے اختیار فرمایا ہے کہ دو عدل جن کو پانی کی سمجھ ہو وہ جتنا اپنے اندازہ سے بتائیں اتنا پانی کھینچا جائے اور چوہے نکلنے سے پہلے جب کہ یہ معلوم نہ ہو کہ کب گرا ہے تین دن رات کی نمازیں قضا کریں اور جو نمازیں نکالنے کے پیچھے اور پاک کرنے سے پہلے پڑھی گئی ہوں وہ بھی قضا کریں جب کہ اس پانی سے وضو کیا ہو اور جس نے اس پانی سے غسل کیا ہو یا جس نے کپڑے برتن وغیرہ دھوئے ہوں وہ پاک کئے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم واحکم۔

ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

قبلہ و کعبہ حضرت مولانا مولوی نور اللہ صاحب دام فیضکم

السلام علیکم کے بعد معروض آنکہ چاہ مسجد والے میں پاخانہ نجاست پڑ گئی ہے۔ تحریر ارسال خدمت ہے۔ اس کے

Marfat.com

پاک کرنے کا کیا حکم ہے۔ مسئلہ تحریر فرما کر مستمی سیدو ولد سلطان محمد کے ہاتھ عنایت فرمادیں۔

الراقم : نور احمد سکنہ اروڑہ جاگیر

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

وعلیکم السلام : اصل یہ ہے کہ پہلے نجاست کا نکالنا ضروری ہے اور بہترین صورت اطمینانِ دل کیلئے یہ ہے کہ قدرے کیچڑ وغیرہ بھی نکالا جائے اور پانی جس قدر ہو اندازہ سے نکالا جائے تو پاک ہو جائے گا۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم جل مجدہ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم الانور و اٰلہٖ وصحبہ و بارک وسلم

ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

خلاصہ سوال طویل تحریری میاں سلطان محمود از نور پورہ۔ ایک کنواں غیر آباد کیا گیا مگر عرصہ ڈھائی ماہ تقریباً گزرے کہ اس میں ایک کبوتر اور دو نیول اور ایک سانپ گر کر مر گئے ہیں اور ہڈی وغیرہ گل گئی ہے اور دس روز سے کنواں چل رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں پاک نہیں ہوا اور مزارع کہتے ہیں پاک ہو گیا بینوا توجروا۔

دستخط سلطان محمود بقلم خود

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

جب جانور مر کر مٹی ہو جائے تو کنواں صرف کل پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے بلکہ اگر ہڈی، بال یا اس قسم کے اجزاء باقی رہیں تب بھی پاک ہو سکتا ہے اور جب آپ کو ہڈی وغیرہ کے گلنے کا علم ہو گیا جیسے سوال میں مذکور ہے اور کنواں دس دن سے چل رہا ہے تو پاک ہو گیا لہٰذا ان اشخاص کو تنگ نہ کریں۔ ۳۰ صفر المظفر ۱۳۷۰ھ

ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

محترم قبلہ مولانا مولوی صاحب نور اللہ صاحب دام اقبالہٗ

السلام علیکم : حسبِ ذیل مسئلہ کا مضمون روانہ خدمت ہے جو کنواں کے پانی کے ناپاک ہونے کے متعلق ہے برائے کرم نوازی جلدی وضاحتِ شرعی فرما کر جواب سے مشکور فرماویں تاکہ اس کنواں کا پانی پاک کیا جا سکے اور استعمال میں لایا جا سکے جوابی لفافہ حاضرِ خدمت ہے۔ آپ کے فتویٰ پر آپ کے دستخط اور مہر ضرور لگا کر روانہ

Marfat.com

فرمادیں تاکہ سب لوگوں کو یقین پیدا ہو جائے۔

ایک مسجد کے کنواں کے کھڈے کے بالکل نزدیک ساتھ ہی چلتی ہوئی گاؤں کے گندے پانی کی نالی ہے جس کے اندر پختہ یا خام۔ روڑے اور پرانے جوتے یا دیگر چیزیں اس غلیظ نالی میں پڑی رہتی ہیں اور جب اس نالی کی صفائی کیجاتی ہے یہ چیزیں سب نکال کر باہر گلی میں ڈال دیجاتی ہیں جو گلی میں پڑی رہتی ہیں۔ عصر کے وقت کی نماز کا سلام ادا کرنے کے فوراً بعد کنواں کے اندر کسی چیز کے گرنے کا کھڑکا ہوا جس کا اسی وقت پتہ کیا گیا تو نابالغ بچوں نے بتلایا کہ ان کے ایک ساتھی لڑکا نے پتہ نہیں کہ وہ پختہ روڑا تھا یا خام یا اور کوئی چیز تھی گلی میں سے اٹھا کر کنواں میں پھینک دی۔ چونکہ یہ سب نابالغ بچے ہیں ان سے پورا یقین اور تسلی نہیں ہو سکی کہ بچہ نے جو کنواں کے اندر چیز ڈالی ہے وہ کیا تھی؟ اب اس چیز کے کنواں کے اندر تسلی کر کے پہلے چیز کو نکلوایا جاتے اور پھر کتنا پانی نکلوایا جاوے یا چیز کا پتہ نہ کیا جاوے اور کنواں کے اندر ہی پڑی رہنے دیا جائے اور پانی سارا نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا یا نہیں؟ جس طرح شریعت کا حکم ہے وضاحت فرمائی جاوے، مہربانی ہوگی۔

دستخط دعاگو سردار علی شاہ از شہر فریدیہ بقلم خود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ،

یہ کنواں شرعاً پاک ہے۔ الاشباہ والنظائر ص ۸، میں ہے شك فی وجود النجس فالاصل بقاء الطھارۃ کہ جب پلید شئے کے وجود کا شک ہو تو اصل طہارت کا باقی رہنا ہے۔ اسی بناء پر فتاویٰ عالمگیری فتح القدیر، بحر الرائق، شامی وغیرہا کتب فقہیہ میں ہے کہ بکری وغیرہ حلال جانور زندہ کنوئیں میں گر جائے تو جب تک یقیناً اس پر نجاست نہ ہو، کنواں پلید نہیں ہوگا حالانکہ ایسی صورت میں بڑا شک ہوتا ہے کہ جانوروں کے ران وغیرہ پر پیشاب وغیرہ لگا ہو مگر اس کا اعتبار نہیں اور ایسے ہی بکثرت مسائل انہی کتابوں میں ہیں جن میں شکوک وشبہات کا اعتبار نہیں کیا گیا اور طہارت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر معلوم ہو جائے کہ پلید روڑا یا کپڑا یا لکڑی یا اس قسم کی کوئی پلید چیز کنوئیں میں گر گئی ہے تو وہ چیز نکال کر کنوئیں کا سارا پانی صحیح اندازہ کر کے نکالا جائے مگر وہ چیز اگر کنوئیں میں گم ہو جائے اور نکالنا مشکل ہو جائے تو کنوئیں کے سارے پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا کہ چیز بھی تبعاً پاک ہو گئی کیونکہ اس کی نجاست ذاتی نہیں بلکہ عارضی ہے۔ اصل میں تو یہ چیزیں پاک ہی ہیں۔ فتاویٰ عالمگیر

Marfat.com

ص ۱۱ جلد اوغیرہا کتبِ معتمدہ میں ہے والنظم منہا ولو وقعت فی البئر خشبۃ نجسۃ او قطعۃ ثوب نجس و تعذر اخراجہا و تغیبت فیہا طہرت الخشبۃ والثوب تبعا لطہارۃ البئر کذا فی الظہیریۃ و اللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم و آلہ وصحبہ و بارک و سلم۔

یکم ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۶ھ ، ۶۷-۳-۱۳

ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ ایک تنور جس میں آگ تھی اس میں کتا گر کر مرا، مرنے کے بعد نکالا گیا۔ آیا وہ تنور پاک ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا ماجورین۔

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النّور والصّواب

اگر تنور کے ساتھ کتے کی چربی یا کھال وغیرہ جزءِ نجس لگی ہوئی ہے یا کچھ لگا تو نہیں مگر بدبو آتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں تنور پلید ہوگیا مگر ایسا پلید نہیں کہ پاک نہ ہوسکے۔ بلاشک وشبہ یقیناً پاک ہوسکتا ہے۔ اس میں اتنی آگ جلائی جائے کہ چمٹی ہوئی چیز اور بدبو زائل ہوجائے۔ اور اگر صرف بدبو ہی ہے تو جب دور ہوجائے خواہ دھوپ اور ہوا سے دور ہو پاک ہوجائے گا کہ تنور کا حکم زمین کا ہے اور زمین کے متعلق یہ حکم کتبِ مذہب میں منصوص ہے۔ منیۃ المصلی مع غنیۃ المستملی ، ردالمحتار ، درالمختار ، بحرالرائق ، فتاویٰ عالمگیری وغیرہا اسفارِ فقہ میں ہے والنظم من الھندیۃ الارض تطھر بالیبس وذھاب الاثر للصلوٰۃ لا للتیمم ھکذا فی الکافی ولا فرق بین الجفاف بالشمس والنار والریح والظل کذا فی البحر الرائق ویشارک الارض فی حکمھا کل ما کان ثابتا فیھا کالحیطان والاشجار والکلأ والقصب مادام قائما علیھا آہ ایضا فیھا والنظم من الھندیۃ واذا طھرت الارض بالجفاف ثم اصابھا الماء الصحیح انھا لاتعود نجسا ولو رش علیھا الماء وجلس علیھا لا بأس بہ ھکذا فی فتاویٰ قاضیخان علیہ الرحمۃ۔ بلکہ کتبِ مذہب میں مصرح کہ اگر پلید مٹی سے کوزے

Marfat.com

وغیرہ بنائے جائیں اور آگ میں پکائے جائیں تو پاک ہو جاتے ہیں حالانکہ پلیدی ان کی ہر جزو میں موجود ہوتی ہے۔ کتبِ مذکورہ بالا اور فتاویٰ امام قاضی خان علیہ الرحمۃ میں ہے۔ والنظم من الھندیۃ الطین النجس اذا جعل منہ الکوز او القدر فطبخ فیکون طاھرا ھکذا فی المحیط وکذا اللبن اذا لبن بالماء النجس واحرق کذا فی فتاوی الغرائب بلکہ خاص تنور کا جزئیہ بھی موجود ہے۔ درالمختار، فتاویٰ عالمگیری میں ہے والنظم منھما اذا اسعرت المرأۃ التنور ثم مسحتہ بخرقۃ مبتلۃ نجسۃ ثم خبزت فیہ فان کانت حرارۃ النار اکلت بلۃ الماء قبل الصاق الخبز بالتنور لا یتنجس الخبز کذا فی المحیط۔ شامی، فتاویٰ امام قاضی خان میں ہے والنظم للامام الصبی اذا بال فی التنور او مسحت المرأۃ التنور بخرقۃ مبلولۃ بنجاسۃ ثم خبزت ان کانت قد یبست لم یبق بللھا قبل الصاق الخبز بالتنور لا یتنجس الخبز لان النار لما اکلت البلۃ صارت کالارض اذا یبست بالشمس وان الصقت الخبز بالتنور حال قیام البلۃ فالخبز نجس وقیل ان کان الخبز خبز حنطۃ او شعیر لا یتنجس وان کان الخبز خبز الارز او الجاورس یتنجس لان ذلک یتنشف۔ اور اگر تنور کے ساتھ نہ کچھ لگا ہے نہ بو آتی ہے تو پاک ہے کہ پلید چیز کا دھواں گزرتے ہوئے پلید نہیں کر سکتا جیسے انسان کی ہوا کہ نجاستِ شکم کا بخار ہی تو ہے۔ فتح القدیر، عالمگیری، درالمختار، ردالمحتار، بحرالرائق میں ہے والنظم للمحقق مرت الریح بالعذرات واصاب الثوب ان وجدت رائحتھا یتنجس وما یصیب الثوب من بخارات النجاسۃ قیل ینجسہ وقیل لا وھو الصحیح عالمگیری میں ہے وکذا الحمام اذا حرق فیہ النجاسۃ فعرق حیطانھا وکواھا وتقاطر کذا فی فتاویٰ قاضیخان۔ عالمگیری میں قنیہ سے ہے سعر التنور بالاخثاء والارواث یکرہ الخبز فیہ ولو رشہ بالماء بطلت الکراھۃ کذا فی القنیۃ۔ اس کی بناء یا قولِ مرجوح پر ہے یا کراہت سے کراہتِ تنزیہ مراد ہے جو صرف چھڑکاؤ سے زائل ہو جاتی اور صورتِ مسئولہ میں تو اب تنور سرد ہے۔ جب بھڑکایا جائے گا تو اس چھڑکاؤ

Marfat.com

کی بھی ضرورت نہیں لہذا اگر بدبو نہیں آتی تو حسبِ معمول تنور کو گرم کر کے بلاشبہ استعمال کریں ، بلا کراہت روٹی پاک رہیگی اور احتیاط اس میں نہیں کہ خواہ مخواہ شبہات پیدا کیے جائیں۔ واللہ تعالی ورسولہ اعلم جل جلالہ ربی وصلی اللہ تعالی علی رسولہ حبی و آلہ واصحابہ وسلم۔

ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

ایک مینڈک تنور میں گر پڑے اور اس وقت روٹیاں تنور میں پک رہی ہوں اور مینڈک کا دھواں انکو پہنچے یہاں تک کہ مینڈک جل کر راکھ ہو جائے تو شرع کے احکام کی رو سے وہ روٹیاں کھانی جائز ہیں یا ناجائز ؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل النور والصواب

اگر مینڈک کے دھوئیں کی بو یا رنگت یا ذائقہ روٹیوں میں محسوس ہو تو قابلِ خوردنی نہیں اور اگر کوئی اثر محسوس نہیں تو کوئی حرج نہیں۔ فتح القدیر ، عالمگیر ، درالمختار ، ردالمحتار ، بحرالرائق میں ہے واللفظ من الفتح مرت الریح بالعذرات واصاب الثوب ان وجدت رائحتها یتنجس وما یصیب الثوب من بخارات النجاسة قیل ینجسه وقیل لا وهو الصحیح۔

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ہادیانِ شرعِ محمدی اس بارے میں کہ اگر کسی تنور میں گدھا گر کر تنور کی گرمی سے مر جائے تو کیا وہ تنور پاک ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر پاک ہو سکتا ہے تو وہ کونسی صورت ہے ؟ بینوا توجروا۔

السائل : دونا ماچھی سکنہ چک نمبر ۳۵ عرف پنڈی مہاراں والی ڈاک خانہ شیر گڑھ تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر تنور کے ساتھ گدھے کی چربی وغیرہ کوئی آلائش نہیں لگی اور بدبودار نہیں ہوا تو پہلے کی طرح پاک ہی ہے پلید بالکل نہیں ہوا اور اگر آلائش وغیرہ ہے تو وہ دور کر دی جائے، کھرچنے اور جلانے سے تو پاک ہو جائے گا کہ تنور مٹی سے بنا ہے اور مٹی کے ساتھ متصل مستقل ہے اور مٹی پاک ہے۔ حدیث پاک میں ہے جعلت لی الارض مسجدًا و طھورًا۔ قرآن پاک میں ہے صعیدًا طیبًا حتی کہ اگر ایسی مٹی سے برتن بنائے جائیں جو پلید پانی میں گوندھی گئی ہے تو پکانے سے برتن پاک ہو جاتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے الطین النجس اذا جعل منہ الکوز او القدر فطبخ فیکون طاھرا ھکذا فی المحیط۔ نیز اسی میں ہے اذا سعرت المرأۃ التنور ثم مسحتہ بخرقۃ مبتلۃ نجسۃ ثم خبزت فیہ فان کانت حرارۃ النار اکلت بلۃ الماء قبل الصاق الخبز بالتنور لا یتنجس الخبز بلکہ فتاویٰ امام قاضی خان علیہ الرحمۃ میں ہے الصبی اذا بال فی التنور او مسحت المرأۃ التنور بخرقۃ مبتلۃ الخ اور یہ تو آفتاب سے بھی زیادہ واضح ہے کہ کمہار گھڑے، لوٹے وغیرہ تمام برتن آوی میں پکاتے ہیں گو بے۔ لید وغیرہ کے ساتھ اور سب لوگ یہ برتن برتا کرتے ہیں۔ نہ پلید ہیں اور نہ ہی کوئی پلید کہتا ہے تو تنور کو خواہ مخواہ کیوں ایسا پلید قرار دیا جائے جو جلانے سے بھی پاک نہ ہو سکے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و صحبہ و بارک و سلم (١٦ محرم الحرام ١٣٧٧ھ)

(نوٹ) قدرے تفصیلی فتویٰ ص٢٣ پر گزر چکا ہے

ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

Marfat.com

کتاب الوقف المساجد وغیرھا

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس میں کہ ایک چھوٹے گاؤں کے مالک چاہتے ہیں کہ اپنے گاؤں کی مسجد کو تبدیل کریں یعنی نئی مسجد تعمیر کریں اور پہلی مسجد کو اپنے تصرف میں لائیں۔ آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کسی نے ہمیں کہا ہے کہ بالشت بھر مسجد کی زمین کھود کر دفن کر دیں اور مسجد کی اس جگہ کو اپنے تصرفِ خاص میں لا سکتے ہیں، آیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب اللھمّ اجعل لی النور و الصواب

یہ تبدیل ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ اس میں مسجد موجود کی تعطیل وتخریب ہے اور تعطیل وتخریب مساجد حرام اور سخت حرام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابہا الآیۃ (ترجمہ) "اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔ انہیں نہ پہنچتا تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب" نیز ارشاد فرماتا ہے کہ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع الآیۃ (ترجمہ) "ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے" اللہ تبارک وتعالیٰ بلند کرنے کا حکم دے اور وہ چاہیں کہ پست کریں یہ کیوں کر جائز ہو سکے۔ اور بالشت والے کا قول بدتر از بول، سراسر جہالت وضلالت ہے۔ ہرگز ہرگز شرعِ مطہر سے اس پہ کوئی دلیل وسند نہیں لا سکتا اور نہ ہی ہے۔ پہلی آیت کے نیچے آرہا ہے ائمہ کرام وفقہاءِ عظام فرماتے ہیں کہ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہی ہے، بدل نہیں سکتی۔ اسفارِ فقہ ہدایہ وغیرہ میں ہے ومن اتخذ ارضہ مسجدا لم یکن لہ ان یرجع فیہ ولا یبیعہ ولا یورث عنہ الخ بلکہ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر آبادی ویران ہو جائے، وہاں کوئی نہ رہے تو مسجد پھر بھی مسجد ہی ہے۔ یہی مفتی بہ ہے۔ ہدایہ۔

Marfat.com

فتح القدیر، بحر الرائق، شامی وغیرہا میں ہے و النظم من الفتح و لو خرب ما حول المسجد و استغنی عنہ، ای استغنی عن الصلوٰۃ فیہ اھل تلک المحلۃ او القریۃ بان کان فی قریۃ فخربت وحولت مزارع یبقی مسجدا علی حالہ عند ابی یوسف و ھو قول ابی حنیفۃ و مالک والشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔ وہ صرف بالشت بھر کو ہی مسجد سمجھے ہوئے ہے مگر عقلاً ونقلاً یہ باطل اور محض باطل ہے دل سرد سے مسئلہ سرداب کو دیکھئے کہ فقہائے کرام کیا کیا تصاریح جلیلہ فرما رہے ہیں۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مسجد آسمان کی بلندی اور زمین کے نیچے تک مسجد ہی ہے اور یہ کہے کہ بالشت بھر ہی ہے ع "بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا" شامی میں ہے قولہ الی عنان السماء بفتح العین و کذا الی تحت الثریٰ کما فی البیری عن الاسبیجابی۔ اور اگر مسجد موجودہ کو قائم رکھیں اور نئی مسجد تیار کریں جس سے مسجد موجودہ غیر آباد ہو تو پھر بھی ناجائز ہے کہ مسجد کی تعطیل و ویرانی گناہ ہے جیسا کہ قرآنِ کریم سے ثابت ہو چکا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی نورہ ربہ وقواہ

۲ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۵۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس میں کہ ایک گاؤں والوں نے اپنا گاؤں منتقل کرکے دوسری جگہ بنا لیا ہے اور وہاں کوئی نہیں رہا اور مسجد اس کی ویران ہو چکی ہے اس میں کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اس کے شہتیر اور کڑیاں وغیرہ سامان اس نئے گاؤں کی مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر مسجد مذکورہ واقعی ویران ہو چکی ہے کہ اس میں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں تو اس گاؤں والے اس مسجد کا سامان اپنے نئے گاؤں کی مسجد پر صرف کر سکتے ہیں۔ شامی ص ۵۱۴ جلد ۳ میں ہے والذی

Marfat.com

ینبغی متابعته المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلافرق بین مسجد اوحوض کما افتی به الامام ابو شجاع و الامام الحلوانی وکفی بهما قدوۃ لاسیما فی زماننا فان المسجد او غیرہ من رباط اوحوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضه اللصوص و المتغلبون کما هو مشاهد و کذلك اوقافه یاکلها النظار او غیرهم و یلزم من عدم النقل خراب المسجد الاخر المحتاج الی النقل الیه (الی ان قال) ثم رأیت الان فی الذخیرۃ قال و فی فتاوی النسفی سئل شیخ الاسلام عن اهل قریة رحلوا و تداعی مسجدها الی الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشبه و ینقلون الی دورهم هل لواحد لاهل المحلة ان یبیع الخشب بامر القاضی و یمسک الثمن لیصرفه الی بعض المساجد و الی هذا المسجد قال نعم الی اخرہ۔

(ناتمام)

ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک مسجد کو شہید کر کے از سرِ نو تیار کرتے وقت مسجد بلند کرنے کے لئے کہ مسجد کا بلند کرنا تعظیمِ مسجد ہے اور صورت آمدن نقدی کے خیال سے اس خاص مسجد کی دکانیں بنائی گئیں اور ان دکانوں کی سطح پر مسجد بنا کرنا چاہتے ہیں اور آمدن دکانوں کی کرایہ وغیرہ مسجد پر ہی صرف کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں، آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں! بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

مسجد کا بلند کرنا واقعی تعظیمِ مسجد ہے مگر مسجد میں دکانیں بنانا، کرایہ پر دینا مسجد کی بے حرمتی واہانت ہے جو شرعاً حرام اور سخت حرام ہے۔ افسوس بعض اہلِ اسلام کے حوصلے اتنے پست ہو گئے کہ خانۂ خدا کے اجزار کرایہ پر دینے کو تیار ہو گئے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے ان المساجد للّٰہ "مسجدیں

Marfat.com

خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ فتاویٰ امام قاضی خان ص ۱۳، جلد ۴، بحر الرائق ص ۲۴۹ جلد ۵، فتح القدیر ص ۴۴۶ جلد ۵، فتاویٰ عالمگیر صـ۳۴۹ جلد ۲ میں ہے والنظم من الهندية قيم المسجد لا يجوز له ان يبني حوانيت في حد المسجد او في فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذا لا يجوز یعنی متولی مسجد کے لئے جائز نہیں کہ مسجد کی حد میں یا صحن میں دکانیں بنائے اس لئے کہ مسجد جب دکان یا مسکن بنائی جائے تو یہ اس کی بے حرمتی ہے جو جائز نہیں۔" بحر الرائق صـ۲۵۱ جلد ۵، فتاویٰ قاضی خان صـ۱۳ جلد ۴، در المختار صـ۵۱۳ جلد ۳ مطبوعہ مع رد المحتار میں ہے والنظم من البحر لا يجوز للقيم ان يجعل شيئا من المسجد مستغلا ولا مسكنا یعنی نہیں جائز متولی کے لئے کہ بنائے مسجد کے کسی حصہ کو نفع کمانے یا بسنے کی جگہ۔" رد المحتار صـ۵۱۳ جلد ۳ میں ہے والمراد من المستغل ان يوجر منه شيئ لاجل عمارته یعنی اور مستغل سے مراد یہ ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ کرایہ پر دیا جائے کہ اس پر خرچ کیا جائے۔ فتاویٰ عالمگیری صـ۳۴۷ جلد ۲ میں ہے اذا اراد انسان ان يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد او فوقه ليس له یعنی جب کوئی شخص ارادہ کرے کہ مسجد کے نیچے دکانیں بنائے یا اوپر کہ ان کی آمدن مسجد کی مرمت پر خرچ کرے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں۔"

پس ان عبارات سے امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ ایسا کرنا شرعاً ناجائز اور سخت ناجائز ہے اور اس میں مسجد کی بے حرمتی ہے۔ اور مسجد کا بلند کرنا صرف اس پر موقوف نہیں کہ دکانیں بنائی جائیں۔ کیا دنیا بھر میں جس مسجد میں دوکانیں نہیں بنائی گئیں وہ بلند ہی نہیں یہ سخت نافہمی کی بات ہے لہذا اس سے پرہیز لازم و نہایت ضروری ہے۔ واللّٰه تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم و احكم وصلى اللّٰه تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد و آله وصحبه و بارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی نورہ ربہ دفواہ۔

۶ ر ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک مسجد جو ۶۰، ۷۰ سال سے آباد چلی آتی تھی، سیلاب کی وجہ سے اس کا مکان منہدم ہو گیا اور اسی طرح گاؤں کے بھی کئی مکان منہدم ہو گئے،

Marfat.com

اپنے اپنے مکان تو لوگوں نے بنا لئے اور گاؤں کو آباد رکھا مگر مسجد کو اسی حال پر چھوڑ دیا اور اس کے قریب ایک نئی مسجد بنانی شروع کر دی حالانکہ گاؤں چھوٹا ہے ایک مسجد بھی اچھی طرح آباد نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ دونوں خصوصًا وہ پرانی مسجد جو شکستہ و خستہ چھوڑ دی ہے اور اس کے لئے کوئی امام اور پانی وغیرہ کا انتظام نہ ہوگا تو وہ نئی مسجد (جس میں ہر طرح کا انتظام ہوگا) کے بن جانے سے آباد نہ ہو سکے گی بلکہ ویران رہے گی تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

سائل: سبحان الدین از کوٹھی نور شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

قرآنِ کریم سورۂ نور کا نورانی ارشاد ہے فی بیوت اذن اللہ ان ترفع قولِ محقق یہ ہے کہ ان بیوت سے مراد جمیع مساجد ہیں۔ لباب التاویل، خازن، معالم التنزیل وغیرہا تفاسیرِ معتبرہ میں ہے والنظم للسید ابی السعود والمراد بالبیوت المساجد کلھا اور اس رفع سے مراد رفعِ بنا ہے یا تعظیم، ارشاد العقل، لباب التاویل، معالم التنزیل، جمل عن الکرخی وغیرہا میں ہے و النظم من الارشاد والمراد بالاذن فی رفعھا الامر ببنائھا رفیعة لا کسائر البیوت وقیل ھو الامر برفع مقدارھا۔ بہرحال اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ اسی مسجدِ مذکور کو ہی بنا کیا جائے اور اس کی عظمت کو بپا کیا جائے خصوصًا ایسی حالت میں کہ اپنے اپنے گھر درست کر لئے اور خانۂ خدا یونہی ویران و برباد چھوڑ دیا اور اگر نئی مسجد علیحدہ بنائیں تو اس سے پہلی مسجد کا حق ادا نہیں ہو سکتا حالانکہ وہ مسجد قیامِ قیامت تک مسجد ہی ہے کما فی جمیع معتبرات المذھب المنیف منصوصًا بلکہ اس نئی مسجد کے بن جانے سے وہ محض ویران اور معطل پڑی رہے گی تو اندریں حالات نئی مسجد بنانا آیہ کریمہ و من اظلم ممن منع مساجد اللہ الآیة

(نوٹ) اصل فتاویٰ نوریہ میں بھی یہ جواب نامکمل ہے، کاتب پورا نقل نہیں کر سکا۔

ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک گاؤں کو دریا نے گرا دیا اور لوگ متفرق ہو گئے۔ اس گاؤں کی گرتی ہوئی مسجد کا سامان خشت پختہ، گارڈر وغیرہ مالکانِ دہ نے باجازت بانیانِ

Marfat.com

مسجد اٹھالیا کہ نئی مسجد کی تعمیر میں لگالیں تو کیا وہ سامان نئی مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل : میاں محمد امیر صاحب نمبردار ملیکے نو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

جب گاؤں گر گیا اور مسجد بھی شہید ہو گئی اور دوبارہ آبادی گاؤں کی ظاہری صورت نہ رہی تو اجازت قاضی شرع یا حاکم اسلام سے اس مسجد کا سامان دوسری مسجد پر لگا سکتے ہیں پرانی ہو یا نئی بنائیں۔ درالمختار میں ہے وعن الثانی ینقل الی مسجد اخر باذن القاضی۔ شامی میں ہے والذی ینبغی متابعتہ المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلافرق بین مسجد اوحوض کما افتی بہ ابوشجاع والامام الحلوانی وکفی بہما قدوۃ لاسیما فی زماننا فان المسجد اوغیرہ من رباط اوحوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضہ اللصوص والمتغلبون کما ھو مشاھد بنا علیہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ النور المبین وعلی الہ وصحبہ اجمعین۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری الاشرفی النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک مسجد ایک چاہ کے ساتھ مالکانِ چاہ نے برائے نفع عوام جیسا کہ لوگ کنوؤں پر تعمیر کر دیتے ہیں تعمیر کر دی ہے اور دریا نے بمع چاہ مسجد کو شہید کر دیا ہے جس کو پنجابی میں اندریں الفاظ تعبیر کرتے ہیں (دریا نے سمیت کھوہ دے مسیت نوں ڈھا لیا ہے) اور اس جگہ پر اب دریا چل رہا ہے تو اس مسجد کا سامان دوسری گاؤں والی مسجد میں خرید یا بغیر خرید کے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں اور دیگر عمارات میں بھی استعمال کرنے کی اجازت ہے یا کہ نہیں؟ جواب بہ ثبوت کتب معتبرہ کے ارسال فرما کر ممنون ومشکور بننے کا موقع عنایت فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

حضرتِ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃً واسعۃً سے مروی ہے کہ ایسے مواضع ضرورت میں سامان (شہتیر، بالے، اینٹیں وغیرہ) فروخت کر دیا جائے حاکمِ شرع کی اجازت سے اور قیمت کسی مسجد پر لگا دی جائے شامی ص۵۱۳ جلد ۳ فیباع نقضہ باذن القاضی و یصرف ثمنہ الی بعض المساجد اور یہیں سے ظاہر ہے کہ وہ سامان بعینہٖ دوسری مسجد پر لگا دینا بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔ بالتصریح مشائخ و ائمہ سلف نے بھی یہ جواز ذکر فرمایا ہے۔ شامی ص۵۱۵ جلد ۳ میں ہے و بذلک تعلم فتوی بعض مشائخ عصرنا بل ومن قبلھم کالشیخ الامام امین الدین (الی ان قال) فمنھم من افتی بنقل بناء المسجد (الی ان قال) و کفی بھما قدوۃ لاسیما فی زماننا الخ اور جب فروخت کرنا جائز ہوا تو دیگر عمارات میں خرید کر لگانا بھی جائز ہوا مگر یہ خیال رہے کہ ایسی جگہ نہ لگائیں جو ناپاک یا حقیر ہو جیسے پائخانہ یا مویشی کے لئے مکان کہ آخر وہ سامان لائق ادب و تعظیم ہے بلکہ مسجد کا کوڑا بھی ناپاک جگہ نہ ڈالا جائے کما نص علیہ فی الدر المختار قبیل باب المیاہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و اصحابہ اجمعین و سلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ

۱۶ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں کے مقبرہ کی متعلق مسجد جو قدیم ایام میں تھی بوجہ غربتِ اہالیان وہ شہید ہو چکی ہے جس کے دوبارہ تعمیر کا سامان نہیں اور اسی مقبرہ میں خود رو پیدا نے درخت ہیں جو مقبرہ ہی میں پیدا ہوئے تو کیا متولی بہ اتفاقِ اہالیان دیہہ وہ درخت کاٹ کر مسجد بنا سکتا ہے یا نہیں ؟

مستفتی : مولوی عبدالرحمٰن ساکن چک

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

ہاں جائز ہے خلاصۃ الفتاویٰ ص۴۲۰ جلد۴ میں ہے فی مجموع النوازل اشجار فی مقبرۃ یجوز صرفہا الی المسجد ان لم یکن وقفا علی جہۃ اخریٰ فتاویٰ عالمگیری ص۴۷۵ جلد۲ میں ہے سئل نجم الدین فی مقبرۃ فیہا اشجار ھل یجوز صرفہا الی عمارۃ المسجد قال نعم ان لم تکن وقفا علی وجہ اخر۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ ۵۹-۹-۴

۲۵ رجب المرجب ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

بخدمت اقدس حضرت العلام ناصر الاسلام فقیہ الاعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب النعیمی دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ :-

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین متین اندریں مسئلہ کہ ایک قدیمی مسجد کو شہید کیا گیا اور اس سے حاصل شدہ قدیمی پرانا اور بوسیدہ سامان فروخت کرکے اس کی جگہ اعلیٰ پائیدار مضبوط سامان اسی مسجد کے لئے خرید سکتے ہیں! کیونکہ اگر پہلا سامان یونہی پڑا رہنے دیا جائے تو اس کے ضائع ہوجانے کا قوی احتمال ہے۔ امید ہے کہ ہماری مشکل کشائی فرما دیں گے۔ والسلام مع الاکرام۔

السائل : محمد منشا تابش قصوری امام مسجد فردوس ٹینریز مریدکے ضلع شیخوپورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

ہاں پرانا اور قدیمی و بوسیدہ یا غیر بوسیدہ سامان صورت مذکورہ میں بلاشبہ فروخت کیا جاسکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں البتہ جو شخص خریدے وہ اتنا لحاظ رکھے کہ غسل خانہ پائخانہ یا مویشی خانہ میں وہ سامان نہ لگائے کہ اس کے ادب کے خلاف ہے رہائشی مکان میں لگا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ علیٰ سیدنا و محبوبنا الاعظم وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم ابداً ابداً۔

الفقیر اللاشئ ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بیدہٖ ۷-۳-۵

۲۶ رذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ ہمارے چک ۳۱/ای۔بی میں مسجد کچی تھی جو کہ شہید کردی گئی ہے اور پختہ بنانے کا ارادہ ہے۔ آیا جو کہ مسجد کی کچی اینٹ جو کہ پچیس ہزار ۲۵۰۰۰ کے قریب ہوگی۔کیا ہم نیلام کرکے برائے مسجد سیمنٹ وغیرہ مسجد پر ہی صرف کر سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ اور دیگر لکڑی وغیرہ، صحیح متواتر احادیث کے ثبوت سے مفصل تحریر فرمائیں۔فتویٰ آپ تحریر فرما کر سپرد ڈاک فرمادیں، مشکوک نہ ہو۔اکثر علمائے گرد و نواح نے ناجائز قرار دیا ہے کہ مال فروخت کرکے قیمت صرف کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث متواترہ کا بین ثبوت ہو۔جواب فوری مطلوب ہے۔

ازطرف اہالیانِ چک ۳۱/ای بی ڈاک خانہ چک ۱۹/ای۔بی فوجیانوالہ
تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال نزد چک شاہ کرم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ایسی صورت میں جائز ہے کیونکہ پختہ بنانے کی صورت میں بعینہٖ وہ سامان تو مسجد پر صرف نہیں ہوسکتا اور یونہی رکھا جائے تو ضرور ضائع ہوجائے گا۔حالانکہ مال کا ضائع کرنا ناجائز ہے۔قرآن کی صریح آیات نے تو فضول خرچی اور سفہاء کو مال دینے سے منع فرمایا چہ جائیکہ ضائع بنا دیا جائے اور صحیح حدیث شریف نے بھی اضاعۃ المال سے منع فرمایا۔دیکھو صحیح بخاری ص۹۵۸ جلد ۲، اور جبکہ فروخت شدہ اشیاء کی قیمت اسی مسجد پر صرف کی جائے تو یہ حکماً ان اشیاء کا ہی صرف کرنا ہے کیونکہ بدل، مبدل عنہ کا عوض ہوتا ہے لہٰذا ہمارے فقہائے کرام نے اجازت فرمائی ہدایہ، فتح القدیر ص۴۳۶ج۵، شرح الوقایہ ص۱۳ج۴، بحرالرائق ص۲۷۲ج۵، زیلعی ص۳۲۸ج۳، درالمختار اور شامی ص۵۲۹ جلد ۳ وغیرہا میں بالفاظ متقاربہ ہے و ان تعذر اعادۃ عینہ الی موضعہ بیع وصرف ثمنہ الی المرمۃ صرفا للبدل الی المبدل۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ

Marfat.com

و بارک و سلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۱۷-۹-۲۷

۶ شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ

(نوٹ۔ سوال ہمیشہ صاف صاف لکھا جائے۔ یہ سوال پورا صحیح نہیں لکھا گیا اور یہ بھی واضح نہیں کہ گرد و نواح کے اکثر علماء ناجائز قرار دیتے اور قیمت کا صرف کرنا جائز بتاتے ہیں یا کیا کہتے ہیں بہرحال جو ناجائز بتائے اس سے آیات و احادیث صحیحہ متواترہ و غیر متواترہ سے ثبوت کیوں نہیں طلب کرتے۔ ناجائز ہونا بھی دلیل کا محتاج ہے۔ والسلام۔ (امنہ غفرلہٗ)

الاستفتاء

بخدمت جناب مولانا صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ:

گذارش ہے کہ آپ برائے کرم واپس ڈاک فتوے سے مطلع فرمائیں کہ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ جو چیز مسجد کے لئے وقف ہو اور مسجد میں استعمال کی جاتی ہو۔ مثلاً پنکھا وغیرہ وہ اور کسی جگہ میں استعمال کرنی جائز ہے یا نہیں؟ یا امام مسجد اپنے گھر میں کوئی چیز مسجد سے لیجا کر استعمال کر سکتا ہے۔ مہربانی کر کے واپس فتوے دے کر مشکور فرمائیں۔

نیازمند: فردوس لیدرز کمپنی چیمبرلائن روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

آباد مسجد کے لئے وقف شدہ شے چراغ، پنکھا وغیرہ جو مسجد میں استعمال کی جاتی ہو وہ اور کسی جگہ بھی استعمال کرنی جائز نہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد مبین ہے ان المساجد للہ کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ تو بلا اجازت شرعیہ کوئی شخص بھی مسجد کی کسی چیز کو کسی جگہ استعمال نہیں کر سکتا۔ فقہائے کرام نے بطور تمثیل تصریح فرمادی ہے کہ کوئی شخص مسجد کا چراغ اپنے گھر نہیں لے جا سکتا۔ خلاصۃ الفتاوے ص۲۲۹ جلد ۱، فتاوے عالمگیر ص۳۴۹ جلد ۲ میں بالفاظ متقاربہ ہے: والنظم منہا ولا یحمل الرجل سراج المسجد الی بیتہ بلکہ یہاں تک بھی تصریح فرمادی کہ متولی مسجد کو بھی یہ حق حاصل نہیں۔ فتاویٰ قاضیخان

Marfat.com

ص۱۳۷، خلاصۃ الفتاوی ص۴۲۳ جلد۴، بحر الرائق ص۲۵۰ جلد۵، فتاوٰے عالمگیر ص۳۴۹ جلد ۲ میں بالفاظِ متقاربہ ہے متولی المسجد لیس لہ ان یحمل سراج المسجد الی بیتہ۔ بلکہ یہاں تک تصریح فرمادی کہ چراغ مسجد جو مسجد میں نمازیوں کے لئے جلایا گیا اس کی روشنی میں کتب شرعیہ کا درس دینا جائز ہے مگر فرماتے ہیں کہ یہ صرف رات کی پہلی تہائی تک جائز ہے اور اس کے بعد رات میں چراغ مسجد پر مسجد میں بھی درس نہیں دیا جاسکتا۔ فتاوٰے قاضی خان ص۷۱۶، البحر الرائق ص۲۵۰ جلد ۵، فتاوٰے عالمگیر ص۳۴۸ جلد ۲، ص۹۴ جلد۴ میں ہے والنظم من الخانیۃ ان اراد انسان ان یدرس الکتاب بسراج المسجد (الی ان قال) وفی مازاد علی ثلث اللیل لیس لھم تاخیر الصلوٰۃ فلا یکون لھم حق التدریس کذا فی الخانیۃ والظاھر انہ (لہ) بضمیر الواحد کما فی الکتب الاخر۔ اور دوسری اشیاء کا بھی یہی حکم ہے کہ چراغ کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ حکم نسبتِ مسجد کا ہے لہذا الاشباہ والنظائر ص۵۶۱ میں فرمایا لا تجوز اعارۃ ادواتہ لمسجد اٰخر۔ یعنی آلاتِ مسجد عاریۃً کسی دوسری مسجد کو دینے جائز نہیں اور جب دوسری مسجد کے لئے جائز نہیں تو متولی یا امام اور خادم مسجد کے گھروں کے لئے کیوں کر جائز ہو۔ ہاں اگر کوئی چیز زائد از ضرورت آجائے اور محفوظ نہ رکھ سکتے ہوں یا استعمالِ مسجد کے قابل نہ رہے یا خدانخواستہ مسجد ہی بالکل ویران ہو جائے تو ایسی صورتوں میں بشرائطِ معلومہ شرعاً فروخت کر سکتے ہیں یا دوسری مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں اور بعض صورتوں میں بعض ائمہ کرام کے نزدیک واقف خود بھی اپنے تصرف میں لاسکتا ہے مگر یہ اجازت ہرگز نہیں کہ جو چاہے اپنے طور پر استعمال کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ و اصحابہ اجمعین و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر النعیمی غفرلہ ۲-۷-۶۴

۲۰ صفر المظفر ۱۳۸۴ھ

الاستفتاء

ہم نے گاؤں کے چوک میں ایک پختہ عالیشان مسجد بنائی ہے۔ سابقہ مسجد گاؤں کے ایک کونے پر واقع ہے جو کہ کچی ہے اور خستہ حالت میں ہے۔ ہم اسے مسمار کرنا چاہتے ہیں۔ آپ تحریر کر دیں کہ اس مسجد کی مٹی کہاں پھینکیں۔ آیا اس جگہ آبادی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

Marfat.com

ازطرف : سردار محمد صدیق ڈوگر چیئرمین شاہ یکہ ۶۶-۹-۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

جب مسجد مسجد بن جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتی ہے لہٰذا اسے مسمار کرنا اور سکنی بنانا شرعًا حرام ہے۔ قرآن کریم میں ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا (پ، رکوع ۱۴) ترجمہ: "اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے"۔ لہٰذا اس مسجد کو مسجد کی شکل ہی میں آباد رکھا جائے اور مسمار نہ کیا جائے اور نہ ہی سکنی بنایا جائے۔ ہاں عمارت زیادہ خستہ ہو تو مرمت کردی جائے یا تجدید کردی جائے مگر رکھا مسجد ہی جائے تاکہ قرآن کریم کے ارشاد کی خلاف ورزی نہ ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک گاؤں کے زمینداروں نے اپنے گاؤں کی مسجد پختہ بنانی چاہی تو پہلی آبادکچی مسجد کو چھوڑ کر اس کے ساتھ نئی مسجد بنالی اور پہلی مسجد کو امام کا مکان بنادیا، اس میں مویشی وغیرہ بھی باندھ لیتے ہیں تو کیا یہ شرعًا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

سائلین : بہاول خان۔ محمد امیر خان نمبرداران۔ پہلوان ولد ترنجے۔ محب علی گڈکور سکنہ چک ۲۰/۱ ایل، ڈاک خانہ چک ۲۲/۱ ایل اوکاڑہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

بلاشک وشبہ وریب یہ تبدیلی ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ اس میں سابقہ مسجد کی تخریب وتعطیل ہے (ویران کرنا اور اس میں ادائیگی نماز چھوڑ دینا) اور تعطیل وتخریبِ مساجد ازروئے قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ ومذہبِ مہذب، ائمہ دین ناجائز وحرام اور سخت ترین حرام ہے۔ پارۂ اول میں ہے ومن اظلم ممن منع مسجد للہ

Marfat.com

ان یذکر فیھا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا ترجمہ: اور اس سے زیادہ ظالم کوئی شخص نہیں جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لئے جانے سے اور ان کے ویران کرنے میں کوشش کرے۔" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ سے روکنا اور ویرانی میں کوشاں ہونا مسجدوں کے گرانے اور معطل کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ تفسیر جلالین، بیضاوی، ابوالسعود میں ہے بالھدم او التعطیل. صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثِ مرفوع میں ہے انما بنیت المساجد لما بنیت لہ مبسوطِ امامِ سرخسی وغیرہ میں ہے اتخاذ المسجد یلزم بالاتفاق. فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر گاؤں یا شہر ویران ہو جائے اور وہاں کوئی نہ رہے تو پھر بھی مسجد مسجد ہی رہے گی یہی مفتیٰ بہ ہے۔ ہدایہ، فتح القدیر، فتاویٰ عالمگیر، فتاوے خیریہ، درالمختار، شامی، بحرالرائق وغیرہا میں ہے والنظم من الدر ومتنہ ولو خرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدًا الی قیام الساعۃ وبہ یفتیٰ تو آباد گاؤں کی مسجد کو نماز سے معطل اور ویران کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں اور پھر مویشی وغیرہ کا باندھنا جو لول اور گوبر بھی وہاں کرتے ہیں جہاں باندھے جاتے ہیں۔ اور جب امام کا مکان بنا تو مجامعت وغیرہ بھی اس میں ہوگی، یہ سب از روئے قرآنِ کریم اور احادیث پاک اور فقہ شریف کے حکم سے ناجائز اور حرام درحرام ہیں، مسلمانوں پر لازم کہ اس بڑے ظلم سے باز آئیں ورنہ اس سزا کا انتظار کریں جو پارۂ اول میں بیان ہوئی ہے لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم" واسطے ان کے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے"

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

رسالہ عقود العسجد لعمار المساجد

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ ایک گاؤں کی مسجد خام شہید کر کے پختہ تیار کی گئی اور پہلی مسجد کے صحن کا ایسا حصہ جو مسجد میں داخل تھا اور اس میں نمازیں باجماعت پڑھی جاتی تھیں مسجد پختہ کی محاذات سے چونکہ ایک طرف ہے لہذا اس میں سے بعض کو مسجد سے خارج کر دینا اور دوسری طرف سے اتنا ہی داخل کر دینا تاکہ صحن تناسب ہو جائے شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ ایک مولوی

Marfat.com

صاحب نے جواز کا فتویٰ دیا ہے جس کی نقل حاضر کی جاتی ہے، وقتِ جواب وہ نقل پیشِ نظر رہے۔ بینوا ماجورین من رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلیٰ آلہ الاطہار وصحبہ الخدمۃ اما بعد: یہ جواب دو فصل پر مشتمل ہے فصل اول نوری جواب سوال، فصل دوم نوری جواب استدلال۔

فصلِ اول: *مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کرنا شرعاً سخت ناجائز ہے جس کے عدمِ جواز پر قرآن کریم کے نصوصِ جلیلہ واحادیثِ علیہ ونقولِ مذہب مہذب حنفیہ شواہدِ عدل ہیں۔ حضرتِ رب العالمین واحد قہار کا فیصلہ اس کے متعلق سنیئے ارشاد فرماتا ہے* ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا اولٰئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم۔ **ترجمہ**: *اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ان کو لائق نہ تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔"*

یہ پُر ظاہر کہ مسجد بجمیع اجزائہ مسجد ہے۔ مبسوط امامِ سرخسی ص۳۴ جلد ۱۲ میں ہے ان المسجد موضع السجود ونحوہ فی مفاتیح الغیب للامام الرازی وغیرھا *اور اس حصہ کے خارج کردینے میں اس میں نماز پڑھنے سے روکنا ہے جو ذکر اللہ سے روکنا ہے اور اس کی ویرانی میں کوشش کرنی ہے کہ خارج کر دینے کی صورت میں مسجد ہی سے علیحدہ ہو جائے گا۔ تفسیر جلالین شریف ص۱۵ میں ہے* ومن اظلم ای لا احد اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ بالصلوٰۃ والتسبیح وسعیٰ فی خرابھا بالھدم او التعطیل **ترجمہ**: *اور کون زیادہ ظالم یعنی نہیں کوئی زیادہ ظالم اس سے جو روکے اللہ کی مسجدوں کو اس سے کہ ذکر کیا جائے ان میں نام اس کا ساتھ نماز اور تسبیح کے اور کوشش کرے ان کی ویرانی میں گرانے اور معطل کرنے کے ساتھ۔" بیضاوی شریف ص۱۰۱/۱ میں ہے*

Marfat.com

ان یذکر فیہا اسمہ ثانی مفعولی منع وسعیٰ فی خرابہا بالہدم او التعطیل تفسیر ارشاد العقل ص۳۵۳ جلد ا میں ہے بالھدم او التعطیل اور اس آیت کا شانِ نزول اگرچہ خاص ہے مگر حکم تمام مساجد کو عام ہے۔ تفسیر ارشاد العقل شریف ص۳۵۲ ج ا میں ہے وھذا الحکم عام لکل من فعل ذلک فی ای مسجد کان (ترجمہ) اور یہ حکم عام ہے ہر اس شخص کے لئے جو کرے اس کو کسی مسجد کے ساتھ "تفسیر بیضاوی شریف کے ص۱۰۱ پر ہے عام لکل من خرب مسجدا او سعی فی تعطیل مکان مرشح للصلوٰۃ (ترجمہ) عام ہے واسطے ہر اس شخص کے جو ویران کرے کسی مسجد کو اور کوشش کرے ایسے مکان کے معطل کرنے میں جو نماز کے لئے تیار کیا گیا ہو" امام علاؤ الدین صوفی خازن اپنی تفسیر لباب التاویل کے ص۸۴ جلد ا میں ابن عربی علیہ الرحمۃ سے ناقل انہ کل مسجد قال وھو الصحیح لان اللفظ عام ورد بصیغۃ الجمع فتخصیصہ ببعض المساجد او ببعض الازمنۃ محال۔ یعنی بے شک یہ حکم ہر مسجد کا ہے فرمایا اور وہی صحیح ہے اس لئے کہ بے شک لفظ عام ہے وارد ہوا ہے جمع کے صیغہ سے پس خاص کرنا اس کا بعض مساجد کے ساتھ یا بعض زمانوں کے ساتھ محال ہے" صاوی علی الجلالین ص۵۰ جلد ا پر ہے ھذا عام لکل من منع مساجد اللہ من ذکر اسم اللہ فیہا کان مسلما او کافرا (ترجمہ) یہ حکم عام ہے ہر اس شخص کے لئے جو روکے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو ذکر کرنے اللہ کے نام سے ان میں مسلمان ہو یا کافر" تفسیراتِ احمدیہ ص۲۱ پر ہے انہا تدل علی ان ھدم المساجد و تخریبہا ممنوع وکذا المنع عن الصلوٰۃ والعبادۃ وان کان مملوکا للمانع وقد وعد اللہ تعالیٰ علیہ وشنع علیہ الفقہاء و تمسکوا بھذہ الاٰیۃ (ترجمہ) بے شک یہ آیت دلالت کرتی ہے اوپر اس بات کے کہ بے شک گرانا مسجدوں کا اور ویران کرنا ان کا منع کیا گیا ہے اور ایسے ہی روکنا نماز سے اور عبادت سے اگرچہ ہو مانع کے ملک میں اور ضرور عذاب کی خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اور طعن کیا ہے اس پر فقہا نے اور دلیل بنایا ہے انہوں نے اس آیت کو"

دیکھا مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ وہ سب سے بڑا ظالم ہے اور اس کے لئے دنیا میں خواری اور آخرت میں بڑا عذاب ہے تو ثابت ہوا کہ ایسا کرنا سخت ناجائز ہے۔ نیز قرآنِ کریم کا ارشاد ہے یا ایہا الذین اٰمنوا لاتحلوا شعائر اللہ ؕ اے ایمان والو! حلال نہ ٹھہراؤ اللہ کے نشانوں کو"

Marfat.com

خازن ص۲۱ جلد ۲ میں ہے شعائر الله . شرائع الله ومعالم دینه (ترجمہ) "شعائر اللہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے دین کے نشان ہیں" اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ مسجد دین کے نشانوں میں سے ایک بہت بڑا نشان ہے "چنانچہ لباب التاویل ص۱۱۱ جلد ۱ پر اس کو واضح طور پر فرمایا ونصه کل ما کان معلما لقربان یتقرب به الی الله تعالیٰ من صلوٰۃ و دعاء و ذبیحة فهو شعیرۃ من شعائر الله ہر وہ چیز جو نشان ہو واسطے ایسے کام کے جو نزدیکی حاصل کیجائے ساتھ اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف نماز ہو یا دعا یا ذبیحہ ہو تو وہ شعیرہ ہے شعائر اللہ سے" اور ایسے ہی معالم التنزیل ص۱۱۱ جلد ۱ میں ہے پس چونکہ مسجد نماز کا نشان ہے لہذا وہ شعائر اللہ میں داخل ہے اور شانِ نزول اگرچہ خاص ہو مگر معتبر عموم لفظ ہی ہوتا ہے چنانچہ نور الانوار ص۱۶۲ میں ہے صیغة العام اذا وردت فی حق شخص خاص فی نص او قول الصحابة فان کانت کلاما مبتدأ فلا خلاف فی انها عامة لجمیع افرادها ولا تختص بسبب خاص وردت فیه "عام کا صیغہ جب وارد ہو خاص شخص کے حق میں کسی نص یا قولِ صحابہ میں، پس اگر ہو شروع کلام میں، پس اس بات میں کوئی خلاف نہیں کہ بیشک وہ عام ہے اپنے تمام افراد کو اور خاص نہیں ہوتا ایسے خاص سبب سے جو اس میں وارد ہوا ہو" بحر الرائق ص۳۴۳ جلد ۱، در المختار و رد المحتار ص۵۰۹ جلد ۱، فتح القدیر ص۲۹۵ جلد ۱ میں ہے والنظم من الفتح العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب "اعتبار عام ہونے لفظ کا ہے نہ خاص ہونے سبب کا" تفسیر کبیر ص۳۶ جلد ۳ میں ہے اول الآیة اذا کان عاما و آخرها اذا کان خاصا لم یکن خصوص آخر الآیة مانعا من عموم اولها (ترجمہ) "اول آیت کا جب عام ہو اور آخر اس کا خاص ہو تو اس کے آخر کا خاص ہونا اول کے عام ہونے سے مانع نہیں بنتا" نیز قرآنِ کریم سورۂ حج میں ارشاد فرمایا ہے ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب (ترجمہ) "اور جو تعظیم کرے اللہ کے نشانوں کی تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے" لباب التاویل ص۲۱ جلد ۵ میں ہے وقیل شعائر الله اعلام دینه وتعظیمها من تقوی القلوب ومثله فی معالم التنزیل ص۲۱ جلد ۵. نیز قرآنِ کریم سورہ نور کا نورانی ارشاد ہے فی بیوت اذن الله ان ترفع (ترجمہ) "ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے"

Marfat.com

قولِ محقق یہ ہے کہ ان بیوت سے مراد جمیع مساجد ہیں۔ لباب التاویل ص۶۶ جلد ۵ میں ہے و المراد بالبیوت جمیع المساجد اور بیوت سے مراد تمام مسجدیں ہیں اور ایسے ہی معالم التنزیل میں ہے۔" تفسیر کبیر ص۲۸۵ جلد ۶ میں اسے ترجیح دی ہے حیث قال فالاولی حمل اللفظ علی جمیع المساجد یعنی بہتر یہی ہے کہ اس لفظ کو تمام مسجدوں پر محمول کیا جائے۔" تفسیر ارشاد العقل ص۲۰۶ جلد ۷ میں ہے و المراد بالبیوت المساجد کلھا" اور مراد بیوت سے تمام مسجدیں ہیں۔" اور رفع سے مراد یا رفع بنا ہے یا تعظیم، ارشاد العقل کے اسی صفحہ پر ہے والمراد بالاذن فی رفعھا الامر ببنائھا رفیعة لا کسائر البیوت وقیل ھوالامر برفع مقدارھا۔ لباب التاویل ص۶۶ جلد ۵ میں ہے ان ترفع ای تبنی وقیل تعظیم ومثلہ فی المعالم (ترجمہ) ان ترفع سے مراد یہ ہے کہ بنا کی جائیں اور کہا گیا ہے کہ تعظیم کی جائیں اور ایسے ہی معالم میں ہے۔"

تفسیر کبیر میں یہ دونوں قول لکھ کر تیسرا قول یہ تحریر کیا کہ مراد مجموع ان دونوں چیزوں کا ہے حیث قال فی ص۲۸۶ ج۶ و ثالثھا المراد مجموع الامرین و نقلہ الشیخ الصاوی فی ص۱۱۶ ج ۳ (ترجمہ) تیسرا قول یہ ہے کہ مراد مجموع ان دونوں چیزوں کا ہے اور نقل کیا اس کو شیخ صاوی نے بھی ص۱۱۶ ج۳ میں۔"

بہرحال ہمارا مدعا اس آیت سے بین طور پہ واضح ہے کہ اگر امر بالبنا مراد ہے تو خارج کر دینے کی صورت میں بنا مفقود ہے لہٰذا ممنوع ہوا، اور اگر تعظیم مراد ہے تو خارج کر دینا تعظیم کے منافی ہے لہٰذا ناجائز ہوا اور اگر دونوں مراد ہیں تو دونوں طرح عدمِ جواز ثابت ہوا۔ نیز حضرت رب العالمین کا ارشاد ہے ان المساجد للہ "مسجدیں خاص ہیں واسطے اللہ تعالیٰ کے" عنایہ شرح ہدایہ ص۴۴۴ جلد ۵، فتح القدیر ص۴۴۴ جلد ۵ میں ہے والنظم للمحقق الکمال والمسجد خاص للہ سبحانہ لیس لاحد فیہ حق قال اللہ تعالیٰ و ان المساجد للہ مع العلم بان کل شیئ لہ

سے یعنی اس بلند کرنے سے ان کی عمارت کا بلند کرنا مراد ہے کہ دوسرے مکانوں سے مسجدیں اونچی ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مساجد کی تعظیم ہے۔" سے فی الجمل ص۲۶۶ ج۳ و فی الکرخی اذن اللہ ای امر ان ترفع ای تعظم او ترفع بالبناء قدر: الز ۲ النور غفرلہ

Marfat.com

فکان فائدۃ ھذہ الاضافۃ اختصاصہ بہ وھو بانقطاع حق کل من سواہ ـــــــ۔۔

(ترجمہ) اور مسجد خاص ہے واسطے اللہ تعالیٰ سبحانہ کے نہیں ہے اس میں کسی کے لئے کوئی حق فرمایا اللہ تعالے نے اور بے شک مسجدیں خاص اللہ تعالے کے لئے ہیں باوجود یقین اس بات کے کہ بے شک ہر شئے اسی کے لئے ہے۔ پس فائدہ اس اضافت کا بڑا خاص ہونا اس کا ساتھ اس کے ہے اور وہ ساتھ منقطع ہونے حق ہر اس شخص کے ہے جو سوا اس کے ہے اور بہم مثل اس کے بحر الرائق صفحہ ۲۵۱ جلد ۵ اور رد المحتار صفحہ ۵۱۲ جلد ۳ میں بھی ہے ؛،

اور جب کسی کا کوئی حق نہیں تو جز مسجد کے خارج کرنے کا حق کیونکر ہو سکتا ہے ؟

احادیثِ منیفہ

مسند امام الائمہ سراج الامۃ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مسانید الامام الاعظم صفحہ ۲۴۲ میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا ینشد بعیرا فی المسجد فقال لا وجدت ان المسجد لما بنی لہ (ترجمہ) "بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا ایک آدمی کو جو دریافت کر رہا تھا گم شدہ اونٹ کو مسجد میں، پس فرمایا نہ پائے تو بیشک مسجدیں اسی چیز کے لئے ہیں جو بنا کی گئی ہیں واسطے اس کے ؟" سنن ابن ماجہ صفحہ ۵۶، صحیح مسلم صفحہ ۲۱ جلد ۱، سنن کبریٰ بیہقی صفحہ ۴۴۷ جلد ۲ میں حضرتِ بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً ہے۔ اور کتاب الآثار قاضی المشرق والمغرب امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ صفحہ ۱۹۹ میں حضرتِ علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً مروی ہے و النظم من صحیح مسلم ان رجلا نشد فی المسجد فقال من دعی الی الجمل الاحمر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا وجدت انما بنیت المساجد لما بنیت (ترجمہ) بے شک ایک مرد نے دریافت کیا مسجد میں پس کہا کون پتہ دیتا ہے مجھے اونٹ سرخ کا پس فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پائے تو جز ایں نیست کہ بنا کی گئی ہیں مسجدیں واسطے اس کے جو بنا کی گئی ہیں واسطے اس کے ؛،

Marfat.com

سنن کبریٰ بیہقی ص۴۴۷ جلد ۲ ، سنن ابنِ ماجہ ص۵۶ ، سنن ابوداؤد ص۶۸ جلد ۱ ، صحیح مسلم شریف ص۲۱۰ جلد ۱ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے و النظم من صحیح مسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالتہ فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا ۔ (ترجمہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سُنے کسی مرد کو دریافت کرتا اپنی گم شدہ چیز کو مسجد میں پس چاہیئے کہ کہے نہ واپس کرے اللہ تعالیٰ تجھ پر ، اس لئے کہ بے شک مسجدیں نہیں بنا ر کی گئی ہیں واسطے اس کے "

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیثِ مذکورہ عدمِ جواز نشدا الضالۃ فی المسجد کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ مسجدیں نشدِ ضالہ کے لئے بنا ر نہیں کی گئیں تو اس استدلال سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ جس کام کے لئے مسجدیں بنا ر نہیں کی گئیں اس کا کرنا مسجدوں میں ممنوع ہے چنانچہ مجمع البحار ص۳۵۶ جلد ۳ میں ہے و یدخل فیہ کل ما لم یبن لہ المسجد (ترجمہ) " اور داخل ہے اس حکم میں ہر وہ چیز جو نہیں بنائی گئی مسجد اس کے لئے " غنیۃ المستملی ص۵۶۷ میں ہے فالحاصل ان المساجد بنیت لاعمال الآخرۃ مما لیس فیہ توھم اھانتھا و تلویثھا مما ینبغی التنظیف منہ و لم تبن لاعمال الدنیا و لو لم یکن فیہ توھم تلویث و اھانۃ علی ما اشار الیہ قولہ علیہ الصلوٰۃ و السلام فان المساجد لم تبن لھذا اس کا حاصل یہ ہے کہ بیشک مسجدیں آخرت کے ایسے کاموں کے لئے بنائی گئی ہیں جن سے مسجدوں کی بے ادبی یا آلودگی کا اندیشہ نہ ہو ، دنیا کے کاموں کے لئے نہیں بنائی گئیں اگرچہ ان سے آلودگی یا بے ادبی نہ ہو ، جیسے اشارہ کرتا ہے طرف اس کی قول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فان المساجد لم تبن لھذا ۔

اور یہ حقیقت ماہ نیم ماہ و مہر نیم روز کی طرح واضح کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنائی جاتیں کہ ان کے حصے کاٹ کر جدا کئے جائیں تو احادیثِ مذکورہ کی تعلیل میں داخل ہو کر منع ہوا کہ مسجد کا حصہ مسجد سے علیحدہ کیا جائے ۔ سبحان اللہ جب مسجد میں صرف دریافت کرنا گمشدہ شئے کا اس لئے منع ہو کہ مسجد

Marfat.com

اس لئے نہیں بنی تو مسجد کا حصہ علیحدہ کرنا اور خارج کر دینا کیونکر جائز ہو سکے۔ کیا مسجد اس لئے بنائی گئی تھی کہ اس کے حصے الگ کئے جائیں گے اور خارج از مسجد کئے جائیں گے۔ سنن ابی داؤد صلا جلد ا میں ہے عن ابی ھریرۃ قال ابو بدر اراہ قد رفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الحصاۃ لتناشد الذی یخرجھا من المسجد " ابو ہریرہ سے ہے ابو بدر راوی کہتا ہے میرا غالب گمان ہے کہ حضرت نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک کنکری ضرور اللہ کی قسم دیتی ہے اسے جو نکالتا ہے اس کو مسجد سے " سنن کبری بیہقی صلا جلد ۲ میں ہے عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ او عن کعب رضی اللہ تعالی عنہما قال ان حصی المسجد لتناشد صاحبہا اذا خرج بہا من المسجد ولا یخفی ان للموقوف فی مثل ھذا حکم المرفوع " مروی ہے ابی صالح سے کہ مروی ہے ابو ہریرہ سے یا کعب سے رضی اللہ تعالی عنہما سے، فرمایا بیشک کنکریاں مسجد کی ضرور اللہ کی قسم دیتی ہیں اپنے نکالنے والے کو جب نکالے ان کو مسجد سے اور مخفی نہیں کہ بے شک موقوف کو اس کی مثل میں حکم مرفوع کا ہے " تو جب مسجد کی کنکری اپنے نکالنے والے کو اللہ کی قسم دیتی ہے کہ مجھے نہ نکال، تو مسجد کا طویل و عریض حصہ کیونکر گوارا کر سکتا ہے کہ اسے نکالا جائے تو اس کا نکالنا کتنی بڑی بد اخلاقی ہے۔

الاتحافات السنیہ فی الاحادیث القدسیہ کے صلا پر حدیث قدسی ہے یقول اللہ عز وجل یوم القیمۃ این جیرانی فیقول الملائکۃ ومن ینبغی لہ ان یکون جارک فیقول عمار مساجدی (ترجمہ) فرمائے گا اللہ تعالی قیامت کے دن کہاں ہیں پڑوسی میرے پس فرشتے عرض کریں گے اور کون ہو سکتا ہے پڑوسی تیرا، پس اللہ تعالی فرمائے گا میری مسجدوں کے آباد کرنے والے " اخرجہ ابو نعیم عن ابی سعید۔ مشکوۃ شریف صلا میں ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب البلاد الی اللہ مساجدھا وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا (رواہ مسلم) نیز مشکوۃ شریف صلا میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے طویل حدیث میں حدیث قدسی کا ارشاد ہے شر البقاع اسواقھا وخیر البقاع مساجدھا۔ ان دونوں حدیثوں کا

Marfat.com

حاصل یہ کہ زمین کے سب حصوں سے بہتر مسجدیں ہیں اور سب سے بدتر بازار ہیں۔ اور ان کے علاوہ بکثرت احادیث موجود ہیں جن میں سے بہت سے آداب و فضائل مساجد کی طرف راہنمائی فرمائی گئی جن میں صراحۃً تکریم و تعظیم مساجد کیطرف بلایا گیا ہے اور وہ احادیث تمام کتب احادیث صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی و سنن ابن ماجہ و جامع ترمذی و سنن کبریٰ بیہقی و مستدرک حاکم وغیرہا میں بکثرت موجود ہیں بوجہ خوف طوالت تحریر نہیں کی گئیں اور اس تکریم و تعظیم سے صراحۃً بحکم دلالۃ النص ثابت ہوتا ہے کہ اہانت و تخریب و تقطیع مساجد ممنوع ہے۔ یہ کیا ظلم ہے کہ تناسب قائم کرنے کے لئے ایک حصہ الگ کیا جائے۔ یہ یوں ہوا کہ کسی کے باپ یا ماں کا اتفاقیہ ایک کان جہاد وغیرہ میں کٹ گیا تو فرمانبردار بیٹا کہے چونکہ ایک کان کٹ گیا لہذا تناسب نہ رہا میں دوسرا بھی کاٹتا ہوں کہ تناسب قائم ہو جائے اور ماں باپ کی تعظیم کا حکم تو ہے مگر کان کی تعظیم کا حکم نہیں لہذا میں ضرور کاٹوں گا! کیا کوئی عاقل اس کا یہ بکواس پسند کر سکتا ہے اور اسے جائز کہہ سکتا ہے؟

مذہبِ مہذّب حنفیہؒ کا حکم

جب تک مسجد آباد ہے یا اس کی آبادی کا سامان رہے اور وہ موضع جس میں مسجد ہے آباد رہے جیسے صورتِ زیرِ بحث میں ہے تو ہمارے جمیع ائمہ کے نزدیک مسجد مسجد ہی رہتی ہے۔ مبسوط امام سرخسی صفحہ ۳ جلد ۱۲ میں ہے فقال محمد علیہ الرحمۃ اتخاذ المسجد یلزم بالاتفاق۔ اس کے متعلق آگے اور بہت سے دلائل آرہے ہیں بتوفیقہٖ تعالیٰ اور اگر وہ موضع ویران ہو جائے اور اس مسجد کی ضرورت نہ رہے یا مسجد ویران ہو جائے اور اس کی عمارت کا سامان نہ رہے اور لوگوں کو اس مسجد کی ضرورت نہ رہے کہ ایک اور مسجد بنا لی ہو گئی تو ان صورتوں میں اختلاف ہے۔ سیدنا امام اعظم و امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک ایسی صورتوں میں بھی وہ مسجد مسجد ہی رہے گی ہمیشہ قیام قیامت تک اور اسی پر فتویٰ ہے۔ درالمختار مطبوع مع ردالمختار صفحہ ۱۳ جلد ۳ میں ہے ولو خرب ما حولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ وبہ یفتی حاوی القدسی۔ شامی صفحہ ۱۳ میں ہے قولہ عند الامام والثانی فلا یعود میراثا

Marfat.com

ولا یجوز نقلہ و نقل مالہ الی مسجد اخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا وھو الفتوٰی حاوی القدسی و اکثر المشائخ علیہ مجتبی و ھو الاوجہ ۔ اس کا حاصل یہ کہ حضرتِ امامِ اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی مسجد میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے مسجد ہی رہتی ہے اس میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کسی اور مسجد کیطرف وہ یا اس کا مال منتقل کرنا جائز ہے اور یہی فتوٰی ہے اور یہی از روئے دلیل زیادہ طاقتور ہے ۔ اس کی تائید بحرالرائق ص۲۵۱ جلد ۵ میں بھی ہے کہ فرمایا قال ابو یوسف ھو مسجد ابدا الی قیام الساعۃ لایعود میراثا ولا یجوز نقلہ و نقل مالہ الی مسجد اخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا و ھو الفتوی کذا فی الحاوی القدسی و فی المجتبی و اکثر المشائخ علی قول ابی یوسف و رجح فی فتح القدیر قول ابی یوسف بانہ الاوجہ ۔ نیز بحرالرائق ص۲۵۲ جلد ۵ میں ہے الفتوی علی قول ابی یوسف فی المسجد " فتوٰی قولِ ابی یوسف علیہ الرحمۃ پر ہے مسجد کے بارہ میں ۔" فتاوٰی عالمگیری ص۳۴۵ جلد ۲ میں ہے قیل ھو مسجد ابدًا وھو الاصح کذا فی خزانۃ المفتین (ترجمہ) کہا گیا ہے وہ مسجد ہے ہمیشہ اور یہی بہت صحیح ہے ۔ ایسا ہی خزانۃ المفتین میں ہے ۔" نیز اسی صفحہ میں ہے و الفتوی علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لا یعود الی ملک مالک ابدًا کذا فی المضمرات " اور فتوٰی قولِ ابی یوسف علیہ الرحمۃ پر ہے کہ بیشک وہ نہیں لوٹتی ملک مالک کی طرف ہمیشہ ایسا ہی مضمرات میں ہے ۔" فتح القدیر ص۲۴۶ جلد ۵ میں ہے یبقی مسجدا علی حالہ عند ابی یوسف وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ و مالک و الشافعی رحمہما اللہ تعالیٰ " باقی رہتی ہے وہ مسجد جیسی پہلے تھی امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا اور امامِ مالک اور امامِ شافعی علیہما الرحمۃ کا ۔" نیز اسی صفحہ میں ہے فالاوجہ انہ بعد تحقق سبب سقوط الملک فیہ لایعود ۔ یعنی دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی یہی ہے کہ بیشک وہ سقوطِ ملک کے سبب ثابت ہو جانے کے بعد واپس نہیں ہوتی ۔"

Marfat.com

نصوصِ مذکورہ سے بیّن طور پر واضح ہوا کہ تابیدِ مسجد کا قول ہی راجح و قوی ہے بچند وجوہ : (۱) یہ قول امام الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے اور فتاویٰ سراجیہ[2] ص۱۵۷ ، فتاویٰ عالمگیر ص۴۲۳ جلد ۳ ، بحرالرائق ص۲۶۹ جلد ۶ ، درالمختار مع ردالمحتار ص۶۵ جلد ۱ ، ۴ میں ہے و النظم من الدر یفتی بقول[1] الامام علی الاطلاق یعنی فتویٰ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول پر دیا جائے۔"

بحرالرائق ص۲۶۹ جلد ۶ ، شامی ص۶۷ جلد ۱ میں ہے یحل الافتاء بقول الامام بل یجب وان لم نعلم من حیث قال " حلال ہے فتویٰ دینا قولِ امامِ اعظم علیہ الرحمۃ پر بلکہ واجب ہے اگرچہ ہم یہ نہ جانیں کہ کس دلیل سے آپ نے فرمایا۔" بحرالرائق ص۲۶۵ جلد ۶ میں ہے ان کان المفتی یقلد الامام فنص امامہ وان کان اجتہادیا کالدلیل القطعی " اگر مفتی امام کی تقلید کرتا ہو تو اس کے امام کا ارشاد اگرچہ اجتہادی ہو مثل دلیل قطعی کے ہے۔"

(۲) یہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا قول بھی ہے اور انہی کتبِ مذکورہ میں ہے و النظم من الدر متصلا بالاوّل[a] ثم بقول الثانی " پھر قول ابو یوسف علیہ الرحمۃ پر " شامی میں ہے قولہ ثم بقول الثانی ای ثم اذا لم یوجد للامام روایۃ یوخذ بقول الثانی وھو ابو یوسف یعنی جبکہ نہ پائی جائے امام اعظم علیہ الرحمۃ کی کوئی روایت تو اختیار کیا جائے قول ثانی کا اور وہ ابو یوسف ہیں۔"

(۳) اس قول میں شیخین علیہما الرحمۃ کا اجماع ہے لہٰذا زیادہ اولیٰ و احق بالاخذ ہوا۔

(۴) اس قول کو ان الفاظ سے ترجیح دی گئی ہے جو علاماتِ افتاء سے ہیں بہ[1] یفتی وھو[2] الاصح وھو[3] الفتوی ، اکثر[4] المشائخ علیہ ، ھو[5] الاوجہ ، الفتوی[6] ، درالمختار مع ردالمحتار ص۶۶، ۶۷ جلد ۱ ، فتاویٰ خیریہ ص۲۳۱ جلد ۲ میں ہے و النظم من الدر اما العلامات للافتاء فقولہ وعلیہ الفتوی وبہ یفتی وبہ ناخذ و

---

[1] فتاوے عالمگیری ص۴۲۳ جلد ۳ ، شامی ص۶۵ جلد ۱ ، فتاویٰ قاضیخان ص۳ میں ہے و النظم للامام فخر الدین قال عبد اللہ بن المبارک یاخذ بقول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲ [2] فتاوے سراجیہ میں یوں ہے علی قول ابی حنیفۃ ثم بقول صاحبیہ ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد الخ ۱۲ [a] بلا فاصلۃ فیما سوی السراجیۃ فان فیہما مع فاصلۃ مرت و ذا لا یضر بالمقصود ۱۲ نور غفرلہ

Marfat.com

علیہ الاعتماد وعلیہ الامر الیوم و علیہ عمل الامۃ وھو الصحیح او الاصح او الاظہر او الاشبہ او الاوجہ او المختار ونحوھا مما ذکر فی حاشیۃ البزدوی الی اخرہ وقال شیخنا الرملی فی فتاواہ و بعض الالفاظ اٰکد من بعض فلفظ الفتوی اٰکد من لفظ الصحیح والاشبہ وغیرھا و لفظ و بہ یفتی اٰکد من الفتوی علیہ۔ شامی ص۶۸ جلد ا میں ہے قولہ اٰکد من الفتوی علیہ قال ابن الہمام و الفرق بینہما ان الاول یفید الحصر والمعنی ان الفتوی لا تکون الا بذلک و الثانی یفید الاصحیۃ۔ نیز درالمختار ص۶۷ جلد ا میں ہے و اذا ذیلت بالصحیح او الماخوذ بہ او بہ یفتی او علیہ الفتوی لم یفت بمخالفہ۔ شامی ص۶۸ جلد ا میں ہے لم یجز الافتاء بمخالفہا۔ نیز شامی ص۶۷ جلد ا میں ہے وکذا لو کان احدھما قول الاکثرین لما قدمناہ عن الحاوی۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب دونوں قولوں کی تصحیح کی گئی ہو۔ شامی ص۶۷ جلد ا میں ہے والحاصل انہ اذا کان لاحد القولین مرجح علی الاخر ثم صحح المشائخ کلا من القولین ینبغی ان یکون الماخوذ بہ ما کان لہ مرجح لان ذلک المرجح لم یزل بعد التصحیح فیبقی فیہ زیادۃ قوۃ لم توجد فی الاخر۔ اور حاصل یہ ہے کہ بیشک جب ہو واسطے ایک دو قولوں کے دوسرے پر کوئی مرجح پھر تصحیح کریں مشائخ ان دونوں قولوں کی تو لائق یہ ہے کہ اختیار کیا جائے وہ قول جو ہو اس کے لئے کوئی مرجح، اس لئے کہ بیشک یہ مرجح باقی ہے تصحیح کے بعد تو باقی رہے گی اس میں زیادتی قوت کی جو دوسرے میں نہیں پائی گئی" اور جب دوسرے قول کی تصحیح ہی نہ کی گئی ہو جیسے کہ اس مسئلہ میں اور یہ الفاظِ ترجیح بھی موجود ہیں تو بطریقِ اولیٰ راجح ہوگا تو جب تابیدِ مسجدیت راجح و مفتی بہ ہوئی تو صورتِ زیرِ بحث میں خدانخواستہ اگر ویرانی بھی ہو جاتی تب بھی اس حصے کو چھوڑنا جائز نہیں تھا کہ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہی ہے چہ جائیکہ مسجد بفضلہٖ تعالیٰ آباد اور آبادی کا سامان موجود اور گاؤں آباد تو اس صورت میں ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک مسجد مسجد ہی ہے تو اس کا ٹکڑا کیسے الگ کیا جاسکتا ہے اور اگر تناسب ہی قائم کرنا ہو تو اس کے لئے ایک اور جائز طریقہ بھی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ دوسری جانب

Marfat.com

سے اس حصہ کے برابر بڑھا دیں اس میں تناسب بھی قائم ہو جائے گا اور مسجد کی فراخی بھی ہو جائے گی اور مسجد کی فراخی نظرِ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام میں محبوب ہے جس کا مسجد بنا کرنے والوں کو امر فرمایا۔ سننِ بیہقی ص۴۳۹ جلد ۲ میں حضرتِ ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بقوم قد اسسوا مسجدا لیبنوہ فقال اوسعوہ تملوہ قال فاوسعوہ (ترجمہ) "بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے کہ انہوں نے بنیاد رکھی تھی مسجد کی تاکہ بنا کریں اسے پس فرمایا فراخ کرو اسے پُر کرو گے اسے فرمایا راوی نے پس فراخ کیا انہوں نے مسجد کو۔"

فصل دوم نوری جواب استدلال

مولوی صاحب نے کہا کہ کل وقف شدہ کا بعض جدا کر لینا جائز ہے۔ اس دعویٰ پر دلیل نمبر ۱ یہ ہے کہ حطیم بیت اللہ سے ہے مگر بیت اللہ سے جدا ہے۔ وجہ تسمیہ حطیم کی یہ ہے کہ لانہ حطم من بیت ای کسر سمی حجر الانہ حجر ای منع آگے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث کا بعض نقل کیا لان قومک قد قصرت بہم النفقۃ فاخرجوہ من البیت۔

میں کہتا ہوں یہ دلیل اصلاً دعوے کے مطابق نہیں کہ دعوے تو یہ تھا کہ وقف کا بعض جدا کر لینا جائز ہے۔ اس جدا کر لینے سے مراد اگر یہ ہے کہ صرف درمیان میں ایک حد قائم کی جائے اور دونوں جیسے پہلے تھے ویسے ہی وقف رہیں مثلاً ایک مسجد کی دو مسجدیں بن جائیں تو مولوی صاحب کے مدعا کے موافق نہیں کہ مدعا اس حصے کا مسجد ہونے سے نکال کر صحن میں داخل کر دینا ہے تو لا محالہ اس جدا کر لینے سے مراد یہی ٹھہرے گا کہ مسجد ہونے سے جدا کر لینا جائز ہے تو اب وہ دلیل مدعا سے بالکل ہی بیگانہ ہے کہ حطیم مسجد سے خارج نہیں ہوا کہ مسجد الحرام کعبہ شریف کے ارد گرد گھیرے ہوئے ہے اور حطیم مسجد الحرام میں ہی ہے۔ مولوی صاحب اتنا تو حاجیوں سے بھی دریافت کر سکتے تھے ہر ایک حاجی بتا دیتا کہ حطیم مسجد الحرام میں داخل ہے یا کعبہ شریف کا نقشہ ہی دیکھ لیتے[ع] نقشہ ہی بتا دیتا کہ حطیم مسجد شریف میں داخل ہے۔ ذرا شامی ص۶۱۶ جلد ۱ کو دیکھئے کہ اس میں ہے المسجد المحیط بہا "وہ مسجد جو گھیرنے والی ہے اس کو۔" "بہا" کی ضمیر کعبہ شریف کیطرف

ع اور نہ ہی تو شرح الوقایہ تو آپ کے پیش نظر تھا حاشیہ پر ہے دیکھ لیتے۔ نقشہ مل جاتا ۱۲

Marfat.com

راجع ہے چنانچہ اسی صفحہ میں ہے الکعبۃ و ما حولھا من المسجد "کعبہ شریف اور وہ جو اردگرد ہے اس کے مسجد سے"۔ بلکہ حطیم کا جتنا مقدار قریش نے کعبہ شریف کے مکان سے خارج کیا تھا شرعاً کعبہ شریف میں ہی داخل ہے اگرچہ صورۃً خارج ہے" اخرجوہ من البیت" جس سے مولوی صاحب نے استدلال کیا ہے اس اخراج سے اخراجِ صوری مراد ہے۔ اور حکماً داخلِ بیت ہے یعنی جتنا بقعہ پہلے بیت اللہ تھا اتنا ہی اب بھی ہے صرف مکان بناتے وقت قریش نے مکان سے خارج کر دیا تھا۔ اس مدعا پر اگر ضرورت دلیل ہے تو حبر الامۃ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فتوے طلب کرو کہ حجر یعنی حطیم بیت اللہ میں داخل ہے یا نہیں۔ ابھی فتوے صورتِ اثبات میں ملے گا۔ دیکھئے مستدرک حاکم ص۴۶۰ جلد ۱، سننِ کبریٰ بیہقی ص۹۰ جلد ۵ میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال الحجر من البیت لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاف بالبیت من ورائہ قال اللہ تبارک وتعالیٰ ولیطوفوا بالبیت العتیق قال الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد۔ مؤطا امام مالک علیہ الرحمۃ ص۳۱۳ جلد ۱ طبع جید برقی میں ہے "باب یطوف من وراء الحجر فانہ من البیت" نیز ص۳۱۳ میں ہے مالک انہ سمع ابن شھاب یقول انی سمعت بعض علمائنا یقول ما حجر الحجر وطاف الناس من ورائہ الا ارادۃ ان یستوعب الناس الطواف بالبیت۔ دیکھا سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عالم مدینہ امامِ مالک اور ان کے استاذ الاستاذ علیہم الرحمۃ کا فتویٰ یہی ہے کہ حطیم بیت اللہ سے ہے اور اسی وجہ سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ حطیم کے باہر سے فرمایا جیسا حدیثِ مستدرک و بیہقی سے سن چکے حالانکہ حکم طوافِ بیت کا ہے اور یہی استدلال سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے اور جمیع امت کا یہی مذہب ہے چنانچہ مؤطا سے سن چکے۔ اور سننِ ابوداؤد شریف ص۲۵۸ جلد ۱، سننِ کبریٰ بیہقی ص۸۹ جلد ۵ میں سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ولا طاف الناس من وراء الحجر الا لذلک۔ اور کتبِ مذہبِ مہذب حنفیہ کی تصریحاتِ عالیہ بھی گونج رہی ہیں کہ طوافِ حطیم کے اوپر سے کیا جائے بلکہ خود میرے محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً ارشاد فرمایا کہ حطیم بیت اللہ سے ہے چنانچہ صحیح بخاری شریف ص۲۱۵ جلد ۱ صحیح مسلم شریف ص۴۳۱ جلد ۱، مسند ابوداؤد طیالسی ص۱۹۸، سننِ کبریٰ بیہقی ص۸۹ جلد ۵ میں سیدتنا ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے

Marfat.com

والنظم من صحیح البخاری عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الجدار امن البیت ھو قال نعم ۔ سنن ابی داؤد ص۲۷۷ جلد، مسند ابوداؤد طیالسی ص۲۱۹، جامع ترمذی ص۱۱۹، سنن نسائی ص۳۵ جلد ۲، سنن بیہقی ص۱۵۸ جلد ۵ والنظم من النسائی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کنت احب ان ادخل البیت فاصلی فیہ فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فادخلنی الحجر فقال اذا اردت دخول البیت فصلی ھھنا فانما ھو قطعۃ من البیت ۔ سنا میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ کہ حطیم بیت سے ہے، حطیم بیت اللہ کا قطعہ ہے اس میں نماز پڑھنی ایسی ہے جیسی بیت اللہ میں نماز پڑھنی ۔

اب روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ اخرجوہ من البیت سے مراد اخراج صوری ہے اور شرعاً داخل ہے تو معلوم ہوا کہ وقف مسجد کا ٹکڑا مسجد سے علیحدہ نہیں ہوا عجب کہ مولوی صاحب کی نظر سے ایسے صریح ارشادات حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم جو آفتاب سے بھی زیادہ چمک رہے ہیں، پوشیدہ رہے اور اخرجوہ من البیت نظر آگیا حالانکہ جن صفحات میں اخرجوہ من البیت تھا انہی میں یہ بھی تھا کہ من البیت۔ شرح الوقایہ میں جو فرمایا حطم من البیت ای کسر اس سے مراد بھی کسر صوری ہے کہ اسی ص۳۳ میں حدیث شریف لائے جس میں ان الحطیم من البیت ہے اور شرح الوقایہ ص۲۸۰ جلد ۲ میں اقرار کیا کہ سیدنا خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وقف کعبہ لازم ہے حیث قال اما عندھما فالوقف لازم وعلیہ الفتوی والاصل فیہ وقف الخلیل صلوات اللہ علیہ الکعبۃ دیکھا تو وہ وقف کعبہ کو لازم مان رہے ہیں ۔ اور مبسوط سرخسی ص۳ جلد ۲ میں بھی یونہی ہے ۔ فتح القدیر ص۴۴۶ جلد ۵ میں جمہور علماء سے نقل فرمایا کہ زمین کعبہ شریف مسجدیت سے خارج نہیں ہے حیث قال واستدل ابویوسف وجمھور العلماء علی عدم خروج موضعھا عن المسجدیۃ ۔ افسوس کہ مولوی صاحب کو صحابہ کرام اور علماء عظام و ائمہ کرام اور خود محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تمام کے تمام نظر نہ آئے ، نظر آیا تو ایک اخرجوہ من البیت نظر آیا اور پھر طرفہ یہ کہ اخرجوا کی ضمیر کو نہ دیکھا کہ کس جماعت کی طرف عائد ہے اور صیغہ ماضی بھی نہ دیکھا ۔ اگر ضمیر اور صیغہ پر

Marfat.com

غور کرتے تو اس سے ہرگز استدلال نہ کرتے مگر یہ اظہر من الشمس ہے۔ شاید دیدہ و دانستہ ہی اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے چشم پوشی کر گئے جو بدترین خیانت ہے اور یہی احتمال ان کی چشم پوشی کا احادیث شریفہ کے متعلق بھی ہے۔

اچھا میں واضح کرتا ہوں کہ یہ ضمیر قریش کی طرف عائد ہے اور زمانہ ماضی سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں وہ کافر تھے تو حاصل یہ ٹھہرا کہ قریش نے زمانہ کفر میں خارج کیا۔ افسوس افعالِ کفار سے استدلال کیا جاتا ہے جس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ چونکہ کفار نے ایسا کیا لہذا ہم بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ عذر بھی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تقریر فرمائی بلکہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا صریح رد فرمایا اور اصلی بنیاد پہ بنا فرمانے اور حطیم کے داخل فرمانے سے عذر فرمایا کہ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں میں شبہات پیدا ہونے کا خطرہ ہے ورنہ گرا کر بنیادِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بنا کر دیتا۔

یہ مضمون احادیث صحیح بخاری ص۲۱۵ جلد۱ صحیح مسلم ص۴۲۹ جلد۱، سنن کبریٰ بیہقی ص۸۹ جلد ۵، مستدرک حاکم ص۴۸۰ جلد۱، مسند ابوداؤد طیالسی ص۱۹۸، سنن نسائی ص۳۵ جلد ۲، مؤطا امام مالک علیہ الرحمۃ ص۳۱۳ سے مستفاد ہے۔ حدیث مسند ابی داود کے کلمات یہ ہیں عن عائشۃ قالت سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الجدر تعنی الحجر امن البیت قال نعم قالت قلت فما منعہم ان یدخلوھا البیت قال عجز قومك عن النفقۃ قالت قلت فلو جعلوا بابہ مرتفعا حتی قال فعل ذلك قومك لیدخلوا من شاءوا و یمنعوا من شاء او لولا قومك حدیث عھد بجاھلیۃ و لہ اخاف ان تنکر قلوبھم لادخلت ما ترکوا او الزقت بابہ بالارض۔ بلکہ شرح الوقایہ ص۳۳۳ جلد ۱ میں اس حدیث کے آخر میں اتنا اور زائد روایت کیا ولئن عشت الی قابل لافعلن ذالك یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا" اور ضرور اگر میں دنیا میں آئندہ سال تک رہا تو ضرور کروں گا اسکو" فرماتے ہیں فلم یعش یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما نہ رہے اور آپ کا وصال شریف

ﻫ فی الحاشیۃ ھکذا ولعلہ زائد او محرف جدا ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

ہو گیا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم فی الدنیا والآخرۃ۔

بلکہ اگر مولوی صاحب غور کرتے تو یہ دلیل ہرگز نہ لکھتے کہ یہ ان کی دلیل تو بن نہیں سکتی جیسے واضح ہو چکا ہاں ہمارے مدعا کی دلیل ہے کہ کفار نے ایسا کیا اور سرکار نے اسے پسند نہ فرمایا تو مولوی صاحب نے ہمارے مدعا کی دلیل ذکر کی نہ کہ اپنے مدعا کی، اس کا نام ہے ہیبتِ حق اور جلوۂ نورِ اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

مولوی صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہا ہے کنزالدقائق ص۲۰۵ میں، وہ عبارت یہ ہے اذا جعل شیئا من طریق مسجد صح کعکسہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جائز نقل کرنا بعض مسجد کا اور اس کا جو متعلقاتِ مسجد سے ہو۔ پھر شامی ص۴۲۰ جلد ۳ سے نقل کیا ثم نقل عن خواحل زادہ عن العتابیۃ اذا کان الطریق ضیقا والمسجد واسعا لایحتاجون الی بعضہ تجوز الزیادۃ فی طریق المسجد لان کلہا للعامۃ۔

میں کہتا ہوں عبارتِ شامی کا ایک وہ حصہ نقل کیا جو ان کے مدعا کا مؤید ہوا اور آگے پیچھے کچھ بھی نہ دیکھا "کعکسہ" متنِ درالمختار میں موجود ہے اور درالمختار میں اس کا معنٰی بیان کیا اور شامی علیہ الرحمۃ نے اس پر تنقید کی۔ مولوی صاحب نے کسی بات پر نظر نہ کی اور اپنی طرف سے ترجمہ کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ جائز ہے نقل کرنا بعض مسجد کا۔ اگر اس پر نظر کرتے جو درالمختار میں اس کا مطلب بیان ہوا یا علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا تو سمجھ لیتے کہ یہ نتیجہ "کعکسہ" کا نہیں بلکہ اس کا عکس ہے مگر مطلب تو مدعا ثابت کرنا ہے، سچ ہے حبک الشیئ یعمی ویصم۔ سنیئے! درالمختار میں ہے کعکسہ ای کجواز عکسہ فہو ما اذا جعل فی المسجد ممرٌ لتعارف اھل الامصار فی الجوامع۔ اور "کعکسہ" کا یہی معنی بحرالرائق ص۲۵۵ جلد ۵۔ شرح کنزالدقائق اور رمزالحقائق ص۲۰۵ میں بیان فرمایا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مسجد کا کوئی حصہ مسجد سے علیحدہ نہیں کیا جاتا بلکہ مسجد کے بیچ میں ہی سے گزرنے کی جگہ مقرر کریں جیسے فی المسجد ممر کی "فی" ظرفیت کو ظاہر کر رہی ہے اور اس سے مراد یہ نہیں کہ سڑک میں داخل کیا جائے یا مسجد میں سڑک بنائی جائے چنانچہ درالمختار، بحرالرائق، رمزالحقائق میں پہلی عبارت کے متصل ہے والنظم من البحر والرمز وجاز لکل احد ان یمر فیہ حتی الکافر الا الجنب والحائض والنفساء لما عرف فی موضعہ ولیس

سہ نقل فتوٰی میں یا بمعنی غلط ہے ہم نے اسے اسی طرح لکھ دیا کہ مولویت کے شواہد ہیں اور ایسے ہی اور نقل بھی ہیں ۱۲ نور غفرلہ

Marfat.com

لہم ان یدخلوا فیہ الدواب ۔ دیکھا جنب وحائض ونفسا کا استثناء اور چار پایوں کے داخل کرنے سے روکنا صاف بتا رہا ہے کہ وہ جگہ مسجد سے خارج نہیں ہوجاتی اور عام سڑک نہیں بن جاتی ورنہ جنب وغیرہ کا استثناء کیوں کیا جاتا کہ عام سڑک میں جنب وغیرہ گزر سکتے ہیں اور چار پائے سڑکوں میں ہی چلائے جاتے ہیں بلکہ لما عرف فی موضعہ صراحۃً بتا رہا ہے کہ وہ باقاعدہ مسجد میں داخل ہے کہ "موضعہ" سے مراد وہ موضع ہے جہاں ذکر کیا گیا ہے کہ جنب وحائض ونفسا مسجد میں داخل نہ ہوں جیسے کہ تمام اسفارِ فقہ میں موجود ہے اور شامی علیہ الرحمۃ نے تو اس کے مسجد سے خارج نہ ہونے کی تصریح کردی۔ شامی ص۵۳ جلد۳ میں ہے و تسقط حرمۃ المرور فیہ للضرورۃ لکن لا تسقط عنہ جمیع احکام المسجد فلذا لم یجز المرور فیہ لجنب ونحوہ کما مر یعنی مسجد میں سے گزرنا جو شرعاً ناجائز ہے ضرورت کی وجہ سے وہ معاف ہوجاتا ہے اور یہ نہیں کہ تمام احکام مسجد کے ساقط ہوجائیں۔

دیکھا اس جگہ کے لئے باقی تمام احکام مسجد ثابت مان رہے ہیں اور تمام احکام مسجد کے مسجد ہی کے لئے ثابت ہونے ہیں تو ثابت ہوا کہ وہ جگہ مسجد میں داخل ہے اور خارج نہیں ہوتی اور یہ جواز المرور بھی ضرورت کے وقت ہی ہے مطلقاً نہیں۔ درالمختار مطبوع مع الشرح ص۶۱۴ جلد۱، خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۲۹ جلد۱، بحرالرائق ص۳۵ جلد۲، فتاویٰ عالمگیر ص۵۷ جلد۱ میں ہے والنظم من الھندیۃ رجل یمر فی المسجد و یتخذ طریقا ان کان بغیر عذر لا یجوز و بعذر یجوز اور جب عذر کی وجہ سے گزرے تو تحیۃ المسجد ادا کرے ہاں اگر دن میں کئی مرتبہ گزرے تو ایک مرتبہ ہی تحیۃ المسجد کا پڑھنا کافی ہے۔ چنانچہ خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۲۹ جلد۱، بحرالرائق ص۳۵ جلد۲، فتاویٰ عالمگیری ص۵۷ جلد۱، شامی ص۶۱۴ جلد۱ میں ہے والنظم للشامی ویصلی کل یوم تحیۃ المسجد مرۃ۔ یعنی جبکہ کئی مرتبہ دن میں گزرے تو چاہیئے تو یہ تھا کہ ہر مرتبہ تحیۃ پڑھے جو ادبِ دخول ہے، ادا کرتا مگر اس کو ایک ہی مرتبہ کافی ہے کہ ہر مرتبہ ادا کرنے میں حرج ہے۔ شامی میں ہے ای اذا تکرر دخولہ تکفیہ التحیۃ مرۃ۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے لما فیہ من الحرج۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ وہ گزرنے کی جگہ مسجد سے خارج نہیں ہوتی ورنہ تحیۃ المسجد پڑھنے کی کیا ضرورت تھی کہ تحیۃ المسجد دخول مسجد ہی کے لئے ہے نہ سڑک میں سے گزرنے

Marfat.com

کے لئے ۔ اور فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۳۴۵ جلد ۲ سے بھی یہی بات واضح ہو رہی ہے کہ وہ جگہ عام سڑک نہیں بنتی بلکہ جنب و حائض و نفساء کے سوا صرف لوگوں کے لئے گزرنے کی جگہ ہوتی ہے نظم یہ ہے أن ارادوا ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لهم ذلك وانه صحیح كذا فی المحیط اذا جعل فی المسجد ممرا فانه یجوز لتعارف اهل الامصار فی الجوامع وجاز لكل واحد ان یمر فیه حتی الكافر الا الجنب والحائض والنفساء ولیس لهم ان یدخلوا فیه الدواب كذا فی التبیین۔

دیکھا طریق کے عدمِ جواز کا صحیح ہونا نقل کر کے ممر کا جواز نقل کیا تو معلوم ہوا کہ اس عبارت میں طریق سے مراد عام سڑک ہے اور ممر سے مراد صرف گزرنے کی جگہ ہے ورنہ خواہ مخواہ تعارض لازم آئے گا۔

اب علامہ شامی کی سنئے : درالمختار میں "کعکسہ" کا مطلب جو انہوں نے بیان کیا هو ما اذا جعل فی المسجد ممر لتعارف اهل الامصار فی الجوامع۔ اس پر علامہ شامی علیہ الرحمۃ صفحہ ۵۳۰ جلد ۳ فرماتے ہیں لا نعلم ذلك فی جوامعنا "ہم اس کو اپنی جامع مسجدوں میں نہیں جانتے"۔ حاصل اس کا یہ ٹھہرا کہ درالمختار کی یہ دلیل مخدوش ہے لہٰذا مدعا جس کی بناء دلیل پر ہوتی ہے وہ بھی ایسا ہی ہوا، ہاں اپنی طرف سے "کعکسہ" کا حاصل معنی دو صورتوں میں بیان فرمایا ہے۔ پہلا یہ کہ مسجد سے مراد ایسی مسجد ہے جس کے دو دروازے ہوں اور لوگ اس مسجد میں سے گزریں۔ فرماتے ہیں نعم تعارف الناس المرور فی مسجد له بابان۔ پھر اس صورت کا مکروہ ہونا بحرالرائق سے نقل کیا ؛ فرماتے ہیں وقد قال فی البحر وكذا یكره ان یتخذ المسجد طریقا وان یدخله بلا طهارة۔ حاصل اس کا یہ ہوا کہ "عکسہ" سے مراد صرف مسجد میں سے گزرنا ہے ۔ یہ نہیں کہ مسجد گزرنے کی جگہ مقرر کی جاوے اور یہ گزرنا گو جائز ہے مگر بلا ضرورت مکروہ ہے اور مکروہ بھی تحریمہ جیسے درالمختار میں ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ سے "لایجوز" گذر چکا۔ اور اس کی مؤید ہے وہ حدیث جو سنن ابنِ ماجہ شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً ہے قال صلی الله علیه وسلم خصال لا تنبغی فی المسجد لا یتخذ طریقا الحدیث اور اگر ضرورت کی وجہ سے گزرنا ہو تو مکروہ نہیں جیسے گزر چکا، مگر تحیۃ المسجد پڑھے۔

Marfat.com

دوسرے یہ کہ مسجد سے مراد نفسِ مسجد نہیں بلکہ صحنِ مسجد ہے اور طریق سے طریقِ عام مراد نہیں بلکہ وہ مسقف برکیں مراد ہیں جو جامع مسجدوں کے صحن میں بنائی جاتی ہیں کہ بارش وغیرہ کے وقت ان میں نماز کے لئے چلا جانے یا جامع مسجد سے باہر جانے کے لئے نہ ہر ایک چلنے والے کے لئے عام سڑک کی طرح اور شاید یہی مراد ہے اور جس کو مسجد کیطرف چلنے کی ضرورت ہو تو صرف اس جگہ چلے تاکہ نمازیوں سے دور ہو اور تاکہ اس صورت میں نماز کے مکان کی بھی بہت بڑی تعظیم ہو۔ علامہ کی عبارت یہ ہے نعم یوجد فی اطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفة للمشی فیها وقت المطر ونحوه لاجل الصلوٰة او للخروج من الجامع لا لمرور المارین مطلقا کالطریق العام ولعل هذا هو المراد فمن کان له حاجة الی المرور فی المسجد یمر فی ذلك الموضع فقط لیکون بعیدا عن الناس و لیکون اعظم حرمة لمحل الصلوٰة فتامل۔

علامہ علیہ الرحمۃ نے اس پہلے معنی کو پسند نہ فرمایا اور مرجوح قرار دیا کہ بحرالرائق سے اس کے متعلق بیکرہ نقل فرمایا اور اس معنی اخیر کو ترجیح دی ہے کہ فرمایا لعل هذا هو المراد اور اس پر دو دلیلیں قائم کیں اول یہ کہ اس صورت میں گزرنے والا نمازیوں سے دور ہوگا اور باعثِ تشویش نہ بنے گا بخلاف پہلی صورت کے کہ نمازی بھی مسجد ہی میں نماز پڑھتے ہیں اور گزرنے والا بھی مسجد ہی گزرتا ہے تو لامحالہ باعثِ تشویش ہوگا۔ اور دوسری دلیل یہ کہ اس صورت میں محلِ نماز یعنی مسجد کی بہت بڑی تعظیم ہے کہ اس میں سے گزرنے سے بچنا ہے اور "تامل" فرما کر ایک سوال وجواب کی طرف اشارہ فرمایا۔ سوال یہ ہے کہ "عکسہ" کا حاصل معنی ماقبل کے لحاظ سے یہ ہے جعل شیئ من المسجد طریقا یعنی مسجد کا کچھ حصہ راستہ بنایا جائے اور اس صورت میں جس کو آپ ترجیح دے رہے ہیں مسجد کا حصہ راستہ نہیں بنتا بلکہ صحنِ مسجد کا حصہ راستہ بنتا ہے۔ اور جواب اس کا یہ ہے کہ عرفِ عام میں صحنِ مسجد پر بھی لفظِ مسجد کا اطلاق کیا جاتا ہے کہ فلاں مسجد میں کنواں ہے، فلاں مسجد میں نل ہے، فلاں مسجد میں حجرے ہیں، فلاں مسجد میں درخت ہے وغیرہ محاورات میں صحنِ مسجد کو مسجد سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ یہ تمام چیزیں صحنِ مسجد میں ہی ہوا کرتی ہیں نہ نفسِ مسجد میں بلکہ بعض احکام میں صحن حکماً مسجد ہے غنیۃ المستملی ص۵۷، بحرالرائق ص۳۶۳ جلد ۱، فتاویٰ عالمگیری ص۳۴۹ جلد ۲ میں ہے والنظم من

Marfat.com

الهندية و الفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذا فى محيط السرخسى اور یہی وجہ ہے کہ خادم مسجد جیسے مسجد میں دکان اور بسنے کا مکان نہیں بنا سکتا ایسے ہی صحن مسجد میں بھی نہیں بنا سکتا۔ فتاویٰ قاضیخان ص۳۱۷، بحرالرائق ص۲۳۹ جلد ۵، فتاویٰ عالمگیر ص۳۴۹ جلد ۲ والنظم من الهندية قيم المسجد لايجوز له ان يبنى الحوانيت فى حد المسجد او فى فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا او مسكنا تسقط حرمته و هذا لايجوز و الفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذا فى محيط السرخسى۔

علامہ علیہ الرحمۃ نے جو یہ معنی بیان فرمایا اس صورت میں متعارض عبارتیں موافق ہو جائیں گی اور حتی الامکان تعارض کی صورت میں توفیق ہی کی جاتی ہے لہٰذا یہ صورت بہتر ہوئی۔ عبارات متعارضہ کا توافق یوں ہوگا کہ جن عبارتوں میں یہ آتا ہے کہ مسجد کو طریق بنانا جائز نہیں اور بیشک یہ صحیح ہے اور وہ عبارتیں بکثرت موجود ہیں اور مولوی صاحب نے ان کو خود غرضی سے پس پشت ڈال دیا۔ مثلاً شامی میں ہے کہ تاتارخانیہ میں فتاویٰ ابی اللیث سے ہے وان اراد اهل المحلة ان يجعلوا شيئا من المسجد طريقا للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلك وانه صحيح۔ سبحان اللہ! یہ علامہ ابواللیث کی تصحیح ہے جن کا علوِ شان آفتاب سے بھی زیادہ عیاں ہے۔ اور ایسے ہی فتاویٰ عالمگیری ص۳۴۸ جلد ۲ بقید تصحیح محیط سے ہے اور محیط کا علوِ مرتبہ بھی غیر مخفی۔ درالمختار میں ہے كما جاز جعل الامام الطريق مسجدا لا عكسه لجواز الصلوٰة فى الطريق لا المرور فى المسجد۔ علامہ شامی اسکو صحیح کرکے ص۵۳۱ جلد ۳ پر فرماتے ہیں یعنی ان فيه ضرورة وهى انهم لو ارادوا الصلوٰة فى الطريق لم يجز فكان فى جعله ضرورة بخلاف جعل المسجد طريقا لان المسجد لايخرج عن المسجدية ابدا فلم يجز لانه يلزم المرور فى المسجد۔

ان عبارتوں میں عدمِ جواز کو ترجیح دی گئی اور دوسری عبارتیں ان کے مقابل ہیں جن میں جواز ہے

Marfat.com

جیسے "لعکسہ" وغیرہ۔ تو ان میں بظاہر تعارض ہے مگر اس دوسرے معنی کی صورت میں تعارض اٹھ گیا کہ جن عبارتوں میں عدمِ جواز ہے ان میں مسجد سے مراد حقیقۃً مسجد ہے اور جن میں جواز ہے ان میں مسجد سے مراد صحنِ مسجد ہے تو اب تعارض نہ رہا لہذا یہی معنی راجح ہے اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ کا والمتون علی الثانی فکان ھو المعتمد فرمانا ہمارے اصل مدعیٰ کے منافی نہیں کہ متون کی عبارت کا راجح معنی علامہ کی نظر میں یہ دوسرا معنی ہی ہے۔ اور مولوی صاحب کا شامی سے عنایہ کی عبارت نقل کر کے یہ کہنا کہ یہی عبارت درالمختار ص۱۲۵ جلد ۲ اس لئے کہ راستہ میں نماز پڑھ لینی جائز ہے، محض غلط اور بے اصل حوالہ ہے۔ درالمختار میں نہ ہی یہ عبارت ہے اور نہ ہی اس کے ہم معنی، بلکہ جس عبارت کا یہ ترجمہ کیا اس تمام عبارت کا معنی یہ ہے کہ طریق کو امام مسجد بنا سکتا ہے اور مسجد کو طریق نہیں بنا سکتا۔ درالمختار مع المتن کی پوری عبارت یہ ہے جعل الامام الطریق مسجدا لا عکسہ لجواز الصلوٰۃ فی الطریق لا المرور فی المسجد۔ اور شامی علیہ الرحمۃ نے بھی اس عبارت کا ص۵۳۱ پر یہی معنی بیان فرمایا چنانچہ ابھی گذر چکا۔ سبحان اللہ! یہ ہے تائیدِ غیبی اور نصرتِ لاریبی کہ مولوی صاحب نے محض بے اصل حوالہ دے کر اپنا مطلب بنانا چاہا مگر وہی عبارت ہمارے مدعا کی دلیلِ صریح بن گئی۔

مولوی صاحب کی تیسری دلیل

یہ ہے کہ برجندی شرح وقایہ جلد سوم ص۱۷۱ میں ہے اذا استغنی المسجد فباعہ اھل المسجد بامر القاضی جاز وان باعوہ بغیر امرہ قال بعضھم یرجی ان یجوز والصحیح انہ لا یجوز الا فی موضع لم یکن ھناک قاضٍ۔ کتبِ فقہیہ اس تصریح سے مالامال ہیں کہ وقف و مسجد کی بیع نہیں ہو سکتی۔ احادیث شریفہ بکثرت فرما رہی ہیں کہ وقف کی بیع نہیں ہو سکتی اور مسجد بھی وقف ہی ہے۔ ان تصریحاتِ جلیلہ کے مقابلہ میں یہ عبارت معتمد نہیں ہو سکتی کہ تمام تصریحات کو چھوڑ کر ایک عبارتِ شاذہ پر عمل کیا جاوے بحرالرائق ص۲۲۴ جلد ۶ میں ایک عبارتِ قاضی خان علیہ الرحمۃ کے متعلق فرمایا ولا اعتبار بھا مع صریح النقل عن الائمۃ الثلاثۃ تو صرف ائمہ ثلاثہ کی صریح نقل کی مخالفت

Marfat.com

کو عبارت قاضی خان کو جو فقیہ النفس ہیں ساقط کر دینے والا قرار دیا اور یہ عبارت برجندی تو ائمہ ثلاثہ اور دوسرے تمام ائمہ کی صریح نصوں کے مخالف ہے تو کیوں کر پایۂ اعتبار سے ساقط نہ ہوگی اور مرتبہ اعتماد پر کیسے فائز ہوگی؟

سنئے! احکام الوقف صـ۱۳ میں امام ہلال بن یحیٰی رائی جو شاگرد امام ابو یوسف و امام زفر ہیں، فرماتے ہیں فقد رأینا الرجل یجعل داره مسجدا للہ تعالٰی لا یباع ولا یورث ولا یوھب۔ ہدایہ مع الفتح و فتح القدیر و عنایہ صـ۴۳۲ جلد ۵، در المختار و رد المحتار صـ۵۰۷ جلد ۳، کنز الدقائق مع بحر الرائق و بحر الرائق صـ۲۰۵ جلد ۵ میں ہے والنظم من الھدایۃ و اذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ فتح القدیر اور بحر الرائق میں ہے ھو باجماع الفقہاء اور دلیل چہارم کے جواب میں عدم جواز بیع کے اور نصوص فقہیہ آرہے ہیں ان شاء المولٰی تعالٰی۔ اب احادیث مانعۃ البیع سنئے:

صحیح بخاری صـ۳۸۹ جلد ۱، صحیح مسلم صـ۴۱ جلد ۲، سنن ابی داؤد صـ۴۳ جلد ۲، جامع ترمذی صـ۱۷۷ جلد ۱، سنن نسائی صـ۱۲۶ جلد ۲، سنن کبریٰ بیہقی صـ۱۵۹ جلد ۶ میں متعدد احادیث غیظ المنافقین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیں کہ آپ نے خیبر میں زمین پائی تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہوئے۔ پس عرض کی، میں نے زمین پائی اور ہرگز کوئی مال اس سے زیادہ نفیس نہیں پایا، پس کیا فرماتے ہیں حضور، اس کے متعلق فرمایا اگر چاہو تو بند کر و اصل اس کا اور صدقہ کر دو اس کو، پس صدقہ کیا حضرت عمر نے، کہ بیشک شان ہے نہ بیچا جائے اصل اسکا اور نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ورثہ بنایا جائے والنظم من صحیح البخاری قال صلی اللہ علیہ وسلم ان شئت حبست اصلھا وتصدقت بھا فتصدق عمر انہ لا یباع ولا یوھب ولا یورث تحبیسِ اصل سے مراد وقف کرنا ہے جو بیچنے اور ہبہ کرنے اور ورثہ بنائے جانے سے بند کیا جائے۔ اس سبب سے حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح فرمادی لا یباع ولا یوھب ولا یورث۔ اور سنن کی ایک روایت سے یہ صراحۃً مستفاد ہے کہ اس میں ہے فحبس اصلھا ان لا تباع ولا توھب ولا تورث بلکہ سنن کبریٰ بیہقی صـ۱۵۹ جلد ۶ کی ایک حدیث میں یہ ہے فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصدق باصلہ لا یباع ولا یوھب ولا یورث ولکن ینفق ثمرہ۔ اور اسی مضمون کی دو مرفوع حدیثیں صـ۱۶۰ پر ہیں اور اگر اس عبارتِ برجندی کی بنا، امام محمد

Marfat.com

علیہ الرحمۃ کے قول عود الی ملک الباني پر ہو اور استغفار سے مراد وہی استغنار ہو تو اس بنا کے شکل ہونے کے علاوہ وہ قول مرجوح ہے اور مرجوحیت اس کی پانچ وجوہ سے ثابت ہوچکی اور جب مبنی مرجوح تو یہ عبارت جو اس پر بنا رکھتی لامحالہ مرجوحہ ہوئی اور قول مرجوح کے ساتھ فتوے دینا جہل اور اجماع کو پھاڑنا ہے۔ در المختار میں تحریرًا اور ردالمحتار میں تقریرًا ہے الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع۔ اور اگر مرجوح نہ بھی ہو تب بھی مولوی صاحب کو مفید نہیں اور اس استغنار وخراب سے مراد تو موضع کا ویران ہوجانا یا مسجد کا ویران ہوجانا ہے حالانکہ آبادی کا سامان نہ ہو جیسے کہ گذر چکا اور صورت زیر بحث میں یہ بات متحقق نہیں کیونکہ گاؤں آباد ہے اور وہ مسجد بھی آباد ہے اور آبادی کا سامان موجود ہے افسوس مسجد کا حصہ الگ کرنے کے لئے کتنے غلط رویئے اختیار کئے مگر غلط کاری کا حاصل لاحاصل ہے اور حق ہی حق ہے۔

مولوی صاحب کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ برجندی شرح وقایہ ص۱۷۱ جلد ۳ و شرط ان تبدل به ای صح عند ابی یوسف شرط ان یستبدل الواقف بذلك ارضا اخری اذا شاء اذ فیه تحویل الی ما یکون خیرا۔ میں کہتا ہوں اس دلیل کو آپ کے مدعا سے کوئی لگاؤ نہیں۔ مولوی صاحب یہ شرطِ استبدال جو امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک صحیح ہے یہ اس وقت صحیح ہے جب وقف کرتے وقت واقف شرط کرے اس لئے کہ اسی وقت اس کا اختیار ہے۔ اور جب وقف کردے تو اب اس کا ملک زائل ہوگیا لہذا بعد میں شرط کرنا باطل ہے۔ فتاویٰ قاضی خان ص۳۱۷، بحر الرائق ص۲۲۲ جلد ۵، خلاصۃ الفتاویٰ ص۴۱۳ جلد ۴ میں ہے و النظم للامام قاضیخان علیہ الرحمۃ و اجمعوا علی ان الواقف اذا شرط الاستبدال لنفسه فی اصل الوقف یصح الشرط و الوقف و یملك الاستبدال اما بدون الشرط اشار فی السیر انه لا یملك الاستبدال۔ نیز فتاویٰ قاضی خان ص۳۱۷، بحر الرائق ص۲۰۶ جلد ۵، فتاویٰ عالمگیر ص۳۳۰ جلد ۲ میں ہے و النظم من الهندیة ولو کان الوقف مرسلا لم یذکر فیه شرط الاستبدال لم یکن له ان یبیعها و یستبدل بها و ان کانت ارض الوقف سبخة لا ینتفع بها کذا فی فتاوی قاضیخان۔ تو کیا آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس مسجد

Marfat.com

کے واقف نے وقف کرتے وقت یہ شرط کی تھی کہ مسجد کا استبدال کروں گا شرعی طریق سے اس کا ثابت کرنا بہت ہی مشکل ہے اور اگر ثابت ہو بھی جائے تب بھی آپ کو مفید نہیں کہ اس مسجد کا واقف تو فوت ہو چکا اور جب واقف اپنے لئے شرطِ استبدال کرے تو اس سے دوسرے کے لئے حق استبدال نہیں چنانچہ فتاویٰ عالمگیر وغیرہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔ یہ سب جانے دیجئے۔ یہ بحث شرطِ استبدال تو مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف میں ہے اور وقف مسجد میں اگر شرطِ استبدال کرے تو مسجد مسجد بن جاتی ہے اور وہ شرطِ استبدال باطل ہے۔ شامی صفحہ ۴۹۵ جلد ۳، فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۳۴۸ جلد ۲ میں ہے و فی وقف الخصاف اذا جعل رضه مسجدا و بناه و اشهد ان له ابطاله و بيعه فهو شرط باطل و يكون مسجدا۔ احکام الوقف امام ہلال شاگرد رشید امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے صفحہ ۹۹، ۱۰۰ میں ہے قلت ارأیت رجلا جعل داره مسجدا لله علی ان له ان یبیعه فیستبدل به قال المسجد جائز والشرط باطل ولا یکون له بیعه۔ مبسوط امام سرخسی صفحہ ۴۲ جلد ۱۲، عنایہ شرح ہدایہ صفحہ ۴۳۹ جلد ۵، کفایہ شرح ہدایہ صفحہ ۴۴ جلد ۵ میں ہے والنظم من المبسوط المسجد اذا شرط الاستبدال به او شرط ان یصلی فیه قوم دون قوم فالشرط باطل واتخاذ المسجد صحیح۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ مسجد میں شرطِ استبدال صحیح نہیں تو اگر بالفرض شرطِ استبدال ہوتی اور واقف خود موجود ہوتا تب بھی استبدال نہیں کر سکتا۔ ذرا استدلال کرتے وقت دلیل اور غیر دلیل میں امتیاز کرنا چاہئے۔ عجب کہ لوگ مفتی ہی مفتی بن جاتے ہیں اور اپنے منہ محقق و مدقق کہلاتے ہیں مگر اب تک دلیل و غیر دلیل میں امتیاز نہیں۔

مولوی صاحب کی پانچویں دلیل قاضی خان صفحہ ۲۹۷ جلد ۴ میں متولی المسجد اذا جعل المنزل الموقوف علی المسجد مسجدا فصلی الناس فیه سنین ثم ترك الصلوۃ فیه و اعید منزلا مستغلا جاز لان المتولی و ان جعله مسجدا لا یصیر مسجدا۔

مولوی صاحب کی یہ دلیل بھی پہلی دلیلوں کی طرح مدعا سے محض بیگانہ ہے۔ شاید استدلال کرتے وقت مولوی صاحب کا ذہن کہاں پرواز کر جاتا ہے۔ یہ عبارت قاضی خان علیہ الرحمۃ لکھ کر خود ہی اس کا جواب

Marfat.com

دے دیا کفی اللہ المومنین القتال ۔ مولوی صاحب خود ہی اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں "کیوں کہ متولی کے بنانے سے موقوف علیہ مسجد نہیں بن جاتی بلکہ وہ موقوف علیہ ہوتی ہے" مولوی صاحب متولی کے بنانے سے موقوف علیہ مسجد نہیں بنتی تو اس میں نماز چھوڑ دینا اور دوبارہ منزل و مستغل بنا دینا نہ ہمیں مضر اور نہ آپ کو مفید ۔ ہاں اگر وہ منزل مسجد بن جاتی اور پھر دوبارہ منزل بنانی جائز ہوتی تو آپ کو مفید ہوسکتی تھی کیونکہ آپ کا مدعا مسجد کے ٹکڑے کو الگ کرنے کا جواز ہے نہ غیر مسجد کو غیر مسجد بنانا اور یہ بھی بتلادوں کہ متولی کے بنانے سے وہ منزل مسجد کیوں نہیں بنتی ۔ شاید پھر ہی مولوی صاحب کے ذہن مبارک میں اس عبارت کا اصلی مفہوم آجائے ۔ مولوی صاحب مسجد وقف ہے اور وقف کے شرائط میں سے ایک شرط ملک واقف ہے ۔ فتاویٰ عالمگیری ۳۱۵ جلد ۲ میں شرائط وقف کے بیان میں ہے ومنہا الملک وقت الوقف اور متولی جب کہ مالک نہیں تو وقف نہیں کرسکتا لہٰذا اس کے مسجد بنانے اور مسجد نام رکھنے سے منزل موقوف جو اس کے ملک میں نہیں ، مسجد نہیں بن سکتی ۔

مولوی صاحب کی اگر پچھلی دو دلیلیں صحیح ہو جائیں تو مسجد کا صرف حصہ ہی نہیں بلکہ تمام مسجد کو چھوڑ دینا اور بیچ دینا جائز ہو جائے گا کہ یہ تمام کے متعلق ہیں اور جب یہ دلیلیں ان کو پسند ہیں اور اسی لئے ان کو دلیل بنایا ، تو ثابت ہوا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام مسجد کو چھوڑ دینا ، بیچ دینا اور مسجد کو منزل و مستغل بنالینا جائز ہے ، اور اس سے بڑا اور کونسا ظلم ہے مگر ان دلیلوں کو مدعا سے کوئی لگاؤ ہی نہیں ، صحیح ہونا تو درکنار ، وللہ الحمد ! مسلمانو ! للہ انصاف کی آنکھیں کھولو اور اپنے دلوں کو تعظیم مساجد سے مالا مال کرو ۔ کسی کے کہے اپنے رب کے گھروں سے منہ پھیر لینا کتنی سخت ناانصافی ہے ۔ واللہ الہادی وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

حررہ الفقیر الی اللہ الغنی ابوالخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری نصرہ ربہ علیٰ کل غبی دغوی

۱۰ رجب المرجب ۱۳۶۳ھ

Marfat.com

الاستفتاء

نمبر۱ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ اہلِ دہ نے مسجد کی تعمیر کے لئے کچھ رقم جمع کی ہے کیا اس رقم سے اس مسجد کے امام صاحب کا رہائشی مکان بنا سکتے ہیں ؟

نوٹ : ۱۔ کچھ رقم برائے تعمیر مسجد دھڑت کی جمع کی گئی ہے۔ ۲۔ کچھ منتوں والوں نے برائے تعمیر مسجد کو دی ہے۔ ۳۔ یہ احاطہ امام مسجد کا مسجد ایریا سے علیحدہ ہے مگر امام مسجد کا ذاتی نہیں بلکہ گاؤں والوں نے مشترکہ امام مسجد کو دیا ہے، نیز یہ احاطہ سرکاری ہے۔

نمبر۲ : ہمارے گاؤں کا پرانا طریقہ چلا آتا ہے کہ قربانی کی کھالیں امام مسجد کو بطورِ معاوضہ دی جاتی ہیں " کیونکہ امام صاحب کی مستقل کوئی تنخواہ مقرر نہیں " کیا یہ کھالیں امام مسجد کو دینی جائز ہیں یا نہیں، بحوالہ بیان فرمائیں کرم ہوگا۔

نوٹ : (حاجی غلام محمد صاحب جو یہ سوال لائے ہیں، نے کہا ہے کہ مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے اور اب جمع شدہ رقم یا جو نئی جمع ہو ضروریات مسجد پانی وغیرہ کے انتظامات کے لئے ہے۔

ازطرف : اہالیانِ چک ۵۸/۵ ایل گنوں مورخہ ۷۰-۷-۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

۱ ہاں اسی مسجد کے امام صاحب کا رہائشی مکان بنا سکتے ہیں کیونکہ تکمیل تعمیر کے بعد ضروریات مسجد میں سے امام اول نمبر میں ہے کیونکہ مسجد کی صرف ظاہری تعمیر کا کوئی اعتبار نہیں جبتک کہ اس کی معنوی اور حقیقی تعمیر نہ ہو حتی کہ مسجد کے لئے روشنی پانی وغیرہ کے وسیع تر انتظام سے امام کی ضروریات مقدم ہیں۔ فتاویٰ عالمگیر صـ۳۲۰ جلد ۲ میں ہے الذی یبدأ من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف ام لا ثم الی ما هو اقرب الی العمارة واعم للمصلحة کالامام للمسجد والمدرس للمدرسة یصرف الیهم بقدر کفایتهم ثم السراج والبسط کذلك الی اخر المصالح۔ فتاویٰ شامی صـ۵۲ جلد ۳ میں ہے وهو عمارته المعنویة التی هی قیام شعائره (شو کما فی الهندیة) بحرالرائق صـ۲۱۳ جلد ۵

Marfat.com

میں بھی اسی طرح ہے۔ پھر ص۲۱۵ جلد ۵ میں ہے ان الشعائر التی تقدم فی الصرف مطلقا بعد العمارۃ الامام والخطیب (الیٰ ان قال) و یلحق بثمن الزیت والحصر ثمن ماء الوضوء او اجرۃ حمله او کلفۃ نقله من البئر الی المیضئۃ۔

۲: قربانی کی کھالیں غنی اور غریب دونوں کو دے سکتے ہیں جبکہ دینا مزدوری کے طور پر نہ ہو اور اگر مزدوری یا تنخواہ کے طور پر ہو تو جائز نہیں، تو آپ لوگ غور کر لیں کہ امام مسجد کو کس نیت سے دیا کرتے ہیں۔ اگر معاوضہ بمعنی تنخواہ ہے تو جائز نہیں اور جس نے اس نیت سے دیا ہے اس کی قربانی میں نقص پڑ گیا جس کا دور کرنا ضروری ہے اگرچہ بہت پرانی ہو چکی ہو۔ اور اگر معاوضہ بایں معنیٰ ہو کہ ہمارے امام صاحب مسجد کی رونق اچھی کرتے ہیں اور ہمارے بچوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں اور نماز وغیرہ کا اچھا انتظام کرتے ہیں لہذا کسی اور شخص کی بہ نسبت امام کو عطیہ اور ہبہ کے طور پر دینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ ایسا دینے والا شخص اس امداد سے نیکی کرتا ہے تو یہ تعاون علی البر بن گیا جو یقیناً جائز ہے جس کا حکم قرآنِ کریم میں ہے وتعاونوا علی البر والتقوی پ۶ع۵۔ اور فرمایا ھل جزاء الاحسان الا الاحسان پ۲۷ع۱۴۔ اور بالخصوص قربانی کے متعلق ہے فکلوا منها و اطعموا القانع والمعتر پ۱۷ع۱۱۔ اور جب کہ قربانی کے گوشت اور چام کا ایک ہی حکم ہے تو امام مسجد کو بھی دے سکتے ہیں کہ اس "القانع والمعتر" میں وہ بھی داخل ہے۔ فتاوےٰ عالمگیری ص۸۱ جلد ۲ میں ہے و یھب منها ما شاء للغنی والفقیر یعنی انسان اپنی قربانی میں سے جو چیز چاہے (چام ہو یا گوشت) فقیر اور غنی کو ہبہ کر سکتا ہے۔

یہ مسئلہ بڑا واضح ہے مگر افسوس کہ اس گئے گذرے زمانے میں لوگوں کی ذہنیت کچھ اس طرح کی ہو گئی ہے کہ دینی کام کرنے والے افراد کے متعلق بلاوجہ شکوک وشبہات پیدا کئے جاتے ہیں، کیا دینی کام کرنا ایسا جرم ہے کہ جو عطیہ کسی عام مسلمان کو دیا جا سکتا ہے وہ دینی کام کرنے والے کے لئے ناجائز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ ۷۰-۷-۵

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

Marfat.com

الاستفتاء

(نوٹ) فتویٰ ذیل دسمبر ۱۹۶۱ء ماہنامہ سیالک راولپنڈی میں شائع ہوا۔

ملک پاکستان موضع کھوڑ میں اٹک آئل کمپنی اہل کتاب نصاریٰ تاجر و مستامن مقیم اور اہلِ کتاب کے ساتھ کسبِ تجارت میں چند مسلمان بھی شامل ہیں۔ کمپنی مذکورہ بالا نے ملازمین کے ساتھ عہد کیا ہوا ہے کہ وہ ان کی اجتماعی آسائش زندگی کے لئے ضروریات بہم پہنچانے کے ذمہ دار ہیں جیسا کہ ہسپتال، بجلی، پانی، مسجدیں وغیرہ قبل ازیں یہاں ایک مسجد ۱۹۲۰ء سے تعمیر شدہ تھی۔ اس کی مرمت پانی، بجلی وغیرہ کی ضروریات کمپنی پوری کرتی رہی ہے اور اب بوجہ مسجد کہنہ خستہ حال قابلِ تعمیرِ نو ہے۔ اب کچھ رقم عوام مسلمانوں نے چندہ کے ذریعہ فراہم کی ہے اور کچھ رقم کمپنی مذکورہ دے رہی ہے۔ کیا کمپنی کے اس عطیہ سے مسجد بنوانی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

منجانب: تعمیری کمیٹی جامع مسجد کھوڑ

الجواب

مسجد کے لئے چندہ یا مسجد کے لئے اگر زمین وقف کی جائے تو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ دینے والے کی نیت قربت کی ہو اور ظاہر ہے کہ نصاریٰ وغیرہ بھی مسجد وغیرہ پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں تو ان کی امداد سے مسجد تعمیر کرانا جائز درست ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں خصوصاً جب کہ کمپنی والوں نے پہلے وعدہ بھی کر لیا ہو کہ ہم تمہاری ضروریات کے کفیل ہوں گے۔ شامی میں ہے وان یکون قربة فی ذاته فتعین ان هذا شرط فی وقف المسلم فقط بخلاف الذمی لما فی البحر وغیره ان شرط وقف الذمی ان یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء وعلی مسجد القدس فقط والله اعلم

۱۔ دستخط سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان

(مہر)

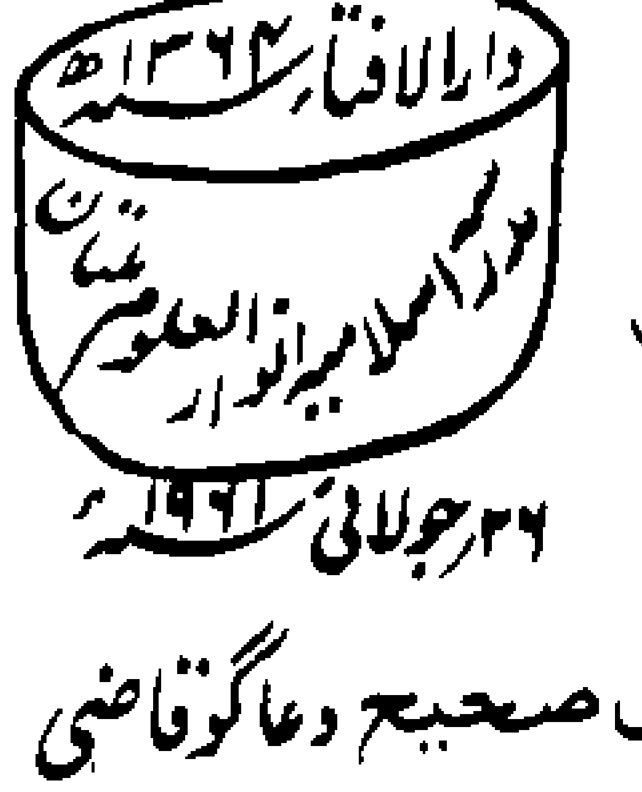

۲۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح شاہ محمد عارف اللہ قادری ۵۹/بی سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی۔ ۳۔ المجیب مصیب الحق ظاہر فقیر قادر بخش عفی عنہ دربار عالیہ میرہ شریف۔ ۴۔ المجیب مصیب و جوابہ حق حررہ عبدہ المذنب ارشاد حسین نوری چورہ شریف۔ ۵۔ الجواب صحیح دعا گو قاضی

Marfat.com

نور محمد خطیب جامع مسجد کالا باغ بقلم خود۔ ۶۔ الجواب صحیح فقیر مولوی عبد الرحمن بچرنڈ تحصیل تلہ گنگ۔ ۷۔ الجواب صحیح مولوی غلام سرور خطیب جامع گرمشانی غازی کشمیر۔ ۸۔ المجیب مصیب جوابہ حق حررہ مولوی عبد الحنان عفی عنہ۔

اس پر فقیر ابو الخیر النعیمی غفرلہ نے یہ خط لکھا :-

مخدومی سیدی حضرت مولانا مفتی سید مسعود علی شاہ صاحب قبلہ مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاج گرامی !

فقیر بالخیریت، امید کہ مزاج سامی بھی بخیر ہوں گے بمعروض کہ حضرت کا فتوے ماہنامہ سالک راولپنڈی جلد ۹ شمارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۶۱ء کے ص۴۳ پر شائع ہوا ہے جس پر دار الافتاء کی مہر اور کئی حضرات کی تصدیقیں بھی ہیں۔ اس میں حضرت کا ارشاد ہے نصاریٰ وغیرہ بھی مسجد وغیرہ پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں تو ان کی امداد سے مسجد تعمیر کرانا جائز و درست ہے اسمیں کوئی مضائقہ نہیں" پھر بطور استدلال شامی سے ہے ان شرط وقف الذمی ان یکون قربۃ عندنا وعندھم کالوقف علی الفقراء او علی مسجد القدس" محض نیازمندانہ حیثیت سے معروض کہ فقیر کی نظر قاصر میں یہ فتوے نظر ثانی کا محتاج ہے قرآن کریم میں تعمیر مساجد کے متعلق واضح ہدایت ہے انما یعمر مسجد اللہ من آمن باللہ والیوم الاخر واقام الصلوٰۃ الآیۃ اور یہ بھی واضح کہ مسجد قدس (جو ان کی خصوصی ہی مسجد بحیثیت قبلہ ہے) کے وقف پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہنا کہ دوسری مساجد پر خرچ کرنا یا وقف کرنا بھی ان کے نزدیک قربت اور نیک کام ہے، قیاس مع الفارق ہے۔ خود شامی علیہ الرحمۃ ہی تصریح فرماتے ہیں کہ دوسری مساجد پر خرچ کرنا صرف ہمارے نزدیک قربت ہے یعنی ان کے نزدیک قربت نہیں۔ منحۃ الخالق علی البحر الرائق ص۱۸۹ جلد ۵ میں ہے الظاھر ان ھذا شرط فی وقف الذمی فقط لیخرج ما لو کان قربۃ عندنا فقط کوقفہ علی الحج والمسجد وما کان قربۃ عندھم فقط کالوقف علی البیعۃ بخلاف الوقف علی مسجد القدس فانہ قربۃ عندنا وعندھم فیصح ولو کان ذلک شرطا لکل وقف لزم ان لا یصح وقف المسلم علی الحج والمساجد لانہ قربۃ عندنا فقط۔ نیز عقود الدریہ ص۱۱۹ جلد ۱ میں فرمایا ان وقف اھل الذمۃ

Marfat.com

لایجوز الا اذا کان قربۃ عندنا وعندھم حتی لو جعل دارہ مسجدا للمسلمین لایجوز وانما اجازو قفھم علی مسجد القدس لان ذالک قربۃ عندھم ہندیہ ص۳۱۵ جلد ۲ اور طحطاوی علی الدر ص۵۳۰ جلد ۲ میں بھی یہی مسئلہ جعل الدار مسجدا للمسلمین مفصل ہے، تو ثابت ہوا کہ نصاریٰ ہر ایک مسجد پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام نہیں سمجھتے تو ان کی اس امداد سے تعمیرِ مسجد بلا مضائقہ کیونکر درست ہوگی؟ پھر اس نازک دور میں (جب کہ عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں اور تبلیغی سرگرمیاں نقطۂ ارتقاء پر پہنچ چکی ہیں) عوام اہلِ اسلام کو یہ کہنا کہ عیسائی ہماری مسجدوں پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں، عوام کے لئے کسی غلط فہمی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کمپنی والے نصاریٰ اپنے مسلم ملازمین سے کئے گئے معاہدہ کی بنا پر ان کی ضروریات کے لئے روپیہ ان کے ملک میں کر دیں تو وہ مسلمان اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنا روپیہ جانتے ہوئے تعمیرِ مسجد پر خرچ کریں تو درست ہے جیسے کہ فقیر مالِ زکوٰۃ کے مالک بننے کے بعد تعمیرِ مسجد میں خرچ کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ امید کہ ضرور توجہ فرماتے ہوئے اصلاح فرمائیں گے یا پھر فقیر کے شبہات زائل فرمائیں گے وذا ایضا اصلاح فالمقصود ھو الاصلاح۔ والسلام ۱۳ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ ۲۰-۱۲-۶۱

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

اس خط کے جواب میں حضرۃ مولانا علامہ سید مسعود علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مندرجہ ذیل گرامی نامہ صادر فرما کر یادِ سلف صالحین تازہ فرما دی۔

فون نمبر ۲۵۲۱

۷۸۶/۹۲

مخدومی ومحترمی حضرت مولانا الحاج مولانا نور اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گرامی نامہ موصول ہو کر عزت افزا ہوا۔ جناب والا نے جو اس نیاز مند کو غلطی پر مطلع فرمایا اس کا بے حد ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے صرف شامی کے حوالہ کو دیکھ کر یہ مسئلہ لکھ دیا اور مسجدِ اقصیٰ پر دیگر مساجد کو قیاس کر لیا۔ اب حضرت نے جو جزئیات تحریر فرمائے ان سے یہ مسئلہ

Marfat.com

واضح ہو گیا لیکن سوال کے دیکھنے سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی والوں نے عام مسلمانوں کو روپیہ عطیہ کے طور پر دے دیا تو اب اگر مسلمان اس روپیہ کو مسجد کی تعمیر پر خرچ کریں گے تو وہ درست ہوگا جیسا کہ جناب نے بھی آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر تملیک کر دیں اور مسلمان اپنے اختیار سے اپنا روپیہ جانتے ہوئے صرف کر دیں تو درست ہے علاوہ ازیں یہ کہ اگر بالفرض کمپنی والے مسلمانوں کو تملیک ہی نہ کریں اور خود مسجد بنائیں تو شرعاً اس کا حکم کیا ہوگا ؟ میرے نزدیک یہ ہے کہ نصاریٰ ہمارے مسائل کے مکلف نہیں ہیں لہٰذا اگر انہوں نے ایسا کر دیا یعنی مسجد تعمیر کرا دی تو اگرچہ وہ مسجد کے حکم میں نہ ہو لیکن نماز پڑھنا بہرحال اس میں جائز رہے گا۔ اس میں آپ کی کیا رائے ہے ؟

اب آخر میں مخلصانہ طور پر جناب سے یہ عرض ہے کہ آپ تحریر فرمائیں کہ اب اس کی اصلاح کس طور پر کی جائے ؟

مجھے افسوس ہے کہ مولانا عارف اللہ شاہ صاحب و دیگر تصدیق کنندگان نے اس پر کوئی توجہ نہ کی اور مولانا نے بغیر میری اطلاع کے اس فتوے کو شائع بھی فرما دیا۔ میں نے ان کو بھی خط لکھا ہے امید کہ جواب سے مطلع فرمائیں گے آخر میں پھر جناب کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔

نیاز مند : سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم

۲ر جنوری ۱۹۶۲ء

اس گرامی نامہ کے جواب میں فقیر نے یہ تحریر کیا۔

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا المفتی سید مسعود علی شاہ صاحب قادری لا زالت ظلالھم المتلألئہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ؛ مزاجِ گرامی !

عنایت نامہ نے یادِ سلف کو تازہ کر دیا۔ اس حوصلہ افزائی نے مجھے مخلصانہ طور پر ممنون بنا دیا۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء ، حقیقت یہ ہے کہ یہ نیاز مند کوئی مفتی یا محقق نہیں مگر بعض مصالح شرعیہ کی بناء پر کبھی کچھ عرض کرنا پڑتا ہے جو آپ ایسے حضرات کی بندہ نوازیوں سے قابلِ قبول بھی بن سکتا ہے۔

حسب الحکم استفسارات کے متعلق معروض کہ یہ صحیح فرمایا کہ نماز پڑھنا بہرحال اس میں جائز رہے گا جبکہ ارشادِ پاک جعلت لی الارض مسجداً و طھوراً وارد ہے تو اس میں کسی دوسری رائے کی گنجائش ہی کیا ؟ اور پھر یہ بھی صحیح ہے کہ نصاریٰ اپنے آپ کو ہمارے مسائل کے مکلف نہیں سمجھتے مگر ہم تو ضرور مکلف ہیں ، ہمیں یہ اجازت کہاں کہ انہیں اپنی مساجد پر مسلط کر دیں اور وہ خود تعمیر کریں یا ان کی

Marfat.com

وکالت میں ہم تعمیر کریں۔ ارشاد ہوتا ہے ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علیٰ انفسہم بالکفر۔ اور اگر کسی سبب سے وہ ایسا کر دیں یعنی مسجد تعمیر کر دیں تو دو صورتیں ہیں؛

ما یہ کہ وہ زمین کا ٹکڑا جس پر تعمیر ہوئی ہے پہلے سے شرعی طور پر مسجد بنایا گیا ہو جیسے کہ ظاہر سوال یہی ہے تو چونکہ اصالۃً مسجد ہے ہی وہی بقعہ جو تحت الثریٰ سے عنان السماء تک ہے قیامت تک کے لئے مسجد بن چکا ہے تو کسی بے جا تصرف سے اس کی مسجدیت پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟

ملا یہ کہ وہ بقعہ بھی نصاریٰ کے ملک میں ہو اور وہ اس پر مسجد نما مکان تعمیر کر دیں اور صراحۃً مسجد کا نام دیتے ہوئے اجازتِ نماز بھی دے دیں تو وہ مکان تب بھی شرعاً وقف اور مسجد نہیں بن سکتا مگر جب نصاریٰ وہ مکان اہلِ اسلام کے ملک بیعاً یا ہبۃً کر دیں یا مسلمان بطورِ غنیمت حاصل کرلیں اور مالک ہونے کے بعد اپنی طرف سے وقف کر دیں اور مسجد بنائیں تو شرعاً مسجد بن جائے گا وذا ظاھر لا غبار علیہ اصلاً۔

مسئلہ زیرِ بحث میں کمپنی والوں کے روپیہ دینے کا جو ذکر ہے میرے خیال میں وہ توکیل و تملیک کے دونوں احتمالوں کا محتمل ہے مگر جب بحمداللہ تعالیٰ وضاحت ہوگئی اور سب صورتیں تفصیلاً سامنے آگئیں تو مسئلہ زیرِ بحث امس و شمس کی طرح واضح ہوگیا۔ والسلام مع الاکرام۔ ۶۲-۱-۶

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک ذی علم سُنّی اور دیندار انسان ہے۔ اکثر حصہ اپنی عمر کا تعلیم و تعلم اور خدمتِ اسلام پر صرف کیا ہے۔ زید کی مدت سے یہ تمنا تھی کہ اپنی تمام عمر سلسلۂ تعلیم و تعلم اور خدمتِ اسلام میں آزادانہ طریق پر صرف ہو ولیکن یہ سلسلۂ تعلیم و تعلم اور خدمتِ اسلام بغیر استقلال اور اطمینان اور آزادی کے قائم نہیں رہ سکتا بلکہ چل ہی نہیں سکتا۔ استقلال اور اطمینان کی فقط یہی صورت ہو سکتی ہے کہ میں اپنی زمین مملوکہ میں مسجد اور مدرسہ وغیرہ بناؤں تاکہ آزاد ہو کر للہ خدمتِ اسلام کرسکوں اور بعد میرے میری اولاد بھی اس سلسلہ کو جاری رکھے اور خدمتِ اسلام میں مصروف

Marfat.com

رہے چنانچہ زید نے حکومت موجودہ ریاست بہاول پور صوبہ بننے سے پہلے کو اس مضمون کی درخواست دی کہ:۔
جناب عالی! گذارش ہے کہ سائل کو زمین فلاں نمبر فلاں برائے مسجد و مدرسہ و ضروریاتِ مدرسہ قیمۃً عطا فرمائی جائے حکومت نے درخواست منظور کی اور زید سے قیمت لے کر زمین زید کو عطا کی اور پٹہ زمین کا دیا۔ رجسٹری اور انتقال بھی بنام زید کیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے جو اپنی گرہ سے قیمت دے کر زمین خریدی ہے۔ اس نیت سے کہ یہیں زمین میں مسجد و مدرسہ بناؤں گا اور ضروریات اس سے پورا کرتا رہوں گا تاکہ آزاد ہو کر خدمتِ اسلام کر سکوں اور حکومت نے بھی اس خیال پر کہ زید زمین کارِ خیر کے لئے لے رہا ہے، قیمت میں رعایت کی اور زمین زید کو دے دی۔ کیا یہ زمین ملوکہ زید متصور ہوگی یا مملوکہ مدرسہ او ر مسجد انتقال بنام زید کرنے سے حکومت مخطی قرار دی جائے گی۔ بینوا الجواب بحوالۃ الکتاب توجروا فی یوم الحساب۔

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بنا بر صحتِ سوال جوازِ بیع میں قطعاً گنجائشِ شک و شبہ و ریب نہیں کہ احل اللہ البیع، اور رعایت بھی جرم نہیں کہ شرعِ مطہر نے کوئی معیارِ قیمت معین ہی نہیں فرمایا کہ اس کی خلاف ورزی سے بطلان و فساد ثابت ہو صرف تراضی کافی ہے الا ان تکون تجارۃ عن تراض اور وہ پائی گئی۔ حکومت کا زید کی درخواست پر باقاعدہ مطلع ہو کر اس کے نیک ارادہ کی بنا پر رعایت کرنا، تو یہ بھی مقاصدِ شرعِ مطہر کے ماتحت ہی ہے وتعاونوا علی البر والتقوی، وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر۔ اور جب بیع و رعایت شرعاً جائز ہوئی تو حکمِ بیع یعنی ملکِ مشتری یقیناً لزوماً مرتب ہوگا کما لایخفی علی من لہ ادنی مس باسفار المذھب المھذب فضلاً عن فاضل پس امس و شمس کی طرح واضح و لائح کہ شرعاً زید ہی مالک بنا تو انتقال و رجسٹری زید کے نام ہی ہوں گے اور حکومت مصیب ہے بلکہ اصابت کا اعلیٰ درجہ تو یہ تھا کہ ایسے سنی سرگرم خادمِ اسلام کے لئے بلا معاوضہ انتظام کیا جاتا۔ شرعِ مطہر نے تو نیک کام کرنے والوں کو زکوٰۃ (جس میں تملیک شرط ہے) کا مستحق قرار دیا کہ ارشاد ہوا وفی سبیل اللہ۔ اور اس مسئلہ میں مسجد و مدرسہ کے ملک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ حکومت نے معاوضہ لے کر بیع کی اور وقف بلا معاوضہ اور بلا تملیک مخلوق ہے اور زید نے اپنے لئے خرید کی تو اس کی طرف سے بھی یہ خرید وقف نہیں البتہ اسے اختیار ہے جب چاہے وقف کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و

Marfat.com

و صحبہٖ و بارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

چہ میگویند علمائے دین دریں مسئلہ کہ حکومت کی مملوکہ زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مسجد تعمیر کی گئی ہے جہاں عوام نماز ادا کرتے ہیں اسے تقریباً بیس برس کا عرصہ ہوچکا ہے۔ اب حکومت اس کے متبادل اس کے بہت ہی قریب اس قدر جگہ مسجد کی تعمیر کے لئے دیتی ہے اور پہلی جگہ کو اپنے کسی تصرف میں لانا چاہتی ہے جہاں بلا اجازت مسجد تعمیر ہے۔ بایں حالت پہلی جگہ پر مسجد کو شرعی کیا حیثیت حاصل ہے؟ آیا وہ شرعاً مسجد ہے؟ کیا حکومت یا کسی اور شخص کی مملوکہ زمین میں مالک کی اجازت حاصل کئے بغیر مسجد بنائی جائے مالک یا حکومت اس جگہ سے مسجد کو ہٹا دینے کی شرعاً مجاز ہے؟ بینوا توجروا۔

نیاز مند : نیاز احمد قادری چشتی رضوی خادم مسجد نوری رضوی معرفت جالندھری انجینئرنگ کمپنی نزد پرانی سبزی منڈی لائل پور ۶۹-۵-۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

وقف کے لئے وقف کرنے کے وقت مالک ہونا شرط ہے۔ فتاوے عالمگیری ص۳۱۵ جلد ۲ میں شرائطِ وقف میں ہے ومنہا الملک وقت الوقف لہٰذا کسی کی زمین میں مسجد کی شکل بنا کر مسجد کہنے سے شرعاً مسجد نہیں بن سکتی اور مالک اٹھا دینے کا یقیناً حق رکھتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و علی آلہٖ و اصحابہٖ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہٗ خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف ضلع ساہیوال۔ ۲۹ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ ۵/۶۹-۱۰

الاستفتاء

نقل آمدہ چٹھی از دفتر ڈائریکٹر وقف املاک۔ پنجاب لاہور

بخدمت : ۱۔ صوبائی خطیب جناب مولانا امین الحق صاحب بادشاہی مسجد لاہور معرفت ناظمِ مساجد لاہور

Marfat.com

۲۔ نزول خطیب مولانا عبد القادر صاحب نزول خطیب ملتان نزد ن بمقام خانیوال

۳۔ مولانا نور اللہ صاحب مہتمم جامع فریدیہ بصیر پور، ساہیوال

(چھٹی نمبر ۷۰ اوقاف (۱۲۳) ۱ مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۷۰ء

مضمون فتویٰ دربار جامع مسجد چوک جیل روڈ لاہور

مسجد بعنوان بالا سرکاری محکمہ نزول کے رقبہ تعدادی ۹۶ مرلہ واقعہ نمبر خسرہ ۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳ اور ۲۳۵۰ از موضع مزنگ واچھرہ تحصیل وضلع لاہور میں تعمیر کی گئی ہے۔ اس مسجد کو تعمیر کرنے سے پہلے نا ہی گورنمنٹ کی منظوری حاصل کی گئی ہے اور نہ ہی زمین کی قیمت تا حال حکومت کو ادا ہوئی ہے جس کی بازاری قیمت مبلغ دو ہزار روپیہ فی مرلہ ہے لیکن اس کے مقابلہ میں انجمن جامع مسجد مذکور سو روپیہ فی مرلہ ادا کرنا چاہتی ہے۔ محکمہ بورڈ آف ریونیو اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ انجمن مذکور ناجائز قابض ہونے کی بنا پر کسی رعایت کی مستحق نہیں ہے اور اس قسم کی مساجد میں مطابق ہدایت نبوی نماز ادا کرنے سے باز رکھا گیا ہے۔ اندریں حالت محکمہ بورڈ آف ریونیو پنجاب لاہور نے استدعا کی ہے کہ اس معاملہ کو علماء صاحبان کے اجلاس میں پیش کر کے حسب ذیل امور پر ان کا فتوے حاصل کیا جائے :۔

۱۔ کیا ان مساجد میں نماز ادا کرنی جائز ہے جو کہ حکومت کی اجازت کے بغیر نزول (سرکاری) زمین پر اور بلا ادائیگی قیمت زمین تعمیر کی گئی ہیں؟

۲۔ کیا ناجائز قابضان رقبہ سرکاری زیر مساجد کسی رعایت کی مستحق ہیں اور کیا ان کو بازاری قیمت سے کم شرح پر اس رقبہ کو خریدنے کا حق حاصل ہے یا کہ نہیں؟

لہذا بذریعہ عریضہ ہذا آپ کی خدمت میں التماس کیجاتی ہے کہ آپ اس بارہ میں جہاں تک ممکن ہو جلد اپنی رائے کا اظہار کر کے جواب سے مشکور فرمایا جائے۔

لفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خان ڈائریکٹر وقف املاک پنجاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ملا : اس میں شک نہیں کہ انجمن جامع مسجد کو باقاعدہ اجازت وتصفیہ کے بعد مسجد تعمیر کرنی چاہیے تھی مگر اس میں بھی شک نہیں کہ انجمن سرکار سے طاقتور نہیں کہ جبراً زمین چھین کر قبضہ کرلے اور یہ زمین مغصوبہ کہلاتے

Marfat.com

اور اس میں بھی شک نہیں کہ زمین کے ایسے تمام پاک قطعات عام ازیں کہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری جو بھی نارغ پڑے ہوں[1] پر نماز یقیناً جائز ہے، جماعت سے ہو یا تنہا، قرآن کریم میں علی الاطلاق ہے حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ سورۃ البقرہ آیت ۱۴۴ اور ۱۵۰ (ترجمہ) اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہوا پنا منہ (نماز ادا کرتے ہوئے) اسی کی طرف کرو" بکثرت احادیث صحیحہ میں جو متعدد صحابہ کرام سے بخاری و مسلم وغیرہ کتب معتبرہ میں مروی ہیں ان میں تصریح ہے کہ تمام زمین نماز ادا کرنے کے قابل ہے چنانچہ صحیح مسلم ۱۹۹ جلد ا میں یہ کلمات مبارکہ ہیں جعلت لنا الارض کلھا مسجدا (ہمارے لئے زمین ساری کی ساری مسجد بنا دی گئی ہے یعنی نماز کے قابل بنا دی گئی ہے" اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اینٹیں یا سیمنٹ، لوہا، بجری یا تعمیر مسجد اس خدا داد حق کو اٹھا نہیں سکتے تو ثابت ہوا کہ ایسی مساجد میں نماز ادا کرنی جائز ہے ممنوع نہیں۔

۲: ایسے قابض جو باغی نہیں بلکہ اپنی حکومت کے رحم و کرم پر امید کرتے ہوئے اپنے رب جل وعلا کی عبادت کے لئے ایک مکان بنا چکے ہیں وہ رعایت کے مستحق ضرور ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے تعاونوا علی البر سورہ مائدہ آیت ۲ (ترجمہ) نیکی پر ایک دوسرے کی مدد کرو" اور یہ بھی ارشاد ہے الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ سورۃ حج آیت ۴۱ یعنی ہمارے برگزیدہ بندے وہ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر حکومت عطا کریں تو نماز قائم کریں" تو معلوم ہو کہ اسلامی حکومت کی اولین علامت اقامۃ الصلوٰۃ ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہماری عوامی حکومت اس کوشش میں ہے کہ ہزارہا مالکان اراضی سے ہزارہا ایکڑ زائد اراضی لے کر مزارعین کو دے دیوے یعنی ایک ایک غیر مالک مزارع کو ہزاروں مرلے اراضی صرف اس کی ذاتی انفرادی ضرورت کے لئے مہیا کرے تو کیا حکومت کا یہ فرض نہیں کہ خود اپنی زائد زمین کے محدود مرلے ملی ضرورت کے لئے عوام اہل اسلام کو دے خصوصاً جبکہ حکومت نے مزارعین کی بیدخلی حکماً روک دی ہے اور سابقہ مقدمات پر کارروائی بند کر دی ہے تو کم از کم اپنی اراضی کے قابضین رقبہ زیر مساجد کو بھی اتنی رعایت سے محروم نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و علی آلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۴ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۹۱ $\frac{۲}{۷۲}$ ۱۰

---

[1] اور یونہی انفرادی سکونت کے لئے بھی مساعی جاری ہیں تو اجتماعی عبادت گاہ کے لئے بھی ضرورت ہے ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک گاؤں متروکہ غیر مسلم میں مہاجرین آکر آباد ہوئے اور اپنی ضرورت کے مطابق شاملات دیہہ میں ایک مسجد بنائی جس طرح عام طور پر مہاجرین نے غیر مسلم متروکہ دیہات و قصبات میں بنائی ہیں اور حکومت کیطرف سے بھی ضرورت مند مہاجرین کو حسب ضرورت مساجد بنانے سے ممانعت نہیں کی گئی۔ اب بعض عوام کہتے ہیں کہ وہ مسجد شرعی مسجد نہیں۔ اسکی مرمت وغیرہ پر جو روپیہ خرچ کیا جائے اس کا کوئی خاص ثواب نہیں، تو آیا ان کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

سائل: شیر محمد ولد دین محمد از گڑھ فتح شاہ ڈاکخانہ خاص تحصیل سمندری ضلع لائل پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

جو چیز کفار سے بدون جنگ حاصل ہو مثلاً ڈر کر گھبراتے ہوئے بھاگ گئے تو وہ مصالح اہلِ اسلام کے لئے ہی ہے۔ میزان شعرانی ص۱۸۵ جلد۲، رحمۃ الامۃ ص۱۸۵ جلد۲ میں علے الترتیب ہے او ما ترکوہ فزعا وھربوا و ما ترکوہ فزت وھربوا انہیں میں مذہب امام اعظم علیہ الرحمۃ کا بیان ہوا جمیع مصالح المسلمین بحر الرائق ص۱۱۸ جلد۵ میں ہے و بناء المساجد والنفقۃ علیہا ذکرہ قاضیخان فی فتاوٰہ من کتاب الزکوۃ فقد افاد ان من المصالح بناء المساجد و النفقۃ علیہا الی اخرہ یعنی اہلِ اسلام کے امورِ رفاہیہ سے مسجدوں کا بنا کرنا اور ان پر خرچ کرنا ہے جن پر غیر مسلم کا ایسا مال استعمال کیا جاتا ہے بلکہ جنگ سے مفتوحہ علاقوں میں مسلمان مسجدیں بناتے چلے آئے ہیں اور یہ ہماری مسجدیں جو قدیم سے چلی آئی ہیں پہلے پہلے یہ بھی مفتوحہ اور کفار کے متروکہ علاقوں میں ہی بنائی گئی ہیں۔ آج تک ان پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ قرآنِ کریم نے فرمایا انما یعمر مسٰجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر الاٰیۃ کہ مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن پر۔" تو روزِ نیمروز اور ماہِ نیم ماہ کی طرح روشن و ہویدا ہوا کہ ان بعض عوام کا کہنا بالکل غلط

Marfat.com

ہے اور باطل ہے اور وہ مسجد شرعی مسجد ہے اس کا بنا کرنا اور اس پر خرچ کرنا اسی ثواب کا حامل ہے جو ایک شرعی مسجد پر مرتب ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۳ھ بوقت عصر

ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہ مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع منٹگمری

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین شرع متین اندریں مسئلہ کہ ہمارے ہاں گورنمنٹ کی کالونی میں عوام نے اپنے چندے سے ایک مسجد تعمیر کرنی چاہی تو حکومت نے اس شرط پر اجازت دی کہ جب گورنمنٹ اپنی طرف سے مسجد بنوائے گی تو اسے گرانا ضروری ہوگا۔ اب حکومت نے اس جگہ ایک بہترین مسجد بنوائی ہے مگر سابقہ مسجد کا سامان نہیں خریدا اور نہ ہی لگایا ہے۔ اب ہمارے کئی ساتھی یہ کہتے ہیں کہ مسجد کا سامان مسجد کے سوا اور کہیں نہیں لگ سکتا اور اس سے کوئی اور مکان تعمیر کرنا بھی ٹھیک نہیں کیا یہ صحیح ہے؟ بحوالہ کتب صحیحہ جواب عنایت فرمائیں کیا ہم اسے فروخت کرکے رقم کو اسی مسجد کے دوسرے اخراجات پر لگا سکتے ہیں؟

نیازمند علمائے ربانی: مسرور احمد لقلم خود خطیب مدینہ مسجد وحدت کالونی ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ہاں واقعی مسجد کا سامان مسجد کے سوا اور کہیں نہیں لگ سکتا اور اس سے کوئی اور مکان تعمیر کرنا بھی ٹھیک نہیں جبکہ براہِ راست ایسا کیا جائے اور اگر معاوضہ دے کر باقاعدہ خرید کرلیا جائے تو جائز ہے۔ بشرطیکہ مسجد پر لگایا نہ جاسکے جیسے کہ صورتِ سوال سے واضح ہے کہ جب بہترین مسجد بن گئی تو سادہ سابقہ عمارت کا سامان اس میں نہیں لگ سکتا اور وصول شدہ قیمت بھی ظاہر ہے کہ ابھی اس کی تعمیر یا مرمت پر خرچ نہیں ہوسکتی تو مسجد کے دوسرے اخراجات پر صرف ہوسکتی ہے جبکہ انتظارِ ضرورتِ مرمت میں رقم کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔ ہدایہ، فتح القدیر ص۴۳۶ جلد ۵، وقایہ شرح الوقایہ ص۴۱۳ جلد ۲، در المختار، شامی ص۵۲۹ جلد ۳، بحر الرائق ص۲۲۳ جلد ۵، تبیین الحقائق ص۳۲۸ جلد ۳ وغیرہا میں بالفاظ متقاربہ ہے و ان تعذر اعادۃ عینہ الیٰ موضعہ بیع وصرف ثمنہ الی المرمۃ صرفا

Marfat.com

للبدل الی المبدل اقول واذا کان فی وضع الثمن للانتظار عند احد خوف الضیاع ینبغی ان یجوز صرفها الی عمارتها المعنویة عند تعذر الصرف الی عمارته الظاهرة او مرمتها مع خوف الضیاع فان العمارة المعنویه هی المقصودة من الظاهرة کما فی صرف الغلة ففی الشامیة ص۵۲ جلد۳ فان انتهت عمارته وفضل من الغلة شئ یبدأ بما هو اقرب للعمارة و هو عمارته المعنویة التی هی قیام شعائره الی ان قال کالامام للمسجد و فی الدر فی بیان شعائره هی امام وخطیب و مدرس و وقاد و فراش و مؤذن و ناظر و ثمن زیت و قنادیل و حصر و ماء وضوء و کلفة نقله لمیضاة وذا ای جواز بیع النقض و صرف ثمنه الی العمارة المعنویة کالخطیب والامام و المؤذن و سائر شعائر المسجد فی هذه المسئلة واضح کالشمس و الامس. البتہ خریدار کے لئے ضروری ہے کہ اس سامان سے مویشی خانہ یا بیت الخلاء نہ بنائے کہ وہ نسبت الی مسجد سے قابلِ احترام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ ۲۵-۲-۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے عظام دینِ مبین ومفتیانِ کرام شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک مولوی صاحب

سوی انتظار المرمة ۱۲ منہ غفرلہ للعلم لان العمارة الجدیدة المحکمة لا تحتاج الی المرمة الا بعد زمن طویل یخاف فیہ ضیاع النقود لموت الامین او الحادثات تکثر فی ہذا الزمان وتوقعہا عادة مستمرة ۱۲ محمد نور اللہ غفرلہ صدر المختار و شامی ص۱۲۵ جلد میں ہے کہ مسجد کا گھاس اور کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جو تعظیم میں خلل ڈالے ونصہ کحشیش المسجد وکناسته لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

عالم دین نے ایک مسجد کی بنا ڈالی اور اس کے ساتھ کچھ زمین متعلق کرائی کہ اس زمین پر حجرہ جات وغیرہ تعمیر کر کے تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کروں گا چنانچہ وہ درس و تدریس میں مشغول رہے لیکن بوجہ کم مائیگی حجرہ جات وغیرہ تعمیر نہ کر سکے۔ بعد ازاں مولوی صاحب فوت ہو گئے اور تعلیم کا یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔ قیام پاکستان کے بعد ایک قاری صاحب اس مسجد میں تشریف لائے۔ انہوں نے اس مسجد میں قرآن کریم حفظ کرانے کا ایک مدرسہ جاری کیا۔ طلبار کی زیادتی اور مدرسہ کی کامیابی دیکھ کر انہوں نے اس متعلقہ زمین پر دکانات تعمیر کرانے کا سلسلہ اس غرض سے شروع کیا کہ ان دکانات کی آمدنی مدرسین کی تنخواہ اور باہر سے آئے ہوئے طلبار کے اخراجات اور مسجد کی ضروریات مثلاً امام مسجد کی تنخواہ اور خادم مسجد کی تنخواہ یا صفیں خریدنا وغیرہ کی ادائیگی میں صرف کیجائے گی اور ان دکانات کے اوپر درس گاہیں اور طلبار کی رہائش کے لئے کمرے بنائے جائیں گے اور انہوں نے پبلک اور عوام سے چندہ کی اپیل کی اور عوام نے چندہ دیئے اور تعاون کیا حتی کہ دکانات اور دکانات پر درس گاہیں تعمیر ہو گئیں اور ان دکانات کی آمدنی حسب منشاء قاری صاحب مسجد اور مدرسہ کی ضروریات پر مشترکہ طور پر خرچ ہونے لگی۔ بعض حضرات طلبار کے لیے شبہ عدم جواز کرتے ہیں آیا یہ مشترکہ اخراجات جائز ہیں یا نہیں؟ اور ان دکانات کے اوپر والے کمروں میں طلبار کی تعلیم اور رہائش جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: غلام رسول غفرلہ از حویلی لکھا ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

یہ اخراجات اور طلبار حفظ قرآن کریم کی رہائش و درس قطعاً جائز ہیں جن کے جواز میں اصلاً گنجائش شکوک و شبہات نہیں۔ اراضی متعلقہ مسجد میں طلبار کی رہائش کے لئے مکان بنانا بالتواتر ثابت ہے۔ اصحاب صفہ کا صفہ مسجد نبویہ کی متعلقہ اراضی میں ہی تھا اور وہ تقریباً چار سو کی تعداد میں رہائش پذیر تھے پھر آج تک بلا نکیر منکر یہ سلسلہ بالتوارث جاری ہے کہ مسجد کے متعلقہ مکانات میں طلبار رہائش پذیر چلے آ رہے ہیں اور جب ذات مکانات متعلقہ کا استعمال طلبار کے لئے جائز ہے تو ان مکانات کا کرایہ جو محض منافع ہے کیونکر حرام ہو سکتا ہے؟ اور اہالیان اسلام کے تعاون مذکورہ سے دکانات وغیرہ تعمیر ہونا اور اس کار خیر میں مشغول ہونا تعاونوا علی البر والتقوی کی تصریح سے یقیناً جائز بلکہ اس ارشاد ربانی کی تعمیل ہے۔ تعجب ہے کہ حضرت رب

Marfat.com

نہیں بلکہ ملاء نے بیت طلبا کرام پر خرچ کرنے کا صریح حکم فرمایا کہ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف اگر چہ آیت کریمہ اصحاب صفہ کے حق میں نازل فرمائی حالانکہ العبرۃ لعموم اللفظ قاعدہ مسلمہ ہے، اور آج اس کے حق دار یہی سمجھے جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و الہ واصحابہ و اصحاب صفتہ وبارک وسلم۔

ابوالخیر نعیمی غفرلہ ۲۰ رجب المرجب ۱۳۷۶ھ

الاستفتاء

جناب والا شان مولوی نوراللہ صاحب دام مجدہ

سلام و نیاز کے بعد التماس ہے کہ کچھ سامان پہلے زمانے سے ایک گردوارے کا ڈھیر کی شکل میں پڑا ہے جس کی سرکار کیطرف سے کوئی ممانعت نہیں آئی۔ اب وہ سامان مسجد کی تعمیر میں استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں۔ والسلام۔

بندہ: نوربخش سیکنڈ ماسٹر اے کی تحصیل دیپالپور ۲۲-۸-۴۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللہم اجعل لی النور والصواب

بلاشک وشبہ و ریب ایسا سامان تعمیر مسجد میں لگایا جا سکتا ہے۔ میزان شعرانی، رحمۃ الامہ، فتاویٰ قاضیخان، فتاوے عالمگیر، رد المحتار وغیرہا اسفار مذہب مہذب میں ہے کہ کافر کا وہ مال جو بغیر قتال لیا گیا ہو اس کا مصرف مصالح اہل سلام ہے۔ میزان و رحمۃ الامہ کے یہ الفاظ نص صریح ہیں او ما ترکوہ فزعا وہربا اور رحمۃ الامہ میں ہربوا ہے۔ خانیہ، ردالمحتار، ہندیہ میں ہے والنظم من الھندیۃ والی بناء الرباطات والمساجد۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و الہ وصحبہ و بارک وسلم۔

Marfat.com

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور
(یکم شوال المکرم ۱۳۶۷ ہجری المقدس)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس صورتِ مسئولہ میں کہ ایک عالم فاضل صوفی کامل نے اپنی دو ٹکڑہ زمین میں سے بڑے ٹکڑے کو وقف لکھا اور مصارفِ وقف فقراء و مساکین و طلباء و مسافرین لکھے اور یہ بھی لکھا کہ اس اراضی موقوفہ کو فقیر نے اپنے گھر سے خریدا ہوا ہے کسی کی اس میں شرکت نہیں ہے اور آئندہ میرے ورثاء و اقرباء سے کوئی دعویٰ دار نہ ہو اور اس کارِ خیر کا ثواب تا قیامت واقف کو پہنچتا ہوا باعثِ نجات بنے اور دوسرے ٹکڑے چھوٹے کو وقف نہیں لکھا بلکہ متعلق وقف لکھا۔ پھر اسی چھوٹے ٹکڑے کو فروخت کر کے رقم وصول شدہ کو اپنی عینِ حیات میں مصارفِ حصہ موقوفہ پر صرف کر دیا اور حصہ موقوفہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کیا بلکہ عینِ حیات متولی امین خیر خواہ مخلص کی تقرری میں کوشاں رہے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر ایک صاحب کو وصی بنا دیا کہ جس صاحب کو متولی لائق منتظم سمجھے مقرر وقف کر دے اور اسی حالت پر واقف کا انتقال ہو گیا۔ اب قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ شرعاً اراضی موقوفہ کے وقف لازم ہونے میں چھوٹے ٹکڑے کی بیع مذکورہ کرنے سے نقصان لازم آتا ہے یا نہیں؟ بینوا ماجورین بالدلائل والبراہین ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

بلاشبہ بڑے ٹکڑے کا وقف ہونا جائز و صحیح و لازم ہے۔ فتح القدیر ص۴۲۲ جلد ۵ میں ہے والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه لان الاحادیث والاثار متظافرة علی ذلك قولا كما صح من قوله علیه الصلوٰة والسلام لایباع و لا یورث الی اخره و تكرر هذا فی احادیث كثیرة واستمر عمل الامة من الصحابة والتابعین ومن بعدهم علی ذلك الخ بحر الرائق ص۱۹۵ جلد ۵ میں ہے والاخذ بقول ابی یوسف احوط واسهل ولذا قال فی المحیط ومشائخنا اخذوا بقول ابی یوسف ترغیبا للناس فی الوقف۔

Marfat.com

شرح الوقایہ صلـ۹۰ جلد۲ میں ہے ویفتی بقول ابی یوسف ۔ درالمختار میں ہے والاخذ بقول الثانی احوط واسہل ۔ بحر و فی الدرر وصدر الشریعۃ وبہ یفتی واقرہ المصنف بحرالرائق و ردالمحتار صلـ۵۰۶ جلد۳ میں ہے فی الفتح ان قول ابی یوسف اوجہ عند المحققین ۔ اور یہ پُرظاہر کہ لفظ " بہ یفتی " " الفتوٰے علیہ " سے بہت تاکید والا ہے ۔ درالمختار میں ہے ولفظ بہ یفتی آکد من الفتوی علیہ ۔ شامی صلـ۴۹ جلد۱ میں ہے قال ابن الہمام و الفرق بینہما ان الاول یفید الحصر والمعنی ان الفتوی لاتکون الا بذلک اور اس میں شک نہیں کہ لزوم وقف ہی غرضِ واقف و فقراء و غیرہم موقوف علیہم کے حق میں ارفق و اصلح ہے ۔ اور شامی صلـ۵ جلد۳ میں ہے وینبغی ان یکون مطمح نظرہ (ای المفتی) الی ما ھو ارفق و اصلح پس اس کا خلاف مرجوح ہوا اور مرجوح کے ساتھ فتوے دینا جہل اور مخالفتِ اجماع ہے ۔ درالمختار میں ہے وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق للاجماع ۔ شامی صلـ۴۹ جلد۱ میں ہے (قولہ بالقول المرجوح) کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذا لم یصحح او یقو وجہہ ۔ اور یہاں قول ابی یوسف علیہ الرحمۃ مساوی قولِ ثالث بلکہ قوی ہے کہ اس کے لئے لفظ " بہ یفتی " موجود ہے کما مر من الدرر ۔

اور چھوٹا ٹکڑا واقف نے وقف نہیں لکھا بلکہ متعلق وقف لکھا تھا ۔ اور پُرظاہر کہ متعلق شے مغایرِ شے کو کہا کرتے ہیں تو اس کی بیع سے لزوم وقف اراضی موقوفہ میں نقصان متصور نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ واقف عالم فاضل صوفی کامل نے اس ٹکڑے کے متعلق وقف ہونے کا معنیٰ خود عملاً بیان فرما دیا کہ اسے فروخت کر کے اصلاح اراضی موقوفہ پر خرچ کیا ۔ اگر بفرض غلط متعلقِ وقف کا معنے ملحق بالوقف ہوتا تو وہ ایسا ہرگز نہ کرتا اور پھر حینِ حیات تک اس اراضی موقوفہ کے لئے متولی امین خیرخواہ کی تلاش اور تقریرِ وقف اور تقرر وصی صاف صاف بتا رہا ہے کہ واقف ہر کوشش سے آخر عمر تک کاربند رہا اور پھر ورثاء و اقرباء کو مایوس کرنا نہایت ہی ثبوت لزوم کا صراحۃً پتہ دیتا ہے لہذا اراضی موقوفہ مذکورہ کا وقف بلاشبہ لازم آتا ہے ۔ ھذا ما عندی من العلم واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی المحبوب الاکرم و الہ وصحبہ

Marfat.com

وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی الفریدکوٹی

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس صورتِ مسئلہ میں ایک شخص عالم فاضل صوفی کامل لاولد تھے انہوں نے اپنی حینِ حیات میں اپنی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کو وقف حسبۃً للہ برائے خدمت مسافراں وطلباء و یادِ خدا اشخاص کردیا لکھ دیا اور باضابطہ اس تحریر وقف پر گواہاں کے دستخط بھی موجود ہیں۔

(۲) واقفِ موصوف نے کچھ مدت اپنے انتقال کے پہلے اپنے پیرزادہ کو مختارِ کل وصی روبرو مجلسِ عام اس امر کا مقرر فرمایا کہ جس صاحب کو آپ لائقِ دیانت دار سمجھیں متولی وقف ہذا کا بنا دیں۔ وہی متولی عند اللہ وعند الناس مقبول ہوگا مگر اس ایصار کی تحریر واقف کیطرف سے نہیں ہے مگر زبانی سپردگی روبرو اکثر اشخاص ہے اور وقف نامہ بھی اپنے ہاتھ کا تحریر شدہ کسی مجلسِ عامہ میں اپنے پیرزادہ کو دیدیا تھا۔

(۳) پیرزادہ مختارِ کل وصی نے واقفِ موصوف کے بعد حسبِ فرمان واقف ایک شخص کو لائق و دیانتدار سمجھ کر متولی قابض متصرف ہذا کا بنا دیا۔ اب قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ نمبر اول میں وقف جائیداد موافقِ شریعت جائز ہے یا نہیں؟ نمبر دو میں واقف موصوف کا اپنے پیرزادہ کو مختارِ کل وصی بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نمبر تین میں اس مختارِ کل کا کسی کو متولی قابض متصرفِ وقف ہذا بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس صورت میں مختارِ کل کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو متولی وقف ہذا کے بنانے کا حق شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ شوال ۱۳۶۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بلاریب وقفِ مذکور جائز و صحیح بلکہ لازم ہے۔ فتح القدیر صہ ۴۲۲ جلد ۵ والحق ترجح قول عامۃ العلماء بلزومہ لان الاحادیث والآثار متظافرۃ علی ذلک قولا کما صح من قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یباع ولا یورث الخ وتکرر ھذا فی احادیث کثیرۃ واستمر عمل الامۃ من الصحابۃ

Marfat.com

والتابعین ومن بعدهم علی ذلک الخ بحرالرائق ص۱۹۷ جلد ۵ والاخذ بقول ابی یوسف احوط واسهل ولذا قال فی المحیط ومشائخنا اخذوا بقول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی۔ درالمختار ص۵۰۶ جلد ۳ میں ہے والاخذ بقول الثانی احوط واسہل بحر وفی الدرر وصدر الشریعۃ وبہ یفتی واقرہ المصنف۔ بحرالرائق ص۱۹۷ جلد ۵، ردالمحتار ص۵۰۶ جلد ۳ میں ہے فی الفتح ان قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی اوجہ عند المحققین اور منقول جب وقف میں تابع عقار ہو تو جائز الوقف ہے۔ فتح القدیر ص۴۳ جلد ۵ والحاصل ان وقف المنقول تبعا للعقار یجوز۔ شامی ص۵۱۰ جلد ۳ میں ہے اما تبعا للعقار فھو جائز بلا خلاف عندھما کما مر۔

ص۲: مختار کل وصی بنانا شرعاً بلاشبہ مشروع وجائز ہے جس کے جواز پر صدہا کتب شرعیہ کی شہادتیں موجود ہیں۔ ہدایہ ص۶۸۹ جلد ۴ طبع مصطفائی، عنایہ ص۴۱۹ جلد ۹ مصر، تکملۃ البحر ص۴۰۸ مصر، درالمختار ص۶۱۲ جلد ۵ کستوری وغیرہا اسفار فقہ میں ہے والنظم من الدر اوصی الی زید ای جعلہ وصیا وقبل عندہ صح اور ایصا لفظ سے ہوتا ہے جو مشروط بالتحریر نہیں۔

ص۳: جب پیرزادہ وصی ومختار عام ہے تو عدم تحریر سے نقصان پذیر نہیں ہوسکتا۔ شامی ص۶۱۲ جلد ۵ میں ہے ویصح ھذا التفویض بکل لفظ یدل علیہ نیز اسی میں خانیہ وخلاصہ وغیرہما کتب معتبرہ ومعتمدہ سے ہے انت وصیی اوانت وصیی فی مالی او سلمت الیک الاولاد بعد موتی وتعھد اولادی بعد موتی وقم بلوازمھم بعد موتی او ماجری مجری ھذہ الالفاظ یکون وصیا۔ اور صورت مذکورہ فی السوال میں لفظ موصی باقاعدہ پائے گئے ہیں تو یقیناً وہ پیرزادہ وصی بن گیا تو لامحالہ اس کا تصرف جائز ونافذ ہوگا ورنہ وصی ومختار عام کس چیز کا نام ہے بلکہ بعد واقف اسی کا حق ہے۔ تنویر الابصار و درالمختار ص۳۰۶ جلد ۲، بحرالرائق ص۲۳۱ جلد ۵ میں ہے والنظم من الدر ومتنہ ولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ لقیامہ مقامہ وقررہ فی ردالمحتار ص۵۲۶ جلد ۳، تو اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو حق تولیت کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ وصی کے

Marfat.com

اختیارات قاضی اسلام بلکہ قاضی القضاۃ سے بھی وسیع ہیں۔ بحر الرائق صـ۲۳۲ جلد ۵، شامی صـ۵۶۷ جلد ۳ میں ہے

فان کان الواقف میتا فوصیہ اولی من القاضی الخ وقاضی القضاۃ داخل فی اطلاق القاضی خصوصا علی تحقیق الشیخ الزین البحر ان المراد من القاضی ھو قاضی القضاۃ۔ اور ایسے ہی وصی واقف کے باپ سے بھی مقدم ہے۔

ہدایہ صـ۶۸۳ جلد ۴، شرح الوقایہ صـ۳۸۶ جلد ۴، تکملۃ البحر صـ۴۶۹ جلد ، در المختار صـ۶ جلد ۴، شامی صـ۶۲۵ جلد ۵ میں ہے والنظم من الھدایۃ قال والولی احق بمال الصغیر من الجد الی ان قال ولنا ان بالایصاء تنتقل ولایۃ الاب الیہ فکانت ولایتہ قائمۃ معنی فیقدم علیہ کالاب نفسہ۔

الحاصل وقفِ مذکور جائز و لازم ہے اور وصی بنانا شرعاً جائز اور تسلیم وصی سے جو یہاں موجود ہے لازم ہو جاتا ہے اور وصی کا تصرف حسب ایصاء لازم ہے جبتک وصی خود یا وصیِ وصی موجود رہے کسی اور کو حقِ تولیت حاصل نہیں اگرچہ وہ قاضی القضاۃ یا واقف کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ ھذا ما عندی من العلم واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالی علی المحبوب النور المعلی وآلہ وصحبہ مصداق الھدی وبارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

بخدمت فیضدرجت فیض رساں سیدی وسندی دامت برکاتکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ :۔

آپ کی توجہ خصوصی سے خدا کے فضل وکرم سے یہاں پر خیریت ہے۔ امید ہے حضور والا بھی بخیریت ہوں گے۔ ڈاکٹر محمد حسن صاحب سے ان کی غیر حاضری کی وجہ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ بعد از ملاقات مفصل حالات درج کروں گا انشاء اللہ العزیز۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ امید ہے حضورِ والا باوجود اپنی کثیر مصروفیت کے والپسی ڈاک جوابات سے خورسند فرمادیں گے۔

Marfat.com

نمبر ۱ : "اتحاد المکان و استقبال القبلۃ شرط فی الصلوٰۃ غیر النافلۃ" کے پیش نظر چلتی ریل گاڑی میں فرضی نماز کی ادائیگی کیسی ہے؟ بصورت نعم مندرجہ بالا عبارت کا مطلب کیا؟ بصورتِ لا کشتی وجہاز میں کیا جواز؟ ریل گاڑی، بیل گاڑی، کشتی وجہاز ایک ہی حکم میں ہیں؟

نمبر ۲ : تثویب بعد اذان کا ثبوت عبارات فقہائے کرام کے علاوہ احادیث سے نہیں ملتا ہے۔ بصورت نعم حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت علی المرتضے رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تثویب کرنے والوں کی مساجد میں نماز کیوں نہ ادا کی اور انہیں بدعتی کیوں فرمایا؟

سائل سگ در : ابو نصر منظور احمد شاہ بقلم خود ساہیوال ۵۷-۱۲-۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

ص۱ : چلتی ریل گاڑی، چلتی کشتی کے مشابہ ہے کہ دونوں کسی جانور کے کھینچنے سے نہیں بلکہ ہواعہ و بھاپ کے ذریعہ سے چلتی ہیں اور کشتی باوجودیکہ پانی کے اوپر چلتی ہے اور زمین یا کسی ایسی ٹھوس چیز پر نہیں چلتی جس پر بلا واسطہ سجدہ یا قیام ہو سکے مگر پھر بھی اس میں نماز فرض بھی جائز ہے۔ بحکم احادیث مرفوعہ و موقوفہ، مستدرک و سنن بیہقی و دارقطنی وغیرہا اور یہی متون و شروح و حواشی و فتاویٰ فقہیہ سے ثابت ہے بلکہ یہ امر بھی مصرح ہے کہ کنارہ نزدیک ہو اور اتر کر زمین پر پڑھ سکتا ہو تب بھی بیٹھ کر کشتی میں پڑھ سکتا ہے کما فی المبسوط ص۲ جلد۲ والخلاصۃ ص۱۹۲ جلد۱ والسراجیۃ ص۱۳ والھندیۃ ص۷۸ جلد۱ وغیرھا کشتی رواں میں جوازِ نماز کی تعلیل فقہائے کرام نے یہ فرمائی کہ کشتی کا چلنا اس کے سوار کیطرف منسوب نہیں تو منافی نماز نہیں بخلاف جانور کے کہ اس کا چلنا حکماً سوار کا چلنا ہے۔ بدائع صنائع ص۱۰۹ جلد۱ تبیین الحقائق ص۲۰۳ جلد۱، خلاصۃ الفتاوےٰ ص۱۹۲ جلد۱ میں ہے والنظم لملک العلماء لان سیرھا غیر مضاف الیہ فلا یکون منافیا للصلوٰۃ بخلاف الدابۃ فان سیرھا مضاف الیہ نیز تلاوتِ بدائع ص۱۸۲ میں ہے بخلاف السفینۃ فانہا لم تجعل بمنزلۃ رجلی الراکب لخروجہا عن قبول تصرفہ فی السیر و الوقوف ولہذا اضیف سیرھا الیہا دون راکبہا قال اللہ تعالیٰ حتی اذا کنتم فی

عہ ومن اٰیاتہ الجوار فی البحر کالاعلام ان یشأ یسکن الریح فیظللن رواکد علی ظھرہ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

الفلک وجرین بہم وقال اللہ تعالیٰ وھی تجری بہم فی موج کالجبال فلم یجعل تبدل مکانہا تبدل مکانہ۔ بنا۶ علیہ فقہائے کرام نے صاف صاف فرمادیا کہ چلتی کشتی جوازِ نماز میں بمنزلہ زمین ہے اور اپنے سوار کے حق میں کمرے کی طرح ہے۔ بدائع ص۱۰۹ جلد ۱ میں فرمایا لان السفینۃ بمنزلۃ الارض۔ تلاوت بدائع ص۱۸۲ میں ہے بل مکانہ ما استقر ھو فیہ من السفینۃ من حیث الحقیقۃ والحکم و ذلک لم یتبدل را ی بسیرھا۔ مبسوط ص۳ جلد ۲، بدائع ص۱۱۰ جلد ۱، بحر الرائق ص۱۱۷ جلد ۲، شامی ص۱۴ جلد ۱ میں بالفاظ متقاربہ ہے السفینۃ فی حقہ کالبیت۔ مبسوط ص۳ جلد ۲ میں اور وضاحت سے فرمایا لان راکب الدابۃ لیس لہ موضع قرار علی الارض و راکب السفینۃ لہ فیہا موضع قرار علی الارض فالسفینۃ فی حقہ کالبیت الاتری انہ لایجریہا بل ھی تجری بہ قال اللہ تعالیٰ وھی تجری بہم فی موج کالجبال الخ نیز تلاوت فتح القدیر ص۴۷۵ جلد ۱، فتاوٰی قاضیخان ص۷۶، مبسوط ص۱۴ جلد ۲، خلاصۃ الفتاوٰی ص۱۸۹ جلد ۱، در المنتقیٰ ص۱۵۹ جلد ۱، ہندیہ ص۷۹ جلد ۱ میں ہے والنظم للمحقق سیر السفینۃ لایوجب اختلاف المکان والمجلس۔

تو امس و شمس کیطرح واضح وہویدا ہوا کہ کشتی، کشتی سوار کے لئے بمنزلہ زمین اور کمرے کی طرح ہے اس کا چلنا مکان اور سوار کے تبدل کا موجب نہیں تو چلتی ریل، ریل سوار کے لئے بھی بمنزلہ زمین اور کمرے کی طرح ہو گی بلکہ ریل میں تو پانی جیسا کوئی حائل بھی نہیں جس پر براہِ راست قیام وسجدہ وغیرہ نہ ہو سکے بلکہ ایسی ٹھوس پٹری پر چلتی ہے جو تسفل جہہ کیوجہ متصور ہی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ فقہائے کرام نے بالتخصیص ایسی گاڑی پر جس کا کوئی حصہ جانور پر نہ ہو، جوازِ نماز فرائض کی تصریح فرمادی۔ فتاوٰے فقیہ النفس امام قاضی خان ص۸۲، فتح القدیر ص۴۰۲ جلد ۱، تبیین الحقائق ص۱۷۷ جلد ۱، بحر الرائق ص۶۵ جلد ۲، ہندیہ ص۱۴۳ جلد ۱، تنویر الابصار، شامی ص۶۵۷ جلد ۱ میں بکلماتِ متقاربہ ہے والنظم للشامی عن التتارخانیۃ عن المحیط لوصلی علی العجلۃ ان کان طرفہا علی الدابۃ وھی تسیر تجوز فی حالۃ العذر لا فی غیرھا وان لم یکن طرفہا علی الدابۃ جازت۔ اور ماسوائے تنویر کے ان سب کی تصریح ہے کہ ایسی گاڑی پر نماز بمنزلہ نماز بر سریر ہے والنظم

Marfat.com

لہ ایضا وھو بمنزلۃ الصلوٰۃ علی السریراس بمنزلۃ الصلوٰۃ علی السیر" کا تطابق وتوافق " بمنزلۃ الارض " اور " لہ موضع قرار علی الارض" اور " فی حقہ کالبیت " کے ساتھ عدم تبدل مکان ومجلس بوقت سیر کو اور زیادہ واضح ونمایاں بنا رہا ہے کما لا یخفی علی من خدم کلمات القوم۔

بفضلہ وکرمہ تعالےٰ ماہِ نیم ماہ اور مہر نیم روز کی طرح واضح ہوا کہ ریل رواں میں فرض جائز ہیں اور شرطِ اتحاد المکان کے قطعاً منافی نہیں۔ رہا استقبالِ قبلہ تو وہ بوقتِ قدرت ضروری ہے، قبلہ رو شروع کرے اور اگر ریل سمتِ قبلہ سے بدل آئے تو قبلہ کی طرف پھر جائے کہ گاڑی وکشتی میں یوں پھرا جا سکتا ہے وان لم یقدر فلا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ مبسوط ص۳ جلد ۲، ہندیہ ص۱۴۲ جلد ۱ وغیرہا میں ہے والنظم من المبسوط یلزمہ التوجہ الی القبلۃ عند افتتاح الصلوٰۃ وکذلک کلما دارت السفینۃ یتوجہ الیھا لانھا فی حقہ کالبیت

اور چلتی گاڑی میں جوازِ نماز کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر مسافر کو اترنے میں جان کا یا بیمار ہونے یا بیماری بڑھنے کا یا درندہ یا دشمن کا خطرہ ہو یا اتنا کمزور ہے کہ بغیر امداد کے اتر نہیں سکتا یا سوار نہیں ہو سکتا یا سخت بوڑھا یا مریض ہے یا سامان چوری ہونے کا یا گاڑی چلنے یا جگہ رکنے کا خطرہ ہو تو ایسی صورتوں میں ایسی چلتی گاڑی پر نماز جائز ہے جو جانور کے کندھے پر ہو یا خود نمازی ہی جانور پر ہو۔ فتاویٰ عالمگیر ص۱۴۲ جلد ۱، کبیری ص۲۶۹، ۲۷۰، بحر الرائق ص۶۴ تا ۶۵ جلد ۲، فتح القدیر ص۴۰۳ جلد ۱، خلاصۃ الفتاویٰ ص۱۹۳ جلد ۱، فتاوے قاضیخان ص۸۲ والنظم من الھندیۃ ومن الاعذار ان یخاف لو نزل عن الدابۃ علی نفسہ او علی ثیابہ او دابتہ لصا او سبعا او عدوا او کانت الدابۃ جموحا لو نزل عنھا لا یمکنہ الرکوب الا بمعین الخ اور اس کی تعلیل خانیہ وفتح وکفایہ میں بکلماتِ متقاربہ یہ ہے فعند ھذہ الاعذار تجوز المکتوبۃ علی الدابۃ لقولہ تعالیٰ فان خفتم فرجالا او رکبانا۔ اور جب جانور یا اس کی اٹھائی ہوئی چلتی گاڑی پر جائز ہوئی تو ریل گاڑی پر بطریقِ اولیٰ جائز ہوگی وذا الجلی من ان یجلی۔ بلکہ مسافرِ ریل گاڑی کو چونکہ غالباً ان میں سے بعض عذر اور خطرے

لاحق ہوا کرتے ہیں اور اسٹیشن پر رکنے کے وقت مسافروں کا اترنا چڑھنا باعثِ تشویش وتعویق ہوا کرتا ہے حالانکہ حکم برغالب ومظنہ عموماً لگایا جاتا ہے اور اسی وجہ سے کنارہ کے قریب چلتی کشتی پر باوجودیکہ اتر کر زمین پر پڑھ سکتا ہو کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنی جائز ہے کما امر اول الجواب من الکتب العدیدۃ معتبرۃ تو ریل پر بھی مطلقاً جائز ہوگی۔ اور جب سفر جائز ہے اور انسان پابند حوائج وضروریات ہے اور نماز پنجگانہ کی ادائیگی بھی لازم تو بحکم لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا وما فی معناہا من الاٰیات والاحادیث اور وما جعل علیکم فی الدین من حرج وما فی معناھا اور یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر وغیرھا من الاٰیات والاحادیث الدین یسر اور یسروا ولا تنفروا وغیرھا جائز ہوگا اور اسی بنا پر سفر میں قصر شروع ہوا نیز اصول فقہیہ میں محقق ہوچکا کہ وقتِ نماز معیار نہیں بلکہ ظرف ہے اور اس کی وہی جزء سبب وجوب ہے جس کے ساتھ ادا متصل ہو، حسامی ص۳۲ تا ۳۳ وغیرہا میں ہے والنظم منہ فکان ظرفا لا معیارا (الیٰ ان قال) فوجب ان یجعل بعضہ سببا وھو الجزء الذی یتصل بہ الاداء فان اتصل الاداء بالجزء الاول کان ھو السبب والا ینتقل السببیۃ الی الجزء الذی یلیہ۔

توجب چلتی گاڑی میں مسافر نماز شروع کرے تو اسی وقت سببِ وجوب منعقد ہوگا حالانکہ اترنا باعثِ ہلاک ہے تو یقیناً معذور رہا تو نماز جائز ہوگی اور انتظارِ اسٹیشن لازم نہیں کما یتبین من اختیار الشامی حیث قال منہا ان المسافر اذا عجز عن النزول عن الدابۃ لعذر من الاعذار المارۃ وکان علی رجاء زوال العذر قبل خروج الوقت کالمسافر مع رکب الحج الشریف ھل لہ ان یصلی العشاء مثلا علی الدابۃ او المحمل فی اول الوقت اذا خاف من النزول ام یؤخر الی وقت نزول الحجاج فی نصف اللیل لاجل الصلوۃ والذی یظھر لی الاول لان المصلی انما یکلف بالارکان والشروط عند ارادۃ الصلوۃ والشروع فیہا ولیس لذلک وقت خاص ولذا جاز لہ الصلوۃ بالتیمم اول الوقت وان کان یرجو وجود الماء قبل خروجہ

سہ ولاما نع منہ بنص یساوی الامر بالصلوۃ ۱۲ منہ غفرلہ۔

Marfat.com

و عللوہ بانہ قدادا ھا بحسب قدرتہ الموجودۃ عند انعقادسببہا و ھو ما اتصل بہ الاداء۔

رہی سائل کی پیش کردہ عبارت "اتحاد المکان واستقبال القبلۃ شرط فی الصلوٰۃ غیر النافلۃ" تو سائل نے ہوشیاری سے کام لیا ہے یا اس کی محض لاعلمی ہے ورنہ اس کا باقی حصہ "عند الامکان لا یسقط الا بالعذر (شامی ص۶۵۰ جلد ۱) ہی سائل کے بعض اشکالات کا حل کر رہا ہے اور بحری جہاز تو سفینہ ہی ہے، رہا ہوائی تو اس میں بھی جائز ہی ہے کہ کشتی کی طرح "بمنزلۃ الارض" اور "کالبیت" ہے۔ زمین اور اس کے درمیان پانی کی طرح ایک ایسا عنصر ہے جو خود تو قیام وغیرہ کے قابل نہیں مگر جو اس پر اڑ رہا ہے وہ قابل ہے ولانہ نس ما مر من الاعذار المجوزۃ وغیرھا فانھا تجری ایضاً اور ریل گاڑی وغیرہا کا فرق اسی جواب سے واضح ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

مورخہ ۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۷ھ

۲: نیتِ حسنہ سے سستی وغفلت دور کرنے کے لئے بعد اذان جائز ومستحسن ہے کہ یہ شمولیت جماعت نماز کے لئے بلانا ہے تو دعوت الی اللہ تعالیٰ بنا جو نہایت ہی مستحسن ہے۔ حضرت رب العالمین جل وعلا کا حکم مبین ہے و من احسن قولا ممن دعا الی اللہ الآیۃ اور امر بالمعروف ہے حالانکہ ارشاد ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف الآیۃ اور نیکی پر تعاون ہے و قد قال اللہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوی۔ اور ان کے سوا بکثرت آیاتِ متظافرہ ومتظاہرہ اور احادیثِ متواترہ ومتکاثرہ سے یہ معانی روزِ روشن کی طرح ثابت ہیں۔ لہٰذا فقہائے کرام نے مستحسن فرمایا۔ مبسوط ص۱۳۱ جلد ۱، ہدایہ، کفایہ ص۲۱۵ جلد ۱، فتاوے قاضی خان ص۳۷، بدائع ص۱۴۸ جلد ۱ تبیین الحقائق ص۹۲ جلد ۱ وغیرہا میں بالفاظِ متقاربہ ہے استحسن المتأخرون التثویب فی الصلوات کلھا لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ۔ عنایہ ص۲۱۴ جلد ۱، شامی ص۳۶۲ جلد ۱ وغیرہا میں اس کے عرف ورواج پڑ جانے سے استدلال کی طرف حدیث مرفوع حکمی و ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن ذکر کرتے ہوئے اشارہ فرمایا۔ نیز مبسوط ص۱۳۰ جلد ۱، بدائع ص۱۴۹ جلد ۱، سراجیہ ص۹، کفایہ ص۲۱۴ جلد ۱، خلاصۃ الفتاوی ص۴۹ جلد ۱،

Marfat.com

تبیین الحقائق ص۹۲ جلد ۱، بحرالرائق ص۲۶۹ جلد ۱، مجمع الانہر ص۷۷ جلد ۱، درالمنتقیٰ ص۷۷ جلد ۱، ہندیہ ص۲۹ جلد ۱، بیان تثویب میں ہے ما تعارفوہ حالانکہ ردالمحتار ص۲۶۳ جلد ۲ و ص۲۶۳ اور رسائل شامی ص۱۳۲ جلد ۲ اور بحرالرائق ص۱۳۶ جلد ۶ میں کافی سے ہے والاحکام تبتنی علی العرف فیعتبر فی کل عصر عرف اھلہ۔ نیز شامی ص۱۸۵ جلد ۳ میں ہے وفی شرح البیری عن المبسوط ان الثابت بالعرف کالثابت بالنص اور ممانعتِ تثویب میں کوئی حدیث صحیح متصل مرفوع حقیقی یا حکمی ایسی نہیں ملتی جو مطلقاً ممانعت ثابت کرے بلکہ بالتخصیص بھی نہیں اور وہ حدیثِ مرفوعِ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بکلماتِ متقاربہ سنن ترمذی ص۳۴ جلد ۱، اور بیہقی ص۴۲۴ جلد ۱ میں ہے امر بلال ان یثوب فی صلوٰۃ الصبح ولا یثوب فی غیرھا تو اولاً یہ حدیث صحیح و متصل نہیں۔ بیہقی فرماتے ہیں وھذا ایضا مرسل فان عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ (الراوی عن بلال) لم یلق بلالا۔ اور ترمذی فرماتے ہیں وابو اسرائیل (الراوی عن الحاکم) لم یسمع ھذا الحدیث من الحاکم۔ نیز ابو اسرائیل کے متعلق فرماتے ہیں ولیس بذلک القوی عند اھل الحدیث۔ اور ثانیاً اس تثویب سے مراد عند الجمہور وہ تثویب ہے جو اذان کے درمیان ہو، ترمذی فرماتے ہیں والذی فسر ابن المبارک واحمد ان التثویب ان یقول المؤذن فی صلوٰۃ الفجر الصلوٰۃ خیر من النوم فھو قول صحیح اور سننِ بیہقی کی تیسری حدیثِ مسند کے آخر میں ہے فکان یقول (ای بلال) فی اذانہ حی علی الفلاح الصلوٰۃ خیر من النوم۔ نصب الرایہ ص۲۷۹ جلد ۱ میں ہے وقال الباقون (ای غیر اصحابنا) ھو قولہ فی الاذان الصلوٰۃ خیر من النوم تو بناءً علیہ اس حدیث کا تعلق تثویب مسئول عنہ کے ساتھ سرے سے ہے ہی نہیں اور ہمارے فقہائے کرام کے نزدیک گو اس تثویب سے مراد تثویب بعد از اذان ہی ہے مگر یہ حکم معلول بہ علتِ خاصہ وجوداً[لعہ] اور عدماً[صہ] ہے اور وہ ہے غفلت و تکاسل تو چونکہ اس پاک زمانہ میں نمازی غفلت سے پاک تھے البتہ وقتِ فجر میں احتمال تھا تو اس میں امر آیا اور باقی نمازوں میں ممانعت مگر

سعہ نیز فرماتے ہیں لا یلنہم کونہ من عہد الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۱۲ منہ غفرلہ
للعہ فی الفجر ۱۲ صہ فی غیر الفجر ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

چونکہ رفتہ رفتہ لوگوں میں غفلت وسستی پیدا ہوکر بڑھتی گئی تو وہ علت سب نمازوں کے وقتوں میں پائی گئی تو اسی حدیث کا تقاضا ہوا کہ ازالۂ غفلت کے لئے سب نمازوں میں تثویب ہو علمائے کرام نے جو امناء شرع متین ہیں، جائز و مستحسن کا فتوے دیا۔ بدائع ص۱۴۸ جلد ۱ میں ہے ان مشائخنا قالوا لا بأس بالتثویب المحدث فی سائر الصلوات لفرط الغفلة علی الناس فی زماننا و شدة رکونهم الی الدنیا و تهاونهم بامور الدین فصار سائر الصلوات فی زماننا مثل الفجر فی زمانهم فکان زیادة الاعلام من باب التعاون علی البر والتقوی فکان مستحسنا مبسوط ص۱۳۱ جلد ۱ میں ہے واما المتاخرون فاستحسنوا التثویب فی جمیع الصلوات لان الناس قد ازداد بهم الغفلة وقلما یقومون عند سماع الاذان فیستحسن التثویب للمبالغة فی الاعلام ومثل هذا یختلف باختلاف احوال الناس اور ہدایہ وغیرہ سے لظهور التوانی فی الامور الدینیة سن ہی چکے۔ اور یہیں سے واضح ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تثویب ظہر پر اور حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تثویب عشاء پر کیوں ناراض ہوئے چونکہ اس زمانہ میں لوگ غافل و متکاسل نہیں تھے اور تثویب غفلت پیدا ہونے کا سبب بنتی تھی تو اس سبب کی بناء پر ناراض ہوتے بحکم لا تعاونوا علی الاثم والعدوان اور جب وہ بات نہ رہی بلکہ غفلت پیدا ہوگئی تو اب تثویب چونکہ غفلت پیدا نہیں کرتی بلکہ پیدا شدہ غفلت کا ازالہ کرتی ہے تو تعاونوا علی البر والتقوی کے ماتحت مستحسن بن گئی اور یہی ہمارے فقہائے عظام فرما رہے ہیں کما سمعت۔ نیز رسائل شامی ص۱۲۷ جلد ۲ میں ہے ان المسائل التی اختلف حکمها لاختلاف عادات اهل الزمان و احوالهم التی لابد للمجتهد من معرفتها وهی کثیرة جدا لا یمکن استقصاؤها

تنبیہ

سائل کے الفاظ "تثویب کرنے والوں کی مساجد میں نماز کیوں نہ ادا کی" اس کے تساہل وتغافل یا بے علمی کا پتہ دیتے ہیں ورنہ تجاہل عارفانہ ہے کہ ان حضرت کے سامنے صرف ایک ایک تثویب کرنیوالا

Marfat.com

مؤذن تھا اور صرف ظہر یا عشاء کی تثویب تھی اور حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس کے اخراج من المسجد کا حکم دیا تھا نہ کہ خود باہر تشریف لے گئے اور نہ یہ کہ اس مسجد میں نماز ادا نہ کی۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق بھی صراحۃً اس مسجد میں نماز ادا کرنے کا ذکر نہیں۔ عنایہ صـ۲۱۴ جلد ا وغیرہا میں ہے روی ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأی مؤذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد و روی مجاھد قال دخلت مع ابن عمر مسجدا یصلی فیھا الظھر فسمع مؤذنا یثوب فغضب و قال قم حتی نخرج من عند ھذا المبتدع فافھم ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۱۳؍ جمادی الاخری ۱۳۷۷ھ

الاستفتاء

نمبر۱ : آدمی چلتی ریل گاڑی پر سفر کر رہا ہے اور نماز کا وقت آ گیا اور گاڑی میں کھڑے ہو کر نماز نہیں ادا کر سکتا کیونکہ منہ بھی قبلہ کی طرف درست نہیں رہتا تو کیا اس وقت جیسے ہو سکے بیٹھ کر نماز پڑھ لے یا پھر ریل گاڑی کا سفر ختم ہونے پر پھر دوبارہ ان نمازوں کا اعادہ کرے یا نہ ؟

نمبر۲ : ہوائی جہاز میں نماز کا کیا حکم ہے کیونکہ وہ ہوا میں ہوتا ہے ۔ پڑھنا اس میں جائز ہے یا قضاء کرے ؟

(نوٹ) ان دو سوالوں کا جواب کتاب الطہارت صـ۱۹ میں گذر چکا ہے ۔

الاستفتاء

نمبر۱ : اعتکاف میں حجامت بنوا سکتا ہے یا نہیں ؟

نمبر۲ : نفلیں پڑھنی مسجد میں جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۳ : حضرت حسان نے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جو شعر عرض کئے ہیں وہ کونسے

Marfat.com

ہیں ؟ اور کتاب کونسی ہے ؟

السائل : آپ کا فرزند پیارا عبد الخالق عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱ : حجامت بنوانا سنت ہے اور سنت مسجد میں ادا کر سکتا ہے جبکہ ممانعت نہ آئی ہو کہ اصل اباحت ہے۔ ہاں مسجد میں ناخن، بال نہ گریں ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبرھان۔

۲ : ہاں جائز بلکہ مستحب و مسنون ہیں۔ شعر اگر اچھے کلام اور فوائد پر مشتمل ہو تو یقیناً اچھا ہے۔ یہ مضمون اتنی حدیثوں سے ثابت ہے کہ جمع کی جائیں تو ضخیم کتاب بن جائے لہذا صرف ابوداؤد ص۳۲۸ جلد ۲ کی ایک حدیث پر اکتفار کیا جاتا ہے ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان من الشعر حکمۃ اور نعتیں یعنی وہ اشعار جن میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ مبارکہ اور دشمنوں کی بدگوئی کا رد ہو، یقیناً حکمت میں داخل ہیں اور ان کا پڑھنا اور سننا تعظیم رب تعالیٰ اور تعظیم محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے تو وہ یقیناً جائز ہیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے ورفعنا لک ذکرک۔ ابوداؤد ص۳۲۸ جلد ۲ میں ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرتِ حسان کے لئے مسجد میں منبر رکھا کرتے تھے جس پر کھڑے ہو کر حضرتِ حسان مخالفوں کا شعروں میں رد پڑھا کرتے تھے اور جبریل علیہ السلام ان کی امداد کرتے رہتے تھے کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یضع لحسان منبرا فی المسجد فیقوم علیہ فیھجو الحدیث۔ بخاری ص۶۴ جلد ا میں ہے باب الشعر فی المسجد اور اس میں حضرتِ حسان کی حدیث ذکر کی فتح الباری ص۴۳۵ جلد ا میں ہے واذا کان حقا جاز فی المسجد کسائر الکلام الحق ولا یمنع منہ۔ عینی علی البخاری ص۶۴۰ جلد ۲ میں ہے ان الشعر الحق لا یحرم فی المسجد غرضیکہ نعتوں کا مسجد میں پڑھنا صدہا آیات و احادیث سے ثابت ہے، یہ چند کلمات بطورِ نمونہ ذکر کئے۔

۳ : وہ بہت سے شعر ہیں اور بہت سی کتابوں میں مذکور ہیں۔ صرف ایک حوالہ پر اکتفار کیا جاتا ہے صحیح مسلم ص۳۰۱ جلد ۲ میں حضرتِ حسان کے قصیدہ کے تیرہ اشعار ہیں جو حضور کے ارشاد کے ماتحت حضرتِ حسان نے سنائے جن میں سے یہ تین ہیں :-

Marfat.com

ھجوت محمدا فاجبت عنہ | وعند اللہ فی ذالک الجزاء
ھجوت محمدا برًا تقیًا | رسول اللہ شیمتہ الوفاء
فان ابی و والدتی و عرضی | لعرض محمد منکم وقاء

اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور بھی شاعر صحابی تھے جو نعتیں پڑھا کرتے تھے۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ محبوب کے ثناخوانوں سے بنائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

ابوالخیر غفرلہ ۲۷ ر ماہِ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ

الاستفتاء

نوٹ: مولانا قاضی غلام محمود صاحب خطیب جامع مسجد عیدگاہ نیا محلہ جہلم کے خط میں یہ سوال آیا تھا۔

تاریخ ۲۰-۱۱-۶۵

اگر مسجد کے صحن میں قبر ہو اور خوب ڈھکی ہوئی ہو تو صف میں اگر بالکل محاذی اور سامنے رہے تو کیا حرج ہوگا؟ بصورتِ حرج کے کیا صف میں وہ جگہ پیچھے میں کھلی چھوڑ دی جایا کرے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

"مسجد کے صحن میں قبر خوب ڈھکی ہوئی ہو" سے کیا مراد ہے۔ اگر غلاف یا غلاف جیسی کسی چیز سے ڈھکی ہوئی ہو جیسے مزاراتِ شریفہ پر غلاف ہوتے ہیں تو ظاہر یہی ہے کہ یہ کھلی قبر کے حکم میں ہے اور اگر قناتوں یا دیواروں جیسی کسی چیز سے ڈھکی ہو تو قطعاً حرج نہیں کہ صرف سترہ ہی جب کافی ہے تو ایسا بڑا حائل کیوں کافی نہ ہوگا اور یونہی اگر نمازی کے آگے اتنی دور ہو کہ خاشع نمازی کی نظر نہ پڑے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں، شامی ص۶۱۲ جلد۱ میں ہے لاتکرہ الصلٰوۃ فی جھۃ قبر الا اذا کان بین یدیہ بحیث لو صلی صلٰوۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ کما فی جنائز المفردات۔ اور یہی مستفاد ہے ہندیہ ص۵۶ جلد۱ کی اس عبارت کا ان کانت القبور ماوراء المصلی لایکرہ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳ر شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ ۶۵-۱۱-۲۶

الاستفتاء

نمبر۱ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک دیہات کی چھوٹی سی مسجد میں چند آدمی عشاء کی نماز ادا کر رہے تھے، دو آدمی اور آ گئے، جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے بیٹھ گئے کہ سابقہ نمازی نماز پڑھ لیں ہم بعد میں پڑھیں گے اور بیٹھتے ہی مسخریاں شروع کر دیں۔ ایک نمازی نے روکا بھی مگر وہ برابر اپنے فعل کو ادا کرتے رہے، بعد میں خود بھی نماز ادا کی مگر بعد از فراغت بھی مسخریاں جاری رہیں۔ آخر کار سونے کا ٹائم آ گیا اور سونے کی ترکیبیں ہونے لگیں۔ اسی اثناء میں مسمّٰی مانجھا نے مسمّٰی غلام رسول سے کہا (جو ایک طالب علم اور چھوٹا بچہ ہے) کہ تم آج رات میرے پاس سو جاؤ تو میں تمہیں ٹیکہ (یعنی آلہ تناسل) پر سوار کر کے حج کرا کر لاؤں مدینہ کی، مکہ معظمہ کی ؟

نمبر۲۔ ایک شخص مسمّٰی گل محمد نے ایک عورت خریدی ہے جس کے نکاح کا ثبوت نہیں ہے۔ ہر چند کوشش کی گئی ہے کہ اگر کوئی ثبوت مل جائے کہ کنواری ہے، بیوہ ہے، مطلقہ ہے یا منکوحہ ہے مگر کوئی پتہ نہیں چلا اسے کہا گیا ہے کہ اسے دفع کرو، اپنے گھر سے نکال دو، وہ ہاں جی، ہاں جی کرتا ہے مگر نکالتا نہیں۔ تقریباً تین ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اگر نہ نکالے تو اس کے لئے کیا حکم ہے اور اگر نکال بھی دے تو جتنا عرصہ وہ استعمال کرتا رہا ہے اس کی بھی کوئی سزا ہے یا نہیں؟ مفصل ارشاد فرما دیں۔

السائل : الحاج عبدالمجید صاحب برادر خورد صوفی رشید احمد بھٹی اوورسیر ورسلین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱ : ان شخصوں نے بڑا ظلم کیا۔ مسجد میں تو مباح دنیاوی گفتگو ہی نیکیوں کو نقصان پہنچاتی ہے چہ جائیکہ ہنسی مخول اور بیہودہ باتیں کی جائیں۔ پھر اس شخص کے مسمّٰی غلام رسول کو شرارت آمیز لفظ کہنے اس کی شقاوت قلبیہ کی دلیل ہیں یہ لفظ صریح کفر ہیں، بری بات کو حج کے ساتھ تشبیہ دینی، یہ حج کے ساتھ اور مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ

Marfat.com

کے ساتھ استہزار ہے اور بدفعلی جو سخت حرام ہے اس کو حلال ظاہر کرنا یہ سب کفر سے خالی نہیں۔فتاوی عالمگیر ص۲۸۷ جلد۲ میں ہے الہازل و المستہزئ اذا تکلم بکفر استخفافا واستہزاء و مزاحا یکون کفرًا عند الکل وان کان اعتقادہ خلاف ذلک۔ نیز فتاوے عالمگیر ص۲۸۸ جلد۲ میں ہے الاستہزاء باحکام الشرع کفر کذا فی المحیط۔ اس شخص پر فرض ہے کہ فوراً دل سے توبہ کرے اور نئے سرے سے اسلام لائے اور دوبارہ نکاح کرے کہ اس کا پہلا نکاح فاسد ہو چکا اور اگر نہ مانے تو مسلمانوں پر لازم کہ اس سے بالکل الگ تھلگ ہو جائیں اور اسے یوں الگ کر دیں کہ جیسے دودھ سے مکھی نکال کر پھینکی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے ولا ترکنوا الی الذین ظلموا۔ پھر اس کی سزا بہت ہی سخت ہے مگر اسلامی حاکم کا کام ہے۔ آپ لوگ پنچایت طور پر قانونِ وقت کے لحاظ سے جتنی سزا دے سکیں، دیں حتیٰ کہ مجبور ہو کر توبہ کرے۔

۲: وہ شخص بھی بڑا مجرم ہے بلا نکاح عورت کو اپنے پاس رکھنا بہت بڑا گناہ ہے اور پھر استعمال (یعنی زنا) کرنا اگرچہ ایک مرتبہ ہی ہو بہت برا جرم ہے اور اس کی سزا بھی بڑی سخت ہے جو حکام اسلام کا کام ہے آپ لوگ دائرۂ قانون کے اندر رہتے ہوئے اسے مجبور کریں کہ صدقِ دل سے توبہ کرے اور اس عورت کے متعلق صحیح ثبوت مہیا کرے اور اگر پیچھے نکاح نہ ہو تو نکاح کرے ورنہ گھر سے نکال دے۔ اگر نہ نکالے تو بائیکاٹ کر دیں کہ مجبور ہو کر نکال دے یا کم از کم آپ لوگ تو اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ حدیثِ پاک صحیح مسلم وغیرہ میں ہے من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ (الحدیث) قرآنِ کریم میں ہے یا ایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم (الآیۃ) واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ ۲۶ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۲ھ ۵/۶۳/۲

الاستفتاء

از مجرہ شاہ مقیم ۶۳-۶-۱۷ قبلہ محترم حضرت صاحب

Marfat.com

السلام علیکم : اگر ایک شخص جس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی ہو، قوم کا سید ہو، اور سادات گیلانی بروز جمعہ جامع مسجد میں کھڑے ہو کر واقعہ کربلا، فضیلتِ اہلِ بیت، مصائبِ اہلِ بیت، بیان کرے اور خطیب جامع مسجد کی اجازت سے بیان کرے۔ اس سے پہلے بھی وہ خطیب جامع مسجد کی اجازت سے اللہ اور رسول کی باتیں مسجد میں بیان کرتا رہتا ہے۔ مگر ایک ڈاڑھی والا صرف اس لئے مسجد سے نکل جائے کہ اس ڈاڑھی مونڈے سید نے مسجد میں تقریر کیوں کی اور وہ ڈاڑھی والا مسجد میں نمازِ جمعہ باجماعت بھی نہ پڑھے اور نماز گھر میں جا کر پڑھے۔ آپ اس پر روشنی ڈالیں کہ کس کا فعل قابلِ مذمت ہے؟ کیا سید صاحب کو آئندہ تقریر نہیں کرنی چاہیے اور ڈاڑھی والے صاحب کی یہ نفرت درست تھی؟ خطبہ خطیب صاحب نے ہی پڑھا، جماعت خطیب صاحب نے ہی کرائی۔ جواب کے لئے علیحدہ لفافہ ارسالِ خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام :

آپ نے یہ بیان نہیں کیا کہ وہ مقرر سید صاحب اور ڈاڑھی والا اہل السنت والجماعت میں یا نہیں اور نہ ہی ڈاڑھی والے کی قومیت نہیں ذکر کی مگر ظاہر ہے کہ وہ گیلانی صاحب سنی ہیں کہ خطیب صاحب کی اجازت سے سنیوں کو فضائلِ اہلِ بیت وغیرہا سناتے ہیں تو اگر گیلانی صاحب کا بیان صحیح روایات سے افراط و تفریط سے پاک ہوا کرتا ہے اور آیات و احادیث کی روشنی میں ہوا کرتا ہے تو ایسے بیان سے نفرت کا کوئی معنیٰ نہیں، خصوصاً جبکہ بیان کرنے والا بھی صحیح النسب ہو ایسے سادات تو اہلِ ایمان کے سروں کے تاج ہیں باقی رہا ڈاڑھی کا معاملہ تو یہ گناہ ضرور ہے مگر کفر نہیں اس سے سید کے سید ہونے میں یا صحتِ بیان میں فرق نہیں پڑتا اور اس باریش شخص کا اتنا نفرت کرنا اور نمازِ جمعہ بھی سرے سے ترک کر دینا کہ گھر میں جمعہ پڑھا ہی نہیں جا سکتا تو اس کا فعل خود قابلِ نفرت ہے۔ میری نظر میں کوئی ایسی حدیث یا آیت نہیں جس سے سید صاحب کو پابند کیا جائے کہ آیات و احادیث اور صحیح مسائل آئندہ کے لئے بیان نہ کریں ہاں انہیں یہ ضرور چاہیے کہ حضرات حسنین کریمین اور حضور غوثِ اعظم اور حضرت مولیٰ مشکل کشا بلکہ تمام ائمہ اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح وہ بھی شریعت کے مطابق ڈاڑھی رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہ

Marfat.com

باب الاوقات

تنویر فیئ الزوال بنور عدل فیئ الزوال

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد[1] لله الذی ارسل رسوله[2] شاهدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی الله باذنه و سراجا[3] منیرا و به بلا واسطة او بها نور البصائر و الابصار تنویرا و صلی الله تعالی علی من ابدعه[4] محمدا محمدا[5] مجتبا[6] مجتبیا رؤفا رحیما نصیرا ظهیرا فـفازوا[7] و فاءوا بفیئه الی فیئة الجنة فلا یرون فیها شمسا ولا زمهریرا و علی ظلاله و احبابه آله و اصحابه و فیئه الافخم الاکرم ابنه الغوث الاعظم و عظم و فخم و سلم تسلیما کثیرا کثیرا

---

[1] اللام للاستغراق ۱۲ منه غفرله [2] الاضافة للعهد ۱۲ منه غفرله [3] ای شمسا منیرا کما فی قوله تعالی سراجا وهاجا فهو صلی الله تعالی علیه وسلم منور بنفسه الشریفة بتجلیاته الزاهرة وعند غیبوبته الظاهرة بوساطة اقماره و نجومه المقتبسین من انواره و علومه من الانبیاء الماضین و العلماء و الفقهاء من الصحابة و التابعین و الأخرین اللاحقین الی یوم الدین و لنعم ما قال العلامة البوصیری برد الله ضریحه حیث قال ؎ فانه شمس فضل هم کواکبها۔ یظهرن انوارها للناس فی الظلم ولهذا المرام تمام فاستغن بالاصباح عن المصباح ۱۲ منه غفرله [4] علی زنة المفعول بالمعنی الوصفی ۱۲ منه غفرله [5] علی زنة الفاعل ۱۲ منه غفرله [6] ای المفهومون مما قبل فان وابه صلی الله تعالی علیه وسلم بالکمالات الدینیة و الدنیویة ۱۲ منه غفرله [7] ای لیفیئن بعد الحشر والماضی باعتبار تحقق وقوعه الحتمی ۱۲ منه غفرله۔

Marfat.com

وبعد فيقول العبد المتوسل بمولاه ابو الخير محمد بن المدعو بنور الله الحنفي القادري النعيمي نور الله ربه و قواه انه صُرِّح و نُصَّ على ان وقت الظهر ينتهي ببلوغ ظل كل شئ مثله عندهما و مثليه عنده رضي الله تعالى عنهم سوى فيئ الزوال في عامة المتون الموضوعة لنقل مذهب و فُسِّر[1] في كثير من الشروح و الفتاوى بظل[2] يكون[3] للشئ عند الاستوآء شمالا او جنوبا و لكن الظل الاستوائی لا یبقی علی قدره بل ينتقص[4] في زمان و ينتفي في اٰخر ويحدث اٰخر بعد انتفائه في الجهة الاخرى في اٰخر قبل صيرورة المثلين و ذا محسوس مُعايَن لا يخفى على مُعايِن و لذا ترى في بعض الازمنة الشمس تاخذ الحيطان الشمالية من المساجد و امثالها في بلادنا و ذلك لان حركة الشمس في اكثر البلاد حمائلية فاذا طلعت ترتفع مائلة الى الجنوب

---

[1] اى فيئ الزوال ١٢ منه غفرله [2] فتركت حقيقة الفيئ والزوال بلا مانع عنها وعنى المجاز بدون علاقة معتدة بها وايضا لا معنى على هذا لاضافة الفيئ الى الزوال ١٢ منه غفرله [3] فيبلغ مثليه اذا صار كله مثليه زائدا على القدر مثلا اذا كان الشئ سبعة اقدام والظل الاستوائی تسعة اقدام فيصير مثليه اذا صار ثلاثا و عشرين قدما هذا هو الظاهر من كلام اكثرهم و منصوص عليه في كتب بعضهم وقال بعضهم اذا صار بعد الظل الزوالي من رأس الاستوائی قدر مثلي الشئ يصير مثليه وهذا مع ارتكابه المجازين ومخالفته للاستثناء و صعوبة معرفته لان الاحتياج غالبا يحدث اٰخر الوقت فمن اين يعرف موضع رأس الاستوائی لا يستقيم ايضا بل يصير المثلان على هذا التفسير في اكثر ايام السنة قبل المثلين بقدر ويظهر القدر في الصيف و اوائل الخريف واواخر الربيع ظهورا بينا كما يتبين مما سيأتي قريبا ان شاء الله تعالى ١٢ منه غفرله [4] اى بدون انتفاء باعتبار المفهوم المخالف المعتبر في الكتب والمخاطبات ١٢ منه غفرله

Marfat.com

الى الاستواء وبعده الى الشمال فى البلاد الشمالية وفى الجنوبية على العكس كما لا يخفى على اولى النهى فبقدر هذا ينتقص الظل بعد فيلزم على هذا التفسير ان يكون اوائل وقت العصر داخلا فى وقت الظهر او اواخر الظهر فى العصر فعلم ان هذا التفسير غير مستقيم و التفسير الصحيح المستقيم باعتبار منطوقه الحقيقى انه ظل كل شئ بعد الدلوك بميلان الشمس عن مسامتة خط المشرق والمغرب جنوبا او شمالا لانه لايلزم المحذور و هو فيئ[1] حقيقة و المراد من الزوال اما زوال الشمس عن مسامتة خط المشرق و المغرب جنوبا او شمالا و اما زوالها عن نصف النهار وايّاما كان فالزوال على معناه الحقيقى و اضافة الفيئ اليه اضافة المسبب الى سببه فان الزوال بالمعنى الاول سبب وجود هذا الفيئ و بالمعنى الثانى سبب تسمية الموجود بالفيئ والاضافة عهدية على الثانى لانه يكون فى هذا الوقت فيئان مختلطان باعتباره احدهما باعتباره وحده و آخرهما باعتباره مع الاول و اللام للعهد على الاول و الحقيقة هو الاصل لايصار الى المجاز الا لمانع عنها وههنا لامانع ولامانعان

---

[1] فى مجمع البحار اصله الرجوع فاء يفيئ ومنه قيل للظل الذى بعد الزوال فيئ لانه رجع من الغرب الى جانب الشرق وفى التفسير الكبير والفيئ فى اللغة هو رجوع الشئ الى ماكان عليه من قبل ولهذا قيل لما تنسخه الشمس من الظل ثم يعود فيئ و فى رد المحتار (قوله فيئ) بوزن شيئ وهو الظل بعد الزوال سمى به لانه فاء اى رجع من جهة المغرب الى المشرق و ما قبل الزوال انما سمى ظلا وقد يسمى به مابعده ايضا ولايسمى ماقبل الزوال فيئا اصلا ۔ سراج ونهر و فى الصراح سایہ زوال کہ بعد از گشتن آفتاب باشد ١٢ منه غفرله ۔

بل موانع عن المجاز ومانع واحد يكفی فی ترك الاصل فكيف لا يجب ترك الخلف عند الموانع فثبت بنص منطوق المتون الحقيقی ما قلنا وما فی المتون و لو مفهوما مقدم علی ما فی الشروح والفتاوی ولو منصوصا والله الهادی و هو الموفق و لهذا لم يصغ الشيخ المحقق المدقق زين الملة والدين ابن نجيم رحمه الله تعالی فی بحره الی ما قالوا بل صرح بخلافه حيث قال ناقلا عن السراج الوهاج۔

والفیئ فی اللغة اسم للظل بعد الزوال سمی فيئا لانه فاء من جهة المغرب الی جهة المشرق ای رجع وبه اندفع ما قيل ان الفیئ هو الظل الذی يكون للاشياء وقت الزوال انتهی و هٰذا نص فی ما قلت كما تری فيعتبر الظل دون ما كان من الفیئ وقت قياس المثل والمثلين كائنا ما كان و اين ما كان و ان انعدم فيه فالكل فان قلت اذا كان الفيئان مختلطين فلا يعلم قدره فكيف يسقط عند القياس قلت لترسم الدائرة الهندية بان تسوی الارض جدا فترسم عليه دائرة ء ب ج و ليقم مقياس قدر ربع قطرها علی عين مركزها وظاهر ان ظل رأسه اول النهار يكون خارجا عن الدائرة فيدخل فضع علی المدخل علامة و كذا يخرج آخر النهار فضع علامة علی المخرج ايضا و صل منتصف قوسی محيطها بخط مستقيم وهٰذا خط نصف النهار مارًّا علی المركز البتة وارسم ايضا قطرا يقاطعه بالزوايا القوائم و ذا خط

Marfat.com

المشرق والمغرب وليرسم خط مستقيم مار على نقطة
المشرق بحيث يكون بعده عن خط نصف النهار فى الجهتين
متساويا ولنسمه بخط المثلين وايضا تخط مستقيما
متقاطعا لنصف خط المشرق والمغرب منصفا له شرقيا
ولنسمه بخط المثل ولترسم دائرة ح ه على مركز
الاولى هكذا :

الدائرة الهندية

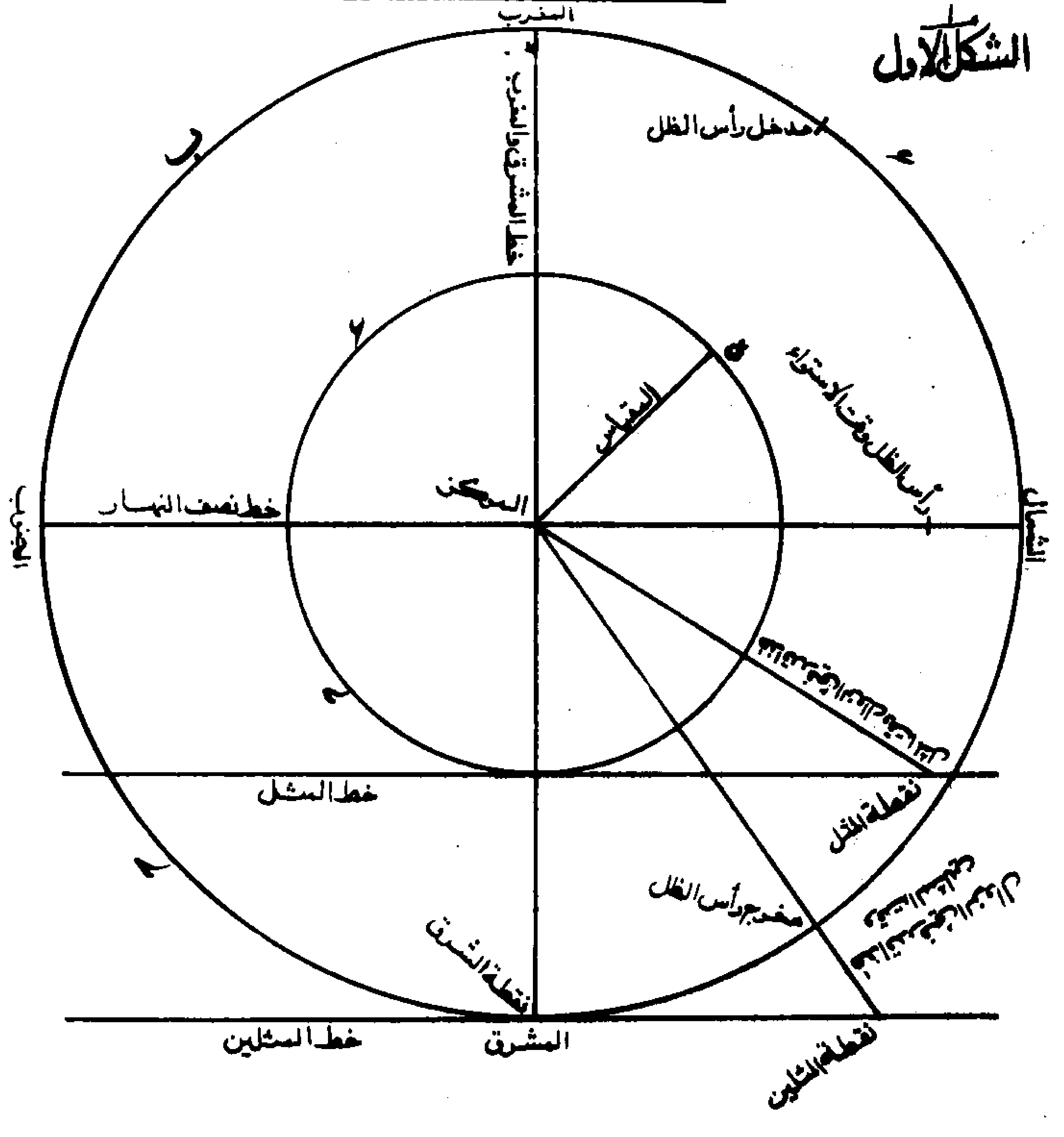

Marfat.com

فاذا بلغ ظل راس المقياس على خط نصف النهار فهذا وقت الاستواء ولتعلم على نقطة البلوغ فاذا صار ظل الراس منحرفا عن هذا الخط دخل وقت الظهر فاذا بلغ خط المثل فهذا وقت صيرورة ظل كل شيئ مثله لانه لا ريب فى ان فيئ الزوال انما هو باعتبار بعد الشمس وميلانها عن مسامتة خط المشرق والمغرب والا لم يختلف فى عصر ما ولا مصر ما ولا اثر لميلانها عن المسامتة الا ميلان الظل عن عين خط المشرق والمغرب الى الجانب المخالف لميلانها وعند عدم ميلانها يكون المثل ببلوغ الظل خط المثل لان بعده من هذا المبلغ الى المركز بربع قطر دائرة ع ب ج وهو قدر المقياس فلا بد ايضا عند الميلان ان يكون المثل ببلوغه خط المثل وقدر فيئ الزوال فى هذا الوقت ما بين خط المثل ومحيط دائرة ع ح ه من الظل لان الزائد بميلان الشمس هو هذا القدر لانه عند عدم الميلان يكون المثل ببلوغ الظل محيطها لان بعد المحيط من المركز بمثل المقياس وعند الميلان لا يصير ببلوغ المحيط بسبب الميلان بل ببلوغه خط المثل فعلم ان الزائد بالميلان قدر ما بين المحيط والخط فاذا بلغ خط المثلين فهذا وقت صيرورة ظل كل شيئ مثليه والدليل يتبين مما سبق وما بين خط المثلين ومحيط ع ب ج قدر فيئ الزوال فى هذا الوقت بنحو ما مر وبالجملة فكلما اردت معرفة قدر الظل والفيئ فصل راس الظل بنصف خط المشرق والمغرب الشرقى بخط مستقيم

ـه فى نظرنا القاصر واما عند الله وعند من عنده علم من عنده فقبله ۱۲ نور نور

بحيث تحدث قائمة بتلاقيهما وارسم على مركز ء ب ج دائرة يمر محيطها على نقطة التلاقى نقدر الظل ما بين المركز والمحيط من الظل وقدر الفيئ ما بين المحيط و هذا الخط وطريق آخر ايسر لمعرفة الفيئ وهو ان يؤخذ شيئ عريض طويل خشبة او غيرها يكون سطحاه الفوقانى والتحتانى مستويين متوازيين ويوضع على خط نصف النهار بحيث يكون احد طرفيه الى الجنوب واخرها الى الشمال على الارض المستوية بحيث تحدث من تلاقى سطحه الشرقى مع سطح الارض زاوية قائمة فاذا احدث الظل فى الجانب الشرقى دخل وقت الظهر فوقت الاعتبار بخط مستقيم ء ب فان كان مثل عرضه الشرقى مرة فمثل و ان مرتين فمثلان ولا حاجة الى اسقاط الفيئ لسقوطه بنفسه وان شئت معرفة قدر الساقط فاسقط من خط طرف الظل الشمالى او الجنوبى مثله فما بقى فهو قدر الفيئ هكذا :-

الشكل الثانى

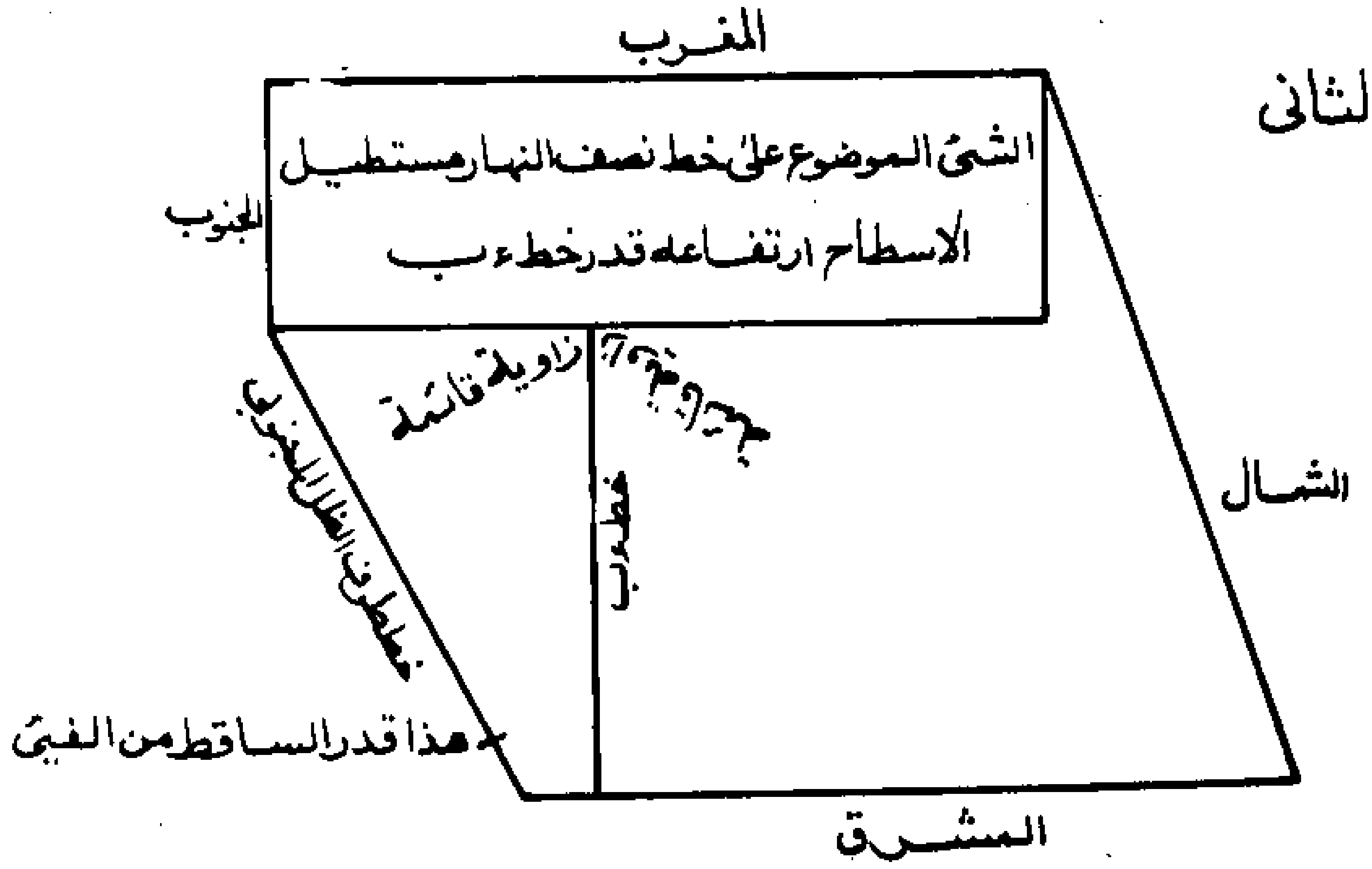

وان كان طرفا الظل الجنوبى والشمالى مستويين بخط ء ب فهذا

Marfat.com

زمان انعدام الفيئ و الظل قد يكون مستطيلا وقد يكون مربعا وقد يكون معينا و فى وجب ما شبيها بالمعين والدلائل مما لا يخفى على الفطن و بعضها متبينة مما ذكرنا فلذا طوينا كشحا عن ذكرها و ايضا لا يخفى ما استبان من طرق المعرفة مما ذكرنا وهذا آخر ما اردت و نفد استراح القلم من تحرير المراد يوم الاربع تسعة و عشرين من المحرم الحرام سنة ستين وثلثمائة بعد الالف من هجرة من تم به الالف صلى الله تعالى عليه و سلم و المامول من الكرام ما هو معمول الكرام ان لا يبادر بالانكار من دون الاستبصار فان وجد صوابا يطلعني مثابا و ان خللا و زللا فلا يمل عن الاخبار ايضا مللا و ان استنصر وكم فى الدين فعليكم النصر ان اريد الا الاصلاح ما استطعت و ما توفيقى الا بالله عليه توكلت و اليه انيب و الله يعلم المفسد من المصلح حسبى الله ونعم الوكيل واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين و صلى الله تعالى على سيد الاولين و الآخرين خاتم النبيين و آله وصحبه وحزبه اجمعين۔

ابداء البشریٰ بقبول الصلوٰۃ فی الضحوۃ الکبریٰ

(جو مشرقی پاکستان سے آمدہ استفتار کے جواب میں تحریر کیا گیا)

مخدوم المقام حضرت مولانا صاحب قبلہ مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ :-

براہ کرم سوالات کے جوابات تحریر فرما کر رہین کرم فرمائیں یہاں یہ مسئلہ مندرجہ نہایت معرکۃ الآرار

Marfat.com

بنا ہوا ہے جس پر سخت لے دے ہو رہی ہے جوابی لفافہ مرسلِ خدمت ہے، رجسٹرڈ روانہ فرمائیں جس کے لئے مزید پچاس پیسے کے ٹکٹ جوابی لفافہ پر چسپاں کر دیئے گئے، آنحضرت کو ڈاک خانہ سے ایک رسید رجسٹری ملے گی۔ فقط والسلام

چشم براہ : محمد عبدالکریم قادری نعیمی غفرلہ مدرسہ عزیزیہ جلالیہ اسلامیہ ڈاک خانہ ملفت گنج ضلع فرید پور (مشرقی پاکستان)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین حسبِ ذیل مسائل میں کہ معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ :

نمبر۱ : نمازِ عیدین کا آخری وقت نصف النہار حقیقی تک ہے اگر نصف النہار حقیقی نماز کے اندر داخل ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اس بارہ میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟ مکمل تحقیقی دلائل سے توضیح فرمائیں، ایک صاحب کا کہنا ہے کہ ضحوۂ کبریٰ یعنی نصف النہار شرعی نماز کے اندر داخل ہوتے ہی نماز فاسد ہو جائے گی، یہ قول کہاں تک صحیح ہے؟

نمبر۲ : ان معتبر کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیک دوپہر کو یعنی صرف نصف النہار حقیقی کے وقت ہر قسم کی نمازیں ممنوع ہیں لیکن صاحب موصوف کا کہنا ہے کہ نصف النہار شرعی سے نصف النہار حقیقی تک ایک طویل وقت تک ہر قسم کی نمازیں ممنوع ہیں۔ اس مسئلہ میں معتبر و مکمل قطعی دلائل سے وضاحت فرمائیں۔

نمبر۳ : زوال اور استوار کی کیا تعریف ہے؟ نیز صاحبِ موصوف نے جو استوار کو ایک طویل وقت یعنی نصف النہار شرعی سے نصف النہار حقیقی تک بتلاتے ہیں، قطعی اور ظنی معتبر و مکمل دلائل سے اس کی حل فرمائیں۔ بینوا هذه المسائل بالادلة الواضحة و توجروا عند الله بالاجور الكاملة و بالله التوفيق والسلام۔

چند معتبر کتابوں کی صریح عبارتیں یہ ہیں :-

(۱) **زوال کی تعریف** :- کفایہ شرح ہدایہ وفی المبسوط طريق معرفة الزوال ان

Marfat.com

ینصب عود مستوٍ فی ارض مستویة فما دام ظل العود فی النقصان علم ان الشمس فی الارتفاع لم یزل بعد وان استوی الظل علم انه حال الزوال فاذا اخذ الظل فی الزیادة علم انها زالت فیخط علی رأس الزیادة فیکون رأس الخط الی العود فیئ الزوال۔

(۲) **اوقاتِ مکروہہ** :۔ فی الہدایة : لاتجوز الصلوٰة عند طلوع الشمس ولاعند قیامها فی الظهیرة ولاعند غروبها (م) ولاعند قیامها فی الظهیرة ای وقت وقوف الشمس فی نصف النهار۔ فی شرح الوقایة: ولایجوز صلوٰة و سجدة تلاوة وصلوٰة جنازة عند طلوعها وقیامها و غروبها الاعصر یومه ۔ مجمع الانهر : منع عن الصلوٰة و سجدة التلاوة وصلوٰة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب الاعصر یومه ۔ قد روی لایجوز الصلوٰة عند طلوع الشمس و لاعند غروبها الاعصر یومه ولاعند قیامها فی الظهیرة۔ منیة المصلی : الاوقات التی تکره فیها الصلوٰة فخمسة ثلاثة منها یکره فیها الفرض والتطوع وذلك عند طلوع الشمس وعند غروبها الاعصر یومه ووقت الزوال۔ مراقی : الاوقات المکروهة اولها عند طلوع الشمس الی ان ترتفع وعند استوائها الی ان تزول وعند اصفرارها الی ان تغرب ویصح اداء ما وجب فیها مع الکراهة کجنازة حضرت و سجدة آیة تلیت فیها کما صح عصر الیوم عند الغروب۔

(۳) **انتہاءِ وقتِ نمازِ عیدین** :۔ فی الہدایة : واذا حلت الصلوٰة بارتفاع الشمس دخل وقتها الی الزوال واذا زالت الشمس خرج وقتها لان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی العید والشمس علی قید رمح او رمحین ولما شهدوا بالهلال بعد الزوال امر

Marfat.com

بالخروج الی المصلی من الغد (ح) امر بالخروج من الغد ولو جاز الاداء بعد الزوال لم یکن للتاخیر معنی۔ فی شرح الوقایۃ : و وقتہا من ارتفاع ذکاء الی زوالہا (ح) قولہ الی زوالہا المراد بالزوال الاستواء فقد یطلق علیہ الزوال للمحاورۃ والغایۃ ھہنا خارجۃ عن المغیا فان وقت استواء الشمس علی نصف النہار لیس بوقت لہا فما بعدہ اولی ان لا یکون وقتا۔ مجمع الانہر : وقت صلوۃ العیدین من ارتفاع الشمس قدر رمح و رمحین الی استواء الشمس والغایۃ غیر داخلۃ فی المغیا فاذا استوی الشمس علی نصف النہار خرج وقت صلوۃ العید۔ قدوری : فاذا حلت الصلوۃ بارتفاع الشمس دخل وقتہا الی الزوال فاذا زالت الشمس خرج وقتہا (ح) قولہ الی الزوال ای قبل نصف النہار لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی العید والشمس علی قید رمح او رمحین و قولہ فاذا زالت الشمس خرج الخ لما روی انہم لما شہدوا بالہلال بعد الزوال امر بالخروج الی المصلی من الغد ولو جاز الاداء بعد الزوال لم یکن للتاخیر معنی۔ کبیری مجتبائی : وابتداء وقت صلوۃ العید من ارتفاع الشمس قدر رمح او رمحین الی زوالہا۔ مالابدمنہ : تا پیش از زوال وقت نماز عیدین است (ح)[۲۷] مراد از زوال عین نصف النہار است مجازاً کہ مبدأ زوال می باشد نہ انتقال آفتاب از خط نصف النہار جانب مغرب کہ آں ابتدائے وقت ظہر است۔

المستفتی : محمد کمال الدین غفرلہ امام دارالسلام جامع مسجد مقام ملفت گنج
ڈاکخانہ ملفت گنج ضلع فرید پور (مشرقی پاکستان)
مورخہ : یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

سہ لم اجد ھذہ العبارۃ فی الکبیری ۱۲ ابو الخیر النعیمی غفرلہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل اللیل والنہار خلفۃ لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا وارسل نبیہ و نجیہ وصفیہ محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لنعبد ربنا فی جمیع الاوقات عصورًا ودھورًا وجعل لنا العیدین ووسّع وقتہما لیزیدنا بھجۃ و سرورا و تفضل بالدعوۃ العظمیٰ من الذکر والصلوات والضحایا الی ما بعد الضحوۃ الکبریٰ فصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعلیٰ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ مصابیح الھدیٰ وبارک وسلم دائما ابدًا فی الاٰخرۃ والاولیٰ۔

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصّواب

عیدین کی نماز کا آخری وقت واقعی نصف النہار حقیقی تک ہے۔ اگر نمازِ عید میں حقیقی نصف النہار ہو جاتے تو فاسد ہو جائے گی اور ضحوۂ کبرے کا دخول مفسد نہیں بلکہ ضحوۂ کبرے میں عیدین اور باقی ہر قسم کی نمازیں بلاشک وشبہ وریب یقینا جائز ہیں۔ یہ جواز قرآن کریم کی آیاتِ کثیرہ اور بکثرت احادیث شہیرہ اور نصوصِ فقہیہ وغیرہ سے روزِ روشن کیطرح ثابت ہے۔

الآیات الشریفۃ

۱ : وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ۝

۲ : یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝۱۵۳ (سورۃ البقرۃ)

ان آیتوں میں نماز سے مدد لینے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی سخت مہم پیش آتی تو نماز میں مشغول ہو جاتے کما فی احادیث ابی داؤد وغیرہ وقد ذکرھا المفسرون فی التفاسیر یہ امرِ استعینوا "مطلق ہے اور انسان ہر وقت

Marfat.com

محتاج ہے اور استعانت کا ضرورت مند ہے لہذا امر ایسے وقت میں یہ استعانت جائز ہے جس میں نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ یا اس کے نائبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ممانعت نہ ہو اور یونہی" الصّلوٰۃ "بھی مطلق ہے لہذا امر نماز سے استعانت جائز ہے اور چونکہ ضحوہ کبریٰ سے نصف النہار حقیقی کے ماقبل تک کسی نماز سے کوئی آیت یا حدیث منع نہیں فرماتی تولامحالہ جائز ہوگی اگرچہ نماز عید ہو۔

۳- إِنَّنِیۤ أَنَا اللّٰهُ لَاۤ إِلٰهَ إِلَّاۤ أَنَا فَاعْبُدْنِی وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِی ۝ (سورۂ طٰہٰ)

اس میں حکم ہے کہ میری یاد کے وقت نماز قائم کرو۔ تفسیر درِ منثور ص۲۹۳ جلد ۴ طبع مصر میں ہے اخرج احمد وعبد بن حمید والبخاری ومسلم وابوداؤد وابن مردویہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رقد احدکم عن الصلوٰۃ اوغفل عنہا فلیصلہا اذا ذکرہا فان اللہ قال اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ یعنی محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی تمہارا نماز سے سو جائے یا غافل ہو جائے تو جب اسے یاد کرے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔

اور اس مضمون کی اور حدیثیں بھی کتبِ احادیث وتفاسیر میں بکثرت ہیں۔ یہ امر بھی مطلق ہے اور نماز بھی مقید نہیں تو ہر ایسے وقت میں پڑھ سکتا ہے جس میں شرعاً کوئی ممانعت نہ ہو اور چونکہ نصف النہار حقیقی سے پہلے نماز عید سے منع نہیں فرمایا گیا تو یقیناً جائز ہوگی۔ اور اسی آیت کی دلالۃ النص سے یہ بھی یقیناً ثابت ہے کہ اگر کسی واقعی عذر کی وجہ سے نماز میں دیر ہو جائے تو وقت کے آخری حصہ میں بھی ادا کرنا جائز ہے وذا ظاہر من ان یظہر۔

۴- أَرَأَيْتَ الَّذِی يَنْهٰى ۝ عَبْدًا إِذَا صَلّٰى ۝ (سورۃ العلق)

ان دو آیتوں میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کی مذمت ہے لہذا کسی وقت میں کسی شخص کو نماز پڑھنے سے جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع نہ کیا ہو، اپنی طرف سے منع کرنا ناجائز ہے وحیث لامنع عن صلوۃ العیدین فی الضحوہ لکبری فتجوز ولا یجوز ان یمنع عنہا۔

Marfat.com

الاحادیث المنیفة

۱۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تین ساعتیں ایسی ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان میں نماز پڑھنے سے یا اپنے مردوں کو ان میں دفن کرنے سے منع فرماتے تھے۔ جب سورج چمکتا ہوا طلوع ہوتا ہے حتی کہ بلند ہو جائے اور حین یقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس جب کھڑا ہو جاتا ہے دوپہر کا کھڑا ہونے والا حتی کہ سورج ڈھلے۔ اور جب جھکے سورج غروب کے لئے حتی کہ غروب ہو جائے۔ (صحیح مسلم ص۲۷۶ جلد۱ اصح المطابع، سنن ابی داؤد ص۴۵۴ اصح المطابع، نسائی ص۹۵، ص۲۸۳ جلد مجتبائی)۔ ترمذی ص۱۶۷ اصح المطابع، ابن ماجہ ص۴۸۷ جلد۱، شرح معانی الآثار طحاوی ص۹۰ جلد۱ حیبیہ دہلی۔ ابوداؤد طیالسی ص۱۳۵ دائرۃ المعارف۔ بیہقی ص۴۵۴ جلد۲ دائرۃ المعارف، دارمی ص۲۷۴ جلد۱ طبع المدینۃ المنورۃ۔

امام محی السنۃ نووی شرح میں فرماتے ہیں قوله حين يقوم قائم الظهيرة الظهيرة حال استواء الشمس و معناه حين لا يبقى للقائم فى الظهيرة ظل فى المشرق ولا فى المغرب۔ لسان العرب ص۵۰۰ جلد۱۲ طبع بیروت، نہایہ ص۳۲ جلد۳ طبع مصر، الدر النثیر ص۳۲ جلد۳ طبع مصر میں ہے قام قائم الظهيرة اى قيام الشمس وقت الزوال من قولهم قامت به دابته اى وقفت والمعنى ان الشمس اذا بلغت وسط السماء ابطأت حركة الظل الى ان تزول فيحسب الناظر المتامل انها قد وقفت وهى سائرة لكن سيرا لا يظهر له اثر سريع كما يظهر قبل الزوال وبعده ويقال لذلك الوقوف المشاهد قام قائم الظهيرة۔ مرقاۃ ص۴۲ جلد۳ امدادیہ ملتان، میں ہے قلت هذا هو المعتمد قال الطيبى الشمس اذا بلغت وسط السماء ابطأت حركة الظل الى ان تزول فيتخيل للناظر المتامل انها وقفت وهى سائرة قلت قال تعالىٰ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ واللہ تعالىٰ اعلم

Marfat.com

بالصواب قال النووی معناه حین لا یبقی للقائم فی الظهیرة ظل فی المشرق والمغرب قال ابن حجر الظهیرة هی نصف النهار و قائمها اما الظل و قیامه وقوفه من قامت به دابته وقفت والمراد بوقوفه بطؤ حرکته الناشئ عن بطئ حرکة الشمس حینئذٍ باعتبار ما یظهر للناظر ببادی الرأی و الا فهی سائرة علی حالها و اما القائم فیها لانه حینئذ لا یمیل له ظل الی جهة المشرق و لا الی جهة المغرب انتهی ما فی المرقات۔ *زہرالربی شرح سنن نسائی للسیوطی علیہ الرحمۃ ص۹۵ جلد ا میں ہے* قائم الظهیرة قائم الظل الذی لا یزید ولا ینقص فی رأی العین و ذلک یکون منتصف النهار حین استواء الشمس وقال فی النهایة ای قیام الشمس فی وقت الزوال الخ *شرح سندھی علی النسائی ص۹۵ جلد ا میں ہے* ای الذی یقف عادة عند الظهیرة حسب ما یری ویظهر فان الظل عند الظهیرة لا یظهر له حرکة سریعة حتی یظهر بمرأی العین انه واقف۔ *نیز اسی شرح سندھی ص۲۸۳ جلد ا میں ہے* ای یقف ویستقر الظل الذی یقف عادة فی الظهیرة حسب ما یبدو فان الظل عند الظهیرة لا یظهر له حرکة سریعة حتی یظهر بمرأی العین انه واقف وهو سائر حقیقة والمراد عند الاستواء اھ۔ *یونہی شروحِ صحیح بخاری کرمانی ص۳۰ جلد۴، فتح الباری ص۴۸۷ جلد۲، عینی ص۵۶۲ جلد۲، قسطلانی ص۳۰ جلد۲۔ سندھی علی البخاری ص۱۸۳ جلد۲ میں بھی ذرا اختصار سے ہے۔*

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ عین دوپہر کے وقت جب سورج وسط آسمان میں پہنچتا ہے تو سائے کی حرکت سورج ڈھلنے تک آہستہ ہو جاتی ہے تو غور کرنے والے کو بھی یہ گمان ہوتا ہے کہ سورج ٹھہر گیا ہے حالانکہ وہ چل رہا ہوتا ہے مگر اس چلنے کا ایسا ظہور نہیں ہوتا جیسے زوال سے پہلے اور پیچھے ظاہر ہوا کرتا ہے اور سورج کے اس ٹھہر جانے کو جو صرف ظاہری نظر سے معلوم ہوتا ہے قام قائم الظهیرہ کہا جاتا ہے اور اس وقت کھڑا ہونے والے کا سایہ مشرق کی طرف باقی نہیں رہتا اور نہ ہی مغرب کی طرف

Marfat.com

ہوتا ہے یعنی سورج وسطِ سماء میں سر کے اوپر برابر ہوتا ہے۔ مرقاۃ میں فرمایا و ذلک کلہ کنایۃ عن وقت استواء الشمس فی وسط السماء طحطاوی علی المراقی ص۱۰۹ طبع مصر میں اس حدیث کے ماتحت فرمایا وھو وقت الاستواء فالمعنی عند استوائھا حتی تزول تبیین الحقائق ص۸۰ طبع مصر میں ہے اذا وقف ای الظل ولم ینقص ولم یزد فھو قیام الظھیرۃ۔ اس کا حاصل بھی وہی ہے۔ اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ نصف النہار حقیقی یعنی جس وقت سورج سر پر ہو صرف اسی وقت نماز ناجائز ہے اور اس سے پہلے ناجائز نہیں۔

۲۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث طویل میں ہے کہ محبوبِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کی نماز پڑھو، پھر نماز سے رک جاؤ حتے کہ سورج طلوع کرے اس حد تک کہ بلند ہو جائے۔ اس لئے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع کرتا ہے اور اس وقت کافر سورج کے لئے سجدہ کرتے ہیں ثم صل فان الصلوٰۃ مشھودۃ محضورۃ حتی یستقل الظل بالرمح ثم اقصر عن الصلوٰۃ فان حینئذ تسجر جھنم "پھر نماز پڑھو اس لئے کہ نماز مشہودہ محضورہ ہے یعنی فرشتے اس نماز میں حاضر ہوتے ہیں اس حد تک کہ سایہ نیزے کے ساتھ مستقل ہو جائے پھر نماز سے بند ہو جاؤ اس لئے کہ اس وقت جہنم بھڑکایا جاتا ہے پس جس وقت سایہ ڈھلے تو نماز پڑھو اس لئے کہ وہ نماز مشہودہ محضورہ ہے حتیٰ کہ عصر پڑھو پھر نماز سے بند ہو جاؤ حتیٰ کہ سورج ڈوب جائے اس لئے کہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ڈوبتا ہے اور اس وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں۔" (مسلم شریف ص۲۷۶ جلد۱، سننِ بیہقی ص۴۵۵ جلد۲) علامہ نووی فرماتے ہیں معنی یستقل الظل بالرمح ای یقوم مقابلہ فی جھۃ الشمال لیس مائلا الی المغرب ولا الی المشرق وھذہ حالۃ الاستواء و نقل عنہ القاری علیہ الرحمۃ فی المرقاۃ ص۳۲۳ مقررا۔

مجمع البحار کشوری ص۱۶۸ جلد۳ میں ہے بمعنی یرتفع الظل معہ ولا یقع منہ علی الارض شیئ او الباء بمعنی فی ای یرتفع فی الرمح۔ او تکملہ مجمع البحار ص۱۴۷ میں ہے یرتفع الظل معہ ولا یقع علی الارض منہ شئ من استقلت السماء

Marfat.com

ارتفعت الخ اور یونہی مرقات صـ۴۳ جلد ۳ میں بھی ہے۔ نیز مرقات میں ہے ای حتی یرتفع الظل مع الرمح او فی الرمح و لم یبق علی الارض منه شئ۔ نیز اسی میں ہے قال ابن الملك یعنی لم یبق ظل الرمح۔ نیز مجمع البحار صـ۱۶۸ جلد ۳، نہایہ صـ۳۰۸ جلد ۳، الدر النثیر صـ۳۰۸ جلد ۳ میں بالفاظ متقاربہ ہے و النظم من النهایة ای حتی یبلغ ظل الرمح المغروس فی الارض ادنی غایة القلة و النقص لان ظل کل شئ فی اول النهار یکون طویلا ثم لا یزال ینقص حتی یبلغ اقصره و ذلك عند انتصاف النهار۔ نیز نہایہ اور مجمع میں ہے و النظم منها و هذا الظل المتناهی فی القصر هو الذی یسمی ظل الزوال ای الظل الذی نزول الشمس عن وسط السماء و هو موجود قبل الزوال۔ نیز مرقات میں فرمایا و روی حتی یستقل الرمح بالظل ای یرفع الرمح ظله فالباء للتعدیة و علی الروایتین هو مجاز عن عدم بقاء ظل الرمح علی الارض و ذلك یکون فی وقت الاستواء۔

ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حتی یستقل الظل بالرمح سے مراد یہ ہے کہ ایسا نیزہ جس کو زمین میں بالکل سیدھا گاڑ دیا جائے اور سورج کے بلند ہوتے ہونے اس کا سایہ مغرب کیطرف سے کم ہوتا ہوتا بالکل مٹ جائے اور مغرب و مشرق دونوں سمتوں میں سایہ نہ ہو تو یہ وقت نماز منع ہونے کا ہے۔ البتہ اس وقت صرف شمال کی طرف ہی عموماً سایہ رہتا ہے جس کو ظل الزوال یا فیئ الزوال کہا جاتا ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور ان کے حوالی میں بعض دنوں میں نہیں پایا جاتا۔

حدیث پاک میں بالخصوص نیزے اور سائے کا ذکر اس لئے فرمایا کہ عرب کی عادت تھی کہ وقت کی پہچان کے لئے اپنے نیزوں کو زمین میں سیدھا گاڑ دیتے تھے پھر ان کا سایہ دیکھتے تھے۔ مرقاۃ صـ۴۳ جلد ۳ میں ہے و تخصیص الرمح بالذکر لان العرب کانوا اذا ارادوا معرفة الوقت رکزوا رماحهم فی الارض ثم نظروا الی ظلها۔ اور نہایہ، در نثیر، مجمع البحار کی مذکورہ عبارت میں ظل الرمح المغروس فی الارض الخ میں بھی اسی عادتِ عرب کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ایسی عوامی واضح گھڑی ہے جس میں کسی کمی بیشی کا احتمال تک بھی نہیں، اس کی چال

Marfat.com

ہر وقت صحیح رہتی ہے اور بالکل عام فہم ہے۔ الحاصل اس حدیث پاک سے امس وشمس کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ صرف نصف النہار حقیقی کے وقت ہی نماز ناجائز ہے اور اس سے پہلے ضحوۂ کبری میں جو نماز پڑھی جائے وہ جائز و مقبول ہے۔ اس نماز کے لئے رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں نیز اسی حدیث میں سنن ابوداؤد ص۱۸۱ جلد ۱، سنن بیہقی ص۴۵۵ جلد ۲ میں حتی یستقل الظل بالرمح کے عوض حتی یعدل الرمح ظلہ ہے۔ اس کا حاصل معنی بھی وہی ہے۔ اور سنن ابن ماجہ ص۳۹۶ میں اسی حدیث میں حتی یقوم العمود علی ظلہ ہے جو معنی مذکور کی اور زیادہ وضاحت کرتا ہے۔ نیز اسی حدیث شریف میں ثم صل فان الصلوٰۃ مشہودۃ محضورۃ کی بجائے سنن ابوداؤد اور سنن بیہقی کی دوسری روایت میں صل ماشئت فان الصلوٰۃ مشہودۃ مکتوبۃ ہے۔ ابن ماجہ میں ثم صل ما بدا لک ہے، ان کلماتِ مبارکہ ثم صل ماشئت اور ما بدا لک میں ضحوۂ کبرے میں جوازِ نماز اور عمومِ نماز کی تصریح ہے۔

۳۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر سوال کیا کہ رات اور دن کے وقتوں میں کیا کوئی ایسا وقت ہے جس میں نماز مکروہ ہو؟ تو حضور نے فرمایا ہاں جس وقت صبح کی نماز پڑھو تو سورج کے طلوع تک نماز نہ پڑھو اس لئے کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع کرتا ہے ثم صل فالصلوٰۃ محضورۃ متقبلۃ حتی تستوی الشمس علی رأسک کالرمح فاذا کانت علی رأسک کالرمح فدع الصلوٰۃ فان تلک الساعۃ تسجر فیہا جہنم و تفتح فیہا ابوابہا حتی تزیغ الشمس عن حاجبک الایمن۔ یعنی بعد ازاں نماز پڑھو اس لئے کہ وہ نماز محضورہ متقبلہ ہے حتی کہ سورج تمہارے سر پر نیزے کی طرح برابر ہو جائے پس جب تمہارے سر پہ نیزے کی طرح ہو تو نماز چھوڑ دو، اس لئے کہ بیشک وہ ایسا وقت ہے جس میں جہنم بھڑکایا جاتا ہے اور اس کے دروازے کھولے جاتے ہیں حتی کہ سورج تمہارے دائیں ابرو سے ڈھل جائے۔ پس جس وقت ڈھل جائے تو اس وقت کی نماز محضورہ متقبلہ ہے حتی کہ عصر پڑھو، پھر نماز چھوڑ دو سورج ڈوبنے تک" (ابن ماجہ طبع مصر ص۳۹۷) یہی حدیث مستدرک حاکم ص۴۱۵ دائرہ معارف اور سنن بیہقی ص۴۵۵ ج ۲ طبع الدائرہ میں بالکل انہی کلماتِ مبارکہ کے ساتھ ملتی جلتی ہے جس کے متعلق حاکم نے فرمایا صحیح الاسناد اور علامہ ذہبی نے فرمایا صحیح،

Marfat.com

اور یونہی مسند امام احمد ص۳۱۲ ج۴ طبع بیروت اور مجمع الزوائد طبع بیروت ص۲۲۴ ج۲ میں ہے جس کے کلمات متعلقہ یہ ہیں فاذا طلعت فصل فان الصلوٰۃ محضورۃ متقبلۃ حتی تعتدل علی رأسک مثل الرمح الخ اور اسکے متعلق مجمع میں فرمایا رواہ عبد اللہ فی زیاداتہ فی المسند ورجالہ رجال الصحیح الخ نیز مجمع الزوائد ص۲۲۷ جلد ۲ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے جس میں فاذا دنت للزوال فارنہا ہے قال فی المجمع رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون۔ اس حدیث پاک سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے کہ عین دوپہر کے وقت نماز ناجائز ہے اور اس سے پہلے جائز اور ایسی مقبول ہے کہ اس کے لئے فرشتے حاضر ہوا کرتے ہیں۔

۴۔ مسند امام احمد بن حنبل ص۲۳۵ جلد ۴ حضرت مرہ بن کعب یا کعب بن مرہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ ان کے سوال پر حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز مقبول ہے صبح کی نماز ادا کرنے تک پھر نماز (نفل) نہیں حتی کہ سورج طلوع کرے اور ایک یا دو نیزے کے قدر ہو جائے ثم الصلوٰۃ مقبولۃ حتی یقوم الظل قیام الرمح ثم لا صلوٰۃ حتی تزول الشمس یعنی ایک دو نیزہ سورج بلند ہونیکے بعد نماز مقبول ہے حتی کہ سایہ نیزہ کے کھڑا ہونے کی طرح کھڑا ہو جائے (سایہ مشرق و مغرب میں نہ ہو) پھر نماز نہیں حتی کہ سورج ڈھلے پھر نماز مقبول ہے حتی کہ عصر پڑھی جائے پھر سورج کے غروب ہونے تک نماز نہیں۔ پھر اسی مسند طبع مصر کے ص۳۴۴ ج۴ میں حضرت کعب بن مرہ سے بغیر کسی شک کے بعینہا یہی کلمات مبارکہ ثم الصلوٰۃ مقبولۃ الخ ہیں اور مجمع الزوائد ص۲۲۵ ج ۲ میں اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد ہے رواہ احمد من طریقین احدہما ہذہ والاخری عن سالم عن رجل عن کعب بن مرۃ البہزی من غیر شک وقال حتی یصلی الصبح بدل حتی یطلع الصبح وکذلک رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح الا ان الاسناد الثانی فیہ رجل لم یسم۔

۵ حضرت عبد اللہ الصنابحی سے ہے (جو صحابی ہیں یا جلیل القدر تابعی) کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک سورج طلوع کرتا ہے حالانکہ اس کے ساتھ قرن شیطان ہوتا ہے پس جب بلند ہو تو الگ ہو جاتا ہے پھر اذا استوت قارنہا "جس وقت استوار کرے (یعنی بالکل سر پر آجائے) تو اس کے نزدیک ہو جاتا ہے پس جس وقت ڈھل جائے تو الگ ہو جاتا ہے پھر جس وقت غروب سے قریب ہو جائے تو نزدیک ہو جاتا ہے پس جس وقت ڈوب جاتے تو الگ ہو جاتا ہے ونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلوٰۃ فی تلک الساعات اور حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

Marfat.com

ان وقتوں میں نماز سے منع فرمایا رواہ الامام مالک فی الموطا (طبع رحیمیہ) ص۸۲ و الامام محمد فی الموطا (طبع یوسفی) ص۱۴۵ والبیہقی فی السنن ص۴۵۴ جلد ۲ والامام الشافعی فی الام (طبع مصر) ص۱۳۷ مسند امام احمد ص۳۴۸ ج۴ ابن ماجہ ص۳۹۷ جلد ۱ میں اسی حدیث میں اذا استوت قارنہا کی بجائے فاذا کانت فی وسط السماء قارنہا ہے جو استواء کا معنی اور زیادہ واضح کر رہا ہے۔ ابن ماجہ کے محشی نے لکھا ہے فی الزوائد اسنادہ مرسل و رجالہ ثقات۔ نیز زرقانی شرح موطا طبع مصر ص۴۶ جلد ۱ میں ہے ان الحدیث صحیح بلاشک اذ رواتہ ثقات مشاهیر و علی تقدیر انہ مرسل فقد اعتضد باحادیث عقبۃ و عمرو وقد صححہما مسلم کما رأیت و بحدیث ابی ھریرۃ۔ نیز اسی میں ہے قال یحیی بن معین عبداللہ الصنابحی روی عنہ المدنیون یشبہ ان لہ صحبۃ وقال ابن السکن یقال لہ صحبۃ مدنی اور یونہی تہذیب التہذیب ص۹۱، ۹۲ جلد ۶ دائرۃ المعارف میں ہے۔ اور جس طرح ان کے صحابی یا تابعی ہونے میں اختلاف ہے یونہی ان کے نام میں بھی اختلاف ہے کہ عبداللہ ہے یا عبدالرحمٰن کما فی التہذیب وغیرہ، اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔ ابن ماجہ میں ابوعبداللہ ہے اور باقی حضرات کی روایت میں عبداللہ ہے مگر یہ اختلاف قطعاً مضر نہیں کہ تقدیر صحابیت پر تو ظاہر ہے کہ کوئی حرج نہیں اور یونہی تابعی ہونے کی صورت میں بھی کیونکہ وہ جلیل القدر ہیں۔ تقریب التہذیب میں ہے ثقۃ من کبار التابعین۔ اور یہ تو مسلم ہے کہ المرسل حجۃ عندنا اور اسماء و عنوانات کا اختلاف جبکہ معنون و مسمی ایک ہو قطعاً مضر نہیں، اور زرقانی نے اس حدیث کی تصحیح بالتفصیل کی ہے کما مر وقد استدل بہ فقہاءنا العظام کما فی المبسوط و البدائع والفتح والکبیری فعلیہ الاعتماد۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کنا ننھی عن الصلوۃ عند طلوع الشمس وعند غروبہا و نصف النہار رواہ الطحاوی فی شرح معانی الآثار ص۹۰ جلد ۱ رحیمیہ، نیز مجمع الزوائد ص۲۲۵ جلد ۲ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے واذا انتصف النہار فتحت لہا ابواب جہنم رواہ الطبرانی فی الکبیر و

Marfat.com

اسنادہ حسن۔ اس نصف النہار سے بھی نصف النہار حقیقی ہی مراد ہے لان الاحادیث یفسر بعضہا بعضا۔ بہرحال ان احادیث شریفہ سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ نصف النہار حقیقی کیوقت ہی نماز ممنوع ہے اور نصف النہار حقیقی سے پہلے جائز ہے اور باعثِ ثواب ہے اگرچہ ضحوۂ کبریٰ میں ہی ہو اور یہ حکم عام ہے تو نمازِ عید کو بھی شامل ہے۔

النصوص الفقہیہ

انہی احادیثِ مبارکہ کے حکم سے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نماز نصف النہار حقیقی ہی میں مکروہ تحریمی ہے۔ ہمارے فقہائے عظام نے اس وقت کو چار مختلف عنوانوں سے ذکر فرمایا ہے:

۱۔ عند قیام الشمس فی الظہیرۃ (جو حدیث حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے مستفاد ہے۔)

۲۔ عند استواء الشمس (جو حدیث صنابحی وغیرہ سے مستفاد ہے)

۳۔ عند الانتصاف (جو حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے مستفاد ہے)

۴۔ وقت الزوال (جو حضرت صفوان بن معطل کی روایت طبرانی اور حدیث عقبہ بن عامر (کہ مبسوط وغیرہ میں اس حدیث کے کلمات میں وعند زوالہا حتی تزول ہے) سے ماخوذ ہے)

مختصر القدوری ص۴۲ اصح المطابع، متن ہدایہ مجتبائی ص۶۸ میں ہے لا تجوز الصلوٰۃ عند طلوع الشمس ولا عند قیامہا فی الظہیرۃ ولا عند غروبہا۔ ہدایہ میں فرمایا لحدیث عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ثلاث اوقات نہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نصلی وان نقبر فیہا موتانا الخ وقررہ فی فتح القدیر ص۲۰۳ جلد ا طبع مصر بذکر حدیث عقبۃ والصنابحی وایضا قررہ فی الکفایۃ والعنایۃ شرحی الہدایۃ ص۲۰۳ جلد ا طبع مصر والجوہرۃ النیرۃ ص۴۳ جلد ا۔ نیز فتاویٰ سراجیہ ص۹ میں ہے عند طلوع الشمس وقیام الظہیرۃ والغروب۔ وقایہ مع الشرح طبع غلام رسول لاہور ص۱۳۱ جلد ا، نقایہ مطبوع مع جامع الرموز کشوری ص۵۳ میں ہے عند طلوعہا وقیامہا و

٭ الحصر اضافی بالنسبۃ الی الضحوۃ الکبریٰ ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

غروبہا۔ شرح وقایہ ص۱۳۱ جلد ا میں ہے و اما سائر الصلوات فلا یجوز فی الاوقات الثلاثۃ لحدیث النہی۔ بدائع صنائع ص۲۹۵،۲۹۰ جلد ا طبع مصر میں ہے والثانی عند استواء الشمس فی السماء ... اور احادیث حضرت عقبہ او صنابحی سے استدلال فرمایا ... میں الانہر ص... غرر درر ص۵۱ طبع دار السعادۃ۔ ملتقی الابحر ص۳۳ مطبوع عامرہ مصر، مع شرحین میں ہے والنصف منہ عند الطلوع والاستواء والغروب۔ ملتقی الابحر ص۳۳ میں فرمایا ای وقت وقوف الشمس فی نصف النہار۔ درر میں فرمایا للنہی الوارد عنہ فی الحدیث۔ عینی شرح کنز ص۱۹۔ تبیین الحقائق ص۸۰ جلد ا میں حدیث حضرت عقبہ بن عامر سے استدلال فرمایا۔ بحر الرائق ص۲۴۹ جلد ا طبع مصر میں فرمایا لما رواہ الجماعۃ الا البخاری من حدیث عقبۃ بن عامر الجہنی رضی اللہ تعالی عنہ پھر فرمایا والنہی فی حدیث عقبۃ من الاول فکان یثبت بہ کراہۃ التحریم بعدازاں حدیث صنابحی سے بھی استدلال فرمایا۔ نور الایضاح اور مراقی الفلاح ص۱۰۹ طبع مصر مع حاشیۃ الطحطاوی میں ہے (و) الثانی (عند استوائہا) فی بطن السماء (الی ان تزول) علامہ طحطاوی نے فرمایا وعلامتہ ان یمتنع الظل عن القصر ولا یاخذ فی الطول۔ پھر مراقی میں حضرت ابن عامر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے استدلال فرمایا جس میں ہے وعند زوالہا طحطاوی نے اس کی شرح میں فرمایا ای قرب زوالہا وھو وقت الاستواء فالمعنی عند استوائہا حتی تزول۔ کبیری شرح منیہ ص۲۲۲ میں ہے عند طلوع الشمس واستوائہا وغروبہا۔ تنویر الابصار ص۴۴ مطبوع مع الدر طبع احمدی میں ہے مع شروق واستواء وغروب۔ طحطاوی علی الدر ص۱۸۰ جلد ا طبع مصر میں ہے: قولہ واستواء ای استواء الشمس فی کبد السماء۔ اور طحطاوی ص۱۷۳ جلد ا میں کبد السماء کی تفسیر یہ ہے ای وسط السماء بحسب ما یظہر لنا فتاوی قاضی خان ص۳۵ کشوری، خلاصۃ الفتاوی ص۶۸ مطبوعہ قصہ خوانی بازار پشاور میں ہے وعند الانتصاف الی ان تزول الشمس۔ نیز خلاصۃ الفتاوی ص۶۸، منیۃ المصلی ص۲۶ میں ہے والمنظم من الخلاصۃ الصلوۃ فی وقت طلوع الشمس والزوال

Marfat.com

والغروب یکرہ ۔ فتاوےٰ عالمگیر ص۵۲ میں ہے الاوقات المکروھۃ من الزوال و تغیر الشمس للغروب او طلوعھا۔ کبیری ص۲۳۵ میں حضرت عقبہ بن عامر اور صنابحی کی حدیثوں سے استدلال فرمایا ہے۔

ان نصوصِ فقہیہ سے ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی طرح نمایاں ہو رہا ہے کہ ہر قسم کی نمازیں اوقاتِ ثلاثہ میں مکروہ تحریمی ہیں اور نصف النہار میں یہ کراہت صرف اس وقت ہے جب کہ سورج اور سایہ قائم معلوم ہوتے ہیں اور سورج وسطِ سما میں سر پر ہوتا ہے جبکہ مشرق یا مغرب میں سایہ بالکل نہیں ہوتا جیسے کہ احادیث شریفہ سے ثابت ہوتا ہے۔ احادیث اصول ہیں اور نصوصِ فقہیہ فروع اور کوئی فرع اپنے اصل کے خلاف نہیں ہوتی تو یوں بھی نصف النہار حقیقی ہی میں کراہت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی پرظاہر کہ روایاتِ فقہیہ میں تخصیص بالذکر مذکور کے ماسوا سے حکم کی نفی کرتی ہے۔ شرح الوقایہ مجتبائی ص۴۷ جلد۲ میں ہے لا خلاف فی ان التخصیص بالذکر فی الروایات یدل علی نفی الحکم عما عداہ لہٰذا ضحوۂ کبرےٰ میں جواز ثابت ہوا اور ضحوۂ کبرےٰ میں کراہت کا حکم کسی کتاب میں ہرگز ہرگز نہیں۔ اور قنیہ و قہستانی غیر معتبر ہیں اور کسی متاخر کا احتمالی عنگ میں کہنا جس کا مبنیٰ ہی غلط ہو، حکم نہیں بن سکتا کما سیجیئ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ نصوصِ فقہیہ تو عام ہیں اور ہر قسم کی نماز کے متعلق ہیں۔ اب نمازِ عید کے متعلق بالخصوص نصوصِ فقہیہ پیش کی جاتی ہیں اور چونکہ اس مسئلہ میں عید اور باقی نمازوں کا ایک ہی حکم ہے تو اس لحاظ سے پہلی نصوص کی طرح ان سے بھی تمام نمازوں کا وہی حکم عام ثابت ہو رہا ہے جو سب نمازوں کو شامل ہے یعنی وقتِ استوا میں کوئی نماز بھی جائز نہیں اور اس سے پہلے جائز ہیں۔

بدائع صنائع ص۲۷۶ جلد۱، فتاویٰ قاضی خان ص۸۸، خلاصۃ الفتاوےٰ ص۲۱۴ جلد۱، سراجیہ ص۱۸ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم من البدائع وقت صلوٰۃ العید من حین تبیض الشمس الی ان تزول۔ کنز الدقائق ص۵۰ طبع الٰہی بخش لاہور مع تقریر الشروح، ملتقی الابحر مع تقریر الشرحین ص۱۷۱ جلد۱، نور الایضاح مع تقریر الشرح والحاشیہ ص۳۲۰، وقایہ مع تقریر الشرح ص۲۰۳ جلد۱، نقایہ مع تقریر القہستانی ص۱۳۰، قہستانی ص۲۰ میں ہے والنظم من الکنز وقتہا من ارتفاع الشمس الی زوالہا۔ قدوری مع تقریر الجوہرۃ ص۱۱۲ جلد۱، غرر مع تقریر الدرر ص۱۴۳ جلد۱،

Marfat.com

تنویر الابصار مع تقریر الدر والشامی ص۴۷۹ ، متن ہدایہ مع تقریر الہدایہ ص۱۵۳ جلد۱ ، فتح القدیر ص۴۲ جلد۲ ، بحر الرائق ص۱۶۳ جلد۲ ، شامی ص۴۷۷ وغیرہ میں ہے اذا حلت الصلوٰۃ بارتفاع الشمس دخل وقتھا الی الزوال ۔ مراقی الفلاح میں (الی) قبیل (زوالھا) ہے ۔ قہستانی ، درالمختار ، طحطاوی علی الدر ص۳۵۴ ، شامی ص۴۷۹ جلد۱ ، ملتقی الابحر ص۱۷۳ جلد۱ میں ہے ای الی ما قبل زوال الشمس والغایۃ غیر داخلۃ فی المغیا بقرینۃ ما مر ان الصلوٰۃ الواجبۃ لم تجز عند قیامھا ۔ شامی ص۴۷۹ جلد۱ ، طحطاوی ص۳۵۴ جلد۱ میں ہے وھذا یرشد الی ان المراد بالزوال الاستواء واطلق علیہ للمجاورۃ ۔ قدوری ، جوہرہ ص۱۱۲ جلد۱ ، درالمنتقی ص۱۷۳ جلد۱ ، درالمختار شامی ص۴۷۹ جلد۱ ، طحطاوی ص۳۵۴ جلد۱ ۔ بحر الرائق ص۱۶۱ جلد۲ میں ہے فاذا زالت الشمس خرج وقتھا امام طحاوی شرح معانی الآثار ص۲۲۷ جلد۱ میں فرماتے ہیں 'اخرہ زوال الشمس وکل قد جمع علی انھا اذا لم تصل یومئذ حتی زالت الشمس لا تصلی بقیۃ یومھا ۔ اور یونہی اور بھی صدہا جزئیاتِ فقہیہ اس کی صریح دلیل ہیں جن میں " زوال ، زالت ، تزول الشمس " کے الفاظ ہیں مثلاً شہادت زوال کے بعد آئی یا زوال سے پہلے ایسے وقت میں آئی کہ نمازی جمع نہ ہو سکیں یا ابر تھا اور سلام کے بعد ظاہر ہوا کہ نماز بعد زوال کے ہوئی ، تو دوسرے دن پڑھے ، یا امام نے بلا وضو نماز پڑھی اور زوال سے پہلے علم ہوا تو اعادہ کرے اور بعد کو ہو تو دوسرے دن پڑھے اور یونہی ذبح قربانی وغیرہ کے جزئیات جو متفرق طور پر قدوری ، عالمگیر ، جوہرہ نیرہ ، صغیری ، کبیری ، غرر ، نور الایضاح ، درالمختار ، طحطاوی ، شامی ، قہستانی ، قاضی خان ، ہدایہ ، تبیین الحقائق وغیرہا کتبِ فقہیہ میں مذکور ہیں والنظم من الھندیۃ تؤخر صلوٰۃ عید الفطر بعد الزوال الی الغد اذا منعھم من اقامتھا عذر بان غم علیھم الھلال وشھد عند الامام بعد الزوال او قبلہ بحیث لا یمکن جمع الناس قبل الزوال او صلاھا فی یوم غیم فظھر انھا وقعت بعد الزوال نیز اسی میں ہے ومن ذبح بعد العلم لا یجوز ذبحہ حتی تزول الشمس اور اس زوال سے مراد استواء ہے جو حقیقی زوال کے قبل یا قبیل ہوتا ہے ، مجاورت کے لئے مجازاً استواء کو زوال سے تعبیر کیا گیا اور اس

Marfat.com

استواء سے مراد نصف النہار حقیقی ہی ہے کہ استوار کا حقیقی معنی وہی ہے اور مجاز کا سلسلہ یوں نہیں چلتا کہ زوال سے مراد استوار اور استوار سے مراد ضحوۂ کبرے ہو کما سیتضح فی مسئلۃ نیۃ الصوم ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چودہویں صدی سے پہلے کی کسی کتابِ فقہ میں بالتخصیص یہ نہیں ملا کہ انتہائے وقتِ عید ضحوۂ کبریٰ ہے یا استوار و زوال ہے جو بمعنے ضحوۂ کبرے ہے۔ نیز ہمارے فقہائے کرام کی عادتِ مستمرہ ہے کہ ایسے مواضع میں بعض حضرات ضرور متنبہ فرما دیا کرتے ہیں چنانچہ روزۂ ماہِ رمضان اور نذرِ معین و نفل کے وقت نیت کے متعلق قدوری وغیرہ کتبِ معتمدہ و معتبرہ میں ہے کہ زوال تک جائز ہے چنانچہ قاضی خان ص۹۵، بدائع صنائع ص۸۵ جلد۲، قدوری ص۶۹، خلاصۃ الفتاوے ص۲۵۱ جلد۱ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم من القدوری فان لم ینو حتی اصبح اجزأتہ النیۃ ما بینہ و بین الزوال تواس پر ہدایہ ص۱۹۱،۱۹۲ جلد۱، فتح القدیر ص۲۳۷ جلد۲، غرر ص۱۲۷ جلد۱، وقایہ شرح الوقایہ ص۳۰۵ جلد۱، بحر الرائق ص۲۶۰ جلد۲، تبیین الحقائق ص۳۵۱ جلد۱، نور الایضاح، مراقی، طحطاوی ص۳۸۸، ص۳۸۹، شامی ص۱۱۶ جلد۲، منحۃ الخالق، بحر الرائق ص۲۶۰ جلد۲ وغیرہا میں ہے والنظم من الشامی وعدل عن تعبیر القدوری والمجمع وغیرھما بالزوال لضعفہ لان الزوال نصف النھار من طلوع الشمس و وقت الصوم من طلوع الفجر کما فی البحر عن المبسوط قال فی الھدایۃ وفی الجامع الصغیر قبل نصف النھار وھو الاصح لانہ لابد من وجود النیۃ فی اکثر النھار و نصفہ من وقت طلوع الفجر الی وقت الضحوۃ الکبریٰ لا وقت الزوال فتشترط النیۃ قبلھا لتتحقق فی الاکثر وفی شرح الشیخ اسمٰعیل وممن صرح بانہ الاصح فی العتابیۃ والوقایۃ وعزاہ فی المحیط الی السرخسی وھو الصحیح کما فی الکافی والتبیین۔

دیکھئے پہلے قول کا بلا حجاب رد کر رہے اور دوسرے قول (کہ ضحوۂ کبرے تک نیت کا وقت ہے) کو اصح بلکہ صحیح فرما رہے ہیں مگر نمازِ عید یا دوسری نمازوں کے متعلق ایسی تصریح کسی ایک معتمد کتاب میں بھی نہیں

Marfat.com

اور بالخصوص عید کے متعلق تو بکثرت " الی الزوال " کا لفظ ہی ہے بلکہ قہستانی تک بھی " الی الزوال " ہی کہہ رہے ہیں کما مر اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ " الی الزوال " صحیح نہیں بلکہ " الی الضحوۃ الکبریٰ " صحیح یا اصح یا اولیٰ ہے بلکہ اشارۃً تک بھی نہیں کیا بلکہ لطف یہ ہے کہ کسی ایک نے بھی مسئلہ روزہ میں یوں تطبیق نہیں کی کہ زوال سے مراد ضحوۂ کبرےٰ ہے اور یہ ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ ضحوۂ کبرےٰ اور زوال کے درمیان کافی انفصال ہے تو مجاورت برائے نام بھی نہیں بلکہ تصریح فرماتے ہیں کہ قبل الزوال کا معنی ضحوۂ کبرےٰ نہیں بن سکتا۔ مبسوط صلا جلد ۳ میں ہے واذا نوی قبل الزوال لم یوجد ھذا المعنی لہٰذا زوال اور نصف النہار والی دو عبارتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے صاف صاف فرمارہے ہیں کہ نیتِ روزہ کے متعلق " الزوال " کہنا غیر اولیٰ، غیر اصح، ضعیف، غیر صحیح ہے تو مسئلہ نماز میں یہ تطبیق کہ " الزوال " سے مراد ضحوۂ کبریٰ ہے، کیسے ہو سکتی ہے اور پھر کسی نے یہ لکھا بھی نہیں کہ زوال سے مراد ضحوۂ کبرےٰ یا حقیقی نصف النہار ہے۔

نیز مسئلۂ روزہ میں اس اختلاف کی بنا اس پر ہے کہ عمل کی بنا نیت پر ہے جو اول میں ہونی ضروری ہے اور اگر اول میں نہ ہو تو اکثر حصہ میں تو ضرور ہونی چاہیئے اور نہار کے اکثر حصہ میں نیت تب ہی پائی جاتی ہے جبکہ ضحوۂ کبرےٰ سے پہلے ہو کیونکہ نہارِ صوم طلوعِ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور چونکہ یہ مبنیٰ نماز میں جاری نہیں ہو سکتا چنانچہ ہدایہ میں بھی ہے بخلاف الصلوٰۃ والحج، تو بلا وجہ صیام پر نماز کا قیاس کرتے ہوئے ضحوۂ کبرےٰ کو انتہائے وقت قرار دینا مناسب نہیں۔ روزہ کا دن صبح صادق سے شروع ہوتا ہے تو اس کا نصف ضحوۂ کبرےٰ ہے مگر نماز کے یہ اوقاتِ ثلاثہ طلوعِ شمس سے شروع ہوتے ہیں تو ان کے دن کا نصف، نصف النہار حقیقی ہی ہے اور ضحوۃ الکبرےٰ نہیں۔

تنبیہ

مسئلہ روزہ میں ضحوۃ الکبرےٰ اس لفظِ نصف النہار سے مستفاد ہے جو امام محمد علیہ الرحمۃ کی جامع صغیر میں واقع ہے یعنی اس " النہار " سے مراد نہارِ شرعی لیا گیا ہے مگر انہی حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کی جامع کبیر میں وہی لفظِ " الزوال " ہے جو اس پر دال ہے کہ اس " النہار " سے مراد نہارِ عرفی ہے تو اس سے پہلے قول کی تصحیح ہوتی ہے حتی یتفق کلام الامام علیہ الرحمۃ فی

Marfat.com

المسئلة الواحدة ولا يختلفا۔ جامع کبیر ص۵ میں ہے ولو قال للہ علی ان اصوم غداً فاصبح (من الغد) لا ینوی الصوم ثم نواہ قبل الزوال اجزأہ وان نواہ تطوعاً فھو مما اوجبہ اور اندریں صورت "جواز نیت الی الزوال" کا اصل مبنیٰ وہ آیت اور حدیثیں ہیں جو ہمارے فقہائے عظام نے ذکر فرمائی ہیں کما فی البدائع وغیرھا اور یہ مبنیٰ نہیں کہ نہار کے اکثر حصہ میں نیت پائی جائے۔

بہرحال روزہ کے متعلق یہ دو قول ہیں۔ ایک طرف مشائخ کرام کی کثرت ہے تو دوسری طرف قائلین عظام کی عظمت وجلالت۔ پھر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ اگر بالفرض جامع صغیر وجامع کبیر کی عبارتیں متعارض ہوں تو ترجیح اسی کو ہے جو جامع کبیر میں ہے۔ بحر الرائق ص۱۵۷ جلد۲ میں ہے ان الجامع الصغیر صنفہ بعد الاصل فما فیہ ھو المعول علیہ۔ شامی علی الدر ص۶۵ جلد ۱ میں ہے وفی باب العیدین من البحر والنھر ان الجامع الصغیر صنفہ محمد بعد الاصل فما فیہ ھو المعول علیہ ثم قال فی النھر سمی الاصل اصلا لانہ صنف اولا ثم الجامع الصغیر ثم الکبیر ثم الزیادات کذا فی غایۃ البیان۔ اور ثلاثینِ شامی ص۱۹ جلد ۱ میں ہے وقال فی البحر فی باب صلوٰۃ العید عن غایۃ البیان سمی الاصل اصلا لانہ صنف اولا ثم الجامع الصغیر ثم الکبیر ثم الزیادات انتہی وقال ان الجامع الصغیر صنفہ محمد بعد الاصل فما فیہ ھو المعول علیہ انتہی اقول ولذا بعینہ اقول فما فی الجامع الکبیر ھو المعول علیہ۔ تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ روزہ میں بھی نہارِ عرفی کا اعتبار ہے چہ جائیکہ نماز میں معتبر نہ ہو۔

فائدہ

ضحوۂ کبریٰ میں کراہتِ نماز وہ بھی صرف احتمال کے رنگ میں عبد العلی برجندی نے شرح النقایہ میں ذکر کی ہے کما نقل عنہ الشامی فی ص۲۴۴ جلد ۱، اور حموی نے شرح اشباہ ص۵۶۲ میں اس کی نسبت قہستانی کیطرف کی ہے مگر اس میں یہ ملا نہیں۔ اور طحطاوی ص۱۸۰ جلد ۲ میں حموی سے منقول ہے اور قہستانی نے ص۵۴ میں وثوق سے اس کی نسبت ائمہ خوارزم کیطرف کی ہے۔

Marfat.com

اور علامہ شامی نے بھی قہستانی سے اس نسبت کو نقل کیا ہے۔ نیز شامی علیہ الرحمۃ نے اس کے متعلق قنیہ سے بھی نقل کیا ہے۔ علامہ شامی کی پوری عبارت یہ ہے:

وفی شرح النقایۃ للبرجندی قد وقع فی عبارات الفقہاء ان الوقت المکروہ ھو عند انتصاف النہار الی ان تزول الشمس ولایخفی ان زوال الشمس انما ھو عقیب انتصاف النہار بلا فصل وفی ھذا القدر من الزمان لایمکن اداء صلوٰۃ فیہ فلعل المراد انہ لاتجوز الصلوٰۃ بحیث یقع جزء منہا فی ھذا الزمان او المراد بالنہار ھو النہار الشرعی وھو من اول طلوع الصبح الی غروب الشمس وعلیٰ ھذا یکون نصف النہار قبل الزوال بزمان یعتد بہ اسمٰعیل ونوح وحموی وفی القنیۃ واختلف فی وقت الکراھۃ عند الزوال فقیل من نصف النہار الی الزوال لروایۃ ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہی عن الصلوٰۃ نصف النہار حتی تزول الشمس قال رکن الدین الصباغی وما احسن ھذا لان النہی عن الصلوٰۃ فیہ یعتمد تصورھا فیہ وعزا فی القہستانی القول بان المراد انتصاف النہار العرفی الی ائمۃ ماوراء النہر وبان المراد انتصاف النہار الشرعی وھو الضحوۃ الکبریٰ الی الزوال الی ائمۃ خوارزم ص۳۴۳، ۳۴۵ جلد ا فالق السمع واستمع بقلب شہید۔

اوّلاً برجندی نے صرف اس شبہ کی بنا پر کہ نصف النہار حقیقی کا وقت اتنا کم ہے کہ اس میں نماز ادا نہیں ہو سکتی اور "نہی" کا تقاضا ہے کہ ادا ممکن و مقدور ہو صرف ایک احتمال کے رنگ میں "لعل" کے ساتھ دوسرے مرتبہ میں یہ کہا او المراد بالنہار ھو النہار الشرعی تو اس سے

Marfat.com

تمام کتب متقدمین و متاخرین، متون و شروح و فتاوے کا صریح حکم کیسے بدل سکتا ہے۔ برجندی تو برجندی ہیں حضرت ابن ہمام سب جیسے مجتہد حضرات کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کی ایسی ابحاث جو منقول کے خلاف ہوں، معتبر نہیں۔ شامی ص۲۵۵ جلد ۱ میں ہے وقد قال العلامة القاسم لاعبرة بابحاث شيخنا يعنى ابن الهمام اذا خالفت المنقول نیز شامی ص۱۵۱ جلد ۱ میں ہے البحث فى المنقول غير مقبول اور یہ بھی مسلم ہے کہ "ما فى المتون" "ما فى الشروح" پر مقدم ہوتا ہے اور ما فی الشروح مقدم ہوتا ہے ما فی الفتاوے پر، شامی ص۶۶ جلد ۱ میں ہے ما فى المتون مقدم على ما فى الشروح و ما فى الشروح مقدم على ما فى الفتاوىٰ۔ تو ایک شارح برجندی کا محض احتمالی قول تمام متون و شروح و فتاوے پر کیسے مقدم ہو سکتا ہے؟ اور قنیہ و قہستانی تو متون و شروح و فتاوے کے مقابلہ میں کیا آسکتی ہیں جبکہ وہ محض غیر معتبر اور ضعیف اور ساقط الاعتماد ہیں۔ زاہدی مصنف قنیہ معتزلی ہے اور قہستانی اس کا خوشہ چین ہے۔ کشف الظنون ص۱۳۵۷ جلد ۲ طبع تہران میں قنیہ کے متعلق ہے — مشهورة عند العلماء بضعف الرواية و ان صاحبها معتزلى اور قہستانی کے متعلق ص۱۹۷۲ جلد ۲ میں ہے انما كان دلال الكتب فى زمانه ولا كان يعرف بالفقه و لاغيره بين اقرانه و يؤيده انه يجمع فى شرحه هٰذا بين الغث و السمين و الصحيح و الضعيف من غير تحقيق و لاتصحيح و تدقيق فهو كحاطب الليل جامع بين الرطب و اليابس فى النيل۔

یہی علامہ شامی عقود الدریہ ص۳۵۶ جلد ۲ طبع مصر میں فرماتے ہیں نقل الزاهدى لايعارض نقل المعتبرات النعمانية فانه ذكر ابن وهبان انه لايلتفت الىٰ ما نقله صاحب القنية يعنى الزاهدى مخالفا للقواعد مالم يعضده نقل من غيره و مثله فى النهر ايضا۔ نیز اسی میں ہے و القهستانى كجارف سيل و حاطب ليل خصوصا و استناده الىٰ كتب الزاهدى المعتزلى رسائل ابن عابدین ص۱۳ جلد ۱ طبع الآستانہ میں ہے و من الكتب الغريبة ملا مسكين

شامی ص۱۵۵ جلد ۲ کتاب العلم رتبۃ الاجتہاد ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

شرح الکنز والقہستانی لعدم الاطلاع علی حال مؤلفیہما او لنقل الاقوال الضعیفۃ کصاحب القنیۃ۔ اور اس سے پہلے ہے الکتب المتأخرۃ خصوصاً غیر المحررۃ کشرح النقایۃ للقہستانی۔ بعدازاں فرمایا لایجوز الافتاء من ہذہ الکتب الا اذا علم المنقول منہ والاطلاع علی مأخذھا اور یونہی شامی علی الدر ص۶۵ جلد ۲ میں بھی ہے۔ طحطاوی علی الدر ص۴۶ جلد ۱ میں ہے ان القنیۃ لیست من کتب المذہب المعتبرۃ فلا یعارض ما فی الفتح والنہایۃ والعنایۃ اور مسئلہ زیرِ بحث میں تو قنیہ و قہستانی کی نقل صرف فتح و نہایہ و عنایہ کے خلاف نہیں بلکہ جمیع متون و شروح و فتاویٰ متقدمین و متاخرین کے سراسر منافی ہے تو کیونکر معتبر ہو۔

ثانیاً:۔ برجندی کا احتمال اور قنیہ و قہستانی کے نقل صرف لفظِ نصف النہار سے ہی ماخوذ ہیں یعنی وہ " النہار " سے مراد نہارِ شرعی لیتے ہیں حالانکہ ائمہ و مشائخ مذہب کے کلماتِ مبارکہ میں صرف لفظِ نصف النہار ہی نہیں بلکہ الفاظِ "استواء الشمس" اور "قیام قائم الظہیرۃ" اور "وقت الزوال" بھی بکثرت وارد ہیں کما مر، حالانکہ ان سے ضحوۂ کبریٰ مراد نہیں لیا جاسکتا کما مر، اور جب یہ سب کلمات ایک ہی چیز کے متعلق ہیں تو نصف النہار کا ایک ایسا معنیٰ جو ان دوسرے کلمات کے مخالف ہو، کسطرح مراد لیا جاسکتا ہے تو ثابت ہوا کہ وہ احتمال و نقول محض غلط ہیں اور قابلِ التفات نہیں۔

ثالثاً:۔ وہ صرف متون و شروح و فتاویٰ کے خلاف ہی نہیں بلکہ احادیثِ مبارکہ کے بھی خلاف ہیں کما مر، اور اکثر احادیث میں لفظِ نصف النہار نہیں بلکہ وہ کلماتِ مبارکہ ہیں جن میں ان کی تاویل چل ہی نہیں سکتی، زاہدی اور قہستانی جیسوں کی کیا حیثیت جبکہ امام الائمہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حضرات فرماتے ہیں اذا صح الحدیث فہو مذہبی۔ پھر صرف احادیث ہی نہیں بلکہ آیاتِ سابقہ کے بھی خلاف ہے۔

رابعاً جس کو وہ نہارِ شرعی کہتے ہیں وہ روزہ کے لحاظ سے تو نہارِ شرعی ہے مگر ان اوقاتِ ثلاثہ متعلقۂ نماز کا نہارِ شرعی تو وہی ہے جس کو وہ نہارِ عرفی بتارہے ہیں کیونکہ ان سب احادیثِ "نہی" میں کلماتِ طلوع و غروب اور استواء یا قائم الظہیرۃ وغیرہ کی تصریح ہے اور طلوع و غروب بالاتفاق طرفین ہیں تو اگر " النہار " سے نہارِ شرعی ہی مراد لینا ہے تو وہ نہارِ شرعی مراد لیں جو متعلقہ اوقاتِ ثلاثہ ہے نہ کہ نہارِ شرعی صیامی مراد لیں کہ

Marfat.com

یہاں نیتِ روزہ زیرِ بحث نہیں اور نہ ہی نہارِ صیامی کے ساتھ لفظِ نہارِ شرعی کی تخصیص کسی آیت یا حدیث سے ثابت ہے حتیٰ کہ نہارِ صلاتی یا ادقاتی پر اس کا اطلاق ناجائز ہو بلکہ اکثر احادیث میں تو لفظِ "النہار" ہے ہی نہیں ۔

خامساً وہ شبہ جس پر برجندی کا احتمال اور قنیہ و قہستانی کے نقل مبنی ہیں وہ سرے سے محض بے جا اور بادر ہوا ہے کیونکہ "نہی" کی بہ نسبت امر امکان و قدرتِ ادا کا زیادہ تقاضا کرتا ہے ۔ امر میں عمل مطلوب ہوتا ہے اور "نہی" میں کفّ یعنی رک جانا ، اور عمل رک جانے کی بہ نسبت قدرت کا زیادہ تقاضا کرتا ہے حالانکہ امر کے متعلق اہلِ اصول نے تصریح فرمائی کہ صرف قدرتِ ممکنہ ہی کافی ہے اور اس کا بھی صرف توہم ہی شرط ہے ۔ چنانچہ نماز کا ایسا آخری وقت جس میں صرف " اللہ اکبر" ہی کہا جا سکے ، اس میں لڑکا بالغ ہو جائے یا کافر اسلام لائے یا حائض و نفسا پاک ہو جائے یا دیوانہ ہوش پاتے تو ان پر بالشروط المعتبرہ نماز لازم ہو جاتی ہے یعنی وہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ کے مخاطب ہو جاتے ہیں کیونکہ ایسے کم وقت میں اگرچہ عادۃً نماز ادا نہیں ہو سکتی مگر اس کا امتداد متوہم ہے کیونکہ اللہ رب العالمین سورج کو ٹھہرا کر ایسے کم وقت کو طویل بنا سکتا ہے تو ادا ہو سکتی ہے ۔

حسامی رحیمیہ ص ۴۰، ۴۱ ، منار اور نور الانوار طبع سراجدین لاہور ص ۴۵، ۴۹ ، شرح المنار لابن الملک طبع عامرہ ص ۵۲، ۵۳ ، شرح المنار لابن العینی طبع عامرہ ص ۵۲ ، افاضۃ الانوار شرح المنار اور اس کے حاشیہ نسمات الاسحار للعلامہ ابن عابدین الشامی ص ۳۶، ۳۷ طبع مصر ، تحریر اور اس کی شرح تیسیر التحریر ص ۱۴۲ طبع مصر ، تنقیح ، توضیح تلویح ص ۱۹۵ جلد ۱ طبع مصر میں بالفاظ متقاربہ ہے والنظم للحسامی جعل القدرۃ الممکنۃ شرطا لوجوب الاداء (الی ان قال) والشرط کونہ متوھم الوجود لا کونہ متحقق الوجود فان ذلک لا یسبق الاداء و لھذا قلنا اذا بلغ الصبی او اسلم الکافر فی اٰخر الوقت تلزمہ الصلوٰۃ لجواز ان یظھر فی الوقت امتداد بتوقف الشمس کما کان لسلیمان علیہ السلام الخ تو یونہی وقتِ استواء کم ہونے کے باوجود متوہم الامتداد ہے تو مورد نہی بن سکتا ہے لہذا وہ شبہ زائل ہو گیا

سادساً اس نہی سے مطلب کفّ عن الصلوٰۃ ہے یعنی نماز کے ادا کرنے سے رک جانا اور یہ ایسا فعل ہے جو زمانِ طویل کا تقاضا ہی نہیں کرتا بلکہ اگر اس وقتِ استواء سے پہلے نماز شروع کرنے والا استواء

Marfat.com

ہوتے ہی نماز سے رک جاتے یا استواء کے وقت نئے سرے سے نماز شروع کرنے سے پرہیز کرے تو دونوں طرح اس نہی کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔

الحاصل مکمل نماز ادا کرنے کے لئے جتنا وقت ضروری ہے، کفّ عن الاداء کے لئے اتنے وقت کی ضرورت نہیں وذا مما لاغبار علیہ اصلاً مگر وہ حضرات نھی عن الصلوٰۃ الکاملۃ بجمیع اجزائہا من اولہا الی اٰخرھا سمجھ بیٹھے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان حضرات نے " الصلوٰۃ " کو بمعنے مفعول تصور کر لیا اور بجمیع اجزائہا مراد لیا حالانکہ یہ مصدر بمعنے فعل ہے۔ اگر مصدری معنی میں نہ لیں تو " الصلوٰۃ " فعل نہیں بنے گا تو نھی عن الافعال الشرعیۃ کا حکم یعنی مقدور العبد ہونا اس پر حادی نہیں ہوگا تو وہ شبہ خود بخود زائل ہو جائے گا کہ اس کی بناء ہی اس پر ہے کہ نصف النہار حقیقی کا وقت اتنا تنگ ہے کہ اس میں فعلِ صلوٰۃ سما نہیں سکتا۔ اور جب " الصلوٰۃ " کو بمعنیٰ مصدر لیا جائے تو اداء جمیع الصلوٰۃ کی طرح ادا بعض الصلوٰۃ بھی اس کا مصداق بنے گا حالانکہ بعض کا اداء ضرور مقدور ہے تو وہ شبہ مٹ گیا اور یوں بھی یہ شبہ باطل ہے کہ اگر " نہی عن الصلوٰۃ بجمیع اجزائہا " مراد ہو تو بعض الصلوٰۃ کا پڑھنا جائز ہوگا کہ وہ منہی عنہ نہیں اور جب بعض اجزاء کا پڑھنا جائز ہوا تو ایسی نمازِ عید یا قضائے فرض و واجب جو اس وقت نہی سے پہلے شروع کی جائے اور نماز کے اندر وقتِ نہی آجائے، فاسد نہ ہو کہ یہ بعض ہے اور بعض سے نہی ہی نہیں اور یونہی نفل نماز جو پہلے سے شروع کی ہو وہ مکروہ نہ ہو اور ایسے ہی وہ نماز قضا یا واجب و نفل جو اس وقت نہی میں شروع کرے اور ظہر کے وقت میں ختم کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہ ہوتا کیونکہ نہی بعض سے ہے ہی نہیں حالانکہ یوں نہیں بلکہ پہلے کی شروع کردہ نماز بھی وقتِ نہی کے داخل ہونے سے فاسد یا مکروہ ہو جاتی ہے اور یونہی نماز کا وقت نہی میں شروع کرنا بھی ناجائز ہے اگرچہ وقت ختم ہونے کے بعد ہی پوری کرے، تو معلوم ہوا کہ بجمیع اجزائہا والی قید غلط ہے لہذا برجندی کا پہلا احتمال ہی درست ہے کہ لعل المراد انہ لاتجوز الصلوٰۃ بحیث یقع جزء منہا فی ھذا الزمان (شامی ص۲۴۴)، تو احتمالی رنگ میں " لعل " کہنا درست نہیں اور علامہ طحطاوی نے تو اس شبہ کے جواب میں فرمایا ہے یمکن تصویرھا بان یکون شرع قبل الاستواء ثم طرأ الاستواء فی اثنائہا قبل القعود قدر التشہد فانہ بذلک یفسد الفرض و یکون النفل

Marfat.com

مکروھا یعنی اس وقتِ استوار بمعنی نصف النہار حقیقی میں ادائے نماز کی صورت یوں بنائی جا سکتی ہے کہ استوار سے پہلے نماز شروع کی جائے۔ پھر نماز کے اندر قعود قدر التشہد سے پہلے استوار طاری ہو جائے۔ اس لئے کہ بے شک طاری ہونے سے فرض فاسد ہو جاتا ہے اور نفل مکروہ ہو جاتے ہیں۔ نیز مرقاۃ صلا جلد ۳ میں ہے قال ابن حجر وقت الاستواء المذکور وان کان وقتا ضیقا لا یسع الا التحریمۃ فیحرم تعمد التحریم فیہ یعنی وقتِ استوار بمعنے نصف النہار حقیقی اگرچہ وقت تنگ ہے اور پوری نماز کو سما نہیں سکتا مگر بے شک تکبیر تحریمہ کو سما سکتا ہے تو نماز کا قصداً شروع کرنا اس میں حرام ہوگا۔ اور ان دونوں جوابوں سے ثابت ہوا کہ نماز بجمیع اجزائہا کا امکان الاداء فی الوقت ضروری نہیں بلکہ پہلے سے شروع کردہ پر استوار طاری ہو جائے یا وقتِ استوار میں شروع کی جائے تب بھی موردِ نہی بن جاتی ہے۔

سابعاً وہ احادیثِ شریفہ جن سے نصف النہار میں نہی عن الصلوٰۃ ہے انہی احادیث سے ضحوۂ کبریٰ میں نماز پڑھنے کا جواز روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کما مر۔ بلکہ احادیثِ شریفہ نمبرات دو، تین، چار میں تو اس نماز کو مشہودہ محضورہ متقبلہ مقبولہ فرمایا گیا ہے یعنی وہ نماز ایسی جائز ہے کہ اس کے لئے رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ مقبولِ بارگاہِ عزت ہے کما مر بالتفصیل، تو اگر نصف النہار سے مراد ضحوۂ کبریٰ ہو تو لازم آتا ہے کہ ان حدیثوں میں سے ہر ایک حدیث کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے متعارض ہو یعنی پہلے حصے میں تو ضحوۂ کبریٰ میں نماز کا جائز و مقبول ہونا بیان ہوا اور دوسرے حصے میں اسی نماز کا ناجائز ہونا وذا باطل قطعاً لا یجوز فی کلام عاقل فضلاً عن کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ثامناً اگر بالفرض ضحوۂ کبریٰ میں جوازِ نماز آیات و احادیث اور اقوالِ ائمہ و مشائخ مذہب سے ثابت نہ بھی ہوتا تب بھی بلا دلیل کراہت ثابت نہ ہوتی کیونکہ اہل السنت والجماعت کا مسلّمہ قاعدہ ہے کہ "اشیاء میں اصل اباحت ہے" بلکہ ہمارے مشائخ عظام نے تصریح فرمائی کہ کراہت تحریمی ہو نیز یہی بلا دلیلِ خاص ثابت نہیں ہو سکتی۔ اختصاراً صرف شامی ہی کی عبارت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ شامی صلا جلد ۱ میں ہے لا یلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة اذ لا بد لها من دليل خاص نیز یہ بھی ہے لا یلزم منہ ان یکون مکروھا الا بنھی خاص لان الکراھۃ

Marfat.com

حکم شرعی فلا بد لہ من دلیل اور ص۵۹۷ جلد ا میں مکروہ تحریمی کے متعلق فرماتے ہیں،
انہ فی رتبۃ الواجب لایثبت الا بما یثبت بہ الواجب یعنی بالنہی
الظنی الثبوت او الدلالۃ۔

تاسعاً علی سبیل ارخاء العنان۔ نصف النہار حقیقی کے بعد گو بلا فصل زوالِ شمس ہو جاتا ہے اور حقیقۃً وہ وقت اتنا کم ہوتا ہے کہ اس میں نماز ادا نہیں ہو سکتی مگر چونکہ ہماری نظروں میں اس وقت سورج یا سایہ حرکت سے ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ غور و تامل سے دیکھنے والا بھی ٹھہرا ہوا ہی محسوس کرتا ہے تو فی الواقع نصف النہار حقیقی ہونے سے ذرا پہلے ہی نصف النہار کا ظن ہو جاتا ہے جو ذرا بعد تک بھی رہتا ہے اور فی الواقع زوال ہونے سے ذرا بعد ہی زوال کا علم ہوتا ہے چنانچہ بعض نے تو یہ قول بھی کر دیا کہ سورج حقیقۃً حرکت سے تھوڑی دیر کے لئے بند ہو جاتا ہے مگر یہ صحیح نہیں، سورج حرکت کرتا رہتا ہے اور کمالِ عروج کے باعث حرکت کا ظہور نہیں ہوتا تو غور و تامل سے بھی قائم و واقف ہونے کا ظن ہوتا ہے۔ مرقاۃ ص۴۲ جلد ۳ میں ابن الملک کا قول نقل کیا سکون الشمس واقفۃ عن السیر وتثبت فی کبد السماء لحظۃ ثم تسیر وقیل یظن انہا واقفۃ قلت ھذا ھو المعتمد قال الطیبی الشمس اذا بلغت وسط السماء ابطأت حرکۃ الظل الی ان تزول فیتخیل للناظر المتأمل انہا وقفت وھی سائرۃ الی اخر ما مر من المرقاۃ۔

ؔ قوت القلوب شریف ص۵ جلد ا میں ہے کہ حضور مروی ہے کہ محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل امین علیہ السلام سے فرمایا کہ کیا زوال ہوگیا ہے؟ تو جبریل نے عرض کی "لا نعم" یعنی نہیں ہوا ہاں ہوا، تو حضور نے فرمایا یہ کس طرح؟ تو عرض کی کہ میرے لا نعم عرض کرنے کی مدت میں سورج نے آسمان میں ڈیڑھ لاکھ میل کا فاصلہ طے کیا ہے ونصہ وقد روی فی الخبر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سأل جبریل علیہ السلام فقال ھل زالت الشمس فقال لا نعم فقال کیف ھذا فقال بین قولی لک لا نعم قطعت فی الفلک خمسین الف فرسخ۔ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاویٰ رضویہ جلد ۲ میں ص۳۵۶ سے ص۳۶۱ تک وقت مابین ظہر و عصر کے متعلق یہ تفصیلی افادہ فرمایا ہے جو وقت زوال و قبل زوال کے مابین میں بھی باقاعدہ جاری و ساری ہے۔ فرماتے ہیں "وقت ظہر و مثل مجھو خواہ ایک اس کی حقیقتِ واقعیہ کا ادراک طاقتِ بشری سے خارج ہے (الیٰ ان قال) لہٰذا ملتقئ وقتین سے کچھ پہلے اور کچھ بعد تک عامۂ خلق کے نزدیک وقت مشکوک ہے۔ اسی کو وقت بین الوقتین کہتے ہیں اس میں نظرِ ناظر کبھی حالتِ شک رہتی ہے، کبھی بقائے وقتِ اول، کبھی دخول وقت آخر گمان کرتی ہے"

Marfat.com

حدیث ۱۱ کے تحت نووی، نہایہ، درنثیر، مجمع، لسان العرب وغیرہا سے بھی یہ تفصیلاً گزر چکا ہے اور حضور محبوبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس قیامِ شمس کا اعتبار فرمایا ہے کہ حین یقوم قائم الظہیرۃ فرمایا ہے یعنی جتنے وقت تک قائم معلوم ہوتا ہے نماز ممنوع ہے۔ نہایہ وغیرھا میں اسی اعتبار کے لحاظ سے تشریح ہے، تو اس ظاہری وظنی وقت نصف النہار میں اتنی وسعت ہے کہ دو رکعت نماز ادا ہو سکتی ہے تو برجندی، قہستانی، زاہدی کا وہ شبہ سرے سے ہی زائل ہو گیا وللہ تعالیٰ الحمد والمنۃ۔

تنبیہ

رسائلِ ابنِ عابدین ص۱۳ میں بھی علامہ شامی فرماتے ہیں قلت و قد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابا من کتب المتأخرین و یکون القول خطأ اخطأ به اول واضع له فیأتی من بعده و ینقله عنه و ھکذا ینقل بعضھم عن بعض۔ پھر ص۱۵ میں فرمایا ولھذا الذی ذکرناه نظائر کثیرۃ اتفق فیھا صاحب البحر و النھر و المنح و الدر المختار وغیرھم وھی سھو منشأھا الخطأ فی النقل او سبق النظر۔ تو مسئلہ زیرِ بحث کا صرف چھ کتابوں میں آ جانا اور وہ بھی بعض میں صرف احتمالی رنگ میں اور بعض میں رد کے ساتھ اور ان کی بعض بالکل غیر مشہور یا غیر معتبر ہی ہیں تو یہ کیونکر مقبول و معتمد ہو سکتا ہے؟ بہرحال وہ شبہ اور اس پر مبنی احتمال و اقوال سب باطل ہیں اور بلاشک و شبہ و ریب ضحوۂ کبریٰ میں اور اس کے بعد نصف النہار حقیقی تک طلوع سے مندرج فی السوال تک ہر قسم کی نمازیں یقیناً جائز و روا اور باعث ثواب و جزاء عطا ہیں اور عید کا آخری وقت بھی یقیناً نصف النہار حقیقی تک ہے۔ اگر نمازِ عید میں نصف النہار حقیقی کا وقت ہو جائے تو فاسد ہو جائے گی مگر ضحوۂ کبریٰ کے داخل ہونے سے فاسد نہیں ہوتی نہ ضحوۂ کبریٰ ہونے کے بعد بھی نمازِ عید یقیناً جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں اس کا پڑھنا واجب و لازم ہو جاتا ہے مثلاً شہادت دیر سے آئی کہ ضحوۂ کبریٰ سے پہلے نہیں پڑھی جا سکتی، یا امام نے نماز پڑھائی اور ضحوۂ کبریٰ ہونے پر ظاہر ہوا کہ وضو نہیں تھا یا جسم یا لباس پر درہم سے زائد نجاست لگی ہوئی تھی تو اعادہ لازم ہوا۔ تو ایسی صورتوں میں ضحوۂ کبریٰ کے داخل ہونے پر بھی نصف النہار حقیقی سے پہلے پڑھنا ضروری و واجب ہے لا سیما

Marfat.com

فنعید بتصریحات جمیع کتب المذهب حتی الشامیة والقهستانی کما مر ولا یجوز تاخیر الصلوٰة عن وقتها بلاعذر اور اس جواب سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ استواء سے نصف النہار شرعی صیامی مراد نہیں بلکہ شرعی صلوٰتی یا اوقاتی ہے جس کو نصف النہار حقیقی و عرفی بھی کہا جاتا ہے یعنی جس وقت سورج سر پر ہو اور مشرق و مغرب میں سایہ معدوم ہو جسے مجازاً بوجہ مجاورت زوال بھی کہا جاتا ہے ومن اراد زیادة تفصیل المقال و تحقیق الحال فعلیہ برسالتنا فیئی الزوال و شرحہ تیسیر المقال۔

الحمد للہ کہ تمام سوالات کے جواب بقدر ضرورت تفصیل سے تحریر ہوئے فما کان صواباً فمن اللہ تعالیٰ بمنہ و کرمہ وما کان خطأً فمنی ومن الشیطن فرحم اللہ تعالیٰ فاضلاً مسددینا دلنی علی الخطأ والنسیان وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم وسمی الجواب **بابداء البشری بقبول الصلوٰة فی الضحوة الکبری** جعلہ اللہ تعالیٰ البشری فی الحیوة الدنیا والاخری وما ذلک علی اللہ تعالیٰ بعزیز۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومحبوبنا محمد وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ بانی و مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور
۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز فجر کے بعد قبل طلوع آفتاب قضا فرض نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ مسئلہ بادلیل تحریر فرمادیں حوالہ کتاب بھی ہو۔

آپ کا ثنا گو سگ آستانہ خادم حقیر تنظیم خادم الفقراء عبد الحلیم غفرلہٗ از موضع بریت متصل حویلی لکھا منتظر الجواب۔

(۱۷ ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بلاشبہ طلوعِ صبح سے طلوعِ آفتاب تک قبل از نمازِ فجر اور بعد از نمازِ فجر فرض نماز کی قضا ادا کر سکتا ہے۔ تمام کتبِ فقہ تصریحاتِ جلیہ سے گونج رہی ہیں۔ ہدایہ ص۷۰ جلد ۱، فتاویٰ عالمگیر ص۲۷ جلد ۱، درالمختار شامی ص۳۴۸ جلد ۱ وغیرہا میں ہے والنظم من الاولیٰ ولا باس بان یصلی فی ھذین لوقتین الفوائت الخ والمولیٰ المتعال اعلم و علمہ جل مجدہ تم و احکم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الاکرم الانور وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ و بارک و سلم۔

ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ

بَابُ الْاَذَانْ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ کیا ولد الزنا کا مذبوح اور اس کی اذان جائز ہے یا نہیں؟ باوجودیکہ صلوٰۃ و صوم کا پابند ہے اور مدرسہ بھی کچھ پڑھا ہوا ہے اور دوکانداری کرتا ہے ظاہرا تو احوال اچھے ہیں مگر ریش بریدہ ہے اور اس کی والدہ نے بعدہٗ توبہ کر لی ہے اور نکاح کر لیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں حق حق بیان کر دیں۔

السائل: علم الدین ولد حاجی غلام فرید قوم رنگریز منڈی اسٹیشن وسا۔ ے والا ضلع ساہیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

حلتِ ذبیحہ کے لئے شرعاً ذابح کا مسلمان عاقل ہونا کافی ہے۔ فتاوٰے عالمگیر ص۲۳ جلد ۲ میں ہے فمنھا ان یکون عاقلا۔ نیز اسی میں ہے ومنھا ان یکون مسلمًا الخ تو ولد الزنا جبکہ مسلمان

Marfat.com

سمجدار پابندِ صوم وصلوٰۃ ہے تو اس کی ذبیحہ بلا کراہت جائز ہے اور ایسے ہی اس کی اذان بھی جائز ہے اور ولد الزنا ہونے کی وجہ سے مکروہ بھی نہیں۔ فتاویٰ عالمگیر صفحہ ۳۴ جلد ۱ میں ہے و یجوز اذان العبد و القروی واهل المفازة و ولد الزنا (الی ان قالوا) من غیر کراهة البتہ اگر ریش بریدہ مشت بھر سے کم رکھنے والا ہے تو فاسق ہوا اور اس وجہ سے اس کی اذان مکروہ ہوگی۔ فتاوٰے عالمگیری میں ہے و یکره اذان الفاسق۔ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبه واله وصحبه وسلم

ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلہ کے اذان کے متعلق کہ مؤذن اذان مسجد سے باہر کہتا ہے یعنی مسجد کے پیچھے متصل ایک کھوہ ہے اور اس میں رہائش بھی ہے اور اس جگہ میں لاؤڈ سپیکر بھی فٹ کر کے رکھا ہوا ہے اور آبادی بھی صرف اذان کے لئے کی ہے کیا وہاں اذان کہنی جائز ہے یا نہیں؟ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کیا فتوٰے ہے۔ مفصل جواب سے نوازیں۔ اہلِ سنت وجماعت جواب دیکر مشکور فرماویں

السائل : محمد حنیف نظامی مدینہ مسجد محراب پور تحصیل کنڈیارو ضلع نوابشاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

شرعاً اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔ اذان کہی ہی مسجد سے باہر جاتی ہے۔ ہمارے مذہب حنفی میں بھی یہی لکھا ہے۔ غنیۃ المستملی صفحہ ۳۶۳، فتح القدیر صفحہ ۲۱۵ جلد ۱، خلاصۃ الفتاوٰے صفحہ ۴۹ جلد ۱ میں ہے والنظم منهاف الاصل و ینبغی ان یؤذن علی المئذنة او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد یعنی اصل میں ہے کہ لائق یہ ہے کہ اذان منارہ پر کہی جائے یا مسجد سے باہر اور مسجد میں اذان نہ کہی جائے اور (اصل) امام محمد علیہ الرحمۃ تلمیذِ رشید حضرتِ امامِ اعظم علیہما الرحمۃ کی کتاب کا نام ہے جو مذہب حنفی کی نہایت مستند کتاب ہے۔ بہرحال اذان کہی ہی مسجد سے باہر جاتی ہے اور منارہ بھی نماز کی جگہ سے باہر ہی ہوتا ہے تو متصل کنواں پر اذان کہنے میں کیا حرج؟ بلا شبہ جائز ہے اور محبوب پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانے میں بھی مسجد کے

Marfat.com

باہر ایک بہت اونچے مکان پر حضرت بلال اذان دیا کرتے تھے۔ سنن ابوداؤد صفحہ جلد ۱ میں ایک صحابیہ انصاریہ کی روایت ہے کان بیتی من اطول بیت کان حول المسجد فکان بلال یؤذن علیہ الفجر یعنی میرا گھر مسجد پاک کے آس پاس تمام گھروں سے اونچا تھا تو حضرت بلال اس پر فجر کی اذان کہا کرتے تھے اور منارہ کو (مئذنہ) بھی اسی لئے ہی کہتے ہیں کہ وہ اذان کے لئے اونچا بنایا جاتا ہے اور مسجد کے متصل مسجد سے باہر ہوتا ہے اور یونہی جمعہ کی دوسری اذان بھی مسجد سے باہر ہی کہی جاتی ہے امام کے سامنے مسجد کے دروازہ پر جیسے کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بھی مسجد کے باہر دروازہ پر ہوا کرتی تھی۔ ابوداؤد شریف ص۱۵۵ میں حضرت سائب بن یزید سے ہے کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب آپ منبر پر جمعہ کے دن جلوہ گر ہوتے تھے تو مسجد کے دروازہ پر اذان کہی جاتی تھی اور یونہی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے بھی اور یہ سامنے والی اذان تو برقرار رہی اور اس سے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کے بازار کے ساتھ مکان زوراء پر اذان کا حکم دیا۔ ابوداؤد کے اسی صفحہ میں ہے فلما کان خلافۃ عثمان وکثر الناس امر عثمان یوم الجمعۃ بالاذان الثالث فاذن بہ علی الزوراء یعنی جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی اور لوگ پہلے سے بھی زیادہ ہو گئے تو آپ نے جمعہ کے دن پہلی اذان کا حکم دیا تو وہ اذان زوراء پر کہی گئی۔ بہرحال روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اذان جمعہ کی ہو یا دوسری مسجد سے باہر ہی کہی جاتی ہے، منارہ پر ہو یا کسی دوسرے مکان پر، مقصود نمازیوں کو سنانا اور خبردار کرنا ہے اور وہ عموماً مسجد سے باہر ہی ہوتے ہیں تو جس مکان سے وہ اچھی طرح سن سکتے ہیں وہاں اذان ہونی چاہیے اور ہو مسجد سے باہر ہاں جمعۃ المبارکہ کی دوسری اذان جو امام کے سامنے ہوتی ہے وہ سامنے ہی دروازہ پر سنت کے مطابق کہی جائے اور کھوہ پر نہ کہیں کہ سامنے نہ رہے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں مفتیان دعلمائے دین دریں مسئلہ کہ آیا کہ اذانِ ثانی جمعہ مسجد کے اندر پڑھنی جائز ہے کہ نہیں؟ حوالہ کتب سے تحریر فرما کر جواب سے مشرف فرمادیں بینوا توجروا۔

السائل: الفقیر محمد یار خطیب مسجد چک ۱۹ ای ایل حلقہ شیخ فاضل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

مسجد کے اندر نہ پڑھی جائے فتاوٰی قاضی خان ص۲ جلد ۱ خلاصۃ الفتاوٰی ص۴۹ جلد ۱ فتاوٰی عالمگیری ۲۹ جلد ۱ میں ہے لایؤذن فی المسجد (ترجمہ) مسجد کے اندر اذان نہ دی جاتے۔ اور ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر پر جمعہ کے دن جلوہ فرماتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان کہی جاتی۔ اور ایسے ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے بھی۔ تو ثابت ہوا کہ اذانِ ثانی جمعہ بھی مسجد کے باہر ہونی ضروری ہے۔ ہاں اگر اول سے مسجد میں اذان کے لئے مسجد بنانے سے پہلے ہی جگہ اذان کی معین بنائی جو دیوار مسجد میں الماری کیطرح ہو تو اس میں جائز ہے کیونکہ وہ جگہ حکماً مسجد سے باہر ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ مہتمم وبانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ / ۲۵-۷-۶۷

الاستفتاء

بخدمت گرامی قدر مکرمی معظمی حضرت مولانا محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم کے بعد عرض مندرجہ ذیل ہے برائے کرم اس مسئلہ کا جواب بحوالہ قوی جلد روانہ فرما کر مشکور فرمائیں ——— نماز جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہونی چاہئے یا باہر، فقہ وحدیث نبوی سے جواب مفصل ہو، جواب مسئلہ مندرجہ بالا کا تفصیل سے ہو، مسجد کے اندر ہونے سے مطلب ہے کہ مسجد کے مکان کے اندر اذان ہونی ضروری ہے یا کہ باہر احاطہ مسجد میں جیسے کہ اذان اول ہوتی ہے۔

Marfat.com

السائل : مولوی درمحمد بستی صادق آباد موضع کوٹ قاضی ڈاکخانہ کرم پور براستہ وہاڑی ضلع ملتان۔ ۲۲-۱۲-۶۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجوب اللھم اجعل لی النور والصواب

جمعہ کی اذانِ ثانی امام کے سامنے سنت ہے اور اذان اول دوسری نمازوں کی اذانوں کی طرح منارہ یا بلند مکان پر دیجاتی ہے جس کی تفصیل کتب فقہیہ میں ہے مگر امام کے سامنے کا یہ مطلب نہیں کہ مسجد کے مکان کے اندر یا باہر مکان کے سامنے نماز کی جگہ پر ہو بلکہ نماز کی مقرر کردہ جائے مسجد جو اصالۃً وہی مسجد ہے اس میں نہ دی جائے بلکہ اس جگہ سے باہر کہی جائے پھر خواہ مکان کے دروازہ میں ہو یا بیرونی مسجد کے دروازہ پر ہو یا مکان کی شرقی دیوار میں الماری نما جگہ میں ہو جو امام کے سامنے ہو حدیث صحیح بخاری وغیرہ میں ہے من باب کان وجاہ المنبر۔ سنن ابوداؤد میں ہے کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فتاوی قاضیخان ص۳۸. خلاصۃ الفتاوی ص۴۹ جلد ا ، فتاوی عالمگیر ص۲۹ جلد ا ، بحرالرائق ص۲۵۵ جلد ا میں ہے لا یؤذن فی المسجد ۔ غنیہ شرح منیہ ص۳۶۲ میں ہے الاذان انما یکون فی المئذنۃ او خارج المسجد ۔ فتح القدیر ص۲۹ جلد ۲ میں ہے لکراھۃ الاذان فی المسجد ۔ بہرحال اذان ثانی بھی اذان ہے مسجد سے باہر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۹ شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ ۲۶-۱۲-۶۳

الاستفتاء

نمبر ا۔ آیا کہ جب جمعۃ المبارکہ کی جو دوسری اذان کہی جاتی ہے تو اس اذان کا جواب دیا جائے یا کہ نہیں اور اس دوسری اذان کے بعد اور خطبہ سے پہلے اس اذان کی دعا مانگی جائے یا کہ نہیں ؟

نمبر ۲ : آیا کہ جب نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے تو جب امام سلام کہتا ہے اور دائیں طرف منہ پھیرتا ہے تو

Marfat.com

اس وقت دائیں ہاتھ کو چھوڑ دینا چاہیئے اور جب بائیں طرف سلام کہتا ہے تو بائیں ہاتھ چھوڑ دینا چاہیے یا کہ دونوں طرف سلام کہہ کر ہاتھ چھوڑے جائیں ؟

السائل : جناب محمد یار صاحب خطیب امام مسجد چک ۲۹۷ ر ج ب ، ڈاکخانہ چک ۲۹۶ ج ب تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

۱ : ہاں اس اذان کا جواب بھی جائز ہے اور بعد ازاں دعائے اذان بھی جائز ہے کہ اجابتِ اذان و دعا کی حدیثیں مطلق ہیں ، اپنے اطلاق سے اذان ثانی کو بھی شامل ہیں اور بالخصوص اس اذان کے جواب کی حدیث صحیح بخاری ص ۱۲۵ جلد ۱ میں بڑے واضح طور پر موجود ہے ۔ اصل بات یہ ہے کہ شروعِ خطبہ سے پہلے پہلے ایسا کلام جو دنیاوی نہ ہو ۔ ہمارے امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے ۔ طحطاوی علی المراقی ص ۳۰۳ میں ہے انما یکرہ ما کان من جنس کلام الناس اما التسبیح وغیرہ فلا ۔

۲ : نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر تک ہاتھ باندھے جائیں بعد ازاں دونوں ہاتھ چھوڑ دے اور پھر دونوں سلام کہے ۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲۵ جلد ۱ میں ہے فالصحیح انہ یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین ھکذا فی الذخیرۃ ۔ (ترجمہ) صحیح یہ ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھنے والا دونوں ہاتھ کھول دے پھر دونوں سلام کہے ، اس طرح ذخیرہ میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم ۔

مولانا صاحب آئندہ مسئلہ کے لئے کارڈ نہ بھیجا کریں بلکہ لفافہ ہونا چاہیئے ۔

الفقیر ابو الخیر النعیمی غفرلہ ۱۰-۱۱-۶۱

سے جوابی کارڈ پر "الجواب النور والصواب" لکھا ہے اور یونہی "اللہ تعالیٰ اعلم" کی جگہ "المولیٰ تعالیٰ اعلم" اور درود پاک "وصلی علی حبیبہ وسلم" لکھا ہے کہ ادب کا یہی تقاضا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

الاستفتاء

نمبر۱ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ جمعۃ المبارکہ کی اذانِ ثانی کے بعد دعا مانگنا جائز ہے ؟

نمبر۲ : اذانِ ثانی کا جواب جائز ہے ؟ نامِ پاک آنے پر انگوٹھے چومنے جائز ہیں ؟ اگر یہ امور جائز ہیں تو بعض کتابوں میں جو حدیثِ پاک اذا خرج الامام فلاصلوٰۃ و لاکلام کے تحت عدم جواز لکھا گیا ہے اس کا کیا جواب ہے ؟

نمبر۳ : مشکوٰۃ شریف باب حرمِ مکہ حرسہا اللہ تعالیٰ ص۲۳۷ اصح المطابع پر ہے عن جابر قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الضبع قال ھو صید و یجعل فیہ کبشا اذا اصابہ المحرم رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی کی وضاحت فرماویں، عین نوازش وشفقت ہوگی۔

مستفتی :- منظور احمد غفرلہٗ مدرس دارالعلوم عالیہ عربیہ مدینہ مسجد ساہیوال

۸-۵-۱۳۰۷ ہجری المقدس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

الحمد للہ الذی بذکرہ تطمئن قلوب الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا و علیٰ جنوبھم و قال بکرمہ یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا فان الذکر ماحی عیوبھم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ من رفع ذکرہ فی جعلہ ذکرا من ذکرہ وجعل اکثار الصلوٰۃ علیہ غرفا من بحرہ وعلیٰ اٰلہ و اصحابہ المتأدبین بآدابہ -

امورِ مذکورہ سوال بلاشک وشبہ وگنجائشِ ریب شرعاً جائز بلکہ مستحسن ومطلوب ہیں۔ اطلاقات وعموماتِ آیاتِ متکاثرہ واحادیثِ متظافرہ واجماعِ ائمہ وجمیع امت سے جوازِ حسنِ دعا روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح و

Marfat.com

ہویدا ہے کما بیناہ فی فتاوانا۔ اور اطلاق وعموم سے استدلال سلف وخلف سے شائع وذائع ہے اس کا انکار ہوش وخرد کا انکار ہے کما بینہ مجدد المأۃ الحاضرۃ علیہ الرحمۃ فی اقامۃ القیامۃ ص۳۶ تا ۳۸ و بذل الجوائز ص۴ وغیرہا من تصانیفہ المنیفۃ و فتاویہ الشریفۃ تو لامحالہ یہ دعا بھی جائز و مستحسن ہی ہوگی۔ پھر اس دعا کی ابتدا۔ بالخصوص درود پاک سے ہے اور درود پاک کا استحسان فرمانِ فرقانِ مبین اور فرامینِ احادیثِ شریفہ و اجماع سے بروجہِ اتم ثابت بلکہ یہ دعائے مخصوص احادیثِ مرفوعہ مسندہ کتب معتمدہ صحاح ستہ وغیرہا سے ثابت۔ مثلاً اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فانہ من صلی علی صلوۃ صلی اللہ علیہ بہا عشرا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانہا منزلۃ فی الجنۃ لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجوا ان اکون انا ہو فمن سأل لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ رواہ مسلم ص۱۶۶ جلد ۱ عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ اس امر صلوا اور سلوا کا عموم بوجہ ظرفیتِ اذا سمعتم اور حیثیتِ تامِ المؤذن مستمع اذانِ ثانی پر بھی حاوی۔ تو لامحالہ یہ درود و دعا یقیناً مستحسن و مطلوب بنے بلکہ بالخصوص خود محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس اذانِ جمعہ کے بعد دعا حدیثِ صحیح سے ثابت[سے] کما صرح بہ فی الفتاوی الرضویۃ ص۴۶۳ جلد ۲[ص]۔ حالانکہ اصل عدمِ خصوص ہے لقولہ تعالی لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ الآیۃ تو جب تک کسی دلیلِ خاص سے اس کو خاصۂ سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہ کیا جائے اس وقت تک ہمارے لئے بھی جائز و حسن و مسنون ہی رہے گی چہ جائیکہ عموم "صلوا" اور "سلوا" خصوصیت کے نافی ہیں۔ نیز یہ درود و دعا و جوابِ اذان سب ذکر اللہ ہیں اور ذکر اللہ کا استحسان صدہا آیاتِ مبارکہ اور ہزارہا

عہ اور اسی بناء پر فقہائے کرام نے بھی اس کا ذکر عام فرمایا۔ شامی ص۳۰۰ جلد ۱ میں ہے قولہ ویدعو (الخ) ای بعد ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما رواہ مسلم وغیرہ اذا سمعتم المؤذن الخ اور بالخصوص یومِ جمعہ اکثار کا امر ہے فاکثروا علی من الصلوۃ فیہ ای یوم الجمعۃ، فان صلوتکم معروضۃ علی۔ مرفوعاً ابن کثیر ص۵۱۳ جلد ۳ منہ غفرلہ سہ رواہ البخاری ص۱۲۵ جلد ۱ ۱۲ منہ غفرلہ

و ہمیں بھی تعرض علیہ ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

احادیثِ متبارکہ سے امس وشمس سے بھی زیادہ نمایاں ہے اور صرف جواز و استحسان ہی نہیں بلکہ بلاحدّ و عدّ بکثرت کرتے رہنے کے بکثرت احکام کتاب وسنت سے نہایت ہی عیاں وتاباں ہیں مثلاً قال اللہ تعالیٰ یاایہا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا اور حدیث عبداللہ بن بشر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایزال لسانک رطبا بذکر اللہ تعالیٰ ابن کثیر ص۴۹۵ جلد۳ بحوالہ ائمہ احمد وترمذی وابن ماجہ ۔ نیز اسی میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اذکروا اللہ ذکرا کثیرا کی تفسیر میں ہے ان اللہ تعالیٰ لم یفرض علی عبادہ فریضۃ الا جعل لہا حدا معلوما ثم عذر اہلہا فی حال العذر غیر الذکر فان اللہ تعالیٰ لم یجعل لہ حدا ینتہی الیہ ولم یعذر احدا فی ترکہ الا مغلوبا علی ترکہ فقال اذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم باللیل والنہار فی البر والبحر وفی السفر والحضر والغنی والفقر والسقم والصحۃ والسر والعلانیۃ وعلی کل حال ۔ اور جب بلاحد وعد تمام حالات میں ذکر اللہ مستحسن ومطلوب ہوا تو لامحالہ یہ اذکار درود و دعا وجوابِ اذان بھی جائز ہوئے الا ان یمنع مانع خاص ۔ اقامۃ القیامہ ص۲۶ میں ہے مطلق ذکر الٰہی کی خوبی قرآن وحدیث سے ثابت، تو جب کبھی کہیں کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی بہتر ہی ہوگی ۔ ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یاد الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت الخ بلکہ جوابِ اذان دعا ودرود کی طرح بالخصوص بھی بکثرت احادیث مرفوعہ صحاح ستہ وغیرہا سے صراحۃً ثابت جس کی مثال مسلم سے گزرچکی ۔ وہ احادیث اتنی عام ہیں کہ ان کا ظاہری تقاضا ان اذانوں کے جوابوں کو بھی ثابت کرتا ہے جو کسی نماز کے لئے نہیں جیسے اذانِ نومولود ۔ شامی ص۳۶۹ جلد ۱ میں ہے بقی ھل یجیب اذان غیر الصلوٰۃ کالاذان للمولود لم ارہ لائمتنا والظاہر نعم ولذا یلتفت فی حیعلتیہ کما مر وھو ظاہر الحدیث نیز اسی ص۳۶۹ میں یوں بھی بیانِ عموم ہے ویظہر لی اجابۃ الکل بالقول لتعدد السبب وھو السماع ۔ اور انہی احادیث کے حکم عام کی بنا پر ہمارے بعض فقہائے کرام اور ائمہ عظام نے جوابِ

Marfat.com

اذان میں اجابت قولیہ کا وجوب اختیار فرمایا۔ بدائع صنائع ص۱۵۵ جلد۱۔ بحر رائق ص۲۹۵ جلد۱، شلبی علی الزیلعی ص۹۱ جلد۱۔ در المختار ص۲۷۰۔ ہندیہ ص۲۹ جلد۱ وغیرہا میں ہے۔ والنظم من الدر والظاہر وجوبہا باللسان لظاہر الامر فی حدیث اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول الخ اور عینی علی البخاری ص۲۳۵ جلد۳ میں ہے احتج بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فقولوا اصحابنا ان اجابۃ المؤذن واجبۃ علی السامعین لدلالۃ الامر علی الوجوب اور بعض حضرات نے مستحب فرمایا کہ یہ امر استحبابی ہے۔ شامی ص۲۶۷ جلد۱ میں امام طحاوی سے ہے ان الامر للاستحباب والندب الی ان قال وبہ تایید ما صرح بہ جماعۃ من اصحابنا من عدم وجوب الاجابۃ باللسان وانہا مستحبۃ (الی ان قال) والذی ینبغی تحریرہ فی ہذا المحل ان الاجابۃ باللسان مستحبۃ۔

بہرحال استحباب سے کم کسی کا قول نہیں تو ثابت ہوا کہ اذانِ ثانی کا جواب کم از کم مستحب ضرور ہے بلکہ حدیث مرفوع صحیح بخاری سے صراحۃً ثابت کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پہ اس اذان کا جواب دیا۔ صحیح بخاری ص۱۲۵ جلد۱ میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے، مؤذن نے اذان شروع کی پس کہا اللہ اکبر اللہ اکبر تو حضرت معاویہ نے فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ تو حضرت معاویہ نے فرمایا وانا۔ پھر کہا واشہد ان محمد رسول اللہ تو حضرت معاویہ نے فرمایا وانا۔ پھر جب اذان پوری ہوئی تو حضرت معاویہ نے فرمایا ایہا الناس انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ہذا المجلس حین اذن المؤذن یقول ما سمعتم منی مقالتی یعنی اے لوگو! بیشک میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مجلس پر جبکہ مؤذن نے اذان دی فرماتے ہوئے وہ جو تم نے میرا کہنا مجھ سے سنا ہے اور پہلے گذر چکا کہ اصل عدم الخصوص ہے جو یہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب دینے سے بھی صراحۃً ثابت ہو رہا ہے لہٰذا عینی علیہ الرحمۃ اس حدیث کے فوائد میں فرماتے ہیں وفیہ اجابۃ الخطیب للمؤذن وہو علی المنبر اور خطیب کے لئے جائز ہوا تو دوسرے حاضرین کے لئے

Marfat.com

بھی ضرور جائز ہوگا [مص] لعدم الفارق والمانع اور یونہی تقبیل الابہامین بھی جائز و مستحسن کہ یہ عرفاً محبوبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم آیاتِ متواترہ و احادیثِ متظاہرہ سے یقیناً ثابت، تو تقبیل الابہامین بھی ضرور ثابت ہوئی وذا مما لا یخفی وقد بیند بما لا مزید علیہ المجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی منیر العین ونہج السلامۃ وغیرھا۔ رہی وہ حدیثِ پاک اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام تو اس سے تقبیل الابہامین اور درود و دعا و جوابِ اذان و اذکار کا حرام ہونا ثابت نہیں ہو سکتا کہ اس کا عموم و اطلاق بایں معنی کہ ہر نماز اور ہر کلام حرام ہو ہرگز ہرگز مراد نہیں، کیا اذان اور خطبہ [عہ] کلام نہیں؟ اور نمازِ جمعہ نماز نہیں؟ کیا صاحبِ ترتیب پر نمازِ فائتہ کی قضاء لازم نہیں [عہ]؟ کیا خروجِ امام کے ساتھ تمام جہان میں نماز و کلام سے بندش ہو جاتی ہے یا کم از کم صرف روئے زمین پر؟ نہیں نہیں بلکہ کسی ایک اقلیم میں بلکہ ایک علاقہ یا ایک شہر یا کم از کم ایک محلہ میں ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر وقتِ خروج سے قیامت تک کے لئے ثابت ہے یا کسی ایک صدی کے لئے یا کم از کم سال، یا یہ بھی نہیں تو ایک مہینہ یا ہفتہ یا کم از کم اسی دن کے آخر تک ثابت رہتی ہے۔ ہرگز نہیں، تو ثابت ہوا کہ اس نماز و کلام ممنوع سے مراد خاص نماز اور خاص ہی کلام ہے، نماز میں تو کوئی نزاع نہیں لہذا بیانِ کلام پر اکتفار ہے فاستمع بقلب شہید اصح یہ ہے کہ اس کلام [للعہ] سے مراد [مص] حاضرینِ مسجد کی دنیاوی کلام ہے۔ عنایہ شرح ہدایہ ص۳۷ جلد ۲، کفایہ ص۳۸ جلد ۲، بحر الرائق ص۱۵۵ جلد ۲، شامی ص۷۶۹ جلد ۱، طحطاوی علی المراقی ص۳۱۲، ۳۱۳ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم للشامی (قولہ ولا کلام) ای من جنس کلام الناس اما التسبیح ونحوہ فلا یکرہ وھو الاصح

[مص] کما سیجیٔ عن الطحطاوی الاستدلال بہذا الحدیث علی جواز کلام الغیر الدنیوی عموماً ۱۲ [عہ] بحر الرائق ص۱۵۵ جلد ۲ وغیرہ میں مصرح کہ یہ مانعت امام کو بھی شامل ہے اطلق فی المنع فشمل الامام ۱۲ [عہ] وقد صرح باللزوم قاضیخان علیہ الرحمۃ وغیرھم ۱۲ [للعہ] یعنی وہ کلام جو صرف عند الامام الاعظم ممنوع ہے قبل الخطبہ ۱۲ [مص] شامی علیہ الرحمۃ ثلاثین ص۲۲۵ جلد ۱ میں فرماتے ہیں قال الامام الحافظ العلامۃ محمد بن طولون الحنفی فی بعض رسائلہ ان اطلاقات الفقہاء فی الغالب مقیدۃ بقیود یعرفہا صاحب الفہم المستقیم الممارس للفن وانما یسکتون اعتماداً علی صحۃ فہم الطالب اور یونہی ص۲۳۳ جلد ۱ میں حضرت علامہ ابن نجیم سے نقل فرماتے ہیں ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

طحطاوی علیہ الرحمۃ نے یہ اور فرمایا ومن ثمہ قال فی البرھان وخروجہ قاطع للکلام ای کلام الناس اھ فعلم بھذا انہ لا خلاف بینھم فی جواز غیر الدنیوی علی الاصح ویحمل الکلام الوارد فی الاثر علی الدنیوی ویشھد لہ ما اخرجہ البخاری ان معاویۃ اجاب المؤذن الی اٰخر ماذکر الطحطاوی تو صاف صاف ثابت ہوا کہ اذکار وغیرہ سے یہ حدیث مانع نہیں۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ حدیث مذکورہ سوال قابل استدلال بھی ہے۔ فتح القدیر ص۳۰۷ جلد۲، طحطاوی علی المراقی ص۳۱۱، شامی ص۷۶۷ جلد۱، مرقاۃ ص۲۶۹ جلد۳ میں ہے ان رفعہ غریب والمعروف کونہ من کلام الزھری یعنی اس کا مرفوع ہونا ضرور غریب ہے اور وہ کچھ جو پہچانا گیا ہے یہ ہے کہ یہ زہری تابعی کا کلام ہے۔ نصب الرایہ ص۲۰۱ جلد۲ میں ہے قلت غریب مرفوعا قال البیھقی رفعہ وھم فاحش انما ھو من کلام الزھری یعنی میں کہتا ہوں کہ مرفوع ہونے کی حیثیت سے غریب ہے۔ امام بیہقی نے فرمایا اس کا رفع وہم ظاہر ہے تو زہری ہی کا کلام ہے۔ غنیۃ المستملی ص۲۴۲ میں ہے و انما لم نستدل بما استدل بہ فی الھدایۃ وغیرھا وھو اذا خرج الامام فلا صلٰوۃ ولا کلام لان رفعہ غریب و المعروف کونہ من کلام الزھری یعنی ہم نے ہدایہ وغیرہا کے مستدل بہ اذا خرج الامام فلا صلٰوۃ و لا کلام سے صرف اسلئے استدلال نہیں کیا کہ اس کا رفع غریب اور معروف یہی ہے کہ زہری کا اپنا کلام ہے۔ ان حضرات کا اس حدیث کے متعلق "رفعہ غریب اور المعروف الخ" فرمانا صاف صاف بتا رہا ہے کہ یہ غریب بمعنیٰ شاذ ہے اور شذوذ اقسام طعن فی الحدیث سے ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمۂ مشکوٰۃ ص۶ میں ہے والغریب قد یقع بمعنی الشاذ ای شذوذا ھو من اقسام الطعن فی الحدیث۔ پھر لطف مزید یہ کہ امام زہری تابعی نے بھی بعینہٖ یہ کلمات نہیں فرمائے۔

فتح القدیر، نصب الرایہ، غنیہ، مرقاۃ میں متصلاً ہی فرمایا "رواہ مالک فی الموطا قال خروجہ یقطع الصلٰوۃ و کلامہ یقطع الکلام یعنی امام مالک نے مؤطا میں اس کو روایت فرمایا کہ زہری نے فرمایا کہ امام کا نکلنا نماز بند کر دیتا ہے اور امام کا بولنا کلام بند کر دیتا ہے۔ نصب الرایہ میں یہ اور فرمایا" و

Marfat.com

عن مالك رواه محمد بن الحسن فی موطاہ کہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے اس کو امام مالک علیہ الرحمۃ سے ہی اپنے مؤطا میں روایت فرمایا۔ امام زہری کا یہ کلام یونہی مؤطا امام مالک ص۳۶ طبع دار اشاعت، مؤطا امام محمد ص۱۰ طبع یوسفی میں ہے۔ پھر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ زہری تابعی یوں فرماتے کیوں ہیں؟ تو مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد اور سنن بیہقی ص۱۹۳ جلد۳ طبع حیدرآباد، سے صراحۃً مستفاد کہ امام زہری کا یہ ارشاد اپنے استاذ حضرتِ ثعلبہ بن مالک کے بیان مسند سے مستفاد ہے والنظم من موطا مالك۔ مالك عن ابن شهاب عن ثعلبة بن ابی مالك القرظی انه اخبره انهم كانوا فی زمن عمر بن الخطاب يصلون يوم الجمعة حتى يخرج عمر بن الخطاب فاذا خرج عمر وجلس على المنبر اذن المؤذنون قال ثعلبة جلسنا نتحدث فاذا سكت المؤذنون وقام عمر يخطب انصتنا فلم يتكلم منا احد قال ابن شهاب فخروج الامام يقطع الصلوٰة وكلامه يقطع الكلام۔ بلکہ امام ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار ص۲۱۷ جلد۱ میں اور امام بیہقی سنن بیہقی ص۱۹۳ جلد۳ میں اپنی اپنی سندوں سے ابن شہاب زہری سے راوی کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرتِ ثعلبہ بن ابی مالک نے یہ خبر دی والنظم عن الطحاوی عن ابن شهاب قال اخبرنی ثعلبة بن ابی مالك القرظی ان جلوس الامام على المنبر يقطع الصلوٰة وكلامه يقطع الكلام وقال انهم كانوا يتحدثون حين يجلس عمر ابن الخطاب على المنبر حتى يسكت المؤذن فاذا قام عمر على المنبر لم يتكلم احد حتى يقضى خطبتيه كلتيهما ثم اذا نزل عمر عن المنبر وقضى خطبتيه تكلموا۔

علامہ عینی عمدۃ القاری ص۲۱۶ جلد۳ طبع عامرہ میں اس کے متعلق فرماتے ہیں اخرجه الطحاوی ایضا باسناد صحیح۔ یہ حضرتِ ثعلبہ صحابی ہیں یا تابعی جو زمانِ فیض توامانِ حضرتِ فاروقِ اعظم

عہ تقریب التہذیب ص۔ میں ہے مختلف فی صحبته وقال العجلی تابعی ثقة ۱۲

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خبر دیتے ہیں کہ ان کے منبر پر جلوہ فرما ہونے کے وقت جمعہ کے دن اختتامِ اذان تک انہم کانوا یتحدثون یعنی بے شک وہ حاضرین گفتگو کرتے رہتے تھے اور یہ بھی خبر دیتے ہیں کہ امام کا منبر پر بیٹھنا نماز بند کر دیتا ہے اور امام کا بولنا (خطبہ دینا) کلام بند کر دیتا ہے ولا شك فی وفور الصحابة فی زمنه المقدس وانهم لا یسکتون علی باطل رضی اللہ تعالیٰ عنهم فسقط ما قیل هذا استدلال[عـه] بالسکوت۔ تو روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ اس حدیث سے حرمتِ کلام قبل الخطبہ پر استدلال نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے کلمات موثوق بہا جوازِ کلام کی صریح دلیل ہیں اور جب جوازِ کلام ثابت ہوا تو اس کلام سے مراد ہمارے نزدیک کلام متعلق بآخرت ہے تاکہ اس کے متعارض نہ ہو جو حضرت مولیٰ علی اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ وہ امام کے نکلنے کے بعد نماز اور کلام پسند نہ فرماتے تھے لتتفق کلماتهم ولا تتعارض پھر نظر فقہی نے حکمِ فقہی اذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا کلام کا مبنیٰ یہ پایا کہ خروجِ امام خطبہ کے لئے ہوتا ہے اور استماعِ خطبہ فرض اور اذانِ ثانی مقدمۂ مسنونہ ہے تو اگر حاضرِ مسجد نماز شروع کر دے یا دنیاوی[عـه] کلام تو ہو سکتا ہے کہ امام خطبہ شروع کر دے اور استماع فوت ہو جائے۔ مبسوط صـ۳ جلد ۲ میں ہے فیجعل بعد الخروج کالشارع فیها من وجه۔ شامی صـ۷۶۹ جلد ۱ میں ہے ینتظرون خروج الخطیب متهیئون لسماعه۔ پھر جب خطبہ شروع نہ کیا اور اذان شروع ہو گئی تو وجہِ وجیہ شرعی نے بتا دیا کہ اختتامِ اذان تک خطبہ ملتوی ہے تو اب وہ انتظار بھی اتنی دیر تک نہ رہی تو کلامِ اخروی بطریقِ اولیٰ جائز ہوئی لارتفاع علة المنع۔ اور یونہی جب امام نے دعائے اذان شروع کی تو حاضرین کو بھی فرصتِ دعا مل گئی، یہ تو صرف وقت قبل الخطبہ ہے۔ ہم بفضلہ وکرمہ تعالیٰ اس کی نظیر عینِ خطبہ میں ثابت کرتے ہیں۔ صحاح ستہ وغیرہا کی احادیثِ صریحہ کثیرہ بامر الرکعتین للجائی وقت

عـه کما فی البدائع ۱۲ عـه یہ ایسا کلام ہے جو طول پکڑ سکتا ہے اور بوجہ غفلت سماع فوت ہو سکتا ہے اور اخروی کلام باعثِ غفلت نہیں اور امام کے کھڑے ہوتے ہی بند ہو سکتا ہے بخلاف نماز کہ وہ بلا تشہد خاص تک پہنچے اختتام پذیر نہیں ہو سکتی فاتضح الفرق واستبان الحق ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

الخطبۃ مروی ہیں۔ حضرتِ امام شافعی ان کی بنا پر مجوزِ نماز ہیں مگر ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک دورانِ خطبہ میں بوجہ فرضیت استماع و انصات نہیں پڑھ سکتا تو ان احادیثِ کثیرہ کا ایک جواب مستقل یہ دیا کہ ہو سکتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آنے والے کے لئے اس کے نماز سے فارغ ہونے تک خطبہ بند فرما دیا ہو۔ مبسوط ص۲۹ جلد ۲، تبیین الحقائق ص۸۸ جلد ۱، کبیری ص۲۳۹، فتح القدیر ص۳۷ جلد ۱، نصب الرایہ ص۲۰۳ جلد ۲، عمدۃ القاری ص۳۱۳ جلد ۳، مرقاۃ ص۲۵۳، ص۲۶۹ جلد ۲ میں ہے والنظم من الفتح لجواز کونہ قطع الخطبۃ حتی فرغ وھو کذلک عـه رواہ الدارقطنی فی سننہ من حدیث عبید بن محمد العبدی الخ تو روزِ روشن کی طرح معلوم ہوا کہ جب ایک وقت مقرر تک خطیب خطبہ دائرہ بند کر دے تو اس دوران میں نماز جائز ہے تو کلام بطریقِ اولیٰ جائز ہوگی لعدم الفارق مع عدم لزوم امتدادہ کالصلوٰۃ۔

اور ملا علی عـه قاری علیہ الرحمۃ کی نظر میں اولیٰ یہ کہ ان حدیثوں کو وقتِ قبل الخطبہ پر محمول کیا جائے مرقاۃ ص۲۵۳ جلد میں فرماتے ہیں فالاولی ان یقال معنی قولہ یخطب ای یرید ان یخطب ولیس قولہ امسک عن الخطبۃ نصا فی قطع الخطبۃ لانا نقول المراد امسک عن شروعہا۔

بہرحال مقصود واضح ہے۔ نیز دورانِ خطبہ میں جب خطیب کا رکنا متیقن ہو جائے تو صراحۃً جوازِ کلام کلام عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دورانِ خطبہ میں مجمع صحابہ کرام میں عرض کیا اور کسی نے قطعاً انکار نہ کیا فکان ذا اجماعا منہم بمثل ذلک الحال رواہ الائمۃ مالک فی الموطا ص۳۵ ومحمد فی الموطا ص۵۶ والبخاری ص۱۲۰ ومسلم ص۲۸۰ والترمذی ص۶۵ مطبع علیمی وغیرہم عن ابن عمر

عـه زیلعی نے فرمایا وھو الظاہر ۱۲ عـه عمدۃ القاری ص۳۱۳ جلد ۳ میں ہے الجواب الثانی ان ذلک کان قبل شروعہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخطبۃ وقد بوب النسائی فی سننۃ الکبری علی حدیث سلیک قال باب الصلوٰۃ قبل الخطبۃ ثم اخرج عن ابی الزبیر عن جابر قال جاء سلیک الغطفانی ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعد علی المنبر الحدیث ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین و النظم من الامام محمد
ان رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عثمان بن عفان)
دخل المسجد یوم الجمعۃ وعمر بن الخطاب یخطب
الناس فقال ایۃ ساعۃ ھذہ فقال الرجل انقلبت من السوق
فسمعت النداء فما زدت علی ان توضأت ثم اقبلت قال عمر و
الوضوء الحدیث ، اور اس کی نظیر نماز میں اذا امن الامام فامنوا رواہ البخاری
مشکٰوۃ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ۔ استماعِ قراءت
نماز فرض ہے مگر تامینِ امام کے وقت امر تامین ہے ، تو ماہِ نیم ماہ و مہر نیم روز کیطرح واضح ہوا کہ جوابِ
اذان جائز ہے ۔ اور جب امام دعائے اذان کرے تو مقتدی بھی کر سکتے ہیں ۔ نیز یہ حکم فقہی کراہتِ کلام
بعد خروج الامام اس لئے ہے کہ وہ وقت انتظارِ خطبہ ہے ، مبسوط سے سن چکے فیجعل بعد الخروج
کالشارع فیہا من وجہ تو یہ نظیر منتظرِ نماز ہے جو شرعاً حکمِ نماز میں ہے لا یزال احدکم
فی صلوٰۃ ما کانت الصلوٰۃ تحبسہ رواہ البخاری ص۹ عن ابی ھریرۃ
مرفوعاً حالانکہ منتظرِ نماز پر کلامِ اخروی مکروہ نہیں حالانکہ وہ حکماً نماز میں ہے تو منتظرِ خطبہ پر کیوں مکروہ
ہوئی ؟ تو لامحالہ تحقیق یہی ہے کہ جن آثار سے کراہتِ کلام ثابت ہو رہی ہے ۔ اس کلام سے مراد کلامِ دنیوی
ہے اور جن دلائلِ کثیرہ سے جواز ثابت ہو رہا ہے تو وہ کلامِ اخروی کا ہے ۔ پھر نصوصِ مجوزہ کی کثرت و
صراحت کا بھی یہی تقاضا ہے اور اصل انعدام تعارض اور توفیق و تطبیق ہی ہے ۔ غنیۃ المستملی ص۲۴۲ میں ہے
اذھی (المعارضۃ) خلاف الاصل فلا یحکم بہا الا عند عدم امکان التوفیق پھر صدہا آیات
متظافرہ و احادیثِ متظاہرہ اور اقوالِ متکاثرہ عامہ و خاصہ جو قیود و حد و عد سے بالاتر ہیں وہ بھی مجوز اذکار و
ادعیہ و اجاباتِ قولیۂ اذان ہیں کما مر ، تو کیا چند آثارِ موقوفہ و محتملہ سے نصوصِ متواترہ منسوخ ہو سکتی ہیں
ہیہات ہیہات ، ہرگز نہیں ہرگز نہیں ۔ احادیثِ اجابت و ادعیۂ اذان جو صحاح و صراح ہیں کیا وہ
سب صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہیں کہ وہی مخاطب ہیں لہذا ہمیں اجازت نہ ہو ، یا صرف ملکِ عرب

عہ کما صرح بہ ابو ھریرۃ رواہ مسلم ۱۲ عہ تقیید المطلق نسخ الاطلاق عندنا کما صرح بہ فی الاصول ۱۲

Marfat.com

کی اذانوں کے لئے یا اذانیں دیتے مؤذنین محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، یا ان میں سے کسی ایک کی اذانوں، یا ان اذانوں سے کسی ایک اذان کے ساتھ مختص ہوں، یا کسی خاص زمانے یا قوم کے مؤذنین کے متعلق ہو، کیا خالد یا ولید کی اذانیں قابلِ اجابت دعا ہیں یا نہیں؟ الیٰ غیر ذلک من الصور العامۃ والخاصۃ المتجاوزۃ الآف الوف آلاف الالوف۔ بالاتفاق ایسے بے سروپا اور مہمل خیالاتِ خام اور اوہامِ ناتمام قطعاً قابلِ سماع نہیں کہ وہ احادیث لفظاً عام و شامل ہیں اور صورتِ مسؤلہ بھی اسی عموم کے تحت داخل اور یہ اسے شامل،

اذان علی القبر جو کسی نماز کے لئے نہیں اور اس کے متعلق شامی ص۳۵۵ جلد۱ میں ردہ ابن حجر اور ص۸۳۷ جلد۱ میں کا یسن ہے۔ اس کا جواز فضائلِ ذکر و دعا، و درود کی آیات و احادیث اور احادیثِ متعلقہ اذان سے اعلیحضرت علیہ الرحمۃ نے "ایذان الاجر فی اذان القبر" میں ثابت فرمایا ہے جو جائز و مسلم ہے مگر سخت تزین حیرت یوں دامن گیر کہ وہی دلائل آیات و احادیث اور احادیثِ اذان اس اذانِ واقعی (جو خصوصی نماز کی اذان ہے) کے جواب و دعا ثابت کرنے سے قاصر کہے جاتے ہیں فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ فقیر نے آج تک امامِ اہلِ سنت اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی کتاب میں باوجود کثرتِ مطالعہ یہ قطعاً نہیں پایا کہ امورِ مذکورہ سوال ناجائز ہیں اور آیات و احادیث ان کے اثبات سے قاصر ہیں بلکہ ایسا کوئی اشارہ تک نہیں ملا البتہ بعض حضرات نے درالمختار کے حوالہ سے فرمایا کہ اس اذان کا جواب مقتدیوں کے لئے ناجائز ہے تو .... عبارتِ درالمختار کی تنقیح و جواب ہی اس کا جواب ہے۔ درالمختار ص۲۰۷ جلد۱ مطبوع مع الشامی میں ہے قال وینبغی ان لا یجیب بلسانہ اتفاقا فی الاذان بین یدی الخطیب۔ شامی میں ہے (قولہ

عہ بہارِ شریعت حصہ سوم ص۳۳ میں حکمِ فقہی مسجد میں اذان کہنا مکروہ ہے، کے عموم سے استدلال فرماتے ہوئے کہا یہ حکم ہر اذان کے لئے ہے فقہ کی کسی کتاب میں کوئی اذان اس سے مستثنےٰ نہیں۔ اذانِ ثانی جمعہ بھی اسی میں داخل ہے حالانکہ احادیثِ اجابت و دعائے اذان عام ہیں کوئی اذان ان سے مستثنیٰ نہیں، اذانِ ثانی جمعہ اسی میں داخل ہے۔ کیا عموم احادیث عموم کلام شارح جتنی طاقت بھی نہیں رکھتا؟ اور ساتھ ہی کتبِ فقہیہ کا عموم بھی بلا استثناء ہی ہے آیا صرف بہار الفائق کی رائے سب کو اڑا دے گی! ہرگز نہیں! منہ غفرلہ

اللّٰھم اغفر لکاتبہ

Marfat.com

قال ای فی النھر۔

تو اس عبارتِ درمختار کا حاصل یہ ہوا کہ صاحبِ نہر نے نہرؔ میں فرمایا چاہیے کہ جواب نہ دے زبان سے بالاتفاق اس اذان میں جو خطیب کے سامنے ہوتی ہے تو اولًا اس "چاہیے" سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ یہ منقول فی المذہب نہیں بلکہ صاحبِ نہر کی رائے ہے جو مذہب نہیں بن سکتی و ذا ظاھر جدا علی من رأی کلمات القوم بلکہ خود صاحبِ نہر نے تصریح فرمائی کہ میں کہتا ہوں کما سیجئ عن المنحۃ پھر یہ رائے بھی اسی قدر ہے کہ جواب نہ دینا چاہیے اور یہ نہیں فرمایا کہ ناجائز ہے تو اس سے ناجائز سمجھنا جائز نہیں۔ غالبًا اسی بنا پر درمختار میں جب ان لوگوں کا بیان کیا جن پر جوابِ اذان نہیں تو اس کی طرف اشارہ تک بھی نہ کیا۔ درمختار ص۳۶۸ میں یجیب من سمع الاذان کی شرح میں ہے لاحائضا و نفساء و سامع خطبۃ و فی صلوۃ جنازۃ وجماع ومستراح الحیض ونفاس والی عورت اور خطبہ سننے والے اور نمازِ جنازہ پڑھنے والے اور جو جماع میں مشغول یا قضائے حاجت میں ہو ان پر واجب نہیں، تو معلوم ہوا کہ صاحبِ درمختار کو یہ مختار نہیں کہ منتظرِ خطبہ پر بھی جواب نہیں چہ جائیکہ ناجائز بتائیں۔

ثانیًا۔ اس رائے کا مبنٰی دوسری رائے ضعیف پر ہے کہ عند الامام الاعظم قبل الخطبہ کلامِ اخروی بھی مکروہ ہے وقد بینا فساد المبنی و مبنی علی الفاسد فاسد طحطاوی علی الدر ص۱۸۹ میں ہے ولکن سیأتی ان الاصح جواز الاذکار عندہ قبل شروعہ فی الخطبۃ فلا مانع من الاجابۃ۔

ثالثًا۔ یہ نقلِ درمختار صحیح بھی نہیں بلکہ کاتب نے "لاتجب" کو بگاڑ کر "لایجیب" لکھ دیا ہے۔ منحۃ الخالق ص۲۵۹ جلد ا میں ہے قال فی النھر اقول ینبغی ان لاتجب باللسان اتفاقا علی قول الامام فی الاذان بین یدی الخطیب و ان تجب بالقدم الخ اور یونہی طحطاوی علی المراقی ص۱۳۰ میں بھی نہر سے "لاتجب" ہے جس کا معنٰی یہ بنا کہ صاحبِ نہر الفائق نے نہر الفائق میں فرمایا کہ میں کہتا ہوں چاہیے کہ زبان کے ساتھ بالاتفاق اجابتِ

عہ وقد اختلط الامر علی صاحب الدر والا فالمنقول عن النھر کما فی المنحۃ والطحطاوی علی المراقی "لاتجب" فاتضح الحق واستبان وقد کتبت ھذا علی ھامش الشامی ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

اذان واجب نہ ہو الخ اور جب منقول عنہ میں نفیِ وجوبِ اجابت ہے اور نفیِ جواز اجابت نہیں تو اس سے ناجائز سمجھنا کسی طرح جائز نہیں، وجوب خاص اور جواز عام ہے اور ارتفاعِ خاص مستلزمِ ارتفاعِ عام نہیں۔

رابعًا بلکہ الٹا جواز سمجھ آرہا ہے بحسب المفہوم المخالف المعتبر فی الروایات کما فی الدر والشامی ص۳۱ جلد ۱ وغیرھما اور یہاں تو سیاق وسباقِ کلامِ نہر کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ وجوبِ اجابتِ قولیہ اور عدمِ وجوب[عہ] کے متعلق اختلافِ حلوانی اور غیرِ حلوانی پہ فرماتے ہیں "ما لا یخفی علی من راٰی واما ما ینفعھم من" علی قول الامام" فھو الکراھۃ وھی لا تنافی الجواز فافھم تو عبارتِ در سے عدمِ جواز پہ استدلال غلط در غلط بنا۔

خامسًا اگر واقع میں" لا تجب" نہ ہوتا اور" لا یجیب" ہی ہوتا اور اول میں" لا ینبغی" بھی نہ ہوتا تب بھی اس کا معنٰی نفیِ وجوب بن سکتا ہے، بقرینۃ السیاق، شامی علیہ الرحمۃ یہیں ردالمختار کے اس" لا یجیب" کے متعلق جو اجابتِ اقامت کے حق میں ہے، یہی معنٰی ممکن بتاتے ہیں ویمکن حملہ علی نفی الوجوب بدلیل قول الخلاصۃ لیس علیہ جواب الاقامۃ۔

سادسًا صرف درالمختار اور نہر الفائق کا بیان ہے اور صرف ان دونوں پر فتوٰی سرے سے جائز ہی نہیں تو یوں بھی وہ" ناجائز" جائز[عہ] نہیں رہتا علامہ شامی علیہ الرحمۃ ردالمختار[عہ] ص۶۵ جلد ۱، اور ثلاثین ص۱۳ ج۱

عہ مع الاستحباب عند الحلوانی ۱۲ عہ اس قسم کے تطفلات بے ادبی نہیں بنتے لہذا امام اہل السنت والجماعت علیحضرت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فتاوٰی رضویہ شریفہ میں اکابر فقہائے کرام اور مشائخ عظام کے اسمائے مبارکہ ذکر کرکے تطفلات کئے ہیں صرف جلد اول میں ہی ایک ہزار نو سو پینتالیس تک ہیں مثلاً فتاوٰی رضویہ ص۸۲ جلد ا میں ہے فظھر ان ما وقع فی مسئلۃ الجنب المذکورۃ فی الخانیۃ الشریفۃ من قولہ احدث اولم یحدث سبق قلم من الامام الاجل فقیہ النفس رحمہ اللہ تعالٰی رحمۃ واسعۃ ورحمنا بہ فی الدنیا و الاٰخرۃ امین ولا عذر وفلکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولا عصمۃ الا لکلام الالوھیۃ ثم النبوۃ ۱۲ عہ اقامۃ القیامۃ کے ص۸ میں ردالمختار اور رسائل شامی وغیرہا کے متعلق فرمایا کہ تمام حنفی دنیا میں ان پر اعتماد ہو رہا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

اللّٰھم اغفر لکاتبہ

Marfat.com

میں فرماتے ہیں والنظم من الاول لایجوز الافتاء من الکتب المختصرۃ کالنھر وشرح الکنز للعینی والدر المختار شرح تنویر الابصار نیز رسائل کے اسی صفحہ میں فرماتے ہیں لا ثقۃ بما یفتی بہ اکثر اھل زماننا بمجرد مراجعۃ کتاب من الکتب المتأخرۃ خصوصاً غیر محررۃ کشرح النقایۃ للقھستانی والدر المختار و الاشباہ والنظائر ونحوھا فانھا لشدۃ الاختصار والایجاز کادت تلحق بالالغاز مع ما اشتملت علیہ من السقط فی النقل فی مواضع کثیرۃ وترجیح ما ھو خلاف الراجح بل ترجیح ما ھو مذھب الغیر مما لم یقل بہ احد من اھل المذھب نیز اسی صفحہ میں ہے وقد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابا من کتب المتاخرین ویکون القول اخطأ بہ اول واضع لہ فیأتی من بعدہ وینقلہ عنہ وھکذا ینقل بعض عن بعض پھر اسی کی کئی نظیریں بتا کر فرماتے ہیں ولھذا الذی ذکرناہ نظائر کثیرۃ اتفق فیھا صاحب البحر والنھر والمنح والدر المختار وغیرھم وھی سھو منشأھا الخطأ فی النقل او سبق النظر

نہایت اہم ہے تو معلوم ہوا کہ صرف در المختار اور نہر پر اعتماد کرتے ہوئے اگر ان میں عدمِ جوازِ اجابتِ مذکورہ صراحۃً بھی ہوتا تب بھی اس پر فتوےٰ نہیں دیا جا سکتا تھا چہ جائیکہ اس عبارتِ مستدل بہا سے حسب القواعد جواز مفہوم ہو رہا ہے۔

فائدہ

"خروجِ اذا خرج الامام" سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق بعض حضرات نے "صعود المنبر" فرمایا ہے تبیین الحقائق ص۲۲۳ جلد۱، عینی علی الکنز ص۴۹، غنیۃ المستملی ص۵۱۹ میں ہے والنظم من العینی ومعنی خرج اذا صعد علی المنبر اور بعض نے یہ تفصیل فرمائی کہ اگر امام

Marfat.com

حجرہ میں ہو تو اس سے نکلنا ورنہ منبر پر چڑھنا۔ در المنتقی ص۱۷۱ جلد ۱، در المختار ص۷۶۲ جلد ۱، طحطاوی علی المراقی ص۳۱۱، بحر الرائق ص۱۵۵ جلد ۲ میں ہے والنظم من البحر ان الامام ان کان فی خلوۃ فالقاطع انفصاله عنها وظهوره للناس والا فقیامه للصعود۔ اور در حقیقت ان دو تفسیروں میں کوئی اختلاف نہیں کہ جن حضرات نے صرف صعود علی المنبر کہا وہ اپنے اقالیم کے لحاظ سے فرماتے ہیں جہاں امام کے لئے خلوت گاہ نہیں اور جن حضرات نے تفصیل فرمائی تو ان کی نظر میں وہ علاقے بھی ہیں جہاں امام کے لئے خلوت گاہ ہوتی ہے۔ بحر الرائق میں ہے وفی شرح المجمع عبارۃ الخروج وارادۃ علی عادۃ العرب من انهم یتخذون للامام مکانا خالیا تعظیما لشانه فیخرج منه حین اراد الصعود هکذا شاهدناه فی دیارهم والقاطع فی دیارنا یکون قیام الامام للصعود۔

اور وہ جو سراج الوہاج سے ہے فان لم یکن فی المسجد مقصورۃ یخرج منها لم یترک القراءۃ والذکر الا اذا قام الامام الی الخطبة۔ اس "قام الامام الی الخطبة" سے مراد یہ ہے کہ وہ قیام کرے جو بعد از معمولات وقتیہ منتہی الی الخطبہ ہوتا ہے اور اس معنی کا قرینہ "الی" انتہائیہ ہے اور دوسرا قرینہ اس کے بعد متن میں فاذا صعد الامام المنبر جلس "فا" کے ساتھ آنا اور اس بنا پر یہ معنی بھی اس تفصیلی معنی کے مطابق ہو جائے گا

البتہ فقیر کی نظر قاصر میں تفصیلی معنے خروج میں ایک اور شق بھی ہونی چاہیے۔ اور تفصیل یوں ہو کہ اگر امام ایسی خلوت گاہ میں ہو جو داخل مسجد ہے اس کا دروازہ مسجد میں کھلتا ہے تو اس سے نکلے اور اگر ایسی خلوت گاہ میں نہ ہو اور مسجد سے باہر ہو تو مسجد میں داخل ہو اور اگر قبل از وقت اذان ثانی ہی مسجد میں بیٹھا ہے تو منبر پر چڑھے اس کی وجہ ظاہر کہ اولین امام امام الائمہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو حجرہ مبارک سے باہر تشریف لاتے تو اتصال باب معلی کے باعث حجرہ سے باہر تشریف لانا ہی مسجد میں داخل ہونا تھا۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ ص۲۵۲ جلد ۲ میں ہے فاذا خرج الامام اراد نفسه علیه الصلوۃ والسلام فالمراد الخروج الحقیقی

Marfat.com

من حجرة الشريفة۔ اور جو امام باہر سے آتا ہے تو اس کا مسجد میں داخل ہونا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس داخل ہونے کی صورت میں ہے جو حجرۂ مبارکہ سے خارج ہوناتھا، لہٰذا ایسا داخل ہونا اسم خروج کا مصداق بن سکتا ہے اور اگر پہلے سے ہی مسجد میں ہو تو چونکہ ایسا دخول نہیں ہوتا، اور وقت سے پہلے بندش حرج ہے اور حرج شرعاً مدفوع تو اس کا منبر پر چڑھنا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تشریف آوری کے معنے میں ہوگا کہ چڑھنے سے ہی تعین الوقت ہوتا ہے۔ اسی مرقاۃ میں ہے: او المعنی اذا ظهر الامام بدخوله الی المسجد او بطلوعه علی المنبر۔

رہا علامہ شامی علیہ الرحمۃ کا ص۶۹ جلد۱ میں فرمانا واجابة الاذان حینئذ مکروهة تو وہ بھی قابلِ استدلال نہیں کہ یہ تو صاحبِ در کی متابعت میں ان کے کلام فالترقية المتعارفة الخ کی توجیہ کے ضمن میں فرمارہے ہیں جس کا مبنی والخلاف فی کلام یتعلق بالآخرة اما غیره فیکره اجماعا ہے حالانکہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ خود اس کے خلاف صرف ایک ہی صفحہ پہلے تصریح فرماچکے ہیں (اما قوله ولا کلام) ای من جنس کلام الناس اما التسبیح ونحوه فلا یکره وهو الاصح[عہ] عنایہ شرح ہدایہ ص۳۷ جلد۲ میں ہے یرید به ما سوی التسبیح ونحوه علی الاصح وقال بعضهم کل کلام کفایہ شرح ہدایہ ص۳۸ جلد۲ میں مبسوط شیخ الاسلام سے بحر الرائق ص۱۵۵ جلد۲ میں نہایہ اور عنایہ سے طحطاوی علی المراقی ص۳۱۱ تا ص۳۱۲ میں بحر سے ہے وانتظم له اختلف المشائخ علی قول الامام (ای ابی حنیفة رضی اللہ تعالی عنه کما فی الکفایة والبحر) فی الکلام قبل الخطبة فقیل: انما یکره ما کان من جنس کلام الناس اما التسبیح ونحوه فلا وقیل ذلك مکروه والاول اصح علامہ طحطاوی اس کے متصل فرماتے ہیں ومن ثم قال فی البرهان وخروجه قاطع للکلام ای کلام الناس عند الامام اھ اور اس پر متفرع فرماتے ہیں فعلم بهذا انه لاخلاف بینهم فی جواز غیر الدنیوی علی الاصح

عہ وکذا قال الطحطاوی ایضا فی حاشیة الدر ص۳۴۷ جلد۱ مکرراً مفرداً ۱۲ منہ وکذا فی البنایة للعینی علی الهدایة ص۱۰۲۱ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

ویحمل الکلام الوارد فی الاثر علی الدنیوی و یشہد لہ ما اخرجہ البخاری ان المعاویۃ اجاب المؤذن بین یدیہ الحدیث۔ علامہ عینی اس کی شرح ص۲۹۳ جلد۳ میں فرماتے ہیں وفیہ اجابۃ الخطیب للمؤذن وھو علی المنبر تو معلوم ہوا کہ صاحب دُر کا والخلاف فی کلام یتعلق بالاخرۃ اور یونہی اما غیرہ فیکرہ اجماعاً فرمانا شامی وغیرہ مذکورین کی نظر میں محض غیر محقق ہے اور اس" اجماعاً "سے اجماع ائمہ کرام تو کیا اجماع جمیع مشائخ مذہب بھی مراد نہیں ورنہ" اختلاف مشائخ علی قول ابی حنیفہ" کا کیا معنٰے؟ البتہ اس" اجماعاً "سے مراد صرف بعض علماء کا اجماع ہو سکتا ہے جو ہمارے اوپر کسی صورت میں بھی حجت نہیں۔ اس کی نظیر در المختار اور شامی کے ص۳۰۷ میں گذر چکی (و یجیب الاقامۃ) ندبا اجماعا۔ شامی نے فرمایا (قولہ اجماعاً) قید لقولہ ندبا ای ان القائلین باجابتہا اجمعوا علی الندب ولم یقل احد منہم بالوجوب کما قیل فی الاذان فلا ینافی قولہ وقیل لا فافہم وہاں" قیل لا "قرینہ ہے تو یہاں" یکرہ اجماعا "سے کچھ آگے صاحب دُر کا اذنوا واحدا بعد واحد فرمانا قرینہ ہے کہ سنتِ اذان تو پہلی سے ادا ہو گئی باقی زائد ہیں اور جائز بھی ہیں کما سیجیئ بفضلہ تعالی تفصیل ما

نیز علامہ شامی باب الاذان ص۳۶۹ میں فرماتے ہیں کہ اجابتِ اذان کا سبب سماعِ اذان ہی ہے تو میری نظر میں پہلی اور دوسری سب اذانوں کی اجابتِ قولیہ کا ہونا ظاہر ہے و یظہر لی اجابۃ الکل (ای الاذان الاول والثانی) بالقول لتعدد السبب وھو السماع بلکہ وہ تو اسی سببِ اجابت (سماع الاذان) کی بنا پر ظاہر احادیثِ اجابت کا تقاضا اس حد تک عام بتاتے ہیں کہ اذان غیر نماز کو بھی شامل ہے اور اس کا جواب بھی دینا چاہیئے (چہ جائیکہ نمازِ خصوصی کی اذان کا جواب نہ دیا جائے) فرماتے ہیں ھل یجیب اذان غیر الصلوٰۃ کالاذان للمولود لم ارہ لائمتنا والظاہر نعم ولذا یلتفت فی حیعلتیہ کما مر وھو ظاہر الحدیث۔ پھر احتمال پر اضمحلال الا ان یقال ان "ال" فیہ

عہ فی الطحطاوی علی الدر ص۱۸۸ و ص۱۸۹ ان الاصح جواز الاذکار عندہ (ای الامام الاعظم علیہ الرحمۃ) قبل شروعہ فی الخطبۃ فلا مانع من الاجابۃ (ای اجابۃ الاذان الثانی بین یدی الامام) قالہ ردا لنقل الدر عن النہر ۱۲

Marfat.com

مستعہد بہیں قطعاً مضر نہیں کہ اذانِ نماز کے سوا کوئی معہود نہیں تو نہایت ہی نمایاں ہوا کہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ کے نزدیک کلام اخروی اور جوابِ اذان مکروہ و ممنوع نہیں تو یہ جملہ اجابۃ الاذان حینئذ مکروھۃ محض متابعت و مماشاتِ دُر ہی سے ہے وکم لہ من نظیر فی کلام الشراح والمحشین۔ پھر علامہ کا یہ جملہ اس اذانِ ثانی کے متعلق ہے جو تلقینِ مرقی پر مترتب ہوتی ہے کہ ان کی رائے قوی یہ ہے کہ وہ تلقین (جو اذان سے پست آواز کے ساتھ ہوتی ہے) ہی اصل اذان بن جائیگی اور وہ اذان جسے مؤذن باقاعدہ اذان سمجھتے ہوئے لہجۂ اذان میں ادا کرتا ہے جوابِ اذان بن جائیگا فرماتے ہیں والظاھر ان مثل ذلک یقال ایضاً فی تلقین المرقی الاذان للمؤذن والظاھر ان الکراھۃ علی المؤذن دون المرقی لان سنۃ الاذان الذی بین یدی الخطیب تحصل باذان المرقی فیکون المؤذن مجیبا لاذان المرقی واجابۃ الاذان حینئذ مکروھۃ الخ

اور جب یہ باقاعدہ اذانِ ظاہر اس تلفظ کلماتِ اذان کا جواب ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے جو مرقی محض غرضِ تلقین سے ادا کرتا ہے تو اذانِ جماعت میں جو خطیب کے سامنے اذانوں کے ہی لہجہ میں بہ نیتِ اذان ہوتی ہے۔ دوسری اور تیسری بطریق اولی ممنوع ہونی چاہیئے حالانکہ شامی علیہ الرحمۃ کے نزدیک مکروہ قطعاً نہیں بلکہ جائز ہیں اور حدیثِ موقوف متلقی بالقبول سے موثوق ہیں اور سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ السامی سے اس کی تائید نقل فرماتے ہیں۔ اسی ردالمحتار میں ہے قال الرملی فی حاشیۃ البحر ولم ار نصا صریحا فی جماعۃ الاذان (الی ان قال) ففیہ دلیل علی انہ غیر مکروہ لان المتوارث لایکون مکروھا وکذلک نقول فی الاذان بین یدی الخطیب فیکون بدعۃ حسنۃ اذ ما راٰہ المؤمنون حسنا فھو حسن اھ ملخصا **اقول** وقد ذکر سیدی عبدالغنی المسئلۃ کذلک اخذاً من کلام النہایۃ المذکور پھر تصنیفِ ردالمحتار کے بعد العقود الدریہ کے مسئلہ میں یہی دہراتے ہوئے فرماتے ہیں اما الاذان الاول فقد صرح فی النہایۃ

Marfat.com

بان المتوارث فيه اجتماع المؤذنين (الیٰ ان قال) وكذلك الذی بين يدی الخطيب المتوارث كونه بجماعة فهو مثله غير مكروه بدعة حسنة اذ ما راٰه المسلمون الخ اوران اذانوں اورموذنوں کے تعدد کا تذکرہ قدوری ص۳۳ ، ہدایہ ، کفایہ ص۳۳ جلد ۲ ، غنیۃ المستملی ص۵۳۲ میں نمایاں طور پر ہے و النظم من الهداية واذن المؤذنون بين يدی المنبر بذلك جرى التوارث لطف یہ کہ درالمختار میں فرماتے ہیں (و يوذن) ثانيا (بين يديه) ای الخطيب افاد بوحدة الفعل ان المؤذن اذا كان اكثر من واحد اذنوا واحدا بعد واحد ولا يجتمعون كما فی الحلابی والتمرتاشی ذكره القهستانی۔

تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ بوقتِ اذانِ ثانی کلامِ اخروی مکروہ نہیں بالخصوص کلماتِ اذان کا تلفظ جائز ہے اور جوابِ اذان میں بھی یہی ہوتا ہے۔ ہاں جماعتِ مؤذنین کا معًا یا متعاقبًا بلند آواز سے ادا کرنا چونکہ زمانِ سعادت توأمانِ شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں رواياتِ مشہورہ سے ثابت نہیں بلکہ بخاری[1] وغیرہ سے صراحۃً توحدِ موذن ثابت لہٰذا اس کا جواز توارث اور حدیث ما راٰه المسلمون سے ثابت کر رہے ہیں فاتضح الحق واستبان۔

ماضی قریب کے متبحر عالم اور ذکی فاضل عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح الوقایہ ص۲۴۴ جلد امیں فرماتے ہیں واما الكلام فانما يكره منه قبل شروع الخطبة الدنيوی لا الدينی كالاذكار والتسبيح وبعد الشروع فيها يكره مطلقا هذا هو الاصح كما فی النهاية وغيره فلا تكره اجابة الاذان الذی يؤذن بين يدی الخطيب وقد ثبت ذلك من فعل معاوية رضی الله تعالیٰ عنه فی صحيح البخاری ولا دعاء الوسيلة الماثور بعد ذالك الاذان هذا عند ابی حنيفة رضی الله تعالیٰ عنه

تنبیہ

یہ وہی عمدۃ الرعایہ ہے جس سے فتاویٰ رضویہ ص۴۹ جلد ۲ میں اسی اذانِ ثانی بین

[1] بخاری ص۱۲۴ میں ہے باب المؤذن الواحد يوم الجمعة اور اس باب میں حضرت سائب بن یزید کی روایت مسندہ میں ہے ولم يكن للنبی صلی الله عليه وسلم مؤذن غير واحد۔ منہ

Marfat.com

یدی الخطیب کے دروازہ مسجد پر ہونے کے متعلق خود اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدلال فرمایا ہے و نصہ۔ یہاں تک کہ اب زمانۂ حال کے ایک عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ص۲۴۵ جلد ۱ میں لکھتے ہیں الخ نیز کاسر السفیہ الواہم کے ص۱۵۷ میں ان کے متعلق فرمایا ذکی، طباع، عالم پھر تعجب کہ اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام نے تقبیل الابہامین جیسی حرکت قلیلہ تعظیمیہ کی ممانعت کیسے متصور ہوتی ہے حالانکہ ہمارے فقہائے کرام نے ہمارے ائمۂ ثلاثہ کی تصریح نقل فرمائی کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے پہلے آنے والا چل کر لوگوں سے گزر کر محراب کے قریب آسکتا ہے۔ فتاوے خانیہ ص۸۵، درالمختار مع تقریرات الشامی ص۶۷۲ جلد ۱، بحرالرائق ص۱۵۷ جلد ۲۔ عالمگیری ص۱۰۶ جلد۔ غنیۃ المستملی ص۵۲۳ میں ہے و النظم منها والخانیۃ والہندیۃ ذکر الفقیہ ابو جعفر عن اصحابنا[ع] لا باس بالتخطی مالم یاخذ الامام فی الخطبۃ ویکرہ اذا اخذ لان للمسلم ان یتقدم و یدنو من المحراب اذا لم یکن الامام فی الخطبۃ لیتسع المکان علی من یجیئ بعدہ وینال فضل القرب من الامام (الی ان قال) اما من جاء و الامام یخطب فعلیہ ان یستقر فی المسجد لان مشیہ و تقدمہ عمل فی حال الخطبۃ

نیز ہمارے حضرات نے تصریح فرمائی کہ قوم کے لئے مستحب ہے کہ امام کی طرف منہ کرے بوقت خطبہ غنیۃ المستملی ص۵۲۰ اور دوسری کتب معتمدہ میں ہے و النظم من الغنیۃ وفی المبسوط یستحب للقوم ان یستقبلوا الامام عند الخطبۃ وعن ابی حنیفۃ انہ کان اذا فرغ المؤذن من اذانہ ادار وجہہ الی الامام و عن عدی بن ثابت کان علیہ السلام اذا خطب استقبلہ اصحابہ بوجوہہم ذکرہ ابن بطال فی شرح البخاری لکن الرسم الان انہم یستقبلون القبلۃ للحرج فی تسویۃ الصفوف لکثرۃ الزحام کذا فی شرح الہدایۃ للسروجی۔

[ع] شامی ص۶۲۲ جلد ۳ میں ہے المشہور اطلاق اصحابنا علی ائمتنا الثلاثۃ ابی حنیفۃ وصاحبیہ کما ذکرہ فی شرح الوہبانیۃ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

جب اتنی حرکات کثیرہ جائز ہیں تو اس قلیل میں کیا حرج ؟ حالانکہ یہ تعظیم محبوب معظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے جو مطلقاً مطلوب شرعی ہے جب کہ نہی خصوصی نہ آئے لہذا جائز و مستحسن ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی محبوبنا الاکرم ما اذن واجیب اذان و دعی لہ بالوسیلۃ فی الجنان بالجنان وعلٰی الہ واصحابہ وسلم فی کل حین وان۔

الفقیر ابو الخیر السیفی غفرلہ — مورخہ شب ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۷۸ھ ۸ بجے

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایسا نمازی جو اقامت نماز کے دوران مسجد میں آیا جبکہ امام بھی آچکا ہو تو کیا اس کا بیٹھ جانا ضروری ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہو کیونکہ اس وقت قیام مستحب ہے جو قعود پر موقوف ہے حالانکہ مستحب کا موقوف علیہ بھی مستحب ہوتا ہے۔ بینوا ماجورین من رب العالمین۔

المستفتی : محمد اجمل نوری عفی عنہ

الجواب اللھم اجعل لی النور و الصواب

حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب کوئی تمہارا مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے۔ اور یوں بھی آیا کہ دو رکعتوں کے پڑھنے تک نہ بیٹھے (متفق علیہ) اس حکم کی بنا پر ہمارے ائمہ کرام اور جمہور کے نزدیک نماز تحیۃ المسجد مستحب مؤکد ہے بلکہ ہمارے مشائخ کرام نے یہ تصریح بھی فرمائی کہ سنت ہے[1] جو کسی بھی سنت یا فرض نماز سے بھی ادا ہو جاتی ہے جس سے پہلے بیٹھنا تاکیدی مستحب بلکہ سنت کا خلاف اور غیر اولی ہے لہذا ایسا داخل ہونے والا جس کے متعلق سوال ہے ادائے نماز سے قبل نہ بیٹھے اور چونکہ امام حاضر ہے لہذا حدیث لاتقوموا حتی ترونی کا تقاضا بھی نہیں کہ قیام نہ کرے۔ رہا سائل کا استدلال کہ ہمارے نزدیک حی علی الفلاح پر قیام مستحب ہے جو قعود پر موقوف ہے لہذا قعود بھی مستحب ہوا۔ تو یہ محض باطل ہے کیونکہ یہ قیام مستحب تو مقدمہ ہے اسی قیام کا جو بحکم قوموا للہ قانتین نماز فرض میں فرض ہے حالانکہ منفرد یا امام ومقتدی پر فرض نماز سے قبل قعود قطعاً فرض نہیں بلکہ منفرد کے لئے تو کسی نے مستحب تک بھی نہیں کہا تو معلوم ہوا

[1] للعلامۃ تبیین الحقائق للزیلعی ص۱۶۳ عینی علی الہدایہ ص۸۴۲ طحطاوی علی الدر ص۲۸۶ شرح الاشباہ والنظائر للحموی ص۵۵ نیز فتاوی ظہیریہ سے اس کے ص۵۵۹ اور رفع علی الشامیہ ص۱ میں ہے والنظم للزیلعی تحیۃ المسجد سنۃ۔ تنویر الابصار تحریراً اور در المختار اور شامی تشریحاً ص۶۳۵ نیز طحطاوی علی الدر تقریراً ص۲۸۶ میں ہے والنظم للغزی یسن تحیۃ المسجد نور تنفیعا اور درر تعلیلا ص۱۱۶ نور الایضاح تصریحاً اور مراقی اور طحطاوی تعلیلا ص۲۳ میں ہے سن تحیۃ المسجد۔ بحر الرائق اور شامی میں ہے وقد حکی الاجماع علی سنیتہا۔ شرح الاشباہ میں ہے وھو سنۃ اجماعا شامی میں ہے (قولہ یسن تحیۃ) کتب الشارح فی ہامش الخزائن (اسم شرحہ الکبیر للتنویر) ان ھذا رد علی صاحب الخلاصۃ حیث ذکر انہا مستحبۃ اور شرح الاشباہ میں ہے وانما اطلق المصنف علیہا الاستحباب لاشتمال السنۃ علی الاستحباب ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

کہ قیام قعود پر موقوف نہیں ورنہ قعود بھی قیام کی طرح فرض ہوتا ولم یقل بہ احد۔ اور یہیں سے واضح ہوا کہ مضمرات شرح قدوری میں مولانا صوفی یوسف بن عمر کا دوری کا ایسے داخل مسجد کے لئے قعود کا حکم دینا اور قیام مکروہ بتانا بے دلیل ہے اور صحیح نہیں اس میں حضور پر نور روحی فداہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مذکور کی صریح خلاف ورزی ہے جو ہمارے کسی بھی امام کا قول ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا لہٰذا مقبول نہیں اور ہندیہ اور دُرّ وغیرہ کا مضمرات سے نقل کرنا بھی صحیح نہیں بنا سکتا کہ غیر صحیح نقل کر دینے سے صحیح نہیں بن جاتا۔

تعجب ہے کہ امام کی موجودگی کی صورت میں تکبیر سے پہلے حاضرین کے لئے قیام عند الفلاح ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک مستحب تو ہے مگر مستحب کے خلاف دلیل خاص کے بغیر مکروہ نہیں بن سکتا کما صرح بہ الشامی وغیرہ تو وقت پر آنیوالے کے لئے کیوں مکروہ ہوا! اس مبارک اور صحیح حدیث کو بکثرت ائمہ دین نے اپنی اپنی مبارک تصانیف میں باسانید معتبرہ متصلہ روایت فرمایا ہے چنانچہ مؤطا امام مالک ص ۱۴۶ (طبع اصح)، مؤطا امام محمد ص ۱۱۹ (یوسفی) مسند امام احمد ص ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۳ صحیح بخاری ص ۶۳ باسنادین صحیح مسلم ص ۲۴۸ ج ۱ سنن ابی داؤد ص ۶۷ (مجیدی) باسنادین ترمذی ص ۴۳ ج ۱ (اصح) ابن ماجہ ص ۷۲ (اصح) شرح السنۃ ص ۲۶۵ وغیرہا میں بکلمات متقاربہ ہے والنظم من البخاری وغیرہ عن ابی قتادۃ السلمی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس مصنف عبد الرزاق ص ۴۲۸ ج ۱ بخاری ص ۱۵۶ ج ۱ مسلم ص ۲۴۸ ج ۱ میں بایں کلمات متقاربہ بھی ہے اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین۔ اور ابن ماجہ ص ۷۲ میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع میں بھی یہی کلمات مبارکہ ہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ ربی وحدہ وصلی اللہ علی حبیبہ الذی لا نبی بعدہ۔

الفقیر ابو الخیر النعیمی غفر لہ ۴ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
۹۰۳۰۷۴

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اذان یا اور جگہ حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی اور اسم سامی لیا جائے اور سامع اپنے دونوں انگوٹھے چومے تو کیا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو نص حدیث شریف سے دلیل دے کر تحریر فرما دیں، بینوا توجروا۔ المستفتی:۔ سلطان احمد اختر عزیز پوری چک نمبر ۲۵/۴ ایل

ص شامی عبد الرحمٰن کے مجموعۃ الرسائل ثلثین ص ۱۳ ج ۱ سے ص ۱۵ تک ہے قلت وقد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابا من کتب المتاخرین و یکون القول خطأ اخطأ بہ اول واضع لہ فیأتی من بعدہ وینقلہ عنہ وھکذا ینقلہ بعضہم عن بعض کما وقع ذالک الی ان قال، ولہٰذا الذی ذکرناہ نظائر کثیرۃ اتفق فیہا صاحب البحر والنہر والمنح والدر المختار وغیرہم وھی سہو منشاھا الخطأ فی النقل او سبق النظر الخ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی کسی کتاب کا مصنف کوئی غلط بات سہواً درج کر دیتا ہے اور بعد میں آنیوالے یونہی نقل کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ بیس کے قریب کتابوں میں نقل ہو جاتا ہے حالانکہ وہ مجہول ہوتی ہے اور اس کی بکثرت نظیریں ہیں جن میں بحر و نہر اور منح اور درِ مختار وغیرہ کے مؤلفین نے نقل میں اتفاق کیا حالانکہ وہ مجہول اور سہو ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے اور قرآنِ کریم واحادیث حبیب و محبوب عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے واضح طور پر ثابت ہے کہ اصلِ اشیاء اباحت ہے یعنی جب تک شرع مطہر سے کسی شی کی حرمت و کراہت ثابت نہ ہو تو اسے حرام ومکروہ نہیں کہہ سکتے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے عفی اللہ عنہا۔ اس کی تفسیر میں تفسیر خازن صـ۸۲ جلد۲ مصری میں ہے وعن سلمان قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن اشیاء فقال الحلال ما احل اللہ فی کتابہ و الحرام ما حرمہ اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما قد عفی عنہ فلا تتکلفوا۔ اور یونہی تفسیر کبیر صـ۴۵۹ جلد۳، معالم التنزیل صـ۸۲ جلد۱ مصری سنن ابن ماجہ صـ۲۴۹، سنن الترمذی صـ۲۱۹ جلد۱ وغیرہا میں ہے۔ اور ہدایہ مطبوع مع الشروح صـ۱۶۵ ج۷ عنایہ شرح ہدایہ، فتح القدیر صـ۲۷۳ جلد۳، منحۃ الخالق صـ۱۷ جلد۱، شامی صـ۹۵ جلد۱ میں ہے کہ اصلِ اشیاء اباحت ہے۔ شامی کے یہ لفظ ہیں وصرح فی التحریر بان المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمہور من الحنفیۃ والشافعیۃ اھ وتبعہ تلمیذہ العلامۃ قاسم وجری علیہ فی الھدایۃ من الحداد وفی الخانیۃ من اوائل الحضر والاباحۃ۔

تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ انگوٹھوں کا چومنا اصل میں کم از کم مباح ضرور ہے کہ شرع مطہر سے اس کی ممانعت نہیں آئی اور جب نیت تعظیم محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چومے جاتے ہیں تو مستحب وعبادت بن جاتا ہے۔ حضرتِ عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات، صحیح بخاری شریف کی پہلی حدیث یہی ہے اور ایسے ہی مسند امام حضرت سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سب سے پہلی حدیث یہی ہے کہ الا انما الاعمال بالنیات حضرت امام قاضی عیاض مالکی شفا شریف صـ۱۳۸ جلد۲، حضرت شیخ الامام الکمال ابن الہمام فتح القدیر صـ۱۰ جلد۳، علامہ شیخ محمد طاہر مجمع البحار صـ۲۸ جلد۱، علامہ ابراہیم حلبی غنیہ صـ۱۵، علامہ شامی علیہ الرحمۃ ردالمحتار صـ۲۸۵ جلد۵، امام محی الدین ابوزکریا نووی شافعی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں والنظم للذی

Marfat.com

تشرف المباحات تصير طاعات بالنيات الصالحات

اب بحمدہ تعالیٰ کھل گیا کہ تقبیل الابہامین بتعظیم اسم المحبوب صلی اللہ علیہ وسلم شریعِ اطہر میں جائز و مستحب ہے۔ نیز قرآن کریم سے صحیح طور پر ثابت اور حدیث شریف اور ائمہ قدیم و حدیث سے بھی کو ثابت اس محبوب طالب و مطلوب کی تعظیم و اجلال شرعاً نہایت ہی ضروری و لابدی ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے لتؤمنوا باللہ و رسولہ وتعزروہ وتوقروہ۔ معالم صـ۱۵۹ جلد۷ میں ہے (وتعزروہ) ای تعینوہ وتنصروہ (وتوقروہ) تعظموہ وتفخموہ ھذہ الکنایات راجعۃ الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونحوہ فی الخازن وایضًا فیہ والتعزیر نصر مع التعظیم شفا شریف صـ۳ جلد۲ میں ہے قال ابن عباس تعزروہ تجلوہ وقال المبرد تبالغوا فی تعظیمہ۔ مجمع البحار صـ۲۳۹ جلد۲ میں ہے تعظیمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل القرب اور اصول کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ المطلق یجری علی اطلاقہ تو جو قول و فعل تعظیم پر دال ہوگا وہ کم از کم جائز و مستحسن ضرور ہوگا لہذا فتح القدیر صـ۹۴ جلد۳۔ فتاوے عالمگیری صـ۲۸۲ جلد۱ میں ہے کل ما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا پس تقبیل الابہامین جو دال بر تعظیم ہے ضرور جائز و مستحسن ہوئی۔

نیز حدیث میں وارد ہے کہ ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن اور تقبیل الابہامین کو اہلِ اسلام حسن جانتے ہیں اور نفی ورود حدیث مرفوع صحیح خاص جزئیہ پر نفی وجود صحیح نہیں اور ایسے ہی نفی صحیح سے نفیِ حسن و ضعیف نہیں ہو سکتی اور وہ بھی فضائلِ اعمال میں مقبول اور یونہی نفی مرفوع سے نفی موقوف نہیں ہو سکتی اور موقوف بھی حجت ہے۔ خاتمہ مجمع البحار صـ۵۰۶ قولنا لم یصح لایلزم منہ اثبات العدم الخ تفسیر کبیر صـ۲۴۶ جلد۱ میں ہے عدم الوجدان لایدل علی عدم الوجود۔ غنیہ وغیرہا میں ہے مذھب الصحابی حجۃ یجب تقلیدہ۔ فتح القدیر صـ۹۵ جلد۲ میں ہے والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع بلکہ حدیث صحیح کی نفی صاف صاف بتاتی ہے کہ حدیث حسن یا ضعیف مرفوع یا موقوف صحیح ثابت ہے کہ مفہوم مخالف روایات میں ضرور بالضرور معتبر ہے۔ در المختار میں ہے

Marfat.com

المفہوم معتبر فی الروایات اتفاقا و منہ اقوال الصحابۃ۔ شامی صفحہ۲۸۳ جلد۱ میں ہے انہ فی الروایات و نحوھا معتبر باقسام حتی مفہوم اللقب۔ پس جراحی کا "لم یصح فی المرفوع" کہنا ثبوت بطریق مذکورہ کا صاف طور پر پتہ دیتا ہے لہذا شامی علیہ الرحمۃ نے تقبیل الابہامین کو مستحب بھی لکھا اور قول جراحی بھی نقل کیا۔ صفحہ۳۰۳ جلد ۱ میں ہے یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشہادۃ صلی اللہ علیک یارسول اللہ وعند الثانیۃ منہا قرۃ عینی بک یارسول اللہ ثم یقول اللّٰھم متعنی بالسمع و البصر بعد وضع الابہامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدا لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد او قہستانی و نحوہ فی فتاوی الصوفیۃ و فی کتاب الفردوس من قبل ظفر ابہامیہ الحدیث۔

منیر العین صفحہ۱۰ میں موضوعات ملّا علی قاری علیہ الرحمۃ سے منقول ہے قلت و اذا ثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ فیکفی للعمل بہ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین۔ معارج النبوۃ صفحہ۴ رکنِ اول میں ہے " گویند در وقتِ اذان درحین استماع اشہد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بوسیدن وانگشت بردیدہ نہادن نیز سنتِ آدم علیہ السلام است و احادیث در فضلِ آں آوردہ اند " اور وہابیہ کے نزدیک بھی سنت ہی ہونا چاہئے کہ ان کا اپنا حکیم بہشتی زیور کے صفحہ۴ پر لکھتا ہے " سنت وہ فعل ہے جس کو نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین نے کیا ہو" اور گنگوہی براہین کے صفحہ۲۸ پر کہتا ہے " جو شئے باوجود شرعی قرونِ ثلاثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے مگر عجب کہ اسکا انکار کرتے ہیں اور فرمانِ باری تعالےٰ جل جلالہ و لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب سے نہیں ڈرتے۔ مگر ان کا مذہب ہی یہی چاہتا ہے کہ تعظیم محبوب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے روکا جائے۔ چنانچہ براہین صفحہ۵۱ میں روئے زمین کا علم شیطانِ لعین کے لئے تو رشید احمد نے مان لیا اور سرکارِ دو عالم دانائے ماکان و مایکون سے نفی کیا بلکہ اسی صفحہ میں دیوار کے پیچھے کے علم سے بھی انکار کیا اور وہ بھی حدیث موضوع سے۔ بہرحال یہ ثابت ہوا کہ

Marfat.com

تقبیل الابہامین عند ذکر الاسم الشریف ضرور بالضرور جائز و مستحب ہے الا ان یمنع مانع کالخطبۃ والقراءۃ فیمتنع ھناک خصوصا لا مطلقا ۔ واللہ و رسولہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ عنفی القادری النعیمی الفریدپوری

باب الامامۃ

الاستفتاء

بسمہ سبحانہ وتعالیٰ حامدا ومصلیا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ دیوبندیوں ، مرزائیوں ، اہلحدیثوں ، شیعوں کے جلسوں میں جانا کیسا ہے ؟ اور امرِ معروف میں مل جل کر کام کرنا کیسا ہے ؟ اور اعلحضرت بریلی شریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا مسلک تھا ؟ یاد رہے کہ ان سے مِل کر کام کرنے سے عوام یہی سمجھیں گے کہ سب پکے مسلمان ہیں اور ان کے اختلاف جزوی فروعی ہیں ۔ سب کے پیچھے نمازیں جائز ہیں ۔ صرف حلوے مانڈے کا اختلاف ہے ۔ بینوا توجروا

المستفتی : محمد عبدالغفور ہزاروی غفرلہ خطیب وزیرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اجلاس اہائی ابتداع وارتداد میں بحالتِ اختیار دیدہ و دانستہ شریک[۱] ہونا ناروا و حرام محض ہے

---

[۱] انما قلت ھذا لان الذھاب قد یجوز لغرض المناظرۃ والرد وازالۃ الاثر ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

آیہ کریمہ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین وغیرہا آیاتِ متکاثرہ و احادیثِ متوافرہ کا یہی تاکیدی تقاضا ہے جس پر ائمہ سلف وخلف کا اطباقِ قولی وعملی ہے جسے امامِ اہل السنت والجماعت مجددِ مائۃ حاضرہ عظیم البرکۃ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تصانیفِ جلیلہ و جمیلہ میں ماہِ نیم ماہ ومہرِ نیم روز سے بھی زیادہ واضح وہویدا فرمادیا حتی کہ وصایا شریف میں بھی اس کا پرزور اعادہ فرمایا۔

اور سوال کی شقِ ثانی "امر معروف میں مل جل کر کام کرنا کیسا ہے؟" نہایت ہی مجمل ہے حتیٰ کہ معروف کی تفصیل بھی غیر معروف ہی رہی کہ شرعی مراد ہے یا عرفی یا لغوی؟ اجمالی جواب یہ ہے کہ صُورِ کثیرہ میں بحکمِ دلائل مشار الیہا اختلاط حرام ہے اور بکثرت ایسی صورتیں بھی ہیں کہ تنفرِ قلبی کے ساتھ اختلاطِ صوری کی متحمل ہو سکتی ہیں مثلاً دورِ حاضر میں سفر وادائے افعالِ حج میں اکثر اختلاط ہو جاتا ہے۔ ملکی فوج میں بھی شمولیت ممنوع نہیں؛ جہادِ کشمیر وغیرہ بھی جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔ ما جعل علیکم فی الدین من حرج الا ان تتقوا منہم تقٰۃ ابو السعود ص۲۳ جلد۲ نیشاپوری ص۱۷۸ جلد۳ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم لہ رخص لہم فی موالاتہم اذا خافوہم والمراد بتلک الموالاۃ مخالفۃ ومعاشرۃ ظاہرۃ والقلب مطمئن بالعداوۃ والبغضاء وانتظار زوال المانع من قشر العصا و اظہار الطویۃ کقول عیسیٰ علیہ السلام کن وسطا وامش جانبا۔ اور ایسے ہی روح البیان ص۲ جلد۲ میں ہے الا فیہا شق العصا بدل قشر العصا۔ اور قول کلمۃ اللہ علی نبینا وعلیہ السلام کی تشریح میں فرمایا ای کن فیما بینہم صورۃ وتجنب عنہم سیرۃ۔ احکام القرآن ص۱ جلد۲ میں امام ابوبکر جصاص حنفی فرماتے ہیں وھذا ھو ظاہر ما یقتضیہ اللفظ وعلیہ الجمہور من اہل العلم

عہ المحجۃ المؤتمنہ ص۱۵ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے مگر صورتِ ضرورت یا اکراہ قال تعالیٰ الا ان تتقوا منہم تقٰۃ وقال تعالیٰ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ۱۲ منہ غفر لہ

Marfat.com

نیز سی میں فرمایا فهذه الآی و الآثار دالة علی انه ینبغی ان یعامل الکفار بالغلظة و الجفوة دون الملاطفة و الملاینة مالم تکن حال یخاف فیها علی تلف نفسه او تلف بعض اعضاءه او ضرراً کبیرا یلحقه فی نفسه فانه اذا خاف ذلک جاز له اظهار الملاطفة والموالاة الخ روح البیان ص جلد ۲ میں ہے و اذا کان الرجل مبتلی بصحبة الفجار فی سفره للحج او للغزاء لایترک الطاعة بصحبتهم ولکن یکره بقلبه ۔ واللہ تعالی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم وصلی اللہ تعالی علی حبیبه و اٰله وصحبه و بارک وسلم ۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۱۲ جمادی الاخری ۷۶ھ بروز بدھ بوقت عصر

الاستفتاء

(مقدمہ کے حالات یعنی بیان) ہمارے چک میں پہلے ایک امام رکھا ہوا تھا۔ اس امام میں کئی ایک خامیاں تھیں۔ مثلاً جھوٹ بھی بول لیتا تھا۔ خفیہ سود بھی لے لیتا تھا۔ جھوٹی شہادت بھی دے دیتا تھا اور ایک دفعہ معاذ اللہ! یہ بھی کہہ دیا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک دفعہ ۸ ر آنے کی خاطر جھوٹ بولا تھا۔ یعنی ایسی ایسی خامیاں تھیں چنانچہ گاؤں والوں نے اس امام کو نکال دیا کہ اس کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی اور اس کی جگہ ایک سید امام جو اپنے علم کے مطابق عالم بھی تھا اور حنفی بھی تھا، لے آئے اور چک والوں نے اسے قبول کر لیا اور نماز اس کے پیچھے پڑھنی شروع کر دی۔ اس کے بعد دو تین گھر اس امام کے بھی خلاف ہو گئے کہ اس کو بھی نکال دو، ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہی پہلے والا امام آجائے۔ ان ہی شخصوں نے اس کو جواب دیا تھا کہ یہ امام ٹھیک نہیں ہے اس کو نکال دو۔ پھر ان آدمیوں میں سے ایک کا نام کریم بخش ہے اس نے حسد شروع کر دیا کہ یہ حاجی صاحب لائے ہیں اس کو بالکل نہیں رہنے دینا۔ امام پر یہ بات لگا دی کہ اس نے مردار گائے یا بھینس کا چمڑا اتارا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے چمڑا ضرور اتارا تھا اور رنگ کر بیچ دیا تھا۔ اور ایک دو جھوٹے الزام لگائے اور لوگوں کو مجبور کیا کہ اس امام کو نکال دو جو کہ سید تھا، اور لائیں گے، حاجی صاحب ان کو خیر بول دیا کہ

Marfat.com

ہماری طرف سے جواب ہے باقی لوگوں سے پوچھ لو۔ سید امام صاحب نے آدان پارٹی کو پوچھا، ان نے کہا کہ ابھی نماز پڑھا یا کرو۔ چونکہ ان لوگوں نے ۱۰-۱۲ دن نہیں بتایا اور جو پارٹی حسد کرتی تھی کہ سید صاحب کے پیچھے بھی نہیں ہوتی ان نے وہی پہلا امام لا کر مسجد میں کھڑا کر دیا اور دو جماعت ہونے لگی۔ چار یا پانچ دن دو جماعت ہوتی رہی، آخر ایک دن مغرب کی نماز پڑھنے کے واسطے گئے اور میں بھی ساتھ ہی تھا تو ہم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور شاہ صاحب کو بولا کہ نماز کراؤ، تو بات پر کریم بخش نے کہا کہ ہم جماعت نہیں ہونے دیں گے چنانچہ اس نے مصلے کو اٹھا کر دوسری طرف پھینک دیا جس پر کہ امام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھانی تھی اور یہی کہتا رہا کہ ہمارا پہلا جماعت نہیں کرائے گا اور تمہارے امام کو بھی جماعت نہیں کرانے دیں گے تو ہم پھر مسجد کے صحن سے باہر مصلی لے گئے اور کہا کہ ہم یہاں جماعت کرالیں گے تو اسی کریم بخش نے وہاں سے بھی مصلے اٹھا کر اندر پھینک دیا اور مغرب کی نماز نہیں ہونے دی اور سب لوگوں نے الگ الگ نماز پڑھی اور اس کو روک بھی لیتے، اس نے مسجد کے باہر چند آدمی جو کہ بے نماز تھے لڑائی کے واسطے کھڑے کیے ہوئے تھے۔

یہ مقدمہ کے پورے حالات ہیں اس مقدمہ کا صحیح فیصلہ لکھ کر بھیج دیں اور کریم بخش پر کوئی جرم لگتا ہو تو وہ بھیج دیں اور حدیث کا حوالہ دیں اور لکھیں کہ اس کو کیا تعزیر لگنی چاہیے، اس کا جلدی سے جلدی جواب دیں اور فتوے پورا صحیح لکھ کر بھیج دیں اور یہ جو کاغذ ہے ساتھ بھیج دیں تا کہ فیصلہ کرنے کے وقت سب کو سنا دیں کہ جھوٹی بات کوئی نہیں ہے، مصلے اٹھا کر پھینکنے والے کریم بخش کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا اس کا نام یاد نہیں ہے، اس میں کوئی غلطی نہیں ہے، یہ مصلے امام کا دو دفعہ اٹھا کر پھینکا گیا۔ یہ قصہ میرے سامنے ہوا ہے۔

سائل : صوفی بشیر احمد نوری کانٹے والا ریلوے اسٹیشن ٹوبہ ٹیک سنگھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر یہ سوال اور حالاتِ امام سابق صحیح اور واقعی یہی ہیں تو وہ امام بدلگام اہلِ اسلام کا امام قطعاً نہیں بن سکتا جھوٹ بولنا، جھوٹی شہادت دینا، سود لینا، یہ ایسے جرم ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک کسی ایک مرتبہ کسی سے ظہور پذیر ہو تو اسے بلا توبہ امام بنانا مکروہ تحریمہ ہے چہ جائیکہ وہ ان تین بڑے جرموں کا عادی مجرم مصر تھا جیسے سائل کے الفاظ "بول لیتا تھا" "لے لیتا تھا" "دے دیتا تھا" سے ظاہر ہے مگر وہ تو حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف دغاکش بدبخت جھوٹ بولنے کی نسبت کرکے اور وہ بھی اس خبثِ باطن کے ساتھ کہ آٹھ آنہ کی خاطر لہذا بلا ایمان

Marfat.com

ہوگیا اور دائرۂ اسلام سے بالاجماع خارج ہوگیا اور مرتد ہوگیا، اس کا کفر یہود و نصاریٰ اور ہندو و سکھوں سے بھی زیادہ بدتر ہے کہ کلمہ گو ہو کر مرتد ہوا، اللہ رب العالمین نے فرمایا والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم پ۱۰ ع۱۴ " وہ جو رسول اللہ کو ایذاء دیتے ہیں، ان کے لئے دردناک عذاب ہے " نیز فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لھم عذابا مھینا پ۲۲ ع۴ " بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے "

اللہ عزوجل ایذاء سے پاک ہے، اسے کون ایذاء دے سکتا ہے؟ مگر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شان میں گستاخی کو اپنی ایذاء فرمایا، اور ان کے سوا اور بہت سی آیات سے اور احادیث سے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے ادب و گستاخ کا خائب و خاسر و مردود ہونا اظہر من الشمس ہے درالمختار شامی کے ص۳۹۲ جلد۳ میں فتاویٰ بزازیہ و دُرر و شفا سے اور فتاویٰ خیریہ ص۱۰۳ جلد ا وغیرہا میں ہے والنظم من الشامی علیہ الرحمۃ اجمع المسلمون ان شاتمہ صلی اللہ علیہ وسلم کافر ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر " تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں یا معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے " شامی ص۲۹۲ جلد۳ میں ہے ان مجرد نسبۃ الکذب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم کفر " صرف جھوٹ کی نسبت حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کفر ہے " بلکہ کفر کہتے ہی اسے ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت کسی ایسی چیز میں کرے جس کا لانا ضروریاتِ دین سے ہے۔ درالمختار شامی ص۲۹۲ جلد۳ وغیرھا میں ہے الکفر لغۃ الستر وشرعا تکذیبہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شیئ مما جاء بہ من الدین ضرورۃ، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صادق ہونا قطعاً یقیناً ضروریاتِ دین سے ہے بلکہ سب ضروریات کا صدق اسی پر مبتنی ہے لہذا وہ بوجہ کفر و ارتداد امامت کے قابل نہیں رہا۔ باقی حسد شرعاً سخت حرام ہے پھر اس حسد کی وجہ سے اس پہلے امام کو امامت کی دعوت

Marfat.com

دینا اور سخت حرام ہے اور بڑا سخت ظلم ہے۔ قرآن کریم میں ہے لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اٰباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم " تو نہ پائے گا انہیں جو ایمان لاتے اللہ اور قیامت پر کہ ان کے دل میں ایسوں کی محبت آنے پائے جنہوں نے خدا ورسول سے مخالفت کی، چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں "

اس آیتِ کریمہ میں صاف فرما دیا کہ جو اللہ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا، جس کا صریح مفاد یہ ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا، پھر اس حکم کا قطعاً عام ہونا صاف صاف ارشاد فرما دیا کہ باپ، بیٹے، بھائی عزیز سب کو گنایا، یعنی کوئی کیسا ہی تمہارے گمان میں معظم یا کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو، ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے، اس کی وقعت نہیں مان سکتے ورنہ مسلمان نہ ہوگے۔ حاجی صاحب اور گاؤں والوں نے ٹھیک کہا کہ اس کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی اور وہ سید صاحب جو حنفی اور علم دار ہیں اور تمام چک والوں نے انہیں قبول بھی کر لیا اور امام بنا لیا تو ان کی مخالفت ہرگز ہرگز جائز نہیں جب کہ ان سے کوئی شرعی عیب سرزد نہ ہوا ہو، جھوٹے الزام لگانے اور بہت بری چیز ہے جیسے سورۂ احزاب سے ثابت ہے۔

باقی رہا مردار گائے یا بھینس کا چام اتار کر رنگنے کے بعد بیچنا، تو یہ کوئی عیب نہیں بلکہ شرعاً جائز ہے اور بہت مضبوط حدیثوں سے ثابت ہے۔ صحیح بخاری ص۲۰۲ جلد ۱، ص۸۳ جلد ۲، صحیح مسلم ص۱۵۸ جلد ۱، سننِ نسائی ص۱۹ جلد ۲، سننِ ابوداؤد ص۲۱۳ جلد ۲، سننِ ابن ماجہ ص۲۶۶ میں بالفاظِ متقاربہ حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزاد کردہ کنیز کی مُردار بکری کے متعلق حضورِ پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھلا انتفعتم بجلدھا " تم نے اس کے چام کے ساتھ کیوں نہیں نفع اٹھایا " قالوا انھا میتۃ " صحابۂ کرام نے عرض کیا بے شک یہ مردار ہے " قال انما حرم اکلھا " حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مردار کا صرف کھانا ہی حرام کیا گیا ہے "، اور اس کے سوا بہت حدیثوں سے ثابت کہ مردار کا چام رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے اور اس سے ہر طرح کا نفع اٹھایا جا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، تو سید صاحب اس الزام سے بھی پاک ہیں۔

Marfat.com

باقی رہا کریم بخش کا جماعت سے رد کنا اور مصلی باہر پھینک دینا، یہ بہت بڑا ظلم ہے اور مسجد کو غیر آباد کرنا ہے جس کی سزا دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ پ ع میں ہے ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا اولٰئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم ۰ " اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لیے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ان کو نہ پہنچتا تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔" باقی رہی تعزیر تو وہ بہت ہی زیادہ سخت ہے اور حاکم اسلام ہی لگا سکتا ہے۔ البتہ اہالیان اسلام پر لازم کہ اس کو مجبور کریں کہ ان عادتوں سے باز آجائے اور نیک بن جائے، آپس میں برادری کے لوگ بائی کاٹ وغیرہ سے ڈرا دھمکا کر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ   مورخہ ۶ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

علمائے دین و شرع متین ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے اور اسے صحیح العقیدہ حنفی تصور کرنے کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کے چند عقائد و اعمال ذیل میں درج ہیں:۔

۱۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے متعلق گستاخی کے الفاظ استعمال کرتا ہے مثلاً یہ کہتا ہے کہ وہ معاذ اللہ کوڑھے ہو کر مرے تھے۔ اس کے باوجود لوگوں کے سامنے صحیح حنفی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

۲۔ اپنے آپ کو بے ایمان کہتا ہے، خطبہ کے دوران کئی بار اس نے کہا " میرے جیسے کئی بے ایمان ملاں ہیں۔

۳۔ مسجد سے خاصی آمدنی کے باوجود روٹیاں مانگتا ہے۔

Marfat.com

۴۔ چھوٹی موٹی چیزوں کی چوری کا ارتکاب بھی کر لیتا ہے۔

۵۔ خود کو سید کہلانے کے باوجود قربانی کی کھالیں گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں کے ذریعے دباؤ ڈال کر حاصل کرتا ہے۔

۶۔ لوگوں کو ایسے تعویذ دینے سے بھی گریز نہیں کرتا جو دو مردوں کی موت کا باعث بن سکتے ہیں۔

ان افعالِ ذمیمہ کے باعث مجھے اس سے سخت نفرت ہے کیوں کہ روکنے پر بھی وہ نہیں رکتا۔ اس لئے میں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کر دیا ہے۔ براہِ نوازش یہ بھی تحریر فرمائیں کہ میرا یہ فعل حق بجانب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد الدین الیف۔ اے (مولوی فاضل) ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ پرائمری سکول بھیڑ سوہڑیاں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر یہ سوال صحیح اور واقعی ہے کہ وہ شخص اپنے آپ کو بے ایمان کہتا ہے تو وہ امام قطعاً نہیں بن سکتا، اسے مسجد کا آباد کرنا، اس میں بیٹھنا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ منصب امامت کے لائق ہو، بے ایمان کافر ہوتا ہے اور کافر کے متعلق رب العالمین فرماتا ہے ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علیٰ انفسھم بالکفر (ترجمہ) مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دیکر" (پ ۱۰ ع ۹ سورۃ التوبہ) امام اہلِ سنت والجماعت مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اس کے ایسے کلمات استعمال کرنا اس کے خبثِ باطنی کی دلیل ہے اور چوری جیسے ذلیل کام گداگری اور رفتنہ آمیز تعویذات یہ سب اسی خبثِ باطنی کا نتیجہ ہیں، ایسے شخص کے پیچھے نماز قطعاً جائز نہیں اور نفرت نہایت لازم ہے آپ نے اپنا فرض ادا فرمایا آپ حق بجانب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر النعیمی غفرلہ

۱۴ر شوال المکرم ۱۳۸۷ھ ۱۵-۱-۶۸

Marfat.com

الاستفتاء

علامۂ زماں فقیہ دوراں شیخ الحدیث و مہتمم صاحب جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیر پور دامت برکاتہم

سلام مسنون : حسب ذیل استفتاء میں از روئے شرع کیا ارشاد ہے ؟

نمبر ۱ : جو شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالکل افضل سمجھے وہ سنّی ہو سکتا ہے ؟ کیا اس کی اقتداء میں نماز جائز ہے ؟

نمبر ۲ : جو شخص حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو واجب الاحترام نہ مانے بلکہ آپ کی شان میں گستاخی کرے اور فاسق تک کہے کیا وہ سنی ہے اور کیا اس کے پیچھے سنی کی نماز جائز ہے ؟ بینوا توجروا

مخلص : محمد سرور قادری مہتمم دار العلوم غوثیہ رضویہ رجسٹرڈ

خطیب نور المساجد چیچہ وطنی ۶۹-۹-۱۶ ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

عالی جناب حضرت قادری صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ ۔ اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بعد الانبیاء والرسل افضل البشر ہیں اور یونہی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحابی اور واجب الاحترام ہیں لہذا ایسے شخص کے پیچھے سنی کی نماز مکروہ تحریمہ اور واجب الاعادہ ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ و اصحابہ وبارک وسلم ۔

الفقیر ابو الخیر نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۳ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ ۶۹-۱۰-۶

الاستفتاء

بخدمت اقدس حضرت مولانا مولوی صاحب دام فیضکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ : ایک آدمی ایک گاؤں کا پیش امام ہے اور اس کی دو بیویاں ہیں ، ایک بیوی

Marfat.com

کے لئے نفقہ و سکنی دیتا ہے اور دوسری بیوی کے لئے نفقہ و سکنی نہیں دیتا اور نہ وہ طلاق دیتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ آیا وہ آدمی کس حال میں متصور ہوگا، کافر یا مسلمان یا فاسق وغیرہ! اب وہ حج کا ارادہ کرتا ہے اسی بیوی کو جس کے لئے نفقہ و سکنی ہے اپنے ساتھ لے جاتا ہے، آیا اس کی حج ہوگی یا نہیں! ثواب وغیرہ کے متعلق بھی لکھیں (نص قرآن و حدیث کی رو سے جواب)۔

المستفتی: پیر شہادت علی شاہ جسو کے گورد نہ ڈاک خانہ جیجھ پور
تحصیل دیپال پور ضلع ساہیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

سائل نے نہایت اجمال سے کام لیا ہے۔ ایسے مسائل میں پوری تفصیل سے سوال کرنا چاہیے۔ اللہ رب العالمین کا حکم ہے وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ یعنی عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو" اور یہ بھی قرآن کریم کا ارشاد ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ یعنی مرد افسر ہیں عورتوں پر" اور حدیث پاک میں تو حقوقِ زوجین کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے تو جو بھی خاوند ہو یا بیوی دوسرے کے حق بلا وجہ ادا نہ کرے تو وہی مجرم ہے تو اگر وہ شخص اپنی فرمانبردار اور وفادار بیوی کو نفقہ و سکنی سے محروم رکھتا ہے تو گنہگار ہے اور اگر بیوی اس کے گھر آباد نہیں ہوتی اور بے فرمان ہے تو بیوی گنہگار ہے اور طلاق دینا بھی ہمیشہ مرد پر پھر جھگڑا یا فساد میں لازم نہیں ورنہ خلع کی صورت میں مرد گنہگار ہوتا حالانکہ قرآن کریم گنہگار نہیں بتاتا بلکہ فرماتا ہے فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ یعنی اگر تمہیں خطرہ ہو کہ میاں بیوی اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم نہ رکھیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دیکر عورت چھٹی لے"۔

اور ایسے مسائل میں کسی کو کافر نہیں کہا جاتا بلکہ جو زیادتی اور ظلم کرے وہ فاسق کہلاتا ہے اور فاسق کو امام مسجد نہ بنایا جاتے۔ مگر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ زیادتی خاوند کی ہے یا بیوی کی، یہ تو آج کل کے جاہلوں کا عام رواج بن گیا ہے کہ مولویوں پر بہانے بنا بنا کر اعتراض شروع کر دیتے ہیں حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے

ع قرآن کریم اولٰئک ھم الظّٰلمون فرماتا ہے ۱۲

Marfat.com

یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً یعنی اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو، بیشک بعض گمان گناہ ہے اور عیب نہ ڈھونڈھو اور ایک دوسرے کا گلہ نہ کرو۔ اور یونہی حج کا ارادہ کرنا یا فرمانبردار بیوی کو ساتھ لے جانا جرم نہیں، اور بے فرمان بیوی کو ساتھ نہ لے جانا بھی گناہ نہیں، ایسی صورت میں حج جائز ہے اور کارِ ثواب ہے، ہاں اگر خاوند ظالم ہو تو ثواب میں فرق آئیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ (۲۹-۱-۶۴)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس میں کہ ایک شخص نے اپنی دو لڑکیوں کے عوض چھ سو روپیہ لے کر نکاح کر ڈالا کہ اس کو اس کے باپ نے منع کیا اور وہ نہ مانا آیا۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے اور اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

سائل: مولوی سلطان محمود از موضع تغا کرہ منصل حویلی لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورت مسئلہ یہی فی الواقع ہے تو شخص مذکور کی امامت مکروہ تحریمہ ہے۔ مقتدیوں پر واجب کہ طاقت ہوتے ہوئے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، اس کو امامت سے علیحدہ کر دیں کہ شخص مذکور سخت فاسق ہے، اس نے جو روپیہ لڑکیوں کے عوض لیا ہے وہ رشوت ہے چنانچہ بحر الرائق، فتاویٰ عالمگیری میں اس کی تصریح ہے، باپ کا حکم ماننا خصوصاً جب حکم شرع پر پابندی کا حکم کرے نہایت ضروری اور فرض اہم ہے اور اس شخص نے نہ مانا تو سخت فاسق ہوا اور فاسق کی امامت کا یہ حکم اسفارِ اطہار فقہ میں مشرح ومصرح ہے ہاں صحیح طور پر توبہ کرے تو اس کی امامت میں اس وجہ سے کوئی کراہت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ نورہ ربہ وقواہ الحنفی القادری النعیمی، (۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ)

Marfat.com

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی منکوحہ کو سسرال کے ناجائز تنگ کرنے کے باعث اپنے گھر ٹھہرا لیا ہے، تو کیا اندریں صورت زید امامت نماز کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النّور والصّواب

اگر صورتِ مسئولہ واقعی درست اور صحیح ہے تو زید بلا شبہ امامت کر سکتا ہے کہ ناجائز تنگ کرنا ظلم ہے اور مظلوم کی امداد مستحسن ہے تو اس امر مستحسن کی وجہ سے امامت سے کیونکر روکا جا سکتا ہے؟ قرآن کریم کا فرمانِ جلیل ہے وبالوالدین احسانا وذی القربیٰ یعنی ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ؛ حالانکہ لڑکی بھی قرابت والی ہے اس کے ساتھ بھی احسان ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابو النصیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ

الاستفتاء

اس مسئلہ کے متعلق علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں کہ ایک گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے جس کے دو پیش امام زید اور بکر ہیں جو کہ باری باری امامت کرتے ہیں، زید نے بکر کے خلاف زنا کرنے کا الزام لگایا جو کہ گاؤں کی پنچایت کے روبرو پیش ہوا لیکن وہ الزام شہادتوں سے پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکا۔ اب سوال یہ ہے کہ ان ہر دو کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور ہر دو یا کسی ایک کے خلاف کوئی شرعی تعزیر عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو کیا ہر دو کے متعلق علیحدہ علیحدہ مفصل طور پر تحریر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

السائل قطب الدین بھٹی سکنہ بسنت پورہ

نیز یہ کہ اگر زید بکر سے معافی مانگ لے اور بکر معافی دے دے تو اس معاملہ کی تلافی ہو جائیگی۔

Marfat.com

نوٹ: زید عینی شاہد نہیں تھا بلکہ گواہاں کے اکسانے پر اس نے یہ الزام لگایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

زید نے ظلم کیا اور جھوٹ کہا، قرآنِ کریم میں ہے فان لم یاتوا بالشھداء فاولٰئک عند اللہ ھم الکاذبون (ترجمہ) پس جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔" قرآنِ کریم نے اس کی سزا اسّی کوڑے مقرر فرمائی فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدًا (ترجمہ) تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔" واولٰئک ھم الفاسقون" اور وہی فاسق ہیں، جھوٹے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ واجب الاعادہ ہے، مگر سچے دل سے توبہ کرے اور بکر سے بھی معافی لے لے تو نماز بلا کراہت صحیح ہوجائے گی الا الذین تابوا من بعد ذٰلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم۔ مگر وہ جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور سنور جائیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور بکر بچارے کا کیا قصور! قرآنِ کریم تو صرف ناحق تہمت لگانے والے کو فاسق اور کاذب فرماتا ہے ھم الفاسقون اور ھم الکاذبون فرمایا، تو بکر کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے اگر کوئی اور مانع نہ ہو تو۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۱۷ ذی القعدہ ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے متعلق کہ زید اپنے پیشوا کا حلیہ لکھتے ہوئے یوں رقمطراز ہے کہ

شعر
یوسفِ ثانی ست در حسن و جمال ہمچو موسےٰ ہست در جاہ و جلال

اور ایک دوسری غزل میں یوں رقمطراز ہے کہ شعر

آج کیوں زاہد و واعظ نکل آتے ہیں مسجدیں چھوڑ کر خادم تیرے میخانے میں

دونوں شعروں کے متعلق حکمِ شرعی صادر فرمائیں، نیز زید کے امام و خطیب ہونے کی صورت میں زید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرماکر مشکور فرمائیں۔ (از رضوی دواخانہ تونگی ۶۵-۹-۱)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

سوال وضاحت طلب ہے۔ زید کا پیشوا کیسا ہے؟ اگر سنی صحیح العقیدہ عالم باعمل اور حقیقی عالم و عارف ہے تو بحکم ان العلماء ورثۃ الانبیاء علیہ ظاہری و باطنی کے لحاظ سے زید نے اپنی نیازمندی کے طور پر کہا ہے تو کیوں جائز نہیں! اور اس کی اقتدا میں نمازیں کیوں ناروا ہیں؟ اور اگر بے علم و بے عمل طالب دنیا ہے متبع ہوائے نفسانی اور پس رو شیطانی ہے اور بدعقیدہ ہے تو یہ شعر ناجائز و سخت ترین جرم ہیں، اور ایسے کی امامت درست نہیں اور خطابت ناروا، خود حالات و واقعات کے مطابق سمجھ سکتے ہیں اور ہمیں خود بھی عمل کی از حد ضرورت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ (۲۵-۹-۴۰)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید نے باؤلے کتے کا جگر نکلوایا تاکہ باولے کتے کے کاٹے ہوئے کو علاجاً کھلاوے، پھر کھلایا یا نہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید بایں وجہ از روئے شریعت محمدی گنہگار ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے کہ نہیں! بینوا توجروا۔

السائل: احقر فیض احمد چشتی چک ۲۶۹/ایچ-آر ڈاکخانہ ٹبہ عالمگیر تحصیل فورٹ عباس ضلع بہاولنگر (۶-۵-۶۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

زید نے اگر کسی نیک، دیندار طبیب یا ڈاکٹر کے کہنے سے بطور علاج وہ جگر کھلانا چاہا تھا جو مسلّم معالج ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اس کا اس کے ماسوا کوئی اور علاج نہیں اور موت کا صحیح اور واقعی خطرہ ہے تو اس کی اجازت

---

۵ اور یونہی زاہدوں اور واعظوں کا ایسے اولیاء کرام کے پاس حاضر ہونا بھی برا نہیں ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

ہو سکتی ہے مگر جہاں تک واقعات کا تعلق ہے ایسا عادۃً ناممکن ہے تو اس بنا پر اس نے غلط اور ناجائز و حرام کا ارادہ کیا مگر بچ گیا۔ اب دیکھا جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس نے یہ ارادہ بدلا ہے تو اس کے لئے نیکی لکھی گئی کما فی الحدیث المتفق علیہ اور اگر کسی اور وجہ سے نہیں کھلایا تو اس ارادۂ بد سے توبہ سے گناہ معاف ہو سکتا ہے تو امامت کے لائق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ ۱۴-۵-۶۷

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ہمارے گاؤں کا پہلا امام فوت ہو گیا ہے اور اس کا لڑکا جو کہ انگریزی تعلیم یافتہ اور درسیہ بھی رہ چکا ہے، نمازیں بھی قضا کرتا ہے اور داڑھی بھی منڈواتا ہے، اور زنا کی بھی بدعادت ہے، کیا وہ امامت کا مستحق ہے؟ بینوا توجروا

مستفتی : سرون ویپال پور ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

داڑھی منڈوانا، زناکاری، نمازوں کا قضا کرنا، یہ بہت بڑے عیب ہیں ورنہ انگریزی تعلیم اور درسیہ ہونا کوئی عیب نہیں۔ اگر مندرجاتِ سوال صحیح اور واقعی ہیں تو شخص مذکور اپنے عاداتِ شنیعہ اور حرکاتِ قبیحہ کے سبب مجرم و بدکار و فاسق ہے، امامتِ نماز کے منصبِ رفیع کا سزاوار نہیں اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمیہ ہے اس کا امام بنانا ناروا و گناہ ہے، امام بنانا تعظیم ہے اور وہ شرعاً تعظیم کا مستحق نہیں بلکہ واجب الاہانۃ ہے تبیین الحقائق صـ۱۳۴ جلد ا، مراقی الفلاح صـ۱۸۱، شامی صـ۵۲۳ جلد ا میں ہے والنظم للزیلعی لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اھانتہ شرعاً۔ غنیۃ المستملی صـ۴۷۹، طحطاوی علی المراقی صـ۱۸۱، شامی صـ۵۲۳ جلد ا میں ہے والنظم للطحطاوی ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ، غنیہ میں اضافہ فرمایا وفیہ اشارۃ الیٰ انھم لو قدموا فاسقا یأثمون، ایسے بدکار

Marfat.com

کو مسلمان برا جانتے ہیں اور حدیثِ پاک میں ہے کہ اس شخص کی نماز بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں جو قوم کا امام ہے حالانکہ وہ اسے برا جانتے ہوں ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقول ثلثۃ لا یقبل اللہ منہم صلوٰۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون (الحدیث) رواہ ابو داؤد ص۸۸ جلد ا عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما وسکت علیہ وکذا ابن ماجۃ ص۶۹، سنن ترمذی ص۴۷ جلد ا میں حضرتِ ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے نہیں گزرتی (یعنی قبول نہیں ہوتی) ان تینوں سے ایک یہ بیان فرمایا امام قوم وھم لہ کارھون لہٰذا وہ امامت کے قابل نہیں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک عورت جو اپنے خاوند کے ساتھ لڑ کر اپنے میکے آ گئی اور تین ماہ پورے ہونے پر خاوند نے طلاق دی تو ایک امام مسجد نے اپنی لاعلمی سے یہ سمجھا کہ چونکہ عورت عرصہ تین ماہ سے اپنے خاوند سے الگ ہے لہٰذا اس طلاق کی عدت گزر گئی، تو اس نے طلاق کے دن ہی نیا نکاح پڑھا دیا تو اس امام مسجد کا اپنا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور امام مسجد اپنی غلطی کا مقر ہے اور تائب ہونا چاہتا ہے۔ بینوا توجروا (نوٹ: عورت مدخول بہا ہے۔)

السائل: غلام حسین نوری البصیر پوری خطیب چک ۵۸ گ ونڈ ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

عدت وقتِ طلاق سے شروع ہوتی ہے۔ اس امام مسجد نے بڑی سخت غلطی کی۔ اس پر لازم تھا کہ علمائے کرام سے دریافت کرتا، مگر اس فعلِ حرام کے سبب وہ کافر نہیں ہوا اور نہ ہی اس کا نکاح فاسد ہوا کہ وہ غلط فہمی کا شکار ہوا ہے۔ اگر دیدہ دانستہ حلال جانتے ہوئے کرتا تو کفر اور فسادِ نکاح کا حکم وارد ہوتا

Marfat.com

قرآنِ کریم میں ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا اور احادیث شریفہ میں ہے رفع عن امتی الخطأ و النسیان ، اور جب وہ توبہ کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے اور توبہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں ، قرآنِ کریم میں ہے الا من تاب و اٰمن وعمل عملا صالحا فاولٰئک یبدل اللہ سیأتھم حسنات ، حدیث پاک میں ہے ان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب اللہ علیہ ۔ بہرحال امام مسجد توبہ کر سکتا ہے بلکہ توبہ کرنا فرض ہے بحکم توبوا الی اللہ توبۃ نصوحًا اور جب تائب ہو جائے تو امام بھی بن سکتا ہے ہاں وہ عدت میں کیا گیا نکاح شرعًا نکاح نہیں ، عورت و مرد پر لازم ہے کہ بالکل الگ تھلگ رہیں اور پورے پورے پرہیز سے رہیں اور عدت پوری ہو جائے تو حسبِ دستورِ شریعت نکاح صحیح کر سکتے ہیں و اللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و اٰلہ و اصحابہ و بارک وسلم ۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ (۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ)

الاستفتاء

بخدمت جناب حضرت قبلہ فقیہ اعظم علامہ ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب مدظلہم العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ : مزاج شریف !

مندرجہ ذیل مسئلہ زیر بحث ہے لہذا التماس ہے کہ بواپسی ، قرآن و حدیث سے مسئلہ ذیل کا صحیح جواب عنایت فرمائیں :-

مولوی ولی محمد ولد حاجی فتح دین ارائیں سکنہ چک ۴/۱ ۔ ایل تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری جو اہل حدیث فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں پیش امام فرقہ مذکورہ چک ہذا ہیں جنہوں نے اپنے مکان متروکہ ضلع فیروزپور کا کلیم فارم پہلے دس ہزار کا اور بعد ازاں ترمیم کرا کے سترہ ہزار روپے سے زائد رقم کا منظور کرا لیا ہے چونکہ ہم اس کی برادری اور اس کے سابقہ و موجودہ گاؤں کے رہنے والے ہیں ، ہم ان کے مکانات وغیرہ و دیگر حالات سے بخوبی واقف ہیں ، ان کے مکانات متروکہ اڑھائی تین ہزار روپے سے زیادہ مالیت کے کسی طرح بھی نہیں تھے ۔ چونکہ پیش امام مذکور نے گورنمنٹ کو دھوکا دیکر اور جھوٹ بول کر ناجائز طور پر اپنا

Marfat.com

کلیم فارم منظور کرا لیا ہے، تو کیا ایسے دھوکا باز اور جھوٹے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا من رب العلمین۔

المستفتیان : باشندگان چک نمبر ۴/۱-ایل ضلع منٹگمری

نشان انگوٹھا عبد الغنی ولد فرید قوم ارائیں + نشان انگوٹھا عمر دین ولد بلاقی قوم ارائیں +

نشان انگوٹھا رشید ولد عبد الرحمٰن قوم ارائیں +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو پیش امام مذکور بہت بڑا بدکار ہے جس نے دیدہ دانستہ کئی مرتبہ جھوٹ اور دھوکا کا ارتکاب کیا اور اب بھی اسی بدکاری پر اڑا ہوا ہے۔ سترہ ہزار سے زائد روپے کی محبت میں گرفتار ہے اور توبہ نہیں کرتا۔ اس کے ان جرموں کی شناعت وقباحت بکثرت آیاتِ قرآن کریم اور صدہا حدیثوں سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ جھوٹے اور دھوکا باز کو تو کافر قومیں بھی معیوب جانتی ہیں تو قوم مسلم کیونکر برا نہ جانے، لہذا ہر مسلمان قوم ایسے بدکار کو ضرور برا جانتی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ ایسے شخص کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا جو ایسی قوم کا امام بنے جو اسے برا جانتی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقول ثلثۃ لا یقبل اللہ منھم صلوٰۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون الحدیث رواہ ابو داؤد ص۸۸ جلد۱ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وسکت علیہ۔ وکذا ابن ماجۃ ص۶۹۔ یہ بھی حدیث میں آیا کہ ایسے شخص کی نماز اس کے سر سے بالشت بھر بھی بلند نہیں ہوتی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ثلاثۃ لا ترفع صلوٰتھم فوق رؤسھم شبرا رجل ام قوما وھم لہ کارھون الحدیث رواہ الترمذی ص۵۵ جلد۱ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ نیز حدیث میں ایسے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لعنت آئی ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رجلا ام قوما وھم لہ کارھون الحدیث رواہ الترمذی ص۵۵ جلد۱ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی نماز اس کے کانوں سے

Marfat.com

بھی نہیں گزرتی (قبول نہیں ہوتی) قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثلثۃ لا تجاوز صلوتھم اذانھم العبد الآبق حتی یرجع و امرأۃ باتت و زوجھا علیھا ساخط و امام قوم وھم لہ کارھون رواہ الترمذی ص۴۵ جلد ۱ عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ نیز حدیث میں مرفوعًا ہے کہ نیکوں کو امام بناؤ اس لئے کہ امام تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان وفد (واسطے) ہوتے ہیں اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم و بین اللہ عز وجل رواہ الدارقطنی ص۱۹۷ جلد ۱ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما و کذا البیہقی ص۹۰ ج ۳۔ نیز حدیث میں ہے کہ جب تمہیں یہ پسند ہو کہ تمہاری نماز قبول کی جائے تو تمہارے نیک تمہارے امام ہیں کہ وہ تمہارے وفد ہیں تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان اذا سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم رواہ الدارقطنی ص۱۹۷ جلد ۱ عن مرثد بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعًا و کذا الحاکم فی المستدرک ص۲۲۲ جلد ۳۔ یہ بھی حدیث میں ہے کہ اگر تمہیں اپنی نمازوں کا صاف اور ستھرا بنانا خوش کرے تو اپنے نیکوں کو آگے کرو (امام بناؤ) ان سرکم ان تزکوا صلوتکم فقدموا خیارکم الخطیب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ کنز العمال ص۱۳۵ جلد ۴۔ نیز صحیح بخاری ص۲۶۴ جلد ۱ کی حدیث ہے عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا یؤمن فاجر مومنا الا ان یقھرہ بسلطان یخاف سیفہ او سوطہ رواہ ابن ماجۃ یعنی کوئی بدکار کسی مؤمن کا امام ہرگز ہرگز نہیں بن سکتا مگر یہ کہ بدکار مؤمن پر اپنی حکومت سے غالب آجائے مومن اس کی تلوار یا کوڑے سے ڈرے۔"

ان احادیث کی روشنی میں بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ ایسا فاجر فاسق ہرگز ہرگز امامت کے لائق نہیں، اہالیانِ اسلام اپنے اختیار سے اُسے بالکل امام نہ بنائیں، اگر امام ہوتے ہوتے ایسے پاپڑ بیلے تو طاقت والوں پر لازم کہ اسے امامت سے ہٹادیں۔ قرآنِ کریم تو بُروں کے پاس بیٹھنے سے بھی

Marfat.com

منع فرماتا ہے، چہ جائیکہ ان کو امام رکھا جائے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (سورۃ الانعام)

اور بھی بہت سی آیات واحادیث سے روز روشن کی طرح ثابت کہ بُروں کا ساتھ بُرا ہے اور نیکوں کا ساتھ اچھا ہے ہاں کسی ظالم بادشاہ وغیرہ سے جان کا خطرہ ہو تو اجازت ہے مگر وہ حکم ہر جگہ جاری نہیں، ایسے خطرے کے وقت تو اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ سے اجازتِ خاصہ بھی آئی ہے مگر جب ایسا سخت خطرہ نہ ہو تو قطعاً اجازت نہیں۔ قرآن کریم سے ثابت کہ جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جائے گا يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (سورہ بنی اسرائیل) تو لازم کہ کسی بدکار کو امام نہ رکھا جائے کہ اس کے ظاہری معنی کی زد سے بچاؤ ہو سکے۔ نیز ایسا بدکار شرعاً تعزیر و تذلیل کا مستحق ہے اور امام رکھنا توقیر و تعظیم ہے تو طاقت ہوتے ہوئے اسے امامت سے الگ کرنا ضروری ہے، پھر الگ کرنے میں یہ مصلحت بھی ہے کہ شاید وہ پشیمان ہو کر تائب ہو جائے۔ بہرحال ایسے بدکار کو منصبِ امامت سے الگ کرنا بشرطِ طاقت ضروری ہے واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۳ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اندریں کہ فاسق کا خود بخود اپنی طاقت سے امامِ نماز بن جانا یا طاقت والوں کا اسے امام بنانا جب کہ اس سے احق بالامامت موجود ہو کیسا ہے؟ پھر اس صورت میں جو نمازی بوجہ مجبوری اس جماعت میں شامل ہوں کہ اگر شامل نہ ہوں تو فتنہ وفساد کا صحیح خطرہ ہو یا خطرہ تو نہ ہو مگر کسی اور مسجد میں امامِ متقی کی اقتداء حاصل نہ کر سکتا ہو یا کوئی اور احق بالامامت ہو ہی نہ تو ان کی نماز کا کیا حکم ہے اور اگر دوسری مسجد میں امامِ متقی کی اقتداء حاصل کر سکتا ہو تو کیا کرے، بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

فاسق کا احق بالامامت کی موجودگی میں طاقت یا اثر و رسوخ سے امام بن جانا یا اصحابِ اقتدار کا

Marfat.com

امام بنا دینا شرعاً سخت ناجائز اور ظلم مبین ہے جبکہ کسی حقدار کا حق غصب کرنا شرعاً ناجائز اور ظلم ہے تو امامتِ نماز کا شرعی حق جو احق بالامامت کے لئے حاصل ہے بلکہ تمام نمازیوں کی اقتداء بالاحق کے حقوق خانہ خدائے سبوح وقدوس میں غصب کرنے کیونکر ظلم وناروا نہ ہوں گے، کیا اللہ رب العالمین جل وعلا نے یہ حکم محکم نہیں فرمایا ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الی اھلھا ۔ کیا احادیثِ ابن ماجہ وابوداؤد و ترمذی میں صراحۃً یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ ایسے شخص کی نماز قبول ہی نہیں ہوتی جو ایسی قوم کا امام بن جائے جو اسے ناپسند کرتی ہو، کیا یہ ارشاد نہیں فرمایا اجعلوا ائمتکم خیارکم، اسی موضوع پر اور بھی کافی حدیثیں ہیں وقد مر البعض فی ھذہ الفتاوی۔

فقہائے کرام نے بھی مکروہ تحریمہ فرمایا ہے بحر الرائق ص۳۴۵ جلد۱، درالمختار، طحطاوی علی الدر ص۲۴۳ جلد۱، شامی ص۵۲۲ جلد۱ میں ہے والنظم من الدر مع التنویر (ولو ام قوما وھم لہ کارھون ان) الکراھۃ لفساد فیہ او لانھم احق بالامامۃ منہ کرہ لہ ذلک تحریما۔ نیز قدوری ص۲۴، ہدایہ ص۱۰۱ جلد۱، نیز کبیری ص۳۵۱، مبسوط ص۴۰ جلد۱ میں ہے والنظم من القدوری یکرہ تقدیم العبد والاعرابی والفاسق۔ کبیری ص۴۷۹ طحطاوی علی الدر ص۲۴۳ جلد۱، شامی ص۵۲۳ جلد۱ میں ہے والنظم للحلبی علیہ الرحمۃ کراھۃ تقدیمہ (ای الفاسق) کراھۃ تحریم۔ تو ایسے امام اور مقتدیوں پر لازم کہ ایسی مکروہ تحریمہ نمازوں کا اعادہ کریں یعنی دوبارہ بلاکراہت ادا کرتے ہوئے سبکدوش ہوں۔ ہاں اسمیں شک نہیں کہ اصل فرض ادا ہو جاتا ہے للدلائل الآتیۃ مگر اعادہ لازم ہے للکراھۃ التحریمیۃ بناء علی الدلائل الماضیۃ۔ باقی وہ نمازی جو سوال کی پچھلی شقوں میں مذکور ہیں ان سب کی نمازیں جائز ہیں اور واجب الاعادہ نہیں، البتہ ان میں سے بعض کی نمازیں مکروہ تنزیہی ہیں جن کا اعادہ مستحب ہے کما ستتبین، قرآن کریم میں ہے وارکعوا مع الراکعین "نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کیا کرو" یہ امر مطلق ہے اور یہاں کوئی مقتضائے کراہتِ تحریم نہیں تو نمازیں بلاشبہ جائز ہیں، احادیثِ شریفہ میں صراحۃً اس اطلاق کی تائیدیں اور تصریحاتِ جواز موجود ہیں۔ سنن ابوداؤد ص۸۸، سنن بیہقی ص۱۲۱ جلد۳ حضرت ابوہریرہ سے اور سنن دارقطنی ص۱۸۴ تا ۱۸۵ جلد میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابن عمر، حضرت واثلہ بن اسقع اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باسانید متکاثرہ اور کلماتِ متقاربہ متعاضدہ

Marfat.com

مرفوعہ میں ہے صلوا خلف کل بر و فاجر۔ ان اسانید سے طریق مکحول عن ابی ھریرۃ کے سب راوی ثقہ ہیں البتہ یہ مرسل ہے جو ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول اور حجت ہے۔ فتح القدیر ص۳۰۵ جلد ۱، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۸۶ جلد ۳، کبیری ص۴۷۹ میں فرمایا والنظم منہ انہ مرسل وھو حجۃ[عہ] عندنا وعند مالک وجمہور الفقہاء اور باقی اسانید ضعیف ہیں مگر کثرتِ طرق سے درجۂ حسن وقبول پر فائز ہیں۔ فتح القدیر ص۳۰۵ جلد ۱، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۸۶ جلد ۳ میں ہے وقد روی ھذا المعنی من عدۃ طرق للدارقطنی و ابی نعیم والعقیلی کلھا مضعفۃ من قبل بعض الرواۃ وبذلک یرتقی الی درجۃ الحسن عند المحققین وھو الصواب۔ شرح سفر السعادۃ ص۵۳۵ میں ہے " وبالجملہ وے از حیثیتِ حدیث ظنی واز حیثیت اجماع قطعی " پھر یہ اطلاقاتِ آیت و احادیث صحابہ کرام اور تابعین کرام کے دستور العمل سے اور واضح ہو رہا ہے۔ مبسوط ص۴۰ جلد ۱، بدائع صنائع ص۱۵۶ جلد ۱، کفایہ علی الہدایہ ص۳۰۵ جلد ۱، زیلعی اور شلبی ص۱۳۵ جلد ۱ وغیرہا میں ہے والنظم للسرخسی علیہ الرحمۃ لان الصحابۃ والتابعین کانوا لا یمتنعون من الاقتداء بالحجاج فی صلوۃ الجمعۃ وغیرھا مع انہ کان افسق اھل زمانہ۔ سنن بیہقی ص۱۲۲ جلد ۳ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے اقتداء بالحجاج وغیرہ باقاعدہ اسنادوں سے بیان کرنے کے بعد عبدالکریم بکاء سے باسناد روایت کیا ادرکت عشرۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھم یصلی خلف ائمۃ الجور۔ نیز اسی میں امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باسناد روایت کیا ان الحسن والحسین کانا یصلیان خلف مروان قال فقال ما کانا یصلیان اذا رجعا الی منازلھما؟ فقال لا واللہ ما کانا یزیدان علی صلوۃ الائمۃ۔ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر شریف ص۶۶ میں فرماتے ہیں وکان ابن مسعود وغیرہ یصلون خلف الولید بن عقبۃ وکان یشرب الخمر۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۹۳ جلد ۲، حدیث والصلوۃ واجبۃ

عہ فتح و مرقات میں ہے وھو مقبول عندنا ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

علیکم خلف کل مسلم برا کان او فاجرا وان عمل الکبائر،
کے تحت بعد ذکر کلام ابن ہمام متعلقہ توثیق وتحسین حدیث فرمایا وقال ابن حجر ویوافقخبر
الدارقطنی اقتدوا بکل بر وفاجر وھو وان کان مرسلا لکنہ
اعتضد ببعض السلف فانہم کانوا یصلون وراء ائمۃ الجور
وروی الشیخان ان ابن عمر کان یصلی خلف الحجاج
وکذا کان انس یصلی خلفہ ایضا واحتمال الخوف یمنعہ
ان ابن عمر کان لا یخافہ لان عبد الملک کان ممتثلا
لما یامرہ بہ ابن عمر فیہ وفی غیرہ ومن ثم کان
یجعل امر الحج لہ ویامر الحجاج باتباعہ فیہ۔
بخاری ص۹۶ جلد ۱ میں بالاسناد ہے کہ عبید اللہ بن عدی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت
میں حاضر ہوئے حالانکہ آپ محصور تھے تو عرض کیا ہمیں امام فتنہ (یعنی باغیوں کا سرغنہ کنانہ بن البشر) نماز پڑھاتا ہے
اور ہم حرج سمجھتے ہیں، تو آپ نے جواب دیا الصلوٰۃ احسن ما یعمل الناس
فاذا احسن الناس فاحسن معہم واذا اساؤا فاجتنب
اساءتہم۔ عینی ص۶۴۷ جلد ۲ اس کی شرح میں فرماتے ہیں وفیہ ان الصلوٰۃ خلف
من تکرہ الصلوٰۃ خلفہ اولی من تعطیل الجماعۃ، اور ص۶۴۵
میں محیط سے لو صلی خلف فاسق او مبتدع یکون محرز الثواب
الجماعۃ ذکر فرمایا شاہ عبد الحق علیہ الرحمۃ اسی حدیث عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحت اشعۃ اللمعات
ص۱۰۳ جلد ۱ میں فرماتے ہیں " ودریں دلیل است در گذاردن نماز خلف ہر بر و فاجر چنانکہ مذہب اہل سنت و
جماعت است " مرقاۃ ص۱۴۳ جلد ۲ میں ہے وفیہ دلیل علی جواز الصلوٰۃ
خلف الفرقۃ الباغیۃ وکل فاجر حالانکہ اس وقت سائل وغیرہ کو
باغیوں سے کوئی کسی قسم کا خطرہ نہیں کہ وہ تو صرف سیدنا ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درپے ایذا تھے۔
انہی احادیث و دستورِ صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے باعث ہمارے ائمۂ دین اور فقہاء و
متکلمین حضرات بھی یہی فرماتے ہیں۔

Marfat.com

فقہ اکبر شریف میں حضرت سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد پاک ہے والصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر من المؤمنین جائزۃ۔ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ اس کی شرح ص۶۲ میں اس کی دلیل وہی حدیث اور عمل صحابہ قرار دیتے ہیں۔ نیز اسی صفحہ میں منتقی سے نقل کرتے ہیں سئل ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عن مذھب اھل السنۃ والجماعۃ فقال ان تفضل الشیخین ای ابابکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما و تحب الختنین ای عثمان و علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہما و ان تری المسح علی الخفین و تصلی خلف کل بر و فاجر اور یونہی شرح المنتہی ص۲ میں ہے۔ فتاوے قاضی خان ص۴۳ میں ہے و من شرائط اھل السنۃ والجماعۃ ان یری الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر عقائد و شرح عقائد ص۱۱۵ میں ہے و تجوز الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر الخ تکمیل الایمان ص۸۰ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں" و یجوز الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر جماعت در نماز از دست نباید داد و مقید بامام متقی و متورع نباید بود بجہت آں فضیلت جماعت کہ بے شبہ از سنن مؤکدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم است ترک نباید کرد و آں قدر کہ آنحضرت را تاکید در التزام جماعت و اجتماع و ایتلاف بود در جائے دیگر نبود نعم اگر مردے صالح و متقی برائے امامت پیدا شود بہتر والا ہر کہ باشد نماز بجماعت گذارد و ہر چند کہ فاسق بود بشرطیکہ فسق و فجور وے منجر بکفر نگردد و علم باحکام و ارکان نماز و قدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ از قرآن یاد داشتہ باشد" نیز شرح سفر السعادۃ ص۵۳۵ میں فرمایا " وعلمائے اہل سنت و جماعت برآں اجماع کردہ و در کتب عقائد آں را ذکر کردہ و آں را از عقائد اہل سنت و جماعت داشتہ اند"

اسی حدیث کے ذکر میں حضرت ابو الشکور سالمی رضی اللہ عنہ "تمہید شریف" ص۱۷۳ میں چالیس جلیل القدر تابعین (جو کہ ایک ایک یا دو دو اہل بدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت کر چکے ہیں) سے ایک حدیث مرفوع اس مدعیٰ کی نقل کرتے ہیں جس میں ہے واشھدوا الصلوات الخمس و الجمعۃ بالجماعۃ مع کل امام۔ مجموعۂ ظاہر الروایۃ متن مبسوط سرخسی ص۴۰ جلد ۱ میں ہے ویجوز امامۃ الاعمی و الاعرابی و العبد و ولد الزنا

Marfat.com

والفاسق وغیرھم احب الی۔ حضرت محررِ مذہب امام محمد علیہ الرحمۃ کا یہ "وغیرھم احب الی" فرمانا روزِ روشن سے بھی واضح دلیل ہے کہ ایسی صورت میں کراہتِ تحریمہ قطعاً نہیں کہ "احب" کا مقابل جائز و محبوب ہوتا ہے اور مکروہ تحریمی ناجائز ہوتا ہے البتہ مکروہ تنزیہی بن سکتا ہے کہ وہ بھی جائز ہوتا ہے اور محبوب بن سکتا ہے لہذا بحرالرائق ص۳۴۹ جلدا میں مجتبیٰ و معراج الدرایہ سے، پھر شامی ص۵۲۳ جلدا میں فرمایا والنظم من البحر وھذہ الکراھۃ تنزیھیۃ لقولہ فی الاصل امامۃ غیرھم احب الی۔ درالمنتقی ص۱۰۸ جلدا طحطاوی علی الدر ص۲۴۳ جلدا میں ہے والنظم لہ (قولہ تنزیھیا) ای فی الکل لقول محمد فی الاصل امامۃ غیرھم احب الی۔ خلاصۃ الفتاوے ص۱۴۵ جلدا میں بھی "وغیرھم احب الی" فرمایا۔ بدائع صنائع ص۱۵۶ جلدا میں ہے وغیرھم اولی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مکروہ تنزیہی ہی ہو سکتا ہے جو احب و اولیٰ کا مقابل ہوتا ہے اور یہ صورتِ امامت جس کا ذکر ہو رہا ہے صورتِ تقدیم نہیں بلکہ صورتِ تقدم ہے کیونکہ تقدم کا معنے آگے ہونا ہے اور امامت کا معنی امام بننا، یعنی وہ لوگ فاسق وغیرہ خود بخود آگے ہو جائیں اور امام بن جائیں اور یہ مراد نہیں کہ امام بنائے جائیں۔ بحرالرائق ص۳۴۹ جلدا، شامی ص۵۲۳ جلدا میں ہے والنظم من البحر فالحاصل انہ یکرہ لھؤلاء التقدم ویکرہ الاقتداء بھم کراھۃ تنزیھیۃ قدوری ص۴۲، ہدایہ ص۱۰۱ جلدا، فتح القدیر، کفایہ، عنایہ شروح ہدایہ ص۳۰۵ جلدا، زیلعی ص۱۳۴ جلدا میں ہے والنظم من الھدایۃ ویکرہ تقدیم العبد (الی ان قال) وان تقدموا جاز لقولہ علیہ السلام صلوا خلف کل بر و فاجر۔

بہرحال تقدیم و تقدم کا فرق واضح ہے اور یہ بھی واضح کہ "صلوٰۃ خلفھم" مامور بہ ہے اور مامور بہ حسن ہوتا ہے ------------ تو لامحالہ ان کی نمازیں مکروہ تحریمی نہیں ہوں گی۔ بلکہ فقہائے عظام نے تو یہ بھی تصریح فرمائی کہ فاسق کی اقتدا میں ثوابِ جماعت حاصل ہو جاتا ہے، گو اتنا نہیں جتنا کہ متقی کی اقتدا سے، فتاوٰی قاضی خان ص۴۳، فتح القدیر ص۳۰۴، کبیری ص۳۵۱، بحرالرائق ص۳۴۹ جلدا، درالمختار، شامی ص۵۲۵، شلبی علی الزیلعی ص۱۳۵ جلدا، مراقی عن مجمع الروایات، ہندیہ ص۴۳ جلدا، خلاصۃ الفتاوی ص۱۵۰ میں ہے والنظم منھا ولو صلی

Marfat.com

خلف مبتدع او فاسق فهو محرز ثواب الجماعۃ لکن لاینال مثل ماینال خلف تقی۔ اس سے صاف صاف معلوم ہوا کہ انفراد سے اقتدا بہتر ہے شامی ص۵۲۵ جلد ۱ میں ہے افاد ان الصلوٰۃ خلفہما اولیٰ من الانفراد۔ بحرالرائق ص۳۴۹ جلد ۱ میں ہے فان امکن الصلوٰۃ خلف غیرھم فھو افضل وان لا فالاقتداء اولیٰ من الانفراد۔ ہاں اگر دوسری مسجد میں امام متقی کی اقتدا حاصل کرسکتا ہو تو بہتر کہ دوسری مسجد میں چلا جائے "تبیین الحقائق ص۱۳۵ جلد ۱، بحرالرائق ص۳۴۹، مجمع الانہر ص۱۰۸، شامی ص۵۲۳ وغیرہا میں ہے والنظم من البحر ان الفاسق اذا تعذر منعہ یصلی الجمعۃ خلفہ وفی غیرھا ینتقل الی مسجد اٰخر۔

اور یہ "ینتقل الی مسجد اٰخر" ایجاب نہیں بلکہ اباحت واستحباب کے لئے ہے۔ اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے کہ گو اپنی مسجد محلہ کا حق ہے کہ اس میں نماز ادا کی جائے مگر اس عذر کی بنا پر جاسکتا ہے چنانچہ فتاویٰ قاضی خان ص۴۳، خلاصہ ص۱۵۰، فتح القدیر ص۳۰۴ جلد ۱، ہندیہ ص۴۵ کے اسی جزئیہ تفصیلیہ سے واضح ہو رہا ہے۔ امام قاضی خان نے فرمایا الفاسق اذا کان یؤم وعجز القوم عن منعہ تکلم الناس فیہ قال بعضھم فی صلوٰۃ الجمعۃ یقتدی بہ ولا یترک الجمعۃ بامامتہ لان فی الجمعۃ لا یوجد غیرہ ومن شرائط السنۃ والجماعۃ ان یری الصلوٰۃ خلف کل بر وفاجر واما فی غیر الجمعۃ من المکتوبات فھو بسبیل من ان یتحول الی مسجد اٰخر ولا یأثم بذلک لان فی قصدہ الصلوٰۃ خلف تقی۔ خلاصہ کے یہ لفظ ہیں والفاسق اذا کان یؤم الجمعۃ وعجز القوم عن منعہ قال بعضھم یقتدی بہ فی الجمعۃ ولا یترک الجمعۃ بامامتہ وفی غیر الجمعۃ بسبیل من ان یتحول الی مسجد اٰخر ولا یأثم بذلک۔ اور فتح القدیر میں خلاصہ سے ہے، ہندیہ میں فرمایا والفاسق اذا کان یؤم یوم الجمعۃ وعجز القوم عن منعہ

Marfat.com

قال بعضهم يقتدى به فى الجمعة ولا تترك الجمعة بامامته وفى غير الجمعة يجوز ان يتحول الى مسجد اخر ولا يأثم به هكذا فى الظهيرية. تو یہ " بسبيل من ان يتحول" اور (لا يأثم بذلك) اور " يجوز " واضح کر رہے ہیں کہ وہ امر" انتقال الى مسجد آخر" وجوبی قطعی نہیں لہذا خانیہ، خلاصہ، فتح القدیر وغیرہا میں جزئیہ مذکورہ کے بعد متصلاً فرمادیا و النظم من الفتح ولو صلى خلف فاسق او مبتدع احرز ثواب الجماعة، ہاں کراہت تنزیہیہ ضرور ہوگی جو موجب اعادہ نہیں، پھر جمعہ اور غیر جمعہ کی تفریق اس بنا پر ہے کہ پہلے زمانہ جمعہ میں تعدد نہیں ہوتا تھا یعنی شہر میں ایک ہی مسجد میں قائم کیا جاتا تھا لہذا کسی اور مسجد میں مل نہیں سکتا تھا اور دوسری فرض نمازیں شہر کی اور مسجدوں میں بھی ہوتی ہیں لہذا مشائخ کرام نے تصریح فرمادی کہ اگر جمعہ بھی متعدد ہو تو دوسری مسجد میں اقتدائے متقی میں ادا کرے اور فاسق کے پیچھے مکروہ ہوگا۔ فتح القدیر، بحرالرائق، شامی وغیرہا میں ہے وعلى هذا فيكره فى الجمعة اذا تعددت اقامتها فى المصر على قول محمد وهو المفتى به لانه بسبيل من التحول حينئذٍ۔ اور تفریق کی اس بنا سے روز روشن کی طرح واضح کہ اگر دوسری فرض نمازیں بھی کسی اور متقی کی اقتدا میں ادا نہ کرسکتا ہو کہ اس آبادی میں مسجد ہو ہی ایک، یا اور مسجد ہو مگر امام متقی نہ ہو تو وہ فرض نمازیں بھی جمعہ کیطرح اس امام کی اقتدا میں ادا کرے کہ یہاں بھی جمعہ کی طرح وهو بسبيل من التحول الى مسجد اخر نہیں پایا گیا حالانکہ اسی پر مدار ہے اور یہ تو کسی نے نہیں فرمایا کہ اکیلا پڑھ لے یا اپنے گھر میں جماعت قائم کرلے، اور حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس میں نماز با جماعت مسجد میں ادا کرنے کی تاکید ہے اس کا بھی یہی تقاضا ہے بلکہ انہی تصریحات خانیہ وغیرہا کے مفہوم مخالف کے لحاظ سے جو کتب فقہیہ میں معتبر ہے (كما فى الشامية وغيرها) یہ ظاہر ہے کہ اگر اس صورت میں اس کی اقتدا میں نماز پڑھے تو گنہگار ہوگا اور جائز نہیں ہوگا اور شامی اور بحرالرائق سے بالفاظ متقاربہ گزر ہی چکا کہ فان امكن الصلوٰة خلف غيرهم فهو افضل والا فالاقتداء اولى من الانفراد، نیز بحرالرائق ص ۳۴۹، درالمختار، شامی ص ۵۲۵ میں ہے و النظم من البحر وينبغى ان يكون محل كراهة الاقتداء

بہم عند وجود غیرہم والا فلا کراہۃ کما لایخفی ,شامی نے "غیرہم" کی تفسیر میں فرمایا ای من ھو احق بالامامۃ منہم۔

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہوا کہ جزئیہ مذکورہ میں یصلی اور یقتدی اور لا یترک الجمعۃ بامامتہ کے امرونہی وجوبی ہیں اگر خلاف ورزی کرے گا تو گنہگار ہوگا، چنانچہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اسے ابتداع قرار دیا، شرح فقہ اکبر ص۶۶ میں فرمایا فمن ترک الجمعۃ والجماعۃ خلف الامام الفاجر فھو مبتدع عند اکثر العلماء والصحیح انہ یصلیہا ولا یعیدہا۔

تنبیہ

لا یلزم من کراہۃ التقدیم تحریما ان یکون الصلوٰۃ خلفہ علی الاطلاق مکروھۃ تحریما لانہ لیس بواجب الاھانۃ مطلقا کالکافر حتی لا یعظم بنوع تعظیم من السلام والغسل والجنازۃ والدفن فی المقابر وامثالہ کیف لاو ھو مؤمن مسلم والاسلام یعلو ولا یعلی فلا یلزم من کراھۃ تعظیمہ بالتقدیم ان یکون صلوٰۃ غیر المقدمین خلفہ تعظیما مکروھا وذا ظاھر من الدلائل المتقدمۃ ظھورا تامّا وقد قال الطحطاوی فی حاشیۃ الدر ص۲۴۳ جلد ا "وظاھر ما فی البحر حیث خص التحریمۃ بالامام للحدیث السابق ان الکراھۃ فی حقھم تنزیھیۃ" وایضا عدم الاھتمام بالامور الدینیۃ لیس بلازم کل فاسق وکذا احتمال عدم الاھتمام لا یستلزم کراھۃ الصلوٰۃ خلفہ تحریما فان امثال ھذہ الظنون

عہ "یصلی" اور "یقتدی" مضارع کے صیغے بمعنے امر ہیں اور لا یترک مضارع منفی بمعنے نہی ہے کما لا یخفی علی الفقہاء ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

وان اعتبرت فی التقدیم فلا یعتبر مطلقا فان الاصل فی المسلم عدمہ فتذکر المسائل التی لم یعتبر المشائخ الظاھر لبین فیھا انظر مسئلۃ الحیوان الحی الواقع فی البیر فی الخانیۃ والفتح والبحر وغیرھا من اسفار المذھب المھذب کما فی الشامیۃ ص۱۴۶ جلد ا ۔ قال فی البحر وقیدنا بالعلم لانھم قالوا فی البقر ونحوہ یخرج حیا لا یجب نزح شیئ وان کان الظاھر اشتمال بولھا علی افخاذھا لکن یحتمل طھارتھا بان سقطت عقب دخولھا ماء کثیرا مع ان الاصل الطھارۃ اھ ومثلہ فی الفتح وایضا فیھا وفی الخانیۃ لو وقعت الشاۃ وخرجت حیۃ ینزح عشرون دلوا لتسکین القلب لا للتطھیر حتی لو لم ینزح وتوضأ جاز وکذا الحمار والبغل لو خرج حیا ولم یصب فمہ الماء وکذا ما یوکل لحمہ من الابل والبقر والغنم والطیور والدجاجۃ المحبوسۃ اھ ومثلہ فی مختارات النوازل۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وعلی الہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفر لہ القوی العلی

الاستفتاء

حامئ شریعت وماحئ شرک وبدعت ومفتیانِ عظام دینِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جناب مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب دام اقبالہ۔

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ ومغفرتہ :۔ بعد آداب ونیاز کے عرض ہے کہ فرمائیے کہ ایک پانچ وقت نماز پر پابندی کرنے والا یعنی پانچوں نمازیں باقاعدہ اور وقت پر ادا کرنے والا اگر ہر روز دو یا ایک نماز قضا کرنیوالے

Marfat.com

کے پیچھے نماز باجماعت پڑھے تو آیا نماز کا ثواب ملے گا یا نہیں ہے جو پیش امام ہر روز دو نمازیں قضار کرے یا صبح کی نماز پڑھ لی اور ظہر عصر کی چھوڑ دے ، آیا اس امام کے پیچھے صاحب ترتیب کی اقتدا صحیح ہے یا نہیں ؟ حضرت اس کا حوالہ دینا ، دیگر تراویح کی نیت میں عشار کا وقت کہنا ضروری ہے یا نہیں ؟ یعنی تراویح کی نیت تحریر فرمادیں ، ہمارا بہت جھگڑا رہتا ہے ، آپ فیصلہ کردیں کہ نمازِ تراویح میں نیت کس طرح مستحب ہے ؟ اور حضرت صاحب دونوں مسئلے تحریر فرما کر مجھ جیسے جاہل کا مغالطہ نکال دیں ، میں آپ حضور کا بڑا مشکور ہوں گا چونکہ ہمارے پیش امام کہتے ہیں کہ تراویح وقت نمازِ عشار کہنے کے بغیر تراویح ہوتی ہی نہیں ، حوالہ دینا واجباً عرض ہے کہ جواب تحریر فرمادیں۔

السائل : خاکسار محمد اسلم عاجز ساکن شاہو بلوچ ۱۰۶۳ - ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النّور والصّواب

وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ ومغفرتہ :-

جو شخص قصداً بلاعذر ایک نمازِ فرض کسی ایک دن نہ پڑھے تو وہ فاسق ہے چہ جائیکہ ہر روز ایک یا دو نمازیں قضار کرے ایسے شخص کے سخت فاجر و فاسق ہونے میں کوئی شک نہیں اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ فاسق کی اقتدا مکروہ ہے اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی کا حکم یہ ہے کہ اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے لہٰذا ایسے شخص کی اقتدار سے پرہیز کی جائے ، شامی ص۵۲۳ جلد ۱ میں ہے واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ لانہ لایھتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا (الی ان قال) مشی فی شرح المنیۃ علیٰ ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم - نیز ص۴۲۵ میں درالمختار سے ہے کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ تحریم تجب اعادتھا۔

تراویح کی نیت میں عشار کا وقت کہنا بالکل ضروری نہیں ، تراویح ہے ہی وہ نماز جو عشار کے وقت میں پڑھی جاتی ہے اور زبان سے نیت ہر نماز میں صرف مستحب ہے اور دل کی نیت ضروری ہے نفل اور سنت اور تراویح میں مطلق نماز کی نیت کافی ہے البتہ احتیاط یہ ہے کہ تراویح میں تراویح

Marfat.com

کی نیت کرے یا سنتِ وقت کی یا قیام اللیل کی (یعنی اس رات کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی) فتاویٰ عالمگیر ص۱۱۲ جلد اول میں ہے ویکفیہ مطلق النیۃ للنفل والسنۃ والتراویح ھو الصحیح کذا فی التبیین وھو ظاھر الجواب واختیار عامۃ المشائخ کذا فی التجنیس والاحتیاط فی التراویح ان ینوی التراویح او سنۃ الوقت او قیام اللیل۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

نوٹ:۔ مسائل دریافت کرنے کے لئے کارڈ نہیں بھیجنا چاہئے بلکہ لفافہ میں لفافہ بھیجنا چاہیے۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حافظِ قرآن ہے، اس کے اوپر اہل و عیال کا بہت بوجھ ہے، گھر کے دس افراد کھانے والے ہیں اور کوئی کمانے والا نہیں ہے، وہ شخص نابینا بھی نہیں ہے لیکن صرف نظر تھوڑی کمزور ہے، دور کی چیز نہیں دیکھ سکتا نزدیک سے دیکھ سکتا ہے، مجبوری کی وجہ سے ریل گاڑی میں سوال کرتا ہے، نظر کی کمزوری کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتا گذشتہ سال ماہِ رمضان شریف میں مسجد قادری میں اس نے قرآنِ پاک ختم کیا ہر سال کہیں نہ کہیں رمضان شریف میں قرآنِ پاک سناتا ہے۔ گذشتہ سال جب اس نے یہاں مسجد قادری میں تراویح پڑھائیں تو کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا اب بھی پیش امام کے غیر حاضر ہونے کیوجہ سے نمازی حضرات اس حافظِ قرآن کو نماز پڑھانے کے لئے آگے کھڑا کرتے ہیں اور اس حافظِ قرآن کو دو چار مرتبہ کہتے ہیں تب نماز پڑھاتے ہیں وہ خود یہ کہتے ہیں کہ کوئی اور صاحب نماز پڑھائیں تو بہتر ہوگا لیکن کوئی صاحب تیار نہیں ہوتے۔ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی کیونکہ یہ حافظِ قرآن گاڑیوں پر سوال کرتا ہے، مانگنے کو وہ خود بھی پسند نہیں کرتا، مجبوری کیوجہ سے سوال

لہ کارڈ پر واللہ تعالیٰ اعلم وصلی تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم لکھا ہے کہ ادب کا یہی تقاضا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

کرتا ہے لہذا براہِ کرم اس نزاع میں احکامِ شرع سے واضح طور پر مع دلائل وحکمِ شرعی سے مطلع فرمائیں بینوا توجروا۔

السائل: محمد عنایت اللہ منتظم مسجد قادری اسٹیشن روڈ حیدرآباد سندھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

نماز ہو جاتی ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، حدیث شریف میں ہے صلوا خلف کل بر و فاجر۔ ہاں یہ بھی واضح ہے کہ اس حافظ صاحب کا غیر ہی بہتر ہے کیونکہ منصبِ امامت نہایت اعلیٰ وارفع ہے اور گداگری اگرچہ اصل میں ضرورت پر مبنی ہو مگر حدِ ضرورت پر اکتفا رعادۃً بڑا مشکل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وآلہٖ وصحبہٖ وسلم

الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ ۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۸ھ / ۹/۱۰/۶۸

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ داڑھی منڈانے والا امام مسجد بنانا جائز ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

السائل: بشیر احمد ٹیچر سکول چک ۴۳/ایس۔پی کھرپہ ۱۹-۳-۵۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

منصبِ امامت بہت ہی بڑا دینی منصب ہے۔ داڑھی منڈانے والا فاسق اور گنہگار اس بلند منصب کے لائق نہیں لہذا اسے امام نہ بنایا جائے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہے لہذا اس کا لوٹانا واجب ہے کما ہو متبین من کتب المذهب المهذب۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

Marfat.com

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بجواب حادثہ مندرجہ ذیل کہ بوقت عدم موجودگی امام الحی ودیگر قابل امامت علمائے اہل السنۃ کسی ایسے آدمی کی اقتدا کر لی جاوے جس کی داڑھی قبضہ سے کم ہو، ضرورت وتقیہ کے مدِ نظر بمطابق صلوا خلف کل بر و فاجر الخ اقتدا کر لیویں تو کیا اس صورت میں بھی بسبب مسئلہ مشہورہ ادائیگی بصورتِ کراہت، موجبِ اعادہ ہے یا کہ نہ !

نوٹ : نماز جمعہ تھی۔ بینوا بالحوالۃ توجروا بالکمالۃ

الجواب الموفق للصدق والصواب

بشرطِ صحت وصدق مسئلہ مسئولہ بوجہ ضرورت شخص مذکور کے پیچھے نماز صحیح و درست بلا دوسرے ہے، فان قلت فما الفضیلۃ فی الصلٰوۃ خلف ھؤلاء و الافضل دقیل اما فی حق الفاسق فصلوۃ خلفہ اولٰی (بحرالرائق) پس جبکہ نماز درست ہوئی اور کراہت پائی نہیں گئی تو پھر اعادہ کیسے !

محب النبی صدر مدرس جامعہ غوثیہ نظامیہ وزیر آباد

(اس سوال وجواب پر مندرجہ ذیل جواب لکھا گیا۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر واقعی ضرورت وتقیہ شرعیہ کی بنا پر اقتدا کیا گیا ہے تو بلا گنجائش شک وشبہ وریب جائز ورواو بجا ہے اللہ رب العالمین جل وعلا کا ارشادِ مبین ہے وارکعوا مع الراکعین والاطلاق حجۃ بمنزلۃ النص حتی لا یتخصص بخبر الواحد و القیاس کما نصوا علیہ قاطبۃ پھر اس اطلاق کی تائید حدیثِ صلوا خلف کل بر و فاجر سے ہو رہی ہے، جس کا معنیٰ صحیح وثابت، متعدد صحابہ کرام سے مرفوعًا، سنن ابوداؤد اور بیہقی ودارقطنی وغیرہا میں باسانیدِ کثیرہ مروی اور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک مجمع علیہ ہے اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کے دستور العمل سے موثوق بہ ہے کما لا یخفٰی علٰی من خدم کلمات الائمۃ الکرام اصلًا حتے کہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر شریف ص۶۶ میں حضرت امام الائمہ سراج الامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ارشاد

Marfat.com

والصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر من المؤمنین جائزۃ کے تحت فرماتے ہیں فمن ترك الجمعۃ والجماعۃ خلف الامام الفاجر فھو مبتدع عند اکثر العلماء و الصحیح انہ یصلیھا و لا یعیدھا پھر تعجب ہے کہ جب کوئی اور قابلِ امامت علی سبیل السنۃ موجود ہی نہیں تو کراہت. و اعادہ کا شبہ ہی کیوں جاتا ہے؟

بحرالرائق ص۳۴۹ جلد۱۔ درالمختار. شامی ص۵۲۵ جلد۱ میں ہے والنظم من البحر وینبغی ان یکون محل کراھۃ الاقتداء بھم عند وجود غیرھم والا فلا کراھۃ کما یخفی. شامی نے "غیرھم" کی تفسیر میں فرمایا ای من ھو احق بالامامۃ منھم۔ نیز بحر و شامی ہیں بالفاظِ متقاربہ ہے فان امکن الصلوٰۃ خلف غیرھم فھو افضل و الا فالاقتداء اولی من الانفراد۔ پھر تعجب بالائے تعجب یہ کہ یہ صورت ہے ہی نماز جمعہ کی، حالانکہ اس کی ادا موقوف بر جماعت ہے اور چونکہ فرض کا موقوف علیہ فرض ہوتا ہے لہذا یہ جماعت بھی فرض ہوگی اور اقتدار ضروری ہوگا یہاں تک کہ مشائخ کرام نے مطلقاً تصریح فرمادی کہ اگر فاسق زبردستی امامت کراتا ہے اور منع نہیں کر سکتے تو اس کی اقتدار میں جمعہ ادا کیا جائے جبکہ کسی اور احق بالامامت کی اقتدار حاصل نہ ہو سکتی ہو. فتاویٰ قاضی خان ص۴۳، خلاصۃ الفتاویٰ ص۱۵ جلد۱، فتح القدیر ص۳۰۴ جلد۱، غنیۃ المستملی ص۴۷۹، ہندیہ ص۴۵ جلد۱، مجمع الانہر ص۱۰۸ جلد۱، شامی ص۵۲۳ جلد۱، تبیین الحقائق ص۱۳۴ جلد۱، بحرالرائق ص۳۴۹ جلد۱ میں ہے والنظم منہ ان الفاسق اذا تعذر منعہ یصلی الجمعۃ خلفہ۔

تو ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی طرح واضح ہوا کہ صورتِ سوال میں اقتدار روا، بلکہ ضروری تھا اور کوئی ایسی کراہت جو موجب اعادہ بنے قطعاً نہ تھی لہذا یہ اقتدار موجبِ اعادہ نہیں، ہاں اس میں شک نہیں کہ بلا ضرورت شرعیہ فاسق کی تقدیم مکروہ تحریمی ہے کما صرحوا بہ والتفصیل فی الفتاویٰ النوریۃ

(نوٹ) ظاہر سوال یہ کہ اس امام و فسق کی داڑھی قبضہ سے کم کرانے رہنے کے سبب ہے اور وہ تائب بھی نہ ہوا ورنہ اگر داڑھی پوری ہوئی ہی نہ ہو یا تائب ہو گیا تو کیا حرج؟ بلکہ اگر سرت سے خلقۃً ہوئی نہ تب بھی امامت

Marfat.com

بلاکراہت جائز جب کہ کوئی اور مانع نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

(ابوالخیر النعیمی غفرلہ ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۱ھ ۶۱-۱۲-۳)

الاستفتاء

مندرجہ ذیل مسائل بھی تحریر فرمادیں تو مہربانی ہوگی :

نمبر۱ : امام مذکور ڈاڑھی خشخاشی رکھتا ہے تو جب کبھی وہ جماعت کراتا ہو، بعد میں اگر مجھے شامل ہونا جائز ہے یا نہیں حالانکہ میں نے اسے سمجھا دیا ہے مگر وہ نہیں مانتا بلکہ کہتا ہے شرعی ہے بھی یہی ؟

نمبر۲ : مسوڑے سے خون نکالنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں ؟

نمبر۳ : اویس قرنی کے والد ماجد کا کیا نام ہے ؟

نمبر۴ : گندم و دیگر غلہ کو عشر یا نصف عشر کھانے کی گندم رکھنے کے بعد کو ہے یا تمام کے حساب سے ؟

السائل : ابوطیب غلام رسول فاروقی از چک ۱۰/ایس پی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱ : آپ پرہیز کریں اور محتاط بھی رہیں یعنی کوئی ایسی صورت نکالیں کہ وہ سمجھ جائیں اور فساد بھی نہ ہو۔

: ہاں شرعاً داڑھی کا مشت بھر رکھنا واجب ہے۔ صحیح مسلم ص۱۲۹ جلد۱، سنن ترمذی ص۱۰۰ جلد۲، نسائی ص۲۷۴ جلد۔ ابن ماجہ ص۲۵ میں "عشر من الفطرۃ" کی حدیث میں ہے واعفاء اللحیۃ۔ صحیح بخاری ص۸۷۵ جلد۲، مسلم ص۱۲۹ جلد۱، ترمذی ص۱۰۰ جلد۲، نسائی ص۲۷۴ جلد۲، ص۲۷۳ جلد۲ میں بروایات متعددہ ابن عمر سے مرفوعاً وارد ہے وفروا اللحی، اعفوا اللحی، اوفوا اللحی بلکہ مسلم میں ابوہریرہ سے مرفوعاً ارخوا اللحی بھی آیا ہے۔ اور مسلم و ترمذی نے ابن عمر سے یہ بھی روایت کیا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب و اعفاء اللحی اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانا نہایت ضروری ہے اور کٹانا بالکل جائز ہی نہ ہوتا مگر دوسری احادیث سے معلوم ہوا کہ مشت بھر سے زائد کٹانا جائز ہے تو مشت بھر رکھنا ضروری ہوا، شامی ص۲۵۹ جلد۵ میں ہے

Marfat.com

وھو ان یقبض الرجل علی اللحیۃ فما زاد منھا علی قبضۃ قطعہ کذا ذکرہ محمد فی کتاب الاثار عن الامام قال و بہ ناخذ۔ فتح القدیر ص۲۷ ، بحرالرائق ، درالمختار شامی میں ہے والنظم من الدر و اما الاخذ منھا وھی دون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربۃ و مخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد۔ حاصل یہ کہ مشت بھر سے کم کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

ج ۲ مسوڑے سے خون نکالنا مفسدِ صوم نہیں و ذا ظاھر جدا۔

ج ۳ حضرت خیر التابعین سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام عامر ہے کما فی تقریب التھذیب وغیرہ۔

ج ۴ عشر یا نصف العشر کل پیداوار سے لیا جاتا ہے کما صرح بہ الفقہاء الکرام قاطبۃ وھو حکم الکتاب و السنۃ لعموم کلمۃ ما۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

(الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ)

الاستفتاء

علامۂ زماں بیہقیٔ دوراں شیخ الحدیث فقیہ اعظم حضرت قبلہ مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : براہِ مہربانی درج ذیل مسئلہ تفصیلاً تحریر فرمائیں۔

مسئلہ ۱ :۔ داڑھی منڈانا یا ایک مٹھی سے کم ترشوانا کیسا ہے اور اس کی امامت کیسی ہے بعض کہتے ہیں کہ ایک مٹھی داڑھی رکھنا کہیں صحیح حدیث سے ثابت نہیں مفصلاً تحریر فرما دیں۔

مسئلہ ۲ :۔ ایک مولوی نے ایک امام مسجد کے نام کے ساتھ "مظہر اعجاز نبوت" لکھا ہے ایسے لکھنے والے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

مسئلہ ۳ :۔ مسجد میں بیٹھ کر جھوٹی قسمیں اٹھا کر لوگوں میں فتنہ و فساد پھیلانا کیسا ہے؟ فقط والسلام

ناچیز : غلام سرور جادوی خطیب جامع مسجد غوثیہ رضویہ کالا گیٹ فوجی ملز جہلم

۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۹۰ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ :۔ مزاج گرامی !

آپ کے مرسلہ مسائل محتاج تفصیل جدید نہیں ان پر بہت کچھ لکھا گیا ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اعفاء اللحیہ کی مکمل ومفصل تحقیق اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالے "لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ" میں بکثرت آیات واحادیث کی روشنی میں دیکھیں، اور ایسے کی امامت مکروہ ہے۔ اپنے اختیار سے امام بنانا اور اس کی اقتدا مکروہ تحریمی ہے اور اگر کسی کا بنایا ہوا ہے اور نمازی کو اس کے ہٹانے کا اختیار نہیں تو تنزیہی ہے ھٰذا ھو عطر التحقیق۔ اگر امام مسجد واقعی عالم عامل کامل ومکمل معلم ومبلغ پابند سنت ہے اور ولی صاحب کرامات تو ایسا عالم مظہر اعجاز نبوت ہی ہوتا ہے یعنی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اعجاز کے ظہور کا ذریعہ ہے تو شرعاً جائز ہے۔ اور اگر اس کے خلاف ہے تو خلاف کے مقدار پر ناجائز ہے مسجد میں بیٹھ کر جھوٹی قسمیں کھانی جو فتنہ وفساد کا ذریعہ ہو نہایت ہی سخت حرام ہے جس کا استحلال کفر ہے جھوٹی قسم اٹھانا قرآن کریم کے احکام سے فسق مبین ہے چہ جائیکہ ایسی قسم فتنہ وفساد بھی پھیلائے چہ جائیکہ مسجد کے اندر ہو،

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال بقلم خود

(۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۹۰ھ، ۷۰-۵-۳۱)

الاستفتاء

نمبر(۱) ہمارے محلہ شمالی کی مسجد گلاب شاہ کے خزانچی میاں محمد گلزار صاحب داڑھی کترواتے ہیں جو کہ ایک مشت سے کم ہو جاتی ہے۔ امام صاحب اور ناچیز کی عدم موجودگی میں امامت کے لئے خود کھڑے ہو جاتے ہیں یا کسی دوسرے داڑھی کتروانے والے کو کھڑا کر دیتے ہیں اور بعض وقت مودودی صاحب کے آدمی کو کھڑا کر دیتے ہیں، داڑھی کے اعتبار سے وہ بھی ناقص ہوتا ہے۔ اگر انہیں داڑھی پوری کرنے کے لئے کہا جائے تو بے دریغ کہتے ہیں کہ ہم داڑھی کو استرے سے صاف کرا دیں گے اور ہم داڑھی منڈے کے پیچھے نماز پڑھیں گے، ہماری نماز ہو جاتی

Marfat.com

ہے۔ ایسے آدمی کے لئے کیا حکم؟ اور ایسا آدمی مسجد اہلِ سنت میں خزانچی رہ سکتا ہے یا نہیں؟

(ب) ایک دوسرے آدمی جو کہ مقامی نہ تھے باہر کسی جگہ امامت کراتے اور داڑھی کترواتے ہیں جو کہ ایک مشت سے کم ہے امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔ جب انہیں داڑھی کے بارے میں کہا گیا کہ داڑھی کتروانے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے تو بہت جرأت سے بولے، داڑھی فرعون کی تھی، داڑھی سکھوں کی ہے! اعمال نیت پر ہیں ایسے آدمی کے لئے شرعی حکم فرمادیں جس نے داڑھی کا یہ احترام کیا؟

(ج) شخص مذکور میاں گلزار صاحب ایک نئی بات خاندانِ اہلِ چشت کے ذمہ کہتے ہیں کہ خاندانِ اہلِ چشت کے نزدیک پوری کرانا منع ہے، باقی داڑھی کی کوئی قید نہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

سوال ۲ حضور والا! امام صاحب کی عدم موجودگی میں جبکہ امام صاحب دو چار دن چھٹی جائیں اور انتظامیہ مسجد کسی دوسرے آدمی کا انتظام نہ کر سکے اور وقتِ جماعت تمام آدمی بے ریش یا داڑھی کتروانے والے موجود ہوں تو ایسی صورت میں کیا ان آدمیوں سے کسی کو امامت کے لئے کھڑا کر سکتے ہیں، کیا یہ امامت جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس نماز کا دہرانا واجب ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

السائل: محمد نور الٰہی مرزا، رضا ہومیو ہسپتال بخشی مارکیٹ جہلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:-

واقعی ایسا شخص خزانچی نہیں ہونا چاہئے مگر شرعاً یہ حکم بھی نہیں لگا سکتے کہ نہ رہے، داڑھی منڈوانے یا کترا کر ایک مشت سے کم رکھنے والے کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اور برطرف کرنے کی طاقت رکھنے والے شخص کی نماز اس کے اقتداء میں مکروہ تحریمی ہے اور واجب الاعادہ ہے اس میں مقامی یا غیر مقامی کا فرق نہیں۔ پھر یہ جرأت کہ فرعون اور سکھوں کی داڑھی کیطرف نسب کر کے داڑھی پر استہزاء کیا جائے۔ نہایت ہی ظلم اور فسق و فجور ہے حضرات چشت اہلِ بہشت کیطرف ایسی بات منسوب کرنی بھی بدترین جھوٹ اور سخت افتراء ہے۔ اپنے جیسے فاسق کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا بھی وہی حکم ہے یعنی فرض ادا ہو جائے گا اور نماز واجب الاعادہ ہے البتہ اگر قدرتی طور پر داڑھی نہ ہو یا تازہ بالغ ہوا اور ابھی داڑھی اتری نہیں تو وہ امام بن سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وسیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

Marfat.com

(نوٹ) مزید استفسارات کے لئے آپ اپنے شہر کے مفتی حضرت مولانا غلام محمود صاحب خطیب عید گاہ کیطرف رجوع فرمایا کریں۔ والسلام۔

(الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہ بانی و مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ۷۱/۹/۲۵)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد جس کی داڑھی مٹھ بھر نہیں اور وہ قینچی سے کترانا ہے اور داڑھی پر سیاہ رنگ کا خضاب لگاتا ہے کیا وہ امامت کے قابل ہے یا کہ نہیں، کیا خضاب سیاہ رنگ کا لگانا جائز ہے یا نہیں، کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں!

السائل : محمد اشرف بقلم خود ۷۱-۱۱-۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

داڑھی مشت بھر سے کم کرانی حرام ہے اور یونہی خضاب بھی ناجائز ہے ایسے شخص کو امام بنانا ناجائز ہے کما فی اسفار المذھب المھذب الحنفی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

(الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پورے اٹھارہ سالہ لڑکے کے پیچھے نماز باجماعت ہو سکتی ہے کہ نہیں حالانکہ وہ لڑکا کہتا ہے کہ مجھے احتلام آتا رہتا ہے اور اب تک داڑھی نہیں اتری اور بڑا خوبصورت نہیں، بینوا توجروا۔

سائل : غلام رسول بقلم خود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بصورتِ صحتِ سوال وہ لڑکا شرعاً بالغ ہے۔ تمام ائمہ دین کے نزدیک تنویر الابصار میں ہے بلوغ

Marfat.com

الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال۔ نیز اسی میں ہے فان لم یوجد فیہما فحتی یتم لکل منہما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی وقررہ فی الدر وقال الشامی فی الغایۃ هذا عندهما وهو روایۃ عن الامام وبہ قالت الائمۃ الثلاثۃ وعند الامام حتی یتم لہ ثمانی عشرۃ سنۃ ولہا سبع عشرۃ سنۃ لہذا نماز اس کے پیچھے بلا کراہت جائز ہے، شامی میں ہے (قولہ وکذا تکرہ خلف امرد) الظاهر انہا تنزیہیۃ ایضاً والظاهر ایضاً کما قال الرحمتی ان المراد بہ الصبیح الوجہ لانہ محل الفتنۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

(الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ ۱۲ رجمادی الاولی ۱۳۷۷ھ بوقتِ ظہر)

الاستفتاء

بخدمتِ اقدس جناب قبلۂ کونین وکعبۂ دارین والدصاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم کے بعد گزارش ہے کہ آپ کے فرمان کے مطابق آج مورخہ ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۷۹ھ کو تیکے بہاول پہنچے، بات چیت ہونے کے بعد انہوں نے یہ کہا ہے کہ حافظ نذیر احمد صاحب بغیر داڑھی کے ہیں اور اس کے پیچھے ہماری نماز ہوگی یا نہیں، یہ حضرت صاحب قبلہ سے لکھوا کر لے آؤ۔ تو اب فقیر آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ مہربانی فرماکر تحریر فرمادیں کہ جائز ہے یا نہیں؟ حضور کی عین نوازش ہوگی۔

آپ کا کمترین غلام

عبدالنبی منیر احمد نوری بقلم خود ساکن بہاول داس تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ہاں جائز ہے جبکہ امام بالغ ہو۔ شرائط امامتِ بالغین سے ہے کہ امام بھی بالغ ہو۔ نور الایضاح،

عہ ای فی الجملۃ التی بنیت الغایۃ للصغیر ۱۲ ابوالخیر غفرلہ

Marfat.com

مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی میں ہے والنظم من المتن و البلوغ اور یہ شرط کسی آیت یا حدیث یا کتاب فقہ میں ہرگز ہرگز نہیں کہ بالغ ہونے کے بعد داڑھی بھی اتر چکی ہے تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں، جو یہ کہے کوئی دلیل لائے اور کسی معتبر کتاب سے دکھائے کہ نماز ناجائز ہے۔ قوم کے نوجوان ہونہار حافظوں کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ قرآنِ کریم سنائیں تو بحکم وتعاونوا علی البر والتقوی انہیں موقع دینا چاہیئے کہ یہ عبادت انجام دے سکیں نہ یہ کہ انکے منع کیا جائے۔ واللہ تعالی اعلم وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

مفتیان دین وشرعِ متین شریعت میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک لڑکا جس کی پیدائش ۱۹۴۷ء (۱۶ سال) میں ہوئی اور وہ ایک سال سے قرآنِ مجید کا حافظ ہو چکا ہے اور دو یا تین جماعت سکول بھی پڑھا ہوا ہے اور اس کو ایک سال سے احتلام بھی آتا ہے چونکہ اس کو داڑھی ابھی نہیں اتری اس لیے چہرہ صاف عورتوں کی مانند ہے۔ لڑکا رنگ کا سانولا ہے۔ ایک دیوبندی صاحب نے کہا ہے کہ اس کے پیچھے نماز منع ہے کیونکہ اس کا چہرہ عورتوں کی طرح صاف ہے۔ اس کے بارے شریعت میں کیا فرماتے ہیں۔ نیز دیوبندی صاحب کہتا ہے کہ فرض نماز ہرگز نہیں ہوتی، اس کے پیچھے نفل نماز ہو سکتی ہے۔ اس کے بارے میں بھی تحریر فرما کر مشکور فرماویں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ امید ہے کہ آپ میری بروئے شریعت مدد فرما کر تحریر کا جواب دیں گے۔

السائل :- محمد حنیف حصہ دار ولٹوہا (۶۳-۱۲-۲۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً بلاشبہ اس لڑکے کو امام بنانا جائز ہے کہ شرعاً یقیناً وہ بالغ ہے۔ جب ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوا ہے تو اس کی ۱۶ سال سے بھی یقیناً زائد ہے کہ شرعی سال انگریزی سال سے تقریباً دس دن کم ہوتا ہے تو اگر ۱۹۴۷ء کے آخر میں بھی پیدا ہوا تو تب بھی تقریباً ساڑھے سولہ سال بنتا ہے حالانکہ شرعاً پندرہ سالہ لڑکا بالغ ہو جاتا ہے

Marfat.com

اگرچہ اسے احتلام نہ آئے اور اس لڑکے کو تو احتلام بھی سال کا آتا ہے تو وہ یقیناً بالغ ہے کما فی الدر و الشامیۃ والھندیۃ وغیرھا من الاسفار المذھبیۃ اور داڑھی کا اترنا امامت کی شرط کسی امام کے نزدیک قطعاً نہیں بلکہ اطلاقِ قرآنِ کریم اور حدیثِ پاک سے کئی وجوہ سے اس کی امامت جائز ہے۔ وہ دیوبندی منع بتانیوالا کوئی بالکل بے علم اور جاہل معلوم ہوتا ہے یا پھر اس کے دل میں کوئی عناد یا فساد ہے۔ کسی دیوبندی کی کتاب میں بھی یہ قطعاً نہیں لکھا کہ داڑھی کا اترنا شرط ہے تو وہ کیوں بلا وجہ کہتا ہے، دیکھئے قرآنِ کریم میں ہے واركعوا مع الراكعين (پ البقرۃ) "یعنی نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھو" اس آیت سے جماعت و امامت ثابت ہو رہی ہے اور اس کا اطلاق اس جماعت و امامت کو بھی یقیناً شامل ہے جس کا امام بالغ ہو مگر داڑھی نہ اتری ہو والاطلاق فی حکم النص عندنا کما نصوا علیہ فی الاصول اور مسلم شریف ص۲۳۶ جلد ۱، ابوداؤد ص۹۳ جلد ۱، نسائی ص۱۲۷ جلد ۱، ترمذی ص۳۲ جلد ۱، ابنِ ماجہ ص۷۰، مستدرک حاکم ص۲۴۳ جلد ۱، دارقطنی ص۱۰۱ میں محبوب پیارے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثِ پاک بالفاظِ متقاربہ ہے ويؤم القوم اقرءهم لكتاب الله" یعنی قوم کی امامت کرے ان میں سے قرآنِ کریم کو زیادہ پڑھنے والا ہے حالانکہ حافظ دوسروں سے زیادہ پڑھنے والا ہوتا ہے۔ بلکہ حدیثِ پاک میں یہاں تک آیا والصلوۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم یعنی نماز اے مسلمانو تمہارے اوپر لازم ہے ہر مسلمان کے پیچھے رواہ ابو داؤد ص۳۴۳ جلد ۱ کتاب الجہاد باب فی الغزو مع ائمۃ الجور، سنن بیہقی ص۱۲۱ جلد ۳، تو کیا وہ حافظ جو گاؤں کے لوگوں سے قرآنِ کریم زیادہ پڑھنے والا ہے اور مسلمان اور سنی ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی؟ ناجائز کہنا قرآنِ کریم اور حدیثِ پاک کے خلاف ہے اور یونہی کتبِ فقہ مذہب حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ بلکہ ائمہ مذاہب اربعہ سب کے خلاف ہے۔ کسی ایک امام نے بھی یہ شرط نہیں لگائی کہ داڑھی اُگی ہوئی ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں بلکہ حضرتِ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سات آٹھ سال کا لڑکا بھی نماز نفل اور فرض دونوں میں امام بن سکتا ہے مگر دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ بالغ ہونا شرط ہے کیونکہ حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکے کی امامت سے منع فرمایا ہے جب کہ اسے احتلام نہ آیا ہو۔ ان کی حدیث کے لفظ یہ ہیں ونھانا (امیر المؤمنین عمر بن الخطاب) ان یؤمنا الا المحتلم (صحیح بخاری ص۴۶۵ جلد ۳) اور یونہی حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کشف الغمہ ص۱۳۳ جلد ۱ میں ہے لا یؤم الغلام حتی یحتلم اور حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات

Marfat.com

پاک یہ ہیں لا یؤم الغلام حتی تجب علیہ الحدود۔

ان سب کا حاصل یہ کہ احتلام آنے سے پہلے لڑکا امام نہیں بن سکتا مگر تعجب کہ یہ چودھویں صدی کا دیوبندی یہ کہتا ہے کہ احتلام آنے کے بعد بھی امام نہیں بن سکتا جس کی داڑھی نہ اگی ہو عورت کے حکم میں نہیں اگرچہ بالغ نہ بھی ہوا ہو اور یہی وجہ ہے کہ لڑکوں کی صف بالغوں کے پیچھے ہوتی ہے اور عورتوں سے آگے ۔ پھر شرعی مسئلہ ہے کہ عورت مرد کے ساتھ جماعت میں کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز ٹوٹ جاتی ہے مگر لڑکا کھڑا ہو جائے تو نہیں ٹوٹتی بلکہ اکیلا لڑکا ہو تو حکم ہے کہ مردوں کے ساتھ کھڑا ہو اور جب بالغ ہو جائے تو بالغوں کے ساتھ ہی ضرور کھڑا ہوگا تو عورت کے حکم میں کیسے ہوا ؟ ہاں اگر کوئی لڑکا ایسا ہو جو بڑا خوبصورت ہو جس کی صورت بڑی دلکش ہو کر برے اور ذلیل لوگ اسے دیکھ کر شیطانی اور شہوانی خیالات میں پڑتے ہوں تو ایسے بالغ لڑکے کی امامت خلاف اولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں مگر ناجائز پھر بھی نہیں ۔ شامی ص۵۲۵ جلد ا میں ہے الظاہر انہا تنزیہیۃ ایضًا والظاہر ایضًا کما قال الرحمتی ان المراد بہ الصبیح الوجہ لانہ محل الفتنۃ پھر اسی میں ہے علۃ الکراھۃ خشیۃ الشہوۃ وھو الاظہر ۔ فتح القدیر ص۳۰ جلد ا میں ہے ومرجعہا ای کراھۃ التنزیہ الی خلاف الاولیٰ۔

بہرحال ایسے بالغ حافظ لڑکے کا امام بننا فرضی و نفلی سب نمازوں میں شرعاً یقیناً جائز ہے جبکہ وہ صحیح معنی میں مسلمان ہو۔ ہاں اگر ایسے لوگ جو حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے ادب اور گستاخ ہوں یا حضور کے پیچھے کسی اور نئے نبی کے آنے کے قائل ہوں یا کوئی اور کفریہ عقیدہ رکھیں تو ان کی امامت فرض اور نفل کسی نماز میں بھی جائز نہیں اگرچہ وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں اور داڑھیاں بڑی بڑی رکھیں، جب ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں ، واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

(الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۸-۱۲-۶۳)

الاستفتاء

بحضور فیض گنجور فیض مآب جناب مفتی صاحب مدظلکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بازار میں دکان ہے اس کے

Marfat.com

بغیر کوئی شرعی مانع نہیں، کیا اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا من رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

مسلمان شرعی موانع سے مبرا بلاشک و شبہ و ریب امامت کرسکتا ہے۔ بازار میں دوکان ہونا بلاوجہ مانع نہیں ہوسکتا تجارت بلاشبہ جائز ہے قرآن کریم میں ہے الا ان تکون تجارۃ عن تراض اور بازار کی ذات میں کوئی خرابی نہیں، جب محرماتِ شریعت سے مجتنب رہے تو "مشی فی الاسواق" منافی نبوت بھی نہیں چہ جائیکہ بہ امامتِ صغریٰ، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و اٰلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

(حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ غفرلہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ موجودہ رجسٹر نکاح کوئی مسلمان لیکر رجسٹراری کا کام کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی امام یا خطیب موجودہ رجسٹر لیکر رجسٹری کا کام کرے آیا اس کا وعظ و خطبہ سننا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مستفتی:۔ قاری عبدالکریم مدرس جامع صدیقیہ لوکوشیڈ لاہور ۹/۶۶ ۲۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

باقاعدہ حدود اسلام کی پوری پوری پابندی کرتے ہوئے کرسکتا ہے ہاں اگر کوئی نکاح خواں ناجائز نکاح کرے یا رشوت وغیرہ لے تو یہ ناجائز ہے اور اسکا وبال اسی پر ہے مگر جو ایسا نہ کرے تو وہ مجرم نہیں بلکہ پابندیٔ مذکورہ کے ساتھ یہ کام کرنا مستحسن ہے اگر کوئی مسلمان یہ کام نہ کرے تو کیا اہلِ اسلام کے نکاحوں کا رجسٹرار کوئی غیر مسلم مقرر کیا جائے؟ یہ عجیب سا سوال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و اٰلہ

لہ کہ قرآنِ کریم میں مطاعن کفار سے منقول ہے یمشی فی الاسواق ۱۲ ابوالخیر غفرلہ

Marfat.com

واصحابہ وسلم۔

(ابوالخیر النعیمی غفرلہ ۹ رجمادی الآخرے ۱۳۸۶ھ ۲۵-۹-۶۶)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید جو باقاعدہ مرد باریش ہے اور صرف مردوں والا عضو رکھتا ہے عورتوں والا عضو برائے نام بھی نہیں اور نہ ہی پستان عورتوں کیطرح ابھرے ہوئے ہیں مگر اس کے مردانہ عضو میں سوراخ ہے جس سے پیشاب آتا ہے اور احتلام مردوں کی طرح ہوتا ہے اور منی بھی مردانہ عضو سے اسی سوراخ سے خارج ہوتی ہے تو کیا ایسا شخص شرعاً مرد ہے اور مردوں کا امام بن سکتا ہے یا خنثیٰ ہے اور مردوں کا امام نہیں بن سکتا؟ بینوا توجروا۔

مستفتی : مولوی محمد اسحاق از لدھیال مورخہ ۵۹-۱۲-۳۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

ایسا شخص بلاشک وشبہ یقیناً مرد ہے اور خنثیٰ بالکل نہیں، شرعاً خنثیٰ وہ انسان ہے جس کے مردانہ اور زنانہ دونوں عضو ہوں یا دونوں ہی نہ ہوں۔ فتاویٰ عالمگیر ص۴۹۸ جلد۲ میں ہے یجب ان یعلم بان الخنثی من یکون لہ مخرجان قال البقالی رحمہ اللہ تعالی او لا یکون لہ واحد منھما اور یونہی تمام کتب معتبرہ مذہبیہ میں ہے۔ اور مردانہ عضو کے سوراخ درمیانہ سے پیشاب آنا بھی کوئی مضر نہیں بلکہ یہ تو واقعی خنثیٰ کے حق میں بھی مرد ہونے کی دلیل ہے کہ مردانہ عضو سے پیشاب آتے۔ فقہائے کرام نے اس کو مطلقاً مرد ہونے کی دلیل قرار دیا ہے اور یہی احادیث شریفہ سے بھی ثابت ہے۔ فتاویٰ عالمگیر میں ہے فان کان یبول من الذکر فھو غلام۔ اور مردوں کی طرح احتلام آنا یا پستانوں کا عورتوں کی طرح نہ ہونا جوان کے حق میں مرد ہونے کا نشان ہے فتاویٰ عالمگیر وغیرہا میں ہے وکذا اذا احتلم کما یحتلم الرجل او کان لہ ثدی مستو (الی ان قالوا) لان عدم نبات الثدیین

عہ ای غیر مقید بخروج البول من رأس الذکر و اثنائہ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

كما يكون للنساء دليل شرعي على انه رجل كذا في المبسوط لشمس الائمة السرخسي اور داڑھی بھی مردانگی کی دلیلِ خاص ہے۔ فتاوٰے مذکورہ وغیرہا میں ہے خرجت لحية فهو رجل كذا في الذخيرة حالانکہ زید کا زنانہ عضو برائے نام بھی نہیں تو یہ چیزیں اس کے حق میں اس کی واقعی مردانگی کے نشان کیوں نہیں بنتیں تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ زید مرد ہے تو اس کی امامت مردوں کے لئے جائز ہوگی جس میں کسی شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ، و الله تعالى اعلم وعلمه جل مجده اتم و احكم وصلى الله تعالى على حبيبه و اله واصحابه وبارك وسلم۔

(ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۹ھ)

الرِّسَالَةُ الْمُسَمَّاةُ

بِمُكَبِّرِ الصَّوْتِ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ اگر امام امامت سے پہلے لاؤڈ سپیکر نصب کرا دے کہ تکبیرِ تحریمہ و انتقالات سے وہ مقتدی جو دور ہوں مطلع ہوتے رہیں تو کیا شرعاً ان مقتدیوں کی نماز ہوگئی جو لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ مطلع ہوکر افعالِ نماز میں متابعتِ امام کرتے رہے ہیں ؟ بعض علماء کرام فسادِ نماز کا حکم لگاتے ہیں کہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ جو آواز سنائی دیتی ہے وہ نئی آواز ہے اور صدا ہے اور امام کی آواز نہیں تو یہ "من لم يدخل في الصلوة" کی اقتداء بنی جو مفسدِ نماز ہے کما فی الشامی ایک بہت بڑے عالم نے تو اسے جزئیہ صریحہ لاؤڈ سپیکر کا حکم دیا ہے اور ایسے ہی " تلقن من الخارج" بنتا ہے یعنی جو نماز میں شریک نہیں اس سے افعالِ نماز کی ادائیگی میں استفادہ ہے اور یہ بھی مفسد ہے۔ ایک بہت بڑے اور مشہور مدرسے کے صدر المدرسین نے کہا " نماز میں کسی ایسے شخص کی آواز سے جو داخلِ نماز نہ ہو، استفادہ کرنا باتفاقِ فقہاء مفسدِ نماز ہے "، صدا سے سجدۂ تلاوت کی آیت سنی جائے تو

Marfat.com

سامع پر سجدہ لازم نہیں آتا تو معلوم ہوا کہ ان مقتدیوں کی نمازیں فاسد ہیں اور اگر امام ہی کی آواز ہو تو پھر بھی چونکہ اس میں جہر مُفرط پایا جاتا ہے جو مفسدِ نماز ہے لہذا نمازیں نہ ہوئیں اور لاوڈ سپیکر کا استعمال نماز میں حرام ہے جو کرے اس پر توبہ فرض ہے، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ لاوڈ سپیکر پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا قرآن کریم سے باوجود دعوائے " تبیاناً لکل شیئ " اس کا کوئی حل نہیں ملتا؟ احادیثِ شریفہ سے کوئی ہدایت نہیں ملتی؟ پھر اجماع امت اور اجتہادِ مجتہدین سے بھی واضح ثبوت نہیں ملتا؟ بینوا ماجورین من رب العالمین۔

السائل: ابوالنصر گول چکر منٹگمری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی نزّل الکتب تبیاناً لکل شیئ وتفصیل الکتاب ۔ وبشّر عبادہ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ فی کل باب ۔ اولٰئک الذین ھدٰھم اللہ واولٰئک ھم اولوالالباب ۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ حبیبہ الذی علّمہ مالم یکن یعلم وکان فضلہ علیہ عظیما بلا ارتیاب ۔ فانبأ بما کان وما یکون الی یوم الحساب ۔ فحفظ من حفظ ونسی من نسی لیصیب مجتہد والصواب ۔ ثواباً علیٰ ثواب ۔ وعلیٰ الہٖ خیر اٰل واصحابہ خیر اصحاب ۔ کلما قرّر سوال وحرّر جواب ۔ بنصوص الکتاب والسنۃ واجماع الامۃ واجتہاد الائمۃ واضح الخطاب ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصّواب

بلاشک وشبہ وگنجائش ریب قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ اور اجماعِ عملی ونقولِ مذہبیہ فقہیہ سے اس کا جواز آفتابِ بے حجاب سے بھی زیادہ واضح وبے نقاب ہے، تفصیلِ جواب سے قبل ان مقدماتِ ضروریہ پر نظرِ غائر نہایت ضروری ہے:۔

Marfat.com

مقدمہ اولیٰ

اشیاء میں اصل اباحت ہے،

اشیاء میں اصل اباحت ہے

اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی جب تک دلائل شرعیہ سے کسی شے کی حرمت و ممانعت ثابت نہ ہو حلال و جائز الاستعمال رہتی ہے، استعمال کرنے والے پر شرعاً کوئی گرفت نہیں کہ وہ معاف ہے۔ قرآن کریم نے صاف صاف فرمادیا عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا (المائدہ) ترجمہ: "اللہ انہیں معاف کرچکا ہے"۔ سنن ترمذی ص۲۱۹ جلد۱، ابن ماجہ ص۲۴۹ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فہو مما عفا عنہ ترجمہ: "حلال وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن پاک) میں حلال کیا اور حرام وہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کردہ چیزوں سے ہے"۔ یعنی اس کے کرنے پر کچھ گرفت نہیں۔ سنن بیہقی ص۳۲ جلد۹ میں ہے فقد عفا عنہ اور اسی کے ص۱۲ جلد۱۰ میں ہے فہو عفو، اور حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع سنن بیہقی ص۱۲ جلد۱۰، مستدرک ص۳۷۵ جلد۲ میں ہے وما سکت عنہ فہو عافیۃ فاقبلوا من اللہ العافیۃ فان اللہ لم یکن نسیا ترجمہ: "اور جس چیز کا ذکر نہ فرمایا تو وہ معاف ہے پس اللہ تعالیٰ سے معافی قبول کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں"۔ پھر یہ آیت پڑھی وما کان ربک نسیا یعنے تمہارا رب بھولنے والا نہیں"۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد فرمایا۔ اور ذہبی نے یہ تصحیح برقرار رکھی۔ سنن ابی داؤد ص۱۸۳ جلد۲، مستدرک ص۳۱۷ جلد۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث موقوف میں ہے فہو عفو کہ وہ معاف ہے"۔ قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین واقرہ الذہبی۔

عہ منتہی الارب میں ہے عافیۃ کصاحبۃ دور کردن خدا از بندہ مکروہ را وسلامت از بیماری و بلا و مکروہات در بدن و در دین دنیا و آخرت اسم مصدر است ۱۲

اور ان کے علاوہ اور آیاتِ متعددہ واحادیث کثیرہ سے بھی یہ قاعدہ روز روشن کی طرح ثابت ہے، مفسرینِ کرام ومشائخ عظام کی تصریحات بھی یہی فرماتی ہیں اختصاراً صرف شامی کی ایک ہی عبارت پر اکتفار کیا جاتا ہے ۹۵ جلد امیں ہے وصرح فی التحریر بان المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمہور من الحنفیۃ والشافعیۃ اھ وتبعہ تلمیذہ العلامۃ قاسم وجری علیہ فی الھدایۃ من فصل الحداد وفی الخانیۃ من اوائل الحضر والاباحۃ جس کا خلاصہ یہ کہ جمہور احناف اور شوافع کے نزدیک مختار یہ ہے کہ بلاشبہ اصل اباحت ہے۔ امام اہل السنت والجماعت اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بکثرت اپنے مبارک رسالوں اور فتوؤں میں اس قاعدۂ مبارکہ کی توضیح وتصریح فرمائی ہے مثلاً فتاویٰ افریقیہ ص۸۲ میں فرمایا" جواز کو یہی کافی ہے کہ شرعاً ممانعت نہیں جس چیز کو اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منع نہ فرمائیں اسے منع کرنا خود شارع بننا اور نئی شریعت گھڑنا ہے" پھر کافی دلائل کے بعد ص۹۰ میں فرمایا" اللہ عزوجل فرماتا ہے ما اتٰکم الرسول فخذوہ ومانھٰکم عنہ فانتھوا" جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں، وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو" تو معلوم ہوا کہ جس کا نہ حکم دیا نہ منع کیا وہ نہ واجب نہ گناہ، اور فرماتا ہے عزوجل یا ایھا الذین اٰمنوا لاتسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القراٰن تبد لکم عفا اللہ عنھا واللہ غفور حلیم" ایمان والو! نہ پوچھو وہ باتیں کہ ان کا حکم تم پر کھول دیا جائے تو تمہیں برا لگے اور اگر اس زمانے میں پوچھو گے جبتک قرآن اتر رہا ہے تو تم پر کھول دیا جائے گا، اللہ انہیں معاف کرچکا ہے اور اللہ بخشنے والا علم والا ہے"

یہ آیتِ کریمہ ان تمام حدیثوں کی تصدیق اور صاف ارشاد ہے کہ شریعت نے جس بات کا ذکر نہ فرمایا وہ معافی میں ہے۔ جبتک کلامِ مجید اتر رہا تھا احتمال تھا کہ معافی پر شاکر نہ ہوکر کوئی پوچھتا تو اس کے سوال کی شامت سے منع فرمادی جاتی اب کہ قرآنِ مجید اتر چکا، دین کامل ہولیا، اب کوئی حکم نیا آنے کو نہ رہا جتنی باتوں کا شریعت نے نہ حکم دیا نہ منع کیا، ان کی معافی مقرر ہوچکی جس میں اب تبدیلی نہ ہوگی۔ وہابی جو کہ اللہ کی معافی پر اعتراض کرتا ہے، مردود ہے، وللہ الحمد! احکامِ شریعت ص۱۶۳ میں فرمایا" اصل اشیاء میں طہارت و حلت ہے قال تعالیٰ خلق لکم ما فی الارض جمیعا جب تک کسی عارض سے اس

Marfat.com

اصل کا زوال ثابت نہ ہو حکم اصل ہی کے لئے رہے گا۔ محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں
وبہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ۔

مقدمۂ ثانیہ

بلا دلیل خاص شرعی کسی شے کو حرام و مکروہ کہنا جھوٹ اور حرام ہے

بلادلیل خاص شرعی کسی شے کو حرام و مکروہ کہنا جھوٹ اور حرام ہے۔ جب رب العالمین جل وعلا پر افترا ہے۔ قرآن کریم میں ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۔ ترجمہ: اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، ان کا بھلا نہ ہوگا۔ فتاویٰ رضویہ ص۹۵ جلد۲ میں ہے "جب کسی کو کسی شے پر منع و انکار کرتے اور اسے حرام یا مکروہ یا ناجائز کہتے سنو، جان لو کہ بارِ ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ جب تک دلیلِ واضح شرعی سے ثابت نہ کرے اس کا دعویٰ اسی پر مردود اور جائز و مباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لئے تمسک بہ اصل موجود" اقامۃ القیامہ ص۲۶ میں فرمایا" ہاں تم جو ناجائز و ممنوع کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا و رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز فرمایا ہے؟ اگر ثبوت نہ دو اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہرگز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شرعِ مطہر پر افترا کیا ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۔ سبحان اللہ! الٹا سند کا مطالبہ ہم سے! شامی ص۱۱۱ جلد۱ میں بحرالرائق سے ہے ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لا بد لھا من دلیل خاص، شامی فرماتے ہیں اقول وھذا ھو الظاھر اذ لاشبھۃ ان النوافل من الطاعات کالصلوٰۃ والصوم ونحوھما فعلھا اولی من ترکھا بلا عارض ولا یقال ان ترکھا مکروہ تنزیھا۔

خلاصہ یہ کہ کراہتِ تنزیہیہ بلا دلیلِ خاص ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ مقدمہ بھی پہلے کی طرح بکثرت آیات و احادیث و تصریحاتِ ائمہ عظام سے امس و شمس کی طرح ثابت ہے مگر اختصار مطلوب ہے۔

بلادلیل خاص شرعی کسی شے کو حرام و مکروہ کہنا جھوٹ اور حرام ہے

Marfat.com

مقدمۂ ثالثہ

بلا تحقیق وثبوت کامل حرام ومکروہ کہنا افتراء ہے

بلا تحقیق وثبوت کامل حرام ومکروہ کہنا افتراء ہے

بلا تحقیق وثبوت کامل حرام ومکروہ کہنا افتراء ہے امام اہل سنت والجماعت کے کلمات طیبات میں ہی سنئے احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیق بالغ وثبوت کامل کسی شے کو حرام ومکروہ کہہ کر شریعت مطہرہ پر افتراء کیجئے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن اور بے حاجت مبین خود مبین سیدی عبدالغنی بن سیدی اسمٰعیل قدس سرہما الجلیل فرماتے ہیں لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالی باثبات الحرمۃ او لکراھۃ اللذین لابد لھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل وقد توقف النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مع انہ ھو المشرع فی تحریم الخمر ام الخبائث حتی نزل علیہ النص القطعی اھ وآثرہ ابن عابدین فی الاشربۃ مقررا (فتاوی رضویہ ص۹۹ جلد ۲) ترجمہ: یہ کچھ احتیاط نہیں کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا تعالی پر افتراء کر دو کہ حرمت وکراہت کے لئے تو دلیل درکار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے اور ضرور توقف فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے شراب کے حرام فرمانے میں حتی کہ حضور پر نص قطعی اتری باوجودیکہ وہی مشرع ہیں اھ اور علامہ شامی نے کتاب الاشربہ میں اسے نقل کر کے مقرر رکھا۔

مقدمۂ رابعہ

قوی گمان ممانعت نہ ہو تو تحقیقات کی ضرورت نہیں

قوی گمان ممانعت نہ ہو تو تحقیقات کی ضرورت نہیں

امام اہل سنت والجماعت کے پاکیزہ کلمات میں ہے" جب تک خاص اسی شئے میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے کوئی مظنہ قویہ حظر وممانعت کا نہ پایا جائے تفتیش وتحقیقات کی بھی ضرورت نہیں مسلمان کو روا ہے کہ اصل حل وطہارت پر عمل کرے اور یمکن و یحتمل وشاید ولعل کو جگہ نہ دے۔ فی الحدیقۃ لاحرمۃ الا مع العلم لان الاصل الحل ولا یلزمہ السوال

Marfat.com

عن شیئ حتی یطلع علی حرمتہ ویتحقق بہا فیحرم علیہ (فتاویٰ رضویہ ص۱۰۹ جلد ۲) ترجمہ: حدیقہ میں ہے حرمت نہیں مگر جبکہ یقینی طور پر ثابت ہو اس لئے کہ اصل حلال ہونا ہی ہے اور انسان پر کسی چیز کے متعلق دریافت کرنا بھی لازم نہیں، اس حد تک کہ اس شیئ کی حرمت پر اطلاع پائے اور ٹھوس ثبوت حاصل کر لے تو اس پر حرام ہوگی۔" نیز ص۹۸ میں ہے و فی الحدیقۃ لاحرمۃ الا مع العلم لا مع الشک والظن لان الاصل فی الاشیاء الحل یعنی حدیقہ میں ہے کہ یقین حرمت کے سوا شک یا گمان کے ساتھ حرمت ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ اشیاء میں اصل حلال ہونا ہی ہے۔" بلکہ قرآن کریم میں صراحۃً ارشاد فرمایا یا ایہا الذین اٰمنوا لاتسئلوا عن اشیاء (المائدہ) کہ اے ایماندارو! چیزوں سے سوال نہ کرو" یہ اور اس کے سوا متعدد آیات و احادیث سے بھی یہ مقدمہ ثابت ہے۔

مقدمۂ خامسہ

اطلاقِ مطلق بمنزلۂ نص ہے

اطلاقِ مطلق بمنزلۂ نص ہے

اطلاقِ مطلق بمنزلۂ نص ہے یعنی کسی امر کو کسی قید سے مقید نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس امر کی ادائیگی اس قید پر موقوف نہیں اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے مثلاً کوئی کہے پانی پلا اور یہ نہ کہے کہ پیالے میں۔ تو پیالے میں پلایا جائے یا گلاس یا کوزے میں ہر طرح پلانا پایا گیا۔ حکم اقامتِ نماز بلا مصلیٰ زمین پر پڑھنے کی قید سے مطلق ہے تو زمین پر پڑھی جائے یا نہ ہر طرح حکم ادا ہو جاتا ہے اور یونہی یہ قید بھی نہیں کہ اذان سن کر ہی نماز قائم کرو تو اذان کے سننے پر نماز موقوف نہیں بلکہ نمازی بہرہ یا دور ہو کہ اذان سن نہ سکے یا سرے سے ہوئی نہ، تب بھی نماز کا ادا کرنا معتبر ہے حتی کہ جماعتِ جمعہ میں بھی شامل ہو جائے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ اصول الشاشی ص۱۱ تنقیح و تلویح ص۱۲۹ وغیرہا میں ہے و النظم لصدر الشریعۃ حکم المطلق ان یجری علی اطلاقہ۔ نیز تنقیح و توضیح ص۱۳۷ میں ہے (ولنا قولہ تعالیٰ لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم) فہذہ الآیۃ تدل

سے ظن غالب بھی شرعاً یقین کے حکم میں ہے کما صرحوا بہ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

علی ان المطلق یجری علی اطلاقہ . تحریر الاصول مع الشرح ص۳۳۱ جلد ا میں ہے
(سبل) العمل بہ (ان یجزئ کل ما صدق علیہ) المطلق (من المقیدات
بیان لما یعنی ان یحمل علی اطلاقہ بحیث امکن للمکلف ان یأتی
بما شاء من افرادہ سواء کان ذٰلک المقید المنصوص او غیرہ
فیکون کل فرد من افراد المطلق مجزئیا عما ھو الواجب علیہ
ان سب کا حاصل یہ کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھا جاتا ہے یعنی وہ تمام افراد جن پر مطلق سچا آتا ہے
ان میں سے مکلف جسے چاہے ادا کرسکتا ہے کسی ایک فرد کے ادا کرنے سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

مقدمہ سادسہ

صوت وصدا کی تعریفیں بمع فوائد ضروریہ

صوت وصدا کی تعریفیں بمع فوائد ضروریہ مواقف وشرح مواقف وغیرہا سے مکبر الصوت کی طبع اول میں درج ہوئیں تھیں مگر بعد ازاں امام اہل السنت والجماعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ مبارکہ " الکشف شافیا فی حکم فونوجرافیا " سے منقولہ حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب مدظلہم صوت وصدا کی ملخص تعریفیں بمع فوائد جو نہایت ہی جامع ومانع ومفید ہیں ، ہفتہ وار رضوان لاہور ، ۱۴ دسمبر ۱۹۴۹ء ص۵ میں غنیمتِ باردہ کی صورت میں دستیاب ہوئیں لہذا تبرکاً وہی نقل کی جاتی ہیں۔ ایک جسم کا دوسرے جسم سے بقوت ملنا جسے " قرع " کہتے ہیں یا بہ سختی جدا ہونا کہ " قلع " کہلاتا ہے جس ملاءِ لطیف مثل ہوا یا آب میں واقع ہو اس کے اجزائے مجاورہ میں ایک خاص تشکل وتکیف لاتا ہے اسی شکل وکیفیتِ مخصوصہ کا نام " آواز " ہے۔ اس صورت قرع کی فرع ہے کہ زبان وگلوئے متکلم وقتِ تکلم کی حرکت ہوائے دہن کو بجا کر اس میں اشکالِ حرفیہ پیدا کرتی ہے۔ یہاں وہ کیفیتِ مخصوصہ اس صورتِ خاصہ کلام پر بنتی ہے جسے

سہ اس رسالہ مکبر الصوت چھپنے کے بعد اصل رسالہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ " الکشف شافیا " بھی چھپ کر آگیا جس میں صوت وصدا کا بیان ص۱ سے ص۳۵ تک بڑی تفصیل سے ہے جس کی مختصر تلخیص رضوان سے منقول ہے کہ اس وقت یہ رسالہ " الکشف شافیا " چھپا نہیں تھا بلکہ چھپا ہوا تھا۔"

منہ غفرلہ

قدرتِ کاملہ نے اپنے ناطق بندوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ یہ ہوائے اول یعنی جس پر ابتداءً وہ قرع و قلع واقع ہوا جیسے صورتِ کلام میں ہوائے دہنِ متکلم اگر بعینہٖ ہوائے گوشِ سامع ہوتی تو یہیں وہ آواز سننے میں آجاتی مگر ایسا نہیں لہٰذا الحکیم عزت حکمتہ نے اس آواز کو گوشِ سامع تک پہنچانے یعنی ان مشکلات کو اس کی ہوائے گوش میں بنانے کے لئے سلسلۂ تموج قائم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ایسے نرم و تر اجسام میں تحریک سے موج بنتی ہے جیسے تالاب میں کوئی پتھر ڈالو، یہ اپنے مجاور اجزائے آب کو حرکت دے گا، وہ اپنے مقارب کو جہاں تک کہ اس تحریک کی قوت اور اس پانی کی لطافت اقتضا کرے یہی حالت بلکہ اس سے بہت زائد ہوا میں ہے کہ وہ لینت و رطوبت میں پانی سے کہیں زیادہ ہے لہٰذا قرعِ اول سے کہ ہوائے اول متحرک و متشکل ہوئی تھی اس کی جنبش نے برابر والی ہوا کو قرع کیا، اس سے وہی اشکال ہوائے دوم میں بنیں اس کی حرکت نے متصل کی ہوا کو دھکا دیا اب اس ہوائے سوم میں مرتسم ہوئیں، یونہی ہوا کے حصے بروجہِ تموج ایک دوسرے کو قرع کرتے اور بوجہِ قرع وہی اشکال سب میں بنتے چلے گئے یہاں تک کہ سوراخِ گوش میں جو ایک پٹھا بچھا اور پردہ کھنچا ہے یہ موجی سلسلہ اس تک پہنچا اور وہاں کی ہوائے متصل نے متشکل ہو کر اس پٹھے کو بجایا۔ یہاں بھی بوجہ جوف ہوا بھری ہے اس قرع نے اس میں بھی وہی اشکال و کیفیات جن کا نام آواز تھا، پیدا کیں اور اس ذریعہ سے لوحِ مشترک میں مرتسم ہو کر نفسِ ناطقہ کے سامنے حاضر ہوئیں اور محض باذن اللہ تعالیٰ ادراکِ سمعی حاصل ہوا۔

الغرض ہر شے کا سببِ حقیقی ارادۃ اللہ تعالیٰ ہے، بے اس کے ارادے کے کچھ ممکن نہیں۔ وہ ارادہ فرمائے تو اصلاً کسی سبب کی حاجت نہیں مگر عالمِ اسباب میں حدوثِ آواز کا سببِ عادی یہ قرع و قلع ہے اور اس کے سننے کا وہی تموج و تجددِ قرع و طنین تا ہوائے جوفِ سمع ہے متحرکِ اول کے قرع سے ملاء محاذی متشکل، کیفیت مخصوص ہوئی تھی کہ شکلِ حرفی ہوئی تو وہی الفاظ و کلمات تھے نہ اور قسم کی آواز، اس کے قرع سے بوجہ لطافت اس مجاور کو جنبش بھی دی۔ اس کی جنبش نے اپنے متصل کو قرع کیا اور وہی ٹھپا کہ یہاں اس میں بنا تھا اس میں اتر گیا یونہی آواز کی کاپیاں ہوتی چلی گئیں، اگرچہ جتنا فصل بڑھتا اور وسائل زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں [illegible] میں ضعف آتا جاتا ہے اور ٹھپا ہلکا پڑجاتا ہے ولہٰذا دور کی آواز کم سنائی دیتی ہے اور حرف صاف سمجھ میں نہیں آتے یہاں تک کہ ایک حد پر تموج کہ موجبِ قرعِ آئندہ تھا، ختم ہو جاتا ہے اور عدمِ قرع سے اس کی کاپی برابر والی ہوا میں نہیں اترتی، آواز یہیں تک ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تموج ایک مخروطی شکل پر پیدا ہوتا ہے جس کا قاعدہ اس متحرک و محرکِ اول کی طرف ہے اور راس اس کے تمام اطرافِ مقابلہ میں جس طرح زمین سے مخروطِ ظلی اور آنکھ سے مخروطِ شعاعی

Marfat.com

نہیں بلکہ جس طرح آفتاب سے مخروطِ نوری نکلتا ہے کہ ہر جانب ایک مخروط ہوتا ہے بخلاف مخروطِ ظلی کے کہ مقابل جرم اور مخروطِ شعاعِ بصر کے کہ تنہا سمتِ مواجہ میں بنتا ہے۔ ان مخروطاتِ تموّجِ ہوائی کے اندر جو کان واقع ہوں ایک ایک ٹھپا سب تک پہنچیگا۔ سب اس آواز کو سنیں گے ٹھپوں کی تعداد سے آواز متعدد نہ سمجھی جائے گی۔ یہ کوئی نہ کہے گا کہ ہزاروں آوازیں تھیں کہ ان ہزاروں اشخاص نے سنیں بلکہ یہی کہیں گے کہ وہی ایک آواز سب کے سننے میں آئی۔

اس تقریر سے بحمداللہ تعالیٰ منکشف ہوگیا کہ :-

۱۔ آواز اس شکل و کیفیت کا نام ہے کہ ہوا یا پانی وغیرہ جسم نرم و تر میں قرع و قلع سے پیدا ہوئی۔

۲۔ اس کا اور تمام حوادث کا سببِ حقیقی محض ارادۂ الٰہی ہے، دوسری چیز اصلاً مؤثر نہ موقوف علیہ اور آواز کا ظاہری و عادی سببِ قریب قلع و قرع ہے۔

۳۔ سننے کا سبب ہوائے گوش کا متشکل بہ شکلِ آواز ہونا ہے اور اس کے تشکل کا سبب ہوائے خارج متشکل کا اسے قرع کرنا اور اس قرع کا سبب بذریعہ تموّج حرکت کا وہاں تک پہنچنا۔

۴۔ ذریعۂ حدوث قرع و قلع ہیں اور وہ آنی ہیں، حادث ہوتے ہی ختم ہوجاتے ہیں اور وہ شکل و کیفیت جس کا نام آواز ہے، باقی رہتی ہے تو وہ معدات ہیں جن کا معلول کے ساتھ رہنا ضروری نہیں۔

۵۔ آواز ضرور کان سے باہر بھی موجود ہے بلکہ باہر ہی سے منتقل ہوتی ہوئی کان تک پہنچتی ہے۔

۶۔ وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملاءِ متکیف کی صفت ہے ہوا ہو یا پانی وغیرہ۔ آواز کنندہ کی حرکت قلعی و قرعی سے پیدا ہوتی ہے ولہٰذا اس کی طرف اضافت کی جاتی ہے۔

۷۔ جبکہ وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملاءِ متکیف سے قائم ہے تو اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے۔

۸۔ انقطاعِ تموّج انعدامِ سماع کا باعث ہو سکتا ہے نہ انعدامِ صوت کا بلکہ جب تک وہ تشکل باقی ہے، صوت باقی ہے۔

۹۔ دوبارہ تموّج ہو تو اس سے تجدیدِ سماع ہوگی نہ کہ آواز دوسری پیدا ہوئی جبکہ تشکل وہی باقی ہے۔

۱۰۔ وحدتِ آواز وحدتِ نوعی ہے کہ تمام امثالِ متجددہ میں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے ورنہ آواز کا تشخص اول کہ مثلاً ہوائے دہنِ متکلم میں پیدا ہوا کبھی ہمیں مسموع نہیں ہوتا اس کی کاپیاں ہی چھپتی ہوئی ہمارے کان تک پہنچتی ہیں اور اس کو آواز کا سننا کہا جاتا ہے، گنبد کے اندر یا پہاڑ یا چکنی گچ کردہ دیوار کے پاس اور کبھی

Marfat.com

صحرا میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے جسے عربی میں "صدا" کہتے ہیں۔

اس بیانِ فیضِ توامان سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ صدا اسی وحدتِ نوعیہ کی بنا پر وہی پہلی آواز ہی ہے کہ تعریفِ صدا میں صراحۃً فرما دیا کہ "خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے" پھر یہ دوبارہ سنائی دینا اگر تموجِ اول ہی کی بنا پر ہے جیسے بعض نے فرمایا، تو مدعیٰ ثابت، اور اگر دوبارہ نیا تموجِ تازہ اسی کیفیت سے متکیف ہو کر آیا ہے تو پھر بھی وہی آواز باقی کہ الکشاف[عہ] میں دوبارہ فرما دیا کہ دوبارہ تموج ہو تو اس سے تجدیدِ سماع ہوگی نہ کہ آواز دوسری پیدا ہوئی۔ رہا نسبۃً صدا کا بلند ہونا تو وہ مغایرت کی دلیل نہیں کہ بلند و پست ہونا تو اس شکل و کیفیت (آواز) کی دو متوارد صفتیں ہیں جو بدلتی رہتی ہیں ان کے بدلنے سے نفسِ کیفیت میں فرق نہیں آتا۔ مشاہدہ شاہد اور اعلیحضرت سے اس کی تفصیل بھی سن چکے کہ بولنے والے کے نزدیک آواز اونچی ہوتی ہے اور دور کم سنائی دیتی ہے حالانکہ اس دور والی پست آواز کو قطعاً غیر نہیں کہا جاتا تو صدا کو بوجہ بلند ہونے کے کیوں غیر کہا جاتے۔ رہا سجدۂ تلاوت کا واجب نہ ہونا تو یہ حضرت امام اعظم یا ان کے کسی تلمیذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا بظاہر قول نہیں بلکہ تخریجِ متفقہین ہی ہے اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد " ہمارے علماء تصریح کرتے ہیں کہ اس کے سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں" میں فقط ہمارے علماء کا فرمانا بھی یہی ظاہر کرتا ہے ورنہ اپنی عادتِ کریمہ کے مطابق اوصافِ جلیلہ والقابِ جمیلہ سے ائمہ کرام کا نام لیتے۔ پھر اس کے تخریج ہونے کے باوجود لطورِ استدراک اس کی ایک توجیہ فرما دی اور یہ قطعاً نہ فرمایا کہ صدا پہلی آواز کا غیر ہے لہذا سجدہ واجب نہیں ہوتا بلکہ حضرت مولانا ابو الفتح محمد حشمت علی خان صاحب باوجودیکہ لاؤڈ سپیکر پر نماز کے قائل نہیں مگر اپنے فتویٰ کی قسطِ دوم مندرجہ "رضوان، جنوری ۱۹۵۰ء ص۱۱" کے پہلے کالم میں امام اہلِ سنت والجماعت کے بیانِ سابق سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ گنبد کی گونج اور اس آلہ سے سنی ہوئی آواز دونوں صدا ہونے میں برابر ہیں۔ پھر تیسرے کالم میں لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز کے متعلق صراحۃً فرماتے ہیں " وہی اصل متکلم کی آواز ہے خواہ پہلی ہی ہوا اسے لئے ہوئے پلٹ آئی یا اس آواز کی کاپی دوسری میں اتر گئی "۔ تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ ان کی نظر میں بھی صدا اور لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز پہلی ہی آواز ہے، البتہ لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز کو صدا کہنا حقیقتِ واضحہ کے خلاف دکھائی دیتا ہے۔ صدا میں قوتِ دافعہ سے آواز پلٹ کر سنائی دیتی ہے اور اس میں قوتِ برقیہ آخذہ[عہ] پکڑ کر میکروفون میں جمع کر کے چھوڑے سے

عہ چنانچہ متکلم اگر میکروفون کے قریب منہ کر لے تو اسے آواز کا کھنچنا صاف صاف معلوم ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ متکلم چپ ہو جائے تب بھی لاؤڈ سپیکر کے چالو رہنے کی صورت میں میکروفون کی گونج سنی جاتی ہے کہ وہ ہوائے متحرکہ جا دار کو کھینچتا رہتا ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ عہ الکشف شافیہ ص۳۵ میں ہے" اتنا یقینی ہے کہ آواز وہی آوازِ متکلم ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

سوراخ سے بذریعہ مضبوط تار کے سپیکر کے تنگ منفذ سے سپیکر میں پہنچا کر نشر کر دیتی ہے۔

الحاصل صدا میں قوتِ دافعہ آواز کو پہلی ہی طرف واپس دھکیل دیتی ہے اور لاؤڈ سپیکر میں قوتِ آخذہ جمع کر کے (بالعکس صدا) اگلی طرف نکال کر نشر کر دیتی ہے تو صدا کا عکس صدا کیسے بن سکتا ہے پھر چونکہ قوتِ آخذہ صوت کے ظل مخروطی میں بکھری ہوئی بکثرت اشکال و کیفیات (جن میں سے ایک ایک مستقل آواز ہے) کو مجتمع کر دیتی ہے لہذا بہت بلند ہو کر سنا جاتا ہے اور یونہی صدا میں قوتِ دافعہ دفعۃً اشکال و کیفیاتِ کثیرہ کو ملا دیتی ہے تو اس میں بھی بلند سنا جاتا ہے۔ بہرحال سپیکر سے سنی گئی آواز امام ہی کی اصل آواز ہے۔

مقدمۂ سابعہ

مقدمۂ سابقہ سے روزِ روشن کی طرح روشن ہوا کہ صدا متکلم کی اپنی ہی آواز ہے اور یونہی لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز بھی متکلم کی ہی آواز ہوتی ہے بالوحدۃ المعتبرۃ فی الصوت، اور اگر بالفرض غیر ہی ہو تو تب بھی سننے والے کے لئے یہ تاثر ضرور پیدا کرتی ہے کہ متکلم یقیناً یہی کلمات ادا کر رہا ہے کہ متکلم کے بولے بغیر یہ آوازیں بالکل نہیں اٹھ سکتیں اور اگر حقیقتِ واقعیہ کا انکار کرتے ہوئے یہی رٹ لگائی جائے کہ یہ آواز آوازِ متکلم کی غیر ہے جو الفاظِ متکلم پر دلالت بھی نہیں کر سکتی تو ایسے مدعی کے قول پر یہ آواز محض لغو اور شور و شغب اور لہو و لعب بنے گی تو لازم کہ اذان و وعظ و قرآن خوانی میں بھی اس کا استعمال ناجائز و حرام بنے اور واجب الاحتراز ہو کہ قرآن خوانی اور وعظ و اذان میں بھی شور و شغب اور لہو و لعب قطعاً جائز نہیں، یہ تو کفار بدکردار کا شیوۂ نازیبا تھا قرآنِ کریم فرماتا ہے وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فیه لعلکم تغلبون۔ اور فرماتا ہے واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوها هزوا ولعبا حالانکہ اذان وغیرہ میں سب استعمال کر رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ سب کے نزدیک آوازِ متکلم پر اطلاع کا واضح ذریعہ اور بلاشبہ ٹھوس دلیل ہے۔ الحاصل لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آوازیں یقیناً تکبیرات کا پتہ دیتی ہیں اور حرکاتِ انتقالیہ امام کی یقینی دلیل ہیں۔

Marfat.com

مقدّمۂ ثامنہ

آنکھ کان وغیرہ حواسِّ خمسہ

آنکھ، کان وغیرہ حواسِ خمسہ درسچی خبریں اور عقل یہ سب ذرائع ہیں جن سے یقینی علوم حاصل ہوتے ہیں متن شرح العقائد ص۱۷ میں ہے اسباب العلم للخلق ثلثۃ الحواس السلیمۃ والخبر الصادق و العقل۔ شرح میں ہے ان العلم عندھم مقابل للظن اور تصریحاتِ جلیلۂ کتاب وسنت سے بھی یہی روزِ روشن کی طرح واضح وہویدا ہے اور یہ بھی پُرظاہر کہ یہ ذرائع دورانِ نماز میں بھی کارآمد رہتے ہیں، آنکھ وغیرہ کھلے رہتے ہیں اور خبریں بھی پہنچتی رہتی ہیں اور عقل بھی قائم رہتی ہے ورنہ دیوانہ پر تو کچھ فرض ہی نہیں لہٰذا سہوِ امام کی صورت میں مقتدی لقمہ دے سکتا ہے اور امام لے سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ نمازی بالخصوص امام ومقتدی کا ان ذرائع سے مستفید ہونا اتمامِ نماز کے لئے مطلوبِ شرعی ہے۔

مقدمۂ تاسعہ

جب یقینی طور پر انسان جان لے کہ اس چیز کی انجام دہی اسی وقت میرے ذمہ فرض ولازم ہے تو طاقت ہوتے ضرور انجام دے اگرچہ نماز میں ہو مثلاً نماز میں پتہ چلا کہ قبلہ اس طرف ہے تو ادھر پھر جائے متیمم پانی پر قادر ہو جائے تو وضو لازم الی غیر ذٰلک من الصور المتکاثرۃ حتی کہ فقہائے کرام نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ اگر کسی کو چھت سے گرنے یا آگ میں جلنے یا پانی میں ڈوبنے کا خطرہ دامنگیر ہوا اور نمازی سے فریاد کر دی تو نمازی پر نماز توڑ کر مدد کرنا ضروری ہے۔ ہندیہ ص۵۷ جلد ا میں ہے وکذا الاجنبی اذا خاف ان یسقط من سطح او تحرقہ النار او یغرق فی الماء و استغاث بالمصلی وجب علیہ قطع الصلٰوۃ اور یونہی درالمختار و شامی وغیرہا میں ہے تو، چہ جائیکہ وہ چیز ہو جو اتمامِ نماز کے لئے و ذا معلوم من الکتب و السنۃ ضرورۃ۔

Marfat.com

مقدمۂ عاشرہ

اقتدائے حقیقی مقتدی کا اپنی نماز کو نمازِ امام کے ساتھ مرتبط کرنا اور اس پر بنا کرنا اور تمام ارکان میں امام کی مشارکت اور متابعت کرنا ہے۔ شامی ص۵۱۳ جلد ا میں ہے فنفس ھذا الارتباط ھو حقیقۃ الامامۃ و ھو غایۃ الاقتداء نیز ص۵۱۵ میں ہے الاقتداء البناء نیز ہدایہ ص۱۰۰ جلد ا، زیلعی ص۱۴۲ جلد ا میں ہے الاقتداء شرکۃ و موافقۃ کفایہ ص۱۲۵ جلد ا میں ہے شرکۃ ای فی التحریمۃ و موافقۃ ای فی الافعال و کذا فی غیرھا من المعتبرات۔ اور یہ بھی پُر ظاہر کہ کسی کی موافقت (یعنی اس کے ساتھ ساتھ افعالِ نماز کا ادا کرنا) بلا نیتِ اقتدا، حقیقۃً اقتدا نہیں بلکہ صرف موافقتِ صوریہ ہی جسے اقتدا صوری کہا جا سکتا ہے۔ شامی ص۵۱۲ جلد ا شروطِ اقتدا میں ذکر فرمایا و نیۃ الاقتداء اور حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالنیات اور یہ موافقتِ صوریہ بلا نیتِ اقتدا ہرگز ہرگز مفسدِ نماز نہیں اگرچہ اپنے امام یا اس کے مقتدی کے علاوہ کسی اور نمازی کے ساتھ ہی ہو (یعنی اس کی ادا کے ساتھ ساتھ ادا کرتا ہے یا اس کی ادا کو دیکھ کر اپنی نماز کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہوئے افعالِ نماز ادا کرے، بلکہ بوقتِ ضرورت اس سے اتمام اور اصلاح نماز بھی ہو سکتی ہے جو جزئیاتِ ذیل سے واضح ہے:

۱۔ خلاصۃ الفتاوی ص۱۶۳ جلد ا، فتح القدیر ص۳۳۹ جلد ا، غنیۃ المستملی ص۴۴۰، بحر الرائق ص۳۰۷، ہندیہ ص۴۸ جلد ا در المختار، رد المحتار بحوالہ قاضی خان وغیرہا ص۵۵۸ جلد ا میں ہے والنظم للشامی حاصلہ انہ لو اقتدی اثنان معاً بامام قد صلی بعض صلوتہ فلما قاما الی القضاء نسی احدھما عدد ما سبق بہ فقضی ملاحظا للاٰخر بلا اقتداء بہ صح کما فی الخانیۃ و الفتح یعنی دو شخصوں نے ایک ساتھ ایسے امام کی اقتدا کی جو ایک یا زیادہ رکعتیں پڑھ چکا ہے اور امام کی نماز پوری کرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعتیں پڑھنے اٹھے تو ان کا ایک بھول گیا کہ کتنی رکعتیں رہ گئی تھیں! لہٰذا اس نے دوسرے کو دیکھتے ہوئے پڑھ لیں بغیر اس کی اقتدا کے (جو نیتِ اقتدا پر موقوف ہے) تو اس کی نماز صحیح ہو گئی حالانکہ انہی کتابوں میں یہیں صاف صاف وضاحت ہے کہ مسبوق جب اپنی رہی ہوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ حقیقۃً و حکماً ہر طرح منفرد ہوتا ہے والنظم

Marfat.com

من الفتح منفرد حقیقة و حکما لہٰذا وہ کسی کی اقتدا نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کا مقتدی بن سکتا ہے و النظم من الشامی (قولہ لا یجوز الاقتداء بہ) وکذا لا یجوز اقتداؤہ بغیرہ حتے کہ اگر دوسرے کی اقتدا کی نیت کرے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ بحر الرائق ص۱۳۵ جلد۱ میں بدائع صنائع سے ہے فلو اقتدیٰ احدھم بالآخر فسدت تو روز روشن کیطرح بے غبار ہوا کہ موافقت و متابعتِ صوریہ مذکورہ مفسدِ نماز نہیں بلکہ مصلح ہے۔

م۲ جامع صغیر ص۱۶ ، مبسوط ص۹ جلد۲ ، بدائع صنائع ص۱۸۷ جلد۱ ، سراجیہ ص۱۴ ، قاضی خان ص۷۶ ، خلاصۃ الفتاوٰی ص۱۸۵ جلد۱ ، ہدایہ ، عنایہ ص۴۶۵ جلد۱ ، وقایہ ص۲۳ ، کنز الدقائق ، بحر الرائق ص۱۳۱ جلد۱ ، تبیین الحقائق ص۲۰۶ جلد۱ ، کبیری ص۴۶۵ ، تنویر الابصار ، در المختار ، رد المحتار ص۲۵ جلد۱ ، نور الایضاح ، مراقی الفلاح ص۳۹۱ ، ہندیہ ص۲۹ جلد۱ میں ہے و النظم من البدائع لو سمعھا فی صلوٰۃ من لیس معہ فی الصلوٰۃ لم یسجدھا فی الصلوٰۃ وان سجدھا کان مسیئا لما ذکرنا و لا تسقط عنہ السجدۃ لکن لا تفسد صلوتہ فی ظاھر الروایۃ یعنی نمازی نماز میں کسی ایسے شخص سے آیتِ سجدہ سنے جو اس کی نماز میں شریک نہیں تو نماز میں سجدۂ تلاوت نہ کرے اور اگر کرلے تو برا کیا اور سجدہ بھی ساقط نہیں ہوتا، مگر ظاہر الروایۃ میں اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی تو یہ ایسی موافقت و متابعتِ صوریہ ہے جسمیں وہ کام جو غیر کو دیکھ کر کیا، نماز کی جزء نہیں اور شرعاً مطلوب بھی نہیں بلکہ ممنوع ہے، تو اگر نماز کی جزء ہو شرعاً ممنوع نہیں بلکہ مطلوب ہے، ایسی متابعت کے ساتھ ادا کرے تو نماز بطریقِ اولیٰ جائز رہنی چاہیئے بلکہ اسی صورتِ مذکورہ میں اگر سجدہ کی وہی آیت پہلے پڑھ چکا ہو، پھر سنکر سجدہ کرے تو ظاہر الروایۃ میں سجدہ ادا ہوجاتا ہے اور دوبارہ نہیں کرنا پڑتا۔ ہندیہ میں ہے ھذا اذا لم یقرأ المصلی السامع غیر المؤتم فان قرأھا اولا ثم سمعھا فسجدھا لم یعدھا فی ظاھر الروایۃ۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس سجدہ کا وجوب پہلے ثابت ہوچکا اور عارضی طور پر نماز کی جزء بن چکا تھا، پھر اس غیر سے سنا دوسرا سبب وجوب بن گیا تو حسب القاعدہ اتحادِ مجلس کے سبب ایک ہی سجدہ کافی ہوگیا، اور جب عارضی جزء کا بوجہ جزئیت ادا کرنا روا ہوا تو اصلی جزء کی ادائگی بوجہ اصالت بطریقِ اولیٰ روا ہوگی۔ رہا یہ کہ صورتِ مذکورہ میں سجدہ کرنا اس غیر شریکِ نماز کی متابعتِ صوریہ کیوں ہے تو یہ اس لئے کہ

Marfat.com

آیت سجدہ کا پڑھنے والا سننے والے کے لئے بمنزلۂ امام ہے۔ بدائع صنائع ص ۱۸۰ جلد ۱ میں ہے التالی بمنزلۃ الامام للسامعین۔ مبسوط ص ۵ جلد ۲ میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ تالیِ آیتِ سجدہ کو فرمایا کنت امامنا لو سجدت سجدنا اس سے یہ ثابت کیا کہ فکانوا فی حکم المقتدین من وجہ۔ فتح القدیر۔ عنایہ۔ کفایہ ص ۲٦۴ جلد ۱ میں ہے کہ خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیِ آیتِ سجدہ کو فرمایا کنت امامنا الخ

تنبیہ

صورتِ مذکورہ میں موافقت و متابعتِ صوریہ صرف اس وقت ہے جب اس پڑھنے والے کی متابعت کی نیت کے سوا سجدہ کرے ورنہ متابعتِ حقیقیہ بن جائے گی اور نماز فاسد ہو جائے گی۔ فتاوٰے خانیہ ص ۷۷، خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۸۷ جلد ۱، ہندیہ ص ٦۹ جلد ۱ میں ہے المصلی اذا سمع اٰیۃ سجدۃ من غیرہ و سجد مع التالی ان قصد بہ اتباع التالی تفسد صلوٰتہ۔ بحر الرائق ص ۱۲۱ جلد ۱۔ شامی ص ۴۲۵ جلد ۱ میں ہے لان المصلی سواء کان لہ امام اولا اذا تبع احدا غیر امامہ فسدت صلوٰتہ۔ نیز انہی میں ہے ان زیادۃ سجدۃ واحدۃ بنیۃ المتابعۃ لغیر امامہ مبطلۃ لصلوٰتہ۔

۳ مسافر امام مقیم مقتدیوں کو نماز پڑھا رہا ہو تو دو رکعتیں پوری کر کے اقامت کی نیت صرف اس لئے کر لے کہ مقتدیوں کو پوری نماز پڑھا سکے تو وہ امام اس نیت سے مقیم نہیں بنتا اور اس کا فرض دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں نہیں بنتا، تو اگر مقیم اس امام کے ساتھ اپنی نماز پوری کر لیں تو ان کی نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ (پچھلی دو رکعتوں میں ان مقتدیوں کی اس امام کے ساتھ اقتدار) فرض پڑھنے والوں کی (یعنی ان مقیموں کی) نفل پڑھنے والے (امام مسافر) کے ساتھ اقتدار ہے۔ علامہ خیر الدین رملی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں یہ قید لگانی واجب ہے کہ ان مقیموں نے اس امام سے جدا ہونے کا ارادہ نہ کیا ہو اور جب مفارقت کی نیت کر چکے تو ان کی نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ صورۃً اتمامِ نماز میں امام کی موافقت کرتے رہے۔ شامی ص ۴۲۱ جلد ۱، منحۃ الخالق ص ۱۳۵ جلد ۲ میں ہے و النظم من المنحۃ (قولہ لا یصیر مقیما ولا ینقلب فرضہ اربعا) قال فی الظہیریۃ تلوہ حتی لو اتم

المقیمون صلوتہم معہ فسدت صلوتہم لان ہذا اقتداء المفترض بالمتنفل ولا یصح اھ قال الرملی یجب تقییدہ بما اذا لم ینووا مفارقتہ اما اذا نووا مفارقتہ لا تفسد صلوتہم وان وافقوہ فی الاتمام صورۃً اذ لا مانع من صحۃ مفارقتہ بعد اتمام فرضہ واتصال النفل منہ بصلوتہ لا یمنعہا بلاشبہۃ وفی قولہ لو اتم المقیمون معہ اشارۃ الی ذلک و سکوت قاضیخان وصاحب الخلاصۃ عن صلوۃ المقیمین ربما یکون لہذا التفصیل واللہ تعالی اعلم۔

تو آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر ہوا کہ ظاہری وصوری موافقت سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور موافقتِ حقیقیہ نیت پر موقوف ہے اگرچہ بظاہر موافقتِ حقیقیہ ہی معلوم ہو، بلانیتِ حقیقیہ، حقیقیہ نہیں بنتی جیسے صورتِ مذکورہ میں کہ اسی امام کے ساتھ اقتداءِ حقیقی سے آدھی نماز ادا کرچکے اور اس نے بلاسلام پچھلی دو رکعتیں پڑھنی شروع کیں اور اپنا امتیازی مقام میں اپنی طرف سے اس منصب پر پڑھانے کا ارادہ بھی کیا اور وہ لوگ بظاہر اسی طرح اس کی اقتداء میں پڑھتے رہے مگر جب مفارقت کی نیت ہے تو نماز ہوگئی کہ نماز امورِ قضاء سے نہیں کہ ظاہر پر مبنی ہو بلکہ امورِ دیانت سے ہے جو نیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ شامی ص۵۸۲ جلد ۱ میں ہے لان ذلک من امور الدیانۃ لا القضاء حتی یبنی علی الظاہر اور متابعتِ مکبر (امام کی تکبیرات سنانے والے کی) بھی یہی متابعتِ صوریہ ہی ہے کہ اس کی تکبیرات سن کر امام کی متابعتِ حقیقیہ کی جاتی ہے، اگر متابعتِ مکبر بھی حقیقیہ ہو تو لازم کہ امام بن جائے حالانکہ دو اماموں کی اقتداء میں نماز ناجائز ہے۔ تبیین الحقائق ص۱۴۳ جلد ۱، ثلاثین شامی ص۱۳۹ جلد ۱ میں "یقتدی الناس بصلوۃ ابی بکر" کا یہ معنی بیان فرمایا ان ابابکر کان مبلغا اذ لا یجوز ان یکون للناس امامان فی صلوۃ واحدۃ یعنی حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگوں کی اقتداء کا یہ معنی ہے کہ وہ مبلغ تھے (تکبیرات سنانے والے) یعنی اس وقت (جبکہ حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکبیرات سنا رہے تھے) حقیقۃً لوگ ان کے مقتدی نہ تھے کہ یہ جائز نہیں کہ ایک نماز میں لوگوں کے دو امام ہوں۔ مبسوط ص۲۳۱ جلد ۱ اداء صلوۃ بامامین لا یصح "دو اماموں کے ساتھ ادائے نماز صحیح نہیں"

Marfat.com

شامی ص۵۴۳ جلد ا میں ہے الاقتداء لا یصح بمن نوی بناء صلوٰۃ علی غیرہ یعنی جس کی نماز اپنے غیر کی نماز پر مبنی ہو (جیسے مکبر) اس کی اقتدا صحیح نہیں۔ شامی ص۴۲۵ جلد امیں ہے ان زیادۃ سجدۃ واحدۃ بنیۃ المتابعۃ لغیر امامہ مبطلۃ لصلوتہ یعنی اپنے امام کے غیر کی متابعت کی نیت سے ایک سجدہ کی زیادتی بھی نماز باطل کر دیتی ہے تو آفتاب و ماہتاب سے بھی زیادہ نمایاں ہوا کہ متابعتِ مکبر بھی متابعت و موافقتِ صوریہ ہی ہے جو کسی ایسے دوسرے کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے جو نماز میں شریک نہ ہو۔

مقدمہ حادیہ عشرہ

نمازی کسی عارضہ کے سبب نماز میں کوتاہی کر رہا ہو یا کر لے کا احتمال ہو تو وہ جو نماز میں نہیں، اسے ہدایت دے سکتا ہے قرآنِ کریم فرماتا ہے تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر نیز فرماتا ہے وتعاونوا علی البر و التقوی اور حدیثِ صحیح ہے من رأی منکم منکرا فلیغیرہ الحدیث الی غیر ذٰلک من الآیات والاحادیث اور وہ بھی اس ہدایت کے مطابق اصلاحِ نماز کرتے ہوئے ادا کر سکتا ہے۔ یہ اصلاح باعث فساد نہیں مُنتج بلکہ جائز و درست بنانی ہے قال اللہ تعالیٰ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولٰئک الذین ھدٰھم اللہ و اولٰئک ھم اولوا الالباب (ترجمہ) تو خوشخبری سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنتے ہیں پھر اس کے بہتر کی اتباع کرتے ہیں، یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور یہی عقلمند ہیں۔" اس قول کا اطلاق صورتِ مذکورہ کو بھی شامل ہے حالانکہ اطلاق بمنزلہ نص ہے دیکھو مقدمہ خامسہ۔ بلکہ بالخصوص تفسیر کبیر ص۲۳۸ جلد ۷ میں ہے و کل ھٰذا الابواب تدخل تحت قولہ تعالیٰ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ (الی ان قال) فاما العبادات فمثل قولنا الصلوٰۃ (الی ان قال) فلاشک انھا احسن من الصلوٰۃ التی لا یراعی فیھا شیئ من ھٰذہ الاحوال فوجب

Marfat.com

علی العاقل ان یختار الخ اس کا حاصل یہ ہوا کہ یہ قول عام ہے اور اقوال متعلقۂ نماز کو بھی شامل ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ دیانات (جن میں نماز یقیناً داخل ہے) میں مسلم عادل کی خبر قبول کی جائے۔ ہندیہ ص۸۶ جلد۴ میں ہے خبر الواحد یقبل فی الدیانات۔ مبسوط ص۱۶۳ جلد۱ میں ہے و فی الدیانات الخبر ملزم تحریر المختار لرد المحتار ص۵۸ جلد۱ میں علامہ رافعی فرماتے ہیں اذا اعتمد علی خبر المبلغ الذی لم یدخل فی الصلوٰۃ یکون قد اعتمد علی خبر العدل فی امر دینی وھو مما یصح العمل بخبرہ فی الدیانات۔

ان سب عبارات کا حاصل یہ کہ امور دینیہ میں (جن میں نماز نمبر اول میں ہے) ایک نیک مسلمان کی خبر پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اگرچہ خبر دینے والا نماز نہ پڑھ رہا ہو بلکہ اس پر عمل لازم ہے بفضلہٖ و کرمہٖ تعالیٰ کتاب و سنت و فقہ حنفی سے نہایت واضح ہوا کہ ایسے وقت ایسا شخص جو نماز میں شریک نہیں، نمازی کو ہدایت دے سکتا ہے اور نمازی اس سے استفادہ کرتے ہوئے اصلاح و اتمام نماز کر سکتا ہے اس کی کئی صریح صورتیں احادیث طیبہ اور کتب فقہیہ سے صراحۃً ثابت ہیں چنانچہ :۔

۱۔ صحیحینؔ اور دوسری کتب معتمدۂ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام مسجد قبا میں نماز با جماعت ادا کر رہے تھے کہ انہیں ایک صاحب نے باہر سے آکر خبر دی کہ کعبہ شریف قبلہ بن گیا ہے تو وہ امام و مقتدی سب کے سب اس بیرونی خبر پر عمل کرتے ہوئے اسی وقت رو بکعبہ ہو گئے اور باقی نماز پوری کی حالانکہ کسی حدیث میں یہ نہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اعادۂ نماز کا حکم دیا ہو بلکہ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ حکم اعادہ نہیں دیا بلکہ جائز رکھا اور اچھا شمار فرمایا۔ بدائع صنائع ص۱۱۹ جلد۱ میں ہے ولم یامرھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاعادۃ۔ شامی ص۳۰۴ جلد۱ میں ہے واقرھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ ہدایہ ص۹۸ جلد۱ میں ہے واستحسنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو حدیث مرفوع تقریری سے جواز ثابت ہو گیا۔

۲۔ اسی حدیث مرفوع کی بنا پر ہمارے ائمہ عظام نے فرمایا کہ نمازی اشتباہ قبلہ کی صورت میں تحری سے

ع بخاری ص۵۸ جلد۱ مسلم ص۲۰۰ جلد۱ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

نماز پڑھ رہا ہو اور عینِ نماز میں اسے یہ علم حاصل ہو جائے کہ قبلہ دوسری طرف ہے تو نماز میں ہی اس طرف پھر جائے اور جو حصہ نماز کا ادا کر چکا ہے وہ معتبر رہتا ہے ، باقی ماندہ پوری کر لے۔ بدائع صنائع ، شامی ، ہدایہ کے انہی صفحات میں ہے والنظم من الھدایۃ وان علم ذٰلک فی الصلوٰۃ استدار الی القبلۃ وبنٰی علیہ لان اھل قباء لما سمعوا الخ بلکہ غنیۃ المستملی ص۲۲۰ میں اس پر مستزاد فرمایا وعلٰی ھٰذا انعقد الاجماع یعنی اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے ، اور یہ تو واضح ہی ہے کہ علمِ قبلہ کے کئی ذریعے ہیں جن میں چاند ، سورج ، ستاروں کے علاوہ انسان خارج من الصلوٰۃ کا بتانا بھی داخل ہے بلکہ یہ سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے کما حصل لاھل قباء۔

۳ اہلِ قبا کی طرح مسجدِ بنی سلمہ والے صحابہ کرام کو بھی ایک صاحب نے اس وقت خبر دی جبکہ وہ نمازِ عصر پڑھ رہے تھے تو نماز میں ہی مستقبلِ کعبہ ہو گئے۔ بخاری شریف ص۱۱ جلد۱ میں ہے فخرج رجل ممن صلی معہ صلی اللہ علیہ وسلم فمر علی اھل مسجدٍ وھم راکعون فقال اشھد باللہ لقد صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قِبَلَ مکۃ فداروا کما ھم قِبَلَ البیت عینی ص۲۸۶ جلد۱ میں ہے وھو مسجد بنی سلمۃ ویعرف بمسجد القبلتین ومر علیھم المار فی صلوٰۃ العصر۔

۴ نابینا کوئی ایسا نہ پائے جو قبلہ بتائے اور تحری سے کسی اور سمت نماز شروع کر دے ، بعد ازاں کوئی آکر قبلہ کی طرف پھیر دے تو اس نابینے کی نماز جائز ہے۔ فتاویٰ قاضی خان ص۳۲ ، کبیری ص۲۲۴ ، شامی (شرح منیہ و فیض و سراج سے) ص۴۰۳ جلد۱ ، ہندیہ ص۳۳ جلد۱ میں ہے والنظم من الھندیۃ الاعمٰی اذا صلی رکعۃ فجاء رجل فحولہ الی القبلۃ الخ

۵ ہمارے ائمہ کرام نے تصریح فرمائی کہ امام مسافر مقیم مقتدیوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہئے کہ جب اپنی دو رکعتیں پوری کر کے سلام کہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے مقتدیوں سے کہہ دے اتموا صلاتکم فانا قوم سفرٌ "اپنی نمازیں پوری کر لو ہم مسافر ہیں"۔ بدائع ص۱۰۱ جلد۱ و ص۱۰۲ جلد۱ ، ہدایہ ص۱۶۷ جلد۱ وغیرہا میں بالفاظ متقاربہ ہے وینبغی للامام المسافر ان یقول للمقیمین خلفہ اتموا صلاتکم فانا قوم سفر

Marfat.com

اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ بعد از سلام امام، امام نہیں رہتا۔ اور مقتدیوں پر لازم کہ اکیلے اکیلے نماز ادا کریں۔ بدائع ص۲۰۱ جلد ۱ میں ہے ثم المقیمون بعد تسلیم الامام یصلون وحدانا (الی ان قال) یجب علیہم الانفراد وکذا فی غیرھا تو اس میں بھی خارج من الصلوٰۃ کی ہدایت سے اصلاح و اتمام نماز پایا گیا خصوصًا ان مقتدیوں کے حق میں جنہیں امام کا حال پہلے معلوم نہ تھا یا بھول گئے کہ وہ یہ سن کر ہی باقی دو رکعتیں ادا کریں گے۔

۶۔ حضور پر نور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرِ اطہر کے آخری دن پیر کے روز جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابۂ کرام کو مسجد مبارک میں نماز پڑھا رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیرونِ مسجد حجرۂ مطہرہ میں تھے اور پردہ اٹھا کر معائنہ فرمایا تو صحابہ کرام زیارتِ حضور سے اتنے متأثر ہوئے کہ بوجہ فرطِ مسرت نماز سے نکلنے کا ارادہ کر لیا اور صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خیال سے کہ حضور تشریف لاتے ہیں پیچھے ہٹنے لگے تو دستِ حق پرست کے اشارہ سے حکم اتموا صلاتکم "اپنی نماز پوری کر لو" دیتے ہوئے پردہ لٹکا دیا رواہ البخاری ص۹۴ جلد ۱ و مسلم ص۱۷۹ جلد ۱ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والاصل عدم الخصوص تو اس اشارۂ[۱] مبارکہ سے مسئلہ کے دونوں پہلوؤں (خارج من الصلوٰۃ کی ہدایت اور داخلِ نماز کے اس پر عمل) کی تشریح اور امرِ اتمامِ نماز سے عدمِ فساد کی تصریح ثابت ہو گئی۔

۷۔ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی کہ مریض غلبۂ مرض کے سبب رکوع و سجود اور رکعتوں کا خیال نہ رکھ سکے تو اگر کسی کو نماز شروع کرنے سے پہلے پاس بٹھا لے کہ اسے ساتھ ساتھ بتاتا جائے۔ پھر اس کے بتانے کے ساتھ نماز پوری کر لے تو اس کی نماز جائز ہو سکتی ہے۔ بحر الرائق ص۱۱۶ جلد ۲ میں ہے ولو کان یشتبہ علی المریض اعداد الرکعات او السجدات لنعاس یلحقہ لایلزمہ الاداء ولو اداھا بتلقین غیرہ ینبغی ان یجزئہ۔ درالمختار میں بھی ایسے مریض کے متعلق یہی کلمات ولو اداھا الخ بعینھا

---

[۱] علامہ عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں ان الایماء یقوم مقام النطق کہ اشارہ بولنے کے قائم مقام ہوتا ہے ص۵۵ جلد ۳، ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

فرماتے ہیں اور ہندیہ ملک جلد ا میں اور تعمیم آئی ہے مصلی اقعد عند نفسه انسانا
يخبره اذا سها عن ركوع او سجود يجزيه اذا لم يمكنه الا
بهذا ۔ بہرحال مسئلہ بے غبار ہے اتنی زبردست وضاحت کے باوجود یہ شبہ کہ دورانِ نماز میں غیر
کی ہدایت پر عمل کرنا نماز میں غیر اللہ کا حکم ماننا ہے لہٰذا فاسد ہو جائیگی محض بیہودہ اور بے جا ہے، غیر کی ہدایت
سے تو نمازی اپنی کجروی پر متنبہ ہوتا ہے اور آیات و احادیث سے خدا و رسول جل و علیٰ وصلی اللہ تعالےٰ
علیہ وسلم کے احکام متعلقہ نماز جنہیں نمازی پہلے ہی جانتا ہے اور مانتا ہے، متنبہ ہونے کے بعد بجالاتا ہے
تو وہ اپنے رب العالمین جل وعلا اور محبوب پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا ٹھہرا نہ کہ غیر کا، مثلاً مسافر
جنگل میں جہت غیر قبلہ کو قبلہ سمجھتے ہوئے نماز شروع کردے بعدازاں کوئی واقف بتا دے کہ قبلہ دوسری
طرف ہے تو مسافر کا اس طرف منہ پھیرنا اللہ رب العالمین کا حکم ماننا ہے نہ کہ بتانے والے کا اور یہ بات
تو ان سب عبادتوں میں پائی جاتی ہے جنہیں ناصحین کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے انسان ادا کرے یا
کسی مسلمان کی خبر سے مطلع ہو کر جیسے رمضان پاک کے چاند کی ایک مسلمان نے خبر دی تو اس خبر کو قبول کرتے
ہوئے اہالیانِ اسلام کا روزہ رکھنا اس مسلمان کا حکم ماننا نہیں بنتا بلکہ رب العالمین کا حکم ماننا ہے۔ شبہ
کرنیوالا سیدھا یوں کیوں نہیں کہتا کہ بے نماز کسی نیک کے نصیحت کرنے پر نماز نہ پڑھے کیونکہ یہ غیر اللہ
کا حکم ماننا ہے اور شرک ہے (تو سرے سے معاملہ ہی صاف ہے) اس لئے کہ گو یہ ناصح نماز کے اندر نہیں
بنا تا مگر عمل کرنے والا جب اس کی ہدایت پر نماز پڑھتا ہے تو نماز کا ایک ایک رکن جو اندرونِ نماز
ادا کرتا ہے معترض کے قول پر یہاں بھی سمجھا آرہا ہے کہ نماز میں غیر اللہ کا حکم مان رہا ہے، کیا شرعاً یہ
جائز ہے کہ فرائض و امورِ ضروریہ نماز صرف اس وجہ سے ادا نہ کرے کہ غیر نے کہا ہے. قرآن کریم میں تو ہے و
اذا قيل له اتق الله اخذته العزة بالاثم فحسبه جهنم ۔ اور جب اسے
کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو اسے گناہ کی ضد چڑھے (گناہ سے ظلم و سرکشی اور نصیحت کیطرف التفات نہ کرنا مراد
ہے (خازن) ایسے کو دوزخ کافی ہے قرآن کریم میں ہے لم يصروا على ما فعلوا وهم
يعلمون ۔ "دیدہ دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے" قرآنِ کریم تو فرماتا ہے ان الذكرى
تنفع المؤمنين ۔ "سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے" تو فائدہ حاصل کرنا چاہئے نہ کہ فساد،
مُخبِر کی خبر تو ذریعۂ علم ہے جیسے آنکھ، کان وغیرہ (دیکھو مقدمۂ ثانیہ) اور جب انسان کو اپنے فرض کا یقین ہو جائے

Marfat.com

تو اس کی انجام وہی لازم ہو جاتی ہے (دیکھو مقدمہ تاسعہ) اور یہیں سے یہ بھی واضح ہوا کہ نمازی اگر کسی ایسے ذریعے سے مطلع ہوا جو غیر انسان ہے جیسے ستارہ وغیرہ سے نماز میں ہی سمتِ قبلہ کا علم آنے سے اپنی غلطی پر مطلع ہوا یا آنکھوں سے نظر آیا کہ امام کی مخالفت کر رہا ہے تو پھر بھی اس پر لازم ہے کہ اپنی نماز کی اصلاح کرے اور یہ جائز نہیں کہ اپنی غلطی پر اڑا رہے اس خیال سے کہ چونکہ یہ ذریعے شریکِ نماز نہیں بلکہ اہلِ نماز ہی نہیں لہذا ان سے فائدہ اٹھایا تو نماز فاسد ہو جائے گی، یہ خیال محض غلط ہے، شرعًا اس پر لازم ہے کہ فائدہ اٹھائے اور اصلاح نماز کرے کما مر۔

عجیب و غریب شبہات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ کیا نصوص آیات و احادیث اور تصریحاتِ فقہیہ کے مقابل ایسے شبہات کی کوئی وقعت ہے؟ ہاں اگر وہ ہدایت تعلیم کی صورت میں ہو تو نمازی کا استفادہ تعلم (پڑھنے) کے رنگ میں ہوگا تو وہ ہمارے فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق مفسد ہے، ہمارے ائمہ نے اسے کلام کا حکم دیا ہے اور کلام کا قلیل و کثیر ہر فرد بحکم شرع مفسد ہے اور یہیں سے واضح ہوا کہ اس قسم کی ہدایت سے استفادہ وہیں مفسد ہوگا جہاں استفادہ پر تکلم مرتب ہو کہ تب ہی کلام بنے گا لہذا ہمارے مشائخ عظام نے اس کے جتنے جزئیات ذکر فرمائے وہ تمام کے تمام تلاوت و تکلم کے ہی ہیں چنانچہ فتاوٰے عالمگیر ص۱۵ جلد امیں ہے وان فتح غیر المصلی علی المصلی فاخذ بفتحہ تفسد کذا فی منیۃ المصلی یعنی اگر غیر نمازی نمازی کو جب تلاوت میں بھول گیا ہو لقمہ دے اور صحیح بتائے تو اس لقمہ لینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، بحرالرائق ص۶ جلد۲ میں ہے اعلم ان ھذا کلہ علی قول ابی حنیفۃ و محمد یعنی یہ حضرات امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر ہے۔ بحرالرائق، تبیین الحقائق، ہدایہ وغیرہا میں اس کا نام تعلیم و تعلم رکھا ہے اور کلام الناس کہا ہے۔ ہدایہ ص۱۳۶ جلدا، فتح القدیر ص۳۴۸ جلدا، بحرالرائق ص۶ جلد۲ تبیین الحقائق ص۱۵۵ جلدا میں ہے والنظم للامام الزیلعی فکان من کلام الناس اور یوں ہی فقہائے کرام نے اس کا نام تلقین و تلقن بھی رکھا ہے اور یہ اس وقت مفسد ہے جب نمازی کو اشتباہ لگے اور صحیح یاد نہ آئے تو غیر بتائے اور اس کے بتانے سے سمجھ کر نمازی پڑھ دے، ورنہ اگر نمازی کو اچھی طرح یاد ہو، یا بھول گیا مگر غیر کے بتانے سے پہلے یا بتانے کے وقت خود بخود یاد آگیا اور صحیح پڑھ لیا، یا خود بخود یاد نہیں آیا اور بتانے سے ہی یاد آیا مگر نہ پڑھا، تو ان سب صورتوں میں حسبِ تصریحات فقہائے کرام نماز

Marfat.com

فاسد نہیں ہوتی۔ بحر الرائق ۵۱ جلد ۲۔ درالمختار شامی ۵۸۳ جلد ۱، فتاویٰ عالمگیری ۵۲ جلد ۱ میں ہے
و النظم من الهندية ارتج على الامام ففتح عليه من ليس في صلاته و تذكر فان احد في التلاوة قبل تمام الفتح لم تفسد و الا تفسد لان تذكره مضاف الى الفتح منحة الخالق ۵۱ جلد ۲ اس "تذكر" کی شرح میں فرمایا اقول يحتمل ان يكون المراد انه تذكر بسبب الفتح وان يكون تذكر بنفسه ولكنه صادف تذكره و فتح من ليس في صلوته في وقت واحد والظاهر[ط] الاول لانه لو كان تذكره من نفسه لايظهر فرق بين اخذه في التلاوة قبل تمام الفتح او بعده ولا يظهر وجه الفساد لان الفساد ليس بمجرد الفتح و انما هو بالاخذ بسبب الفتح واذا كان تذكره من نفسه لم يوجد الاخذ بسبب الفتح۔ شامی ۵۸۲ جلد ۱ میں "حلیہ" سے ہے ان حصل التذكر و الفتح معا لم يكن التذكر ناشئا عن الفتح ولا وجه لافساد الصلوة بتاخر شروعه في القراءة عن تمام الفتح۔ نیز شامی میں ہے والذي ينبغي ان يقال ان حصل التذكر بسبب الفتح تفسد مطلقا اي سواء شرع في التلاوة قبل تمام الفتح او بعده لوجود التعلم وان حصل تذكره من نفسه لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقا۔

ان سب عبارات کا حاصل یہ کہ جب خود بخود یاد آجانے پر پڑھے تو نماز فاسد نہیں ہوتی،

ط لايخفى ما فيه لانه اذا تذكر بسبب الفتح تفسد صلوته مطلقا اذا اخذ ولا يظهر ايضا فرق بين اخذه في التلاوة قبل تمام الفتح او بعده فالظاهر وجه ثالث وهو التذكر مطلقا وجعل الاخذ في التلاوة قبل تمام الفتح امارة كون التذكر بنفسه وبعد التمام امارة كونه من الفتح ۱۲ منه غفرله

Marfat.com

ہاں لقمہ پورا ہونے کے بعد پڑھنا بظاہر یہ بتاتا ہے کہ لقمہ ہی سے یاد آیا ہے مگر علامہ شامی علیہ الرحمۃ اور صاحبِ حلیہ کی نظر میں اس ظاہر کا اعتبار نہیں کہ یہ امورِ دیانت سے ہے جن کی بنا حقیقت پر ہوتی ہے اور امورِ قضا سے نہیں جو ظاہر پر مبنی ہوتے ہیں ۔ منحۃ الخالق اور رد المحتار میں فرماتے ہیں وکون الظاہر انہ حصل بالفتح لا یؤثر بعد تحقق انہ من نفسہ لان ذلک من امور الدیانۃ لا القضاء حتی یبنی علی الظاہر الا تری انہ لو فتح علی غیر امامہ قاصدا القراءۃ لا التعلیم لا تفسد مع ان ظاہر حالہ التعلیم، عنایہ شرح ہدایہ صـ۳۵ جلد ا میں ہے التلقن من غیرہ فی تحصیل ما لیس بحاصل عندہ یعنی تلقن اس چیز کے حاصل کرنے میں ہوتا ہے جو حاصل (یاد) نہ ہو، فتح القدیر صـ۳۵ جلد ا میں فرمایا المفسد التلقن المقترن بقول ما تلقنہ یعنی مفسدِ نماز وہی تلقن ہے جس کے ساتھ تلقن سے حاصل شدہ کلام کا تکلم کرے" اور اگر تکلم نہ کرے تو مفسد کہنا غلط ہے ۔

دیکھئے ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک نمازی قرآنِ کریم دیکھ کر پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے ۔ مشائخِ کرام فرماتے ہیں کہ اس فساد کی صحیح وجہ یہ ہے کہ یہ تلقن من الغیر بنتا ہے یعنی اُس سے سمجھ کر پڑھنا ہے جو نماز میں نہیں ۔ فتح القدیر صـ۳۵ جلد ا ، بحر الرائق ، منحۃ الخالق صـ۱ جلد ۲ ، نور الایضاح ، مراقی الفلاح ، حاشیہ طحطاوی صـ۲۰۲ ، فتاویٰ ہندیہ صـ۵۳ جلد ا ، در المختار شامی صـ۵۸۳ جلد ا میں ہے والنظم من المحقق حیث اطلق وتحقیقہ انہ قیاس قراءۃ ما تعلمہ فی الصلوٰۃ من غیر معلم حی علیہا من معلم حی بجامع انہ تلقن من خارج وھو المناط فی الاصل فقط فان فعل الخارج لا اثر لہ فی الفساد بل المؤثر فعل من فی الصلوٰۃ ولیس منہ الا التلقن

سے کما یفیدہ الحصر بتعریف المسند باللام وصرح بہ فی صدر الکلام ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

تو اگر حافظ ہو کہ بلا دیکھے پڑھ سکے پھر دیکھ کر پڑھے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی کہ یہ پڑھنا پر مبنی تلقن نہیں انہیں کتابوں میں ہے والنظم من البحر ص۱۰ جلد ۲ قال الرازی قول ابی حنیفۃ محمول علی من لم یحفظ القرآن ولا یمکنہ ان یقرأ الا من مصحف فاما الحافظ فلا تفسد صلوتہ فی قولہم جمیعا و تبعہ علی ذلک السرخسی فی جامعہ الصغیر علی ما فی النہایۃ وابو نصر الصفار علی ما فی الذخیرۃ معللا بان ہذہ القراءۃ مضافۃ الی حفظہ لا الی تلقنہ من المصحف وجزم بہ فی فتح القدیر والنہایۃ والتبیین وھو اوجہ کما لا یخفی۔

یونہی لکھی ہوئی عبارت دیکھ کر نمازی سمجھ لے اور زبان سے نہ پڑھے تو نماز بالاتفاق نہیں ٹوٹتی کہ یہ سمجھنا نہ کلام ہے نہ تلقن۔ کنز الدقائق۔ بحر الرائق ص۱۱ جلد ۲ وغیرہا کتب فقہیہ کثیرہ میں ہے والنظم من البحر لان الفساد انما یتعلق فی مثلہ بالقراءۃ و بالنظر مع الفہم لم تحصیل۔ بہرحال امس وشمس کیطرح واضح ہوا کہ جو کلام نمازی کو یاد نہیں۔ اسے غیر نمازی سے سن کر یا لکھے ہوئے دیکھکر دونوں صورتوں میں پڑھنے سے فسادِ نماز کا حکم کتب فقہیہ میں ملتا ہے کہ یہ غیر سے تعلم (پڑھنا) اور تلقن (کلام حاصل کرکے بولنا) اور کلام الناس (لوگوں کی کلام یا ان کے ساتھ بات کرنا) ہے اور جن صورتوں میں یوں نہیں، نماز فاسد نہیں ہوتی اور یونہی اخبار و اعلام و تذکیر کی وہ تمام صورتیں جن میں نمازی کو خبر و علم اور تذکر حاصل ہوجاتے ہیں، جب تک بولتا نہیں، مفسد نماز نہیں۔ اس کا آفتاب سے بھی واضح بیان دلائل عامہ و خاصہ سے اسی مقدمہ میں گزر چکا، اور یوں بھی عدمِ فساد واضح کہ ان تمام صورتوں میں غیر کی ہدایت سے افعال و ارکانِ نماز ہی نمازی ادا کرتا ہے جو اصلاح و اتمام نماز کے ضروریات ہیں حالانکہ احادیثِ طیبہ اور تصریحاتِ فقہیہ سے صراحۃً ثابت کہ کئی وہ کام ہیں جو نماز کے اجزاء و ارکان نہیں اور غیر کے کہنے پر نمازی نماز ہی میں کرتا ہے مگر چونکہ ان سے اصلاحِ نماز مقصود ہوتی ہے یا وہ کام فی نفسہ قلیل ہوتے ہیں، ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو ان افعال کے کرنے سے جو نماز کے اجزاء و ارکان اور ضروریات ہیں، کیوں فاسد ہو؟ و سیجیئ

Marfat.com

باذنہ تعالیٰ بیانہا فی المقدمۃ الاٰتیۃ۔

مقدمۂ ثانیہ عشرہ

اجابتِ فعلیہ

اجابتِ فعلیہ (کسی غیر کے کہنے یا آنے وغیرہ کے سبب نمازی کا وہ کام کرنا جو جزء نماز نہیں) مفسدِ نماز نہیں جبکہ وہ فعل قلیل ہو یا بالغرض اصلاحِ نماز ہو۔ اس کی وہ صورتیں جو احادیث و کتبِ فقہیہ میں صراحۃً مذکور ہیں، اس کثرت سے ہیں کہ تمام کا احصاء اس مختصر رسالہ میں ممکن نہیں صرف بطورِ تنبیہ و مثال چند صورتوں کا ذکر کیا جاتا ہے :

۱ صحیح بخاری ص۱۶۴ جلد ۱، ص۱۶۵ جلد ۱ باب اذا کلم وھو یصلی فاشار بیدہ واستمع، میں ہے کہ حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر سے فارغ ہو کر حضرتِ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دولت سرا میں دو رکعت نماز شروع فرمادی تو حضرتِ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک کنیز[1] کو حکم دیا کہ حضور کے پاس کھڑی ہو کر عرض کریں کہ ام سلمہ عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ! میں نے آپ سے سنا تھا کہ آپ ان دو رکعتوں سے منع فرمارہے تھے اور اب دیکھتی ہوں کہ خود پڑھ رہے ہیں! تو اگر ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمائیں تو پیچھے ہو جانا، تو اس کنیز نے ارشاد پر عمل کیا فاشار بیدہ تو حضور پرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا۔

۲ پھر اسی صفحہ میں حضرتِ اسماء رضی اللہ عنہا سے ہے کہ وہ حضرتِ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس وقت حاضر ہوئیں جب وہ کھڑے ہو کر نمازِ کسوف پڑھ رہی تھیں اور صحابہ کرام بھی نماز میں کھڑے تھے تو عرض کی ماشان الناس، لوگوں کا کیا حال ہے؟" فاشارت براسہا الی السماء تو ام المؤمنین نے اپنے سر مبارک کے ساتھ آسمان کی طرف اشارہ فرمایا فقلت اٰیۃ تو اس پر سوال کیا کہ کوئی نشان ہے؟ فاشارت براسہا ای نعم تو حضرتِ

---

[1] کنیز کو اس لئے حکم دیا کہ خود کچھ اور خواتین کے ساتھ مصروف تھیں ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

ام المؤمنین نے اپنے سر مبارک کے ساتھ "ہاں" کا اشارہ فرمایا۔

مسئلہ ۳ نمازی کو سلام کہا جائے تو ہاتھ کے اشارے سے جواب دے سکتا ہے۔ یہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ بحر الرائق ص۹۷ جلد ۲ میں ہے فی الفتاوی الظہیریۃ والخلاصۃ وغیرھما لو سلم انسان علی المصلی فاشار الی رد السلام برأسہ او بیدہ او باصبعہ لا تفسد صلاتہ (الی ان قال) ویدل لعدم کونہ مفسدا ما ثبت فی سنن ابی داؤد وصححہ الترمذی عن ابن عمر قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی قباء فصلی فیہ قال فجاءتہ الانصار فسلموا علیہ وھو یصلی الحدیث۔

مسئلہ ۴ نمازی کے آگے سے کوئی گزرنے لگے تو نمازی اشارے یا تسبیح سے روک سکتا ہے۔ ہدایہ، فتح القدیر ص۳۵۶ جلد ۱ میں ہے ویدرأ المار اذا لم یکن بین یدیہ سترۃ او مر بینہ وبین السترۃ لقولہ علیہ السلام ادرؤا ما استطعتم ویدرؤ بالاشارۃ کما فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بولدی ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنہم[1]۔

مسئلہ ۵ نمازی سے دریافت کیا گیا کہ کتنی رکعتیں پڑھ چکے ہو تو انگلیوں کے اشارے سے بتا دے کہ دو یا تین پڑھ چکے ہیں تو نماز فاسد نہیں ہوتی، در المختار شامی ص۶۰۳ جلد ۱، غنیۃ المستملی ص۴۲۰ میں ہے والنظم منہا قال لہ ای للمصلی کم صلیتم فاشار الیہ المصلی بیدہ باصبعین منہا الی انہم صلوا رکعتین او بثلاث الی انہم صلوا ثلاثا ونحو ذلک لا تفسد صلوتہ لانہ عمل قلیل ونحوہ مروی عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا۔

مسئلہ ۶ نمازی سے کوئی چیز طلب کی گئی تو سر کے اشارے کے ساتھ ہاں یا نہیں کہا، یا اسے روپیہ دکھایا گیا

---

[1] عنہم کی ضمیر جمع کا مرجع حضرت ام المؤمنین اور ان کے دونوں بچے ہیں رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

اور کہا گیا کہ آیا کھرا ہے تو اس نے ہاں یا نہ کا اشارہ کر دیا تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ خلاصۃ الفتاوی ص۱۲۹ جلد ۱، بحرالرائق ص۸ جلد ۲، درالمختار تحریراً، شامی تقریباً ص۵۳۰ جلد ۱، غنیۃ المستملی ص۴۲۱ میں ہے والنظم منہا طلب منہ شیئ فاومأ برأسہ او عینیہ او حاجبیہ ای قال نعم اولا فان صلاتہ لا تفسد بذلک وکذا لواراہ انسان درھما وقال اجید ھو فاومأ بنعم اولا لعدم العمل الکثیر فی جمیع ذلک۔ نیز غنیہ میں فرمایا وفی الذخیرۃ ولا بأس بان یتکلم الرجل مع المصلی قال اللہ تعالی فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب الآیۃ وفی احکام القرآن للحلوانی رحمہ اللہ تعالی ولا بأس للمصلی ان یجیب برأسہ۔

تو ثابت ہوا کہ ایسی صورتوں میں نماز فاسد نہیں ہوتی مگر بعض مسائل میں چونکہ سرسری نظر سے یہ وہم پڑتا ہے کہ یہ بالکل منافی نماز ہے تو بعض حضرات سے قولِ فساد منقول ہو کر منقولِ مذہب سے مصادمت کے سبب مردود ہو چکا مثلاً اشارہ سے جواب سلام کے متعلق بعض نے کہا کہ مفسد ہے مگر محققین نے رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے مذہب میں مفسد نہیں۔ شامی ص۵۷۶ جلد ۱ میں ہے (قولہ لا بیدہ) ای لا یفسد ھا رد السلام بیدہ خلافا لمن عزا الی ابی حنیفۃ انہ مفسد فانہ لم یعرف نقلہ من احد من اھل المذھب وانما یذکرون عدم الفساد بلا حکایۃ خلاف بل صریح کلام الطحاوی انہ قول ائمتنا الثلاثۃ نیز بحرالرائق ص۹ جلد ۲ اور شامی ص۵۷۶ جلد ۱ میں ہے والنظم لہ فالحق ان الفساد لیس بثابت فی المذھب اور پھر احادیث مذکورہ مجوزہ کا ذکر فرمایا، یونہی قنیہ سے درالمختار وغیرہ میں بعض ایسے مسائل مذکور ہیں جن میں فساد کا ذکر ہے حالانکہ احادیث سے ان کی اجازت ہے ان کی تعلیل میں یہ کہا گیا کہ انہ امتثال لغیر امر اللہ تعالی (شامی ص۵۳۳ جلد ۱) مگر اس کا یوں رد کیا گیا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حکم کا ماننا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی ثم رده بان امتثالہ انما ھو لامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

فلا یضر (شامی ص۳۴۵ جلد ۱) نیز ص۵۸ جلد ۱ میں ہے المعتمد فیہ عدم الفساد،
اور اجابتِ قولیہ یعنی کسی بات کا لفظوں میں جواب دینا، مفسد نماز ہے مگر جہاں حدیث
پاک سے بغرض اصلاحِ نماز اجازت ہے وہاں ہرگز مفسد نہیں ورنہ اصل فساد ہی ہے کہ قرآن کریم اور
احادیثِ طیبہ سے حسبِ تصریحاتِ مذہب کلام کا مفسد ہونا ثابت ہے حتی کہ اگر قرآن کریم کے کلمات یا کلمہ
طیبہ یا تسبیح کسی کے جواب میں کہے تو مصرح کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے
جبکہ بغرض جواب کہے، ہاں نیتِ جواب نہ ہو تو پھر ان اذکار سے نماز قطعاً فاسد نہیں ہوتی۔ فتاوٰے
قاضی خان ص۲۲ میں ہے المصلی اذا اخبر بخبر یسرہ فقال الحمد
للہ او اخبر بامر عجیب فقال سبحان اللہ او بخبر یھولہ
فقال لا الٰہ الا اللہ او قال اللہ اکبران لم یرد بہ الجواب لم
تفسد صلوتہ فی قولھم جمیعا وان اراد بہ الجواب فسدت
صلاتہ فی قول ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالیٰ (الی ان قال
بعد ذکر جزئیات کثیرۃ) وکذا اذا سمع الاذان فی الصلوٰۃ فقال المصلی
مثل ما قال المؤذن واراد بہ جواب الاذان تفسد صلاتہ فی قول
ابی حنیفۃ۔ اور یونہی دوسری کتبِ مذہب میں ہے یعنی اذکار میں نیت پر مدار ہے۔ اگر بغرض جواب بولے
تو نماز فاسد، اور اگر ارادہ جواب نہیں تو فاسد نہیں، ہاں وہ کلام جو جنس اذکار سے نہیں تو وہ مطلقاً
ہی مفسد ہے اور استشار با جازتِ حدیث کی متعدد صورتیں ہیں، صرف ایک ہی بطور مثال مبسوط ص۲۰
جلد ۱، بدائع صنائع ص۲۳۵ جلد ۱، کبیری ص۴۱۶ سے نقل کی جاتی ہے، کہ نمازی سے کوئی اندر آنے کی
اجازت مانگے تو وہ سبحان اللہ کہے اس ارادے سے کہ اس کو اپنے نماز پڑھنے سے مطلع کرے تو نماز
فاسد نہیں ہوتی و النظم من البدائع ولو استاذن علی المصلی انسان
فسبح واراد بہ اعلامہ انہ فی الصلوٰۃ لم یقطع صلاتہ لما
روی (الی ان قال) ولان المصلی یحتاج الیہ لصیانۃ صلاتہ الخ۔

تمت المقدمات

Marfat.com

تفصیل الجواب بعون المولی الوہاب

بغرضِ ایضاح دو وصلوں پر مشتمل ہے ، وصلِ اول اثباتِ جواز میں اور وصلِ دوم میں شبہاتِ عدمِ جواز کا رد

وصلِ اول اثباتِ جواز

سپیکر کے ذریعہ افعالِ امام پر اطلاع پاکر پیروی کرنے والے مقتدیوں کی نمازیں جائز ہیں کسی آیت یا حدیثِ متواتر و مشہور اور خبرِ واحد یا اجماعِ امت یا ائمہ کرام سے اس کی حرمت و ممانعت ثابت نہیں تو بحکم مقدمہ اولیٰ اباحت ثابت ہوئی ، جو ناروا بتائے اس پر لازم کہ دلیلِ خاص شرعی لائے (دیکھو مقدمہ ثانیہ) ورنہ احتیاط کا بہانہ نہ بنائے کیونکہ بلاتحقیق بالغ و ثبوتِ کامل ، حرام و مکروہ کہنا ناروا ہے (دیکھو مقدمہ ثالثہ) بلکہ تفتیش و تحقیق بھی ضروری نہیں کہ ممانعت کا مظنہ تو یہ نہیں (مقدمہ رابعہ ملاحظہ ہو) اور صرف یہی نہیں کہ ممانعت ثابت نہیں بلکہ اطلاقِ آیات و احادیث سے روزِ روشن کیطرح جواز بھی ثابت ہے حالانکہ اطلاق بمنزلہ نص ہے (دیکھو مقدمہ خامسہ) حضرتِ رب العالمین کا ارشاد ہے و ارکعوا مع الراکعین "نماز باجماعت ادا کرو" اور حدیثِ پاک میں ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا و اذا رکع فارکعوا و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا لک الحمد و اذا سجد فاسجدوا یعنی امام بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے ، تو جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع میں ہو جاؤ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو اور جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو" (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ و کذا ائمۃ الحدیث البخاری وغیرہ فی تصانیفھم عنہ وعن غیرہ من الصحابۃ الکرام رضی اللہ عنھم اجمعین بکلمات متقاربات والاحادیث فی الباب کثیرۃ جدا لاتحصی

Marfat.com

علی من خدم کتب الحدیث او رآنہا)

یہ آیت وحدیث مطلق ہیں، ان میں یہ قید نہیں کہ امام سے بلا واسطہ سن کر پیروی کرو حالانکہ ہم اپنی طرف سے قید نہیں لگا سکتے، ہم کیا، مجتہد یا خبرِ واحد بھی اس سے قاصر ہیں تو بحکمِ آیت وحدیث ان کی نمازیں روا ہیں۔ اور یونہی کریمۂ اقیموا الصلوٰۃ اور حافظوا علی الصلوات (نمازوں کی نگہبانی کرو) وغیر ذٰلک من الاٰیات والاحادیث کے اطلاقات کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جنسِ ادائے نماز کے وہ افرادِ کثیرہ جو اقامت ومحافظتِ صلوٰۃ کے مصداق ہیں، ان سے جس فرد کو چاہے انسان اختیار کرسکتا ہے الا ان یخص دلیل شرعی کما فی المقدمۃ الخامسۃ۔ بلکہ جب تحقیق یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز امام ہی کی آواز ہے، کوئی غیر آواز نہیں (مقدمۂ سابعہ) تو عدمِ جواز کا خیال ہی نہیں کیا جاسکتا ورنہ یہ وہم بھی کیا جاسکتا ہے کہ زید یا عمر چند مقتدیوں کو بلا سپیکر نماز پڑھائے تو ان کی نمازیں بھی روا نہ ہوں کہ اطلاقاتِ شرعیہ کے علاوہ کسی دلیلِ خاص سے زید یا عمر و کے نام سے جوازِ امامت کی تصریح نہیں فاللّٰہ المستعان۔

ہاں ہمارے ائمہ کرام نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ براہِ راست امام یا مکبر کی آواز ہی سے مقتدی مطلع ہو کر نماز ادا کرے تو جائز، ورنہ نہیں۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ انتقالاتِ امام کا علم شرطِ اقتدا ہے۔ درالمختار ص۵۱۵ جلد ۱، اور شامی ص۵۱۵ جلد ۱ میں ہے والنظم من الدر وعلمہ بانتقالات (مقتدی کا امام کے انتقالات کو جاننا) یہ علم اور جاننا اپنے اطلاق سے ہر قسم کے جاننے کو شامل ہے۔ پھر اس کے عموم واطلاق کی تصریح بھی ہمارے مشائخ کرام سے بصفتِ عموم واطلاق ثابت ہے فتاوی امام قاضیخان ص۴۵، خلاصۃ الفتاوے ص۱۵۰ جلد ۱، غنیۃ المستملی ص۴۸۵، نورالایضاح اور مراقی الفلاح ص۱۶۷، درالمختار ص۵۴۵ جلد ۱، شامی ص۵۱۵ جلد ۱، منحۃ الخالق ص۳۶۳ جلد ۱، فتاوی سراجیہ ص۱۶، فتاوی عالمگیر ص۴۶ جلد ۱، حموی شرح الاشباہ ص۱۹۷ والنظم لفقیہ النفس ولا یشتبہ حال الامام بسماع او رؤیۃ صح الاقتداء فی قولہم کسی سماع (سننے) یا رؤیت (دیکھنے) کے سبب حالِ امام میں اشتباہ نہ ہو تو سب کے قول میں اقتدا صحیح ہے پھر اس مطلق سماع ورویت کا ذکر بھی باعتبارِ غالب ہے ورنہ کسی اور ذریعے سے بھی علم آجائے تو کافی ہے مثلاً جو شخص نابینا اور بہرہ ہو وہ پاس کے مقتدی کی حرکاتِ انتقالیہ سے بذریعۂ قوتِ لامسہ علم حاصل کرتے ہوئے اقتدا کرسکتا ہے

Marfat.com

لہذا بدائع صنائع ص۱۴۵ جلد ا میں حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ نے لفظِ مشاہدہ سے تعبیر فرمایا جو سماع و رویت دونوں سے زیادہ عام ہے، فرماتے ہیں وان کان فیہ ثقب لا یمنع مشاھدۃ حال الامام لا یمنع بالاجماع (اگر دیوار میں کوئی سوراخ ہو جو مشاہدۂ حال امام سے نہ روکے تو بالاجماع اقتدار سے مانع نہیں) تو ان نصوصِ فقہیہ میں یہ تینوں لفظ سماع، رویت، مشاہدہ مطلق ہیں یہ قید نہیں کہ امام سے بالواسطہ سنیں یا دیکھیں یا مشاہدہ کریں یا بلا واسطہ اور یونہی امام کی قید بھی نہیں بلکہ مکبر یا کسی اور ذریعہ کے مشاہدہ وغیرہ کو بھی شامل ہے پھر لطف یہ کہ یہ تینوں لفظ نکرہ ہیں نفی کے تحت تو حسب القواعد افادۂ استغراق کریں گے یعنی سماع و رویت و مشاہدہ کے وہ تمام افراد جن پر یہ مطلق لفظ سچے آتے ہیں، ان کا ایک ایک فرد کافی ہے کہ اصل مقصود انتقالاتِ امام پر مطلع ہونا ہے۔ فتاوی قاضی خان ص۴۵، شامی ص۵۸۵ جلد ا وغیرہما میں ہے لان الاقتداء متابعۃ ومع الاشتباہ لا یمکنہ المتابعۃ (اس لئے کہ اقتدار پیروی کرنا ہے اور اشتباہ کے ساتھ مقتدی پیروی نہیں کر سکتا) تو صورتِ سوال میں چونکہ سپیکر کے ذریعہ مقتدیوں کو انتقالاتِ امام کا یقینی علم حاصل ہوتا رہتا ہے اور اشتباہ نہیں رہتا (مقدمۂ سالبعہ) لہذا اقتدار روا اور نمازیں جائز ہیں۔ یہاں تو امام و مقتدیوں کے درمیان کوئی بڑی دیوار وغیرہ حجاب بھی نہیں ہوتا۔ فقہائے کرام نے تو بڑی دیوار وغیرہ حجاب کی صورت میں بھی یہی حکم فرمایا ہے تو یہاں بطریقِ اولیٰ حکمِ جواز ہوگا۔ پھر ہمارے فقہائے کرام نے یہ بھی تصریح فرمائی کہ حجاب کی صورت میں اگر کسی چھوٹے سے سوراخ کے ذریعہ سماع یا رویت ہو جاتے تو اقتدار روا ہے اگرچہ وہ سوراخ پنجرہ کی طرح ہو۔ فتاویٰ قاضی خان اور شرح حموی میں ہے وان کان علیہ باب مسدود علیہ نقب صغیر مثل البنجرۃ اور فتاویٰ سراجیہ میں فرمایا ولو کان النقب صغیرا کنقب المنخرۃ (اگرچہ وہ سوراخ ناک کے نتھنے کے برابر چھوٹا ہو) تو لاؤڈ سپیکر پر یہ بھی چسپاں ہے کہ میکروفون پنجرے کی طرح جالی دار ہوتا ہے برقی قوت پہلے اس میں آواز جمع کرتی ہے پھر ناک کے نتھنے کی طرح اس کے چھوٹے سے سوراخ

عہ اذا شاھد مقتد بصیر اوسمیع من الثقب حال الامام وحصل بحرکاتہ علم للاصم الاعمی یصدق علیہ انہ مشاھد ۱۲ منہ غفرلہ

سے نکال کر بذریعہ تار سپیکر کے اس جیسے چھوٹے سوراخ سے داخل سپیکر کرتے ہوئے نشر کر دیتی ہے۔ بفضلہ وکرمہ تعالےٰ مکبر الصوت کے یہ صریح جزئیے ہیں، ہمارے مشائخ وفقہائے کرام کی ٹھوس کرامتیں ہیں کہ ایجادِ مکبر الصوت سے صدیوں پہلے وضاحت فرما گئے۔

تنبیہ

یہ اشتباہ کہ شامی ص۳۲۵ میں ہے (قولہ بسماع) ای من الامام او المکبر تو معلوم ہوا کہ کتبِ فقہیہ میں جو سماع منکّر ہے اس سے یہی مراد ہے کہ امام یا مکبر سے ہو حالانکہ یہاں سپیکر سے ہے لہذا روا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ سپیکر سے سنی گئی آواز ہے ہی امام کی آواز (دیکھو مقدمہ سابعہ) تو یہ سماع من الامام ہی بنا جیسے عینک کے ذریعے دیکھنے والا ہی دیکھتا ہے نہ کہ عینک، وہ تو محض ذریعہ ہے۔ اور اگر بالفرض آوازِ امام کی غیر ہو تو پھر بھی اتنا ضرور ماننا پڑتا ہے کہ امام کی آواز سے پیدا ہوتی ہے کہ سپیکر اپنے آپ کبھی نہیں بولتا تو اس تقدیر پر بھی بالواسطہ امام سے سننا پایا گیا اور "من الامام" کا "مِن" ابتدائیہ، واسطے کی نفی نہیں کر سکتا بلکہ لغتِ عربی میں "من ابتدائیہ" دونوں صورتوں میں آتا رہتا ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، اپنی ہی پیدائش پر نظر کرو قرآنِ کریم فرماتا ہے ھو الذی خلقکم من تراب (وہ وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا) حالانکہ ہم آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے اور وہ مٹی سے، تو بالواسطہ ہم بھی مٹی سے بنے، اور یونہی قرآنِ کریم فرماتا ہے یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ (اے لوگو ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تمہیں ایک جان (آدم) سے)، حالانکہ مخاطبین اپنے آباء واجداد کے وسائطِ کثیرہ کے ساتھ حضرت آدم سے پیدا ہوئے ہیں، تو روزِ روشن کی طرح روشن ہوا کہ جس طرح بلاواسطہ پر "من الامام" سچا آتا ہے یونہی ایک یا زیادہ واسطوں کی صورت میں بھی سچا آتا ہے، تو وہ اشتباہ جو محض پادرہوا تھا ہباءً منثورًا بن گیا وللہ الہادی الحمد وحدہ لاشریک لہ علی ما ھدیٰ

نیز اگر صدائے انتقالاتِ امام پر مطلع ہو کر نماز پڑھنا روا نہ ہوتا تو اہالیانِ اسلام مسجدوں کے گنبد نہ بناتے اور اس وضع کے محراب بھی نہ ہوتے اور دیواروں کو ترچھا نہ کرتے کہ یہ تینوں علیحدہ علیحدہ

ﻋﮧ بالواسطہ اور بلاواسطہ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

سببِ صدا ہیں حالانکہ مسجدوں میں عموماً اکٹھے پائے جاتے ہیں مگر قدیم ایام سے مسلمانوں کا یہ دستور چلا آتا ہے کہ مسجدوں کے گنبد اور گنبد نما محراب بناتے چلے آتے ہیں اور دیواروں کو تڑگچ کر کے خوب چکنا بناتے ہیں۔ آج تک کسی نے اس کو بدیں وجہ ناجائز و حرام نہیں بتایا کہ فسادِ نماز کا سبب ہے تو یہ تعامل و توارث قدیمی جواز کا قدیمی اجماع عملی ہے اگر ناجائز ہوتا تو ائمہ و مشائخ کرام جو مسجدوں میں ہی دن رات گزارتے اور نمازیں باجماعت پڑھتے پڑھاتے تھے۔ ان کی دوررس نظروں سے نہاں نہ رہتا۔ وہ تو نادر سے نادر صورتوں کے حکم بتا گئے تو اس روز مرہ نظروں اور کانوں کے سامنے پیدا ہونے والی صدا کا یہ حکم ضرور بیان فرماتے، تو معلوم ہوا کہ جائز ہے جسے " بسماع او رؤیۃ " کے اطلاق سے بیان فرما گئے کما مر، بلکہ سجدۂ تلاوت کے عدمِ وجوب کی تصریح مشائخ کرام کر گئے حالانکہ اگر تصریح نہ کرتے تو کوئی بڑا حرج لازم نہ آتا، یہی ہوتا کہ کوئی صدا سے آیتِ سجدہ سن کر سجدہ کر لیتا، حالانکہ سجدہ واجب نہیں تھا تو اس میں کیا حرج؟ اپنے رب کو ہی سجدہ کرتا مگر نماز جائز نہ ہوتی تو اس کے بیان نہ کرنے میں بہت بڑا حرج تھا کہ وہ مسلمان جو صدا کے ذریعے انتقالاتِ امام پر مطلع ہو کر فرض نمازیں ادا کرتے، ان کے فرض ادا نہ ہوتے اور زیرِ بار رہتے۔ تو جب مشائخ کرام اس حکم کی تصریح کرتے ہیں جس کی تصریح نہ کرنے میں کوئی بڑا حرج نہ تھا تو ان سے یہ کیسے متصور کہ اس حکم کی تصریح نہ کریں جس کی تصریح نہ کرنے پر بہت بڑا حرج مرتب ہوتا ہو تو واضح ہوا کہ ان کا عدمِ جواز کی تصریح نہ کرنا ہی تصریحِ جواز ہے چہ جائیکہ وہ " بسماع " کے اطلاق سے جواز کی تصریح بھی فرما گئے جزاہم ربہم تعالیٰ خیر الجزاء۔

وصلِ دوم شبہاتِ عدمِ جواز کا رد

سائل نے بعض علمائے کرام کا حکمِ فسادِ نماز بوجوہِ ذیل

بغرضِ طلب جواب نقل کیا: ——————

ما لاؤڈ سپیکر کے ذریعے جو آواز سنائی دیتی ہے، نئی آواز ہے اور امام کی آواز نہیں تو یہ من لم یدخل فی الصلوٰۃ کی اقتدا بنی جو مفسدِ نماز ہے

Marfat.com

كما فى الشامى۔

جواب

امام اہلسنت والجماعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تفصیلی بیان مقدمہ سادسہ میں وضاحت گذری کہ جو آواز بھی سنی جاتی ہے وہ پہلی آواز کی کاپی اور نقل ہوتی ہے اور وحدتِ آواز وحدتِ نوعی ہے کہ تمام امثال متجددہ میں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے اور یہ بھی اس بیان میں ہے کہ ٹھپوں کی تعداد سے آواز متعدد نہ سمجھی جائے گی، یہ کوئی نہ کہے گا کہ ہزاروں آوازیں تھیں کہ ان ہزاروں اشخاص نے سنیں بلکہ یہی کہیں گے کہ وہی ایک آواز سب کے سننے میں آئی، تو لامحالہ سپیکر سے سنی گئی امثالِ متجددہ میں بھی اسی وحدتِ نوعیہ کے لحاظ سے وہی ایک آواز مانی جائیگی۔ اور یونہی اس مقدمہ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول کہ صداعہ متکلم کی خود اپنی آواز ہوتی ہے، تو اگر بالفرض سپیکر سے سنی گئی آواز صدا ہو تو پھر بھی متکلم ہی کی آواز بنی، تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق کے مطابق سپیکر سے سنی گئی آواز امام ہی کی آواز ہے اس کے متعلق یہ کہنا کہ امام کی آواز نہیں، ہرگز ہرگز صحیح نہیں تو اس کو اقتدائے من لم يدخل فى الصلوٰة بنا کر مفسدِ نماز کہنا امام اہل السنت

عہ شامی ص۳۳۲ جلد ا میں ہے المبلغ اذا قصد التبليغ فقط خاليا عن قصد الاحرام فلاصلوٰة له ولا لمن يصلى بتبليغه لانه اقتدى بمن لم يدخل فى الصلوٰة یعنی مبلغ (تکبیرات سنانے والا جسے مکبر بھی کہتے ہیں) جس وقت تکبیر تحریمہ صرف مقتدیوں کی اطلاع کے قصد سے کہے اور نماز میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرے تو نہ اس کی اپنی نماز ہے اور نہ اس کی جو اس کی تبلیغ (تکبیرات سنانے) کے ساتھ پڑھ رہا ہے اس لئے کہ اس نے ایسے کی اقتداء کی جو نماز میں داخل نہیں ہوا ۱۲ منہ غفرلہ عہ اب بفضلہ تعالیٰ خود اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کا "الکشف شافیا" بریلی شریف سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے اس کے ص۳۲ اور ص۳۳ پر صدا پیدا ہونے کی تفصیلی صورتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ بہرحال کچھ سہی اتنا یقینی ہے کہ آواز وہی آوازِ متکلم ہے نیز اسی رسالہ کے ص۵ میں فونوگراف کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں اگر کسی قاری کی تلاوت بھری گئی تو اس میں حقیقۃً قرآن کریم ہی ودیعت ہوا اور اس سے جو سنا جائے گا وہ حقیقۃً اسی قاری کی آواز ہوگی اور اس سے جو ادا ہوا وہ وہی قرآنِ عظیم ہوگا جو اس نے پڑھا۔ پھر ص۸ میں فرمایا حقیقۃً قرآنِ عظیم ہی ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ فونو سے جو سنی جاتی ہے وہ بعینہٖ اسی آواز کنندہ کی آواز ہوتی ہے۔ نیز ص۸ میں ہے اگر آلاتِ طرب وغیرہا کی آواز ہے تو وہ بھی حقیقۃً وہی آواز ہے۔ اور ص۱۰ میں ہے بالجملہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ فونو سے سنی گئی بعینہٖ وہی طبلہ کی آواز ہے اسی کو شرع نے حرام فرمایا تھا اور اسے خیال و مثال کہنا محض باطل خیال تھا اور اسی طرح اس رسالہ میں اور کافی تصریحات ہیں۔ تو جب فونوگراف یا ٹیپ ریکارڈ سے سنی گئی آواز وہی بعینہٖ اصل آواز ہے تو سپیکر سے سنی گئی بطریقِ اولیٰ وہی اصل آواز ہوگی و ذا اجلى من ان يخفى على اولى النهى ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

اعلیٰحضرت کی تحقیقات کے مطابق غلط در غلط بنا تو ثابت ہوا کہ یہ وجہ نمبرا وجہ نہیں بلکہ شبہ واہیہ ہی ہے ، یہاں تک حق جواب ادا ہو گیا مگر چونکہ یہ من لم یدخل فی الصلوٰۃ والاجلہ مانعین حضرات کا مایۂ ناز جزئیہ صریحہ لاؤڈ سپیکر ہے لہذا مناسب کہ اوہام عاطلہ کا خذلان محض قدرے وضاحتوں سے بیان کیا جائے۔

وضاحت نمبرا

اقتدا حقیقی ہو یا صوری صرف اسی کی ہو سکتی ہے جو ارکان نماز رکوع ، سجود وغیرہ ادا کر سکتا ہو (دیکھو مقدمہ عاشرہ میں تعریف اقتدار) تو ثابت ہوا کہ لاؤڈ سپیکر کی اقتدا ناممکن ہے تو اس کو اقتدائے من لم یدخل فی الصلوٰۃ کہنا صحیح نہیں تو جزئیۂ صریحہ کیسے بنا ؟ اور اس مؤاخذہ کی تو کوئی خاص ضرورت ہے ہی نہیں کہ اطلاق " مَنْ " ذوی العقول پر ہوتا ہے اور لاؤڈ سپیکر عاقل کیا زندہ بھی نہیں۔

وضاحت نمبر۲

یہ مقولہ اقتدائے من لم یدخل فی الصلوٰۃ والامرے سے قابل التفات ہی نہیں کہ اس کا اطلاق صراحۃً یہ بتاتا ہے کہ جو مقتدی امام کے ساتھ ایک وقت میں تکبیر تحریمہ کہیں ان کی نمازیں جائز نہ ہیں کہ اس وقت امام پر بھی لم یدخل فی الصلوٰۃ (نماز میں داخل نہیں ہوا) سچا آرہا ہے کہ وہ نماز میں تکبیر کہتے ہوئے داخل ہو رہا ہے نہ کہ داخل ہو چکا۔ تکبیر تحریمہ شرط نماز ہے پوری کرنے کے بعد داخل نماز ہوگا۔ قرآن کریم فرماتا ہے ذکر اسم ربہ فصلّٰی (اپنے رب کا نام ذکر کیا پس نماز پڑھی) حالانکہ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنا ہمارے سب ائمہ کرام کے نزدیک جائز بلکہ حضرت امام اعظم کے نزدیک افضل ہے کما فی اسفار المذھب۔

وضاحت نمبر۳

اور یوں بھی قابل التفات نہیں کہ اس اقتدار سے مراد اقتدائے حقیقی ہو تو وہ اس امام کے علاوہ کسی اور کے ساتھ اگرچہ داخل فی الصلوٰۃ ہو ، ہو سکتی ہی نہیں اور اگر کرے تو نماز ناجائز ہے (دیکھو مقدمۂ عاشر میں متابعت امام کا بیان) تو تخصیص من لم یدخل فی الصلوٰۃ باطل اور استدلال عاطل ، اور اگر اقتدائے صوری مراد تو حکم فساد نماز باطل (دیکھو مقدمۂ عاشرہ اور حادیہ عشرہ)

Marfat.com

وضاحت نمبر۴

اور یوں بھی قابلِ التفات نہیں کہ خود علامہ شامی کے نزدیک بھی یہ مسلّم نہیں بلکہ وہ تو حموی پھر ابوالسعود صاحبِ حواشی مسکین کیطرف نسبت کرنے کے بعد فرماتے ہیں وقد اشبعنا الکلام علی ھذہ المسئلۃ فی رسالتنا المسماۃ (تنبیہ ذوی الافھام علی حکم التبلیغ خلف الامام) ھذا۔ یعنی ہم نے اس مسئلہ پر بحث اپنے اس رسالے میں جس کا نام "تنبیہ ذوی الافہام علی حکم التبلیغ خلف الامام" ہے مکمل کی ہے، اس کو پکڑ لو ؛ (اس پر غور کر لو) اور اس رسالہ مسلکہ مجموعہ رسائلِ ابن عابدین ص۱۴۰ جلد۱ میں ہے کہ اس اقتدائے من لم یدخل سے مراد اتباع صوت المکبر لا الاقتداء الحقیقی کما توھمہ بعض المتأخرین یعنی مکبر کے آواز کی اتباع (اس کی آواز سن کر اپنے[عـه] امام کی پیروی کرنی ہے۔ اور اقتدائے حقیقی مراد نہیں جیسے بعض متأخرین نے توہم کیا۔ اور چونکہ ایسی اتباع حقیقۃً اپنے امام کی ہی اتباع ہے جو اصلاح ہی اصلاح ہے اور علتِ فساد نہیں (دیکھو مقدمۂ تاسعہ اور حادیہ عشرہ) تو علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس افسادِ حموی کی ایک توجیہِ احتمالیہ بیان فرماتے ہوئے رد فرماتے ہیں والظاھر ان علۃ فساد من یصلی بتبلیغہ اجابتہ لغیر المصلی (اور ظاہر یہ ہے کہ اس کی تبلیغ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نماز فاسد ہونے کی علت نمازی کا غیر نمازی کو جواب دینا ہے یعنی غیر نمازی کے کہے پر افعالِ نماز کا ادا کرنا ویمکن ان یکون المراد بالاقتداء ذلک یعنی ممکن ہے کہ اس اقتدار سے مراد یہ (اجابتِ غیر مصلی) ہو، بعد ازاں بحرالرائق سے اجابتِ قولیہ کے مفسد ہونے کے تین جزئیے نقل کئے۔ پھر قہستانی وغیرہ سے کچھ نقل کئے جن میں اجابتِ فعلیہ بالرأس والید کا مفسد ہونا بھی مذکور ہے، بعدازاں فرمایا والمصرح بہ ان الاجابۃ بالرأس لاباس بھا یعنی ہماری کتبِ معتمدہ میں بالتصریح یہ ہے کہ اجابتِ بالرأس میں کوئی ڈر نہیں ولم ار من صرح بخصوص مسألتنا سوی ما مر عن الحموی یعنی میں نے اس مسئلۂ اقتدائے من لم یدخل فی الصلوٰۃ

عـه اپنے امام کی قید اس لئے کہ اگر مکبر کی اتباعِ حقیقی ہو تو وہ اقتدائے حقیقی ہے اسی کو تو توہم بتاتے ہوئے نفی کر رہے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

کی تصریح خاص منقولِ حموی کے علاوہ کسی سے نہیں دیکھی وھذا الفرع اشبہ بہا من غیرہ لان الاجابۃ فیہا بالفعل یعنی یہ فرع (جزئیہ) اجابت بالراس جس کا کوئی ڈر نہیں مسئلہ اقتدائے من لم یدخل فی الصلوٰۃ کے ساتھ دوسرے جزئیات (اجابتِ قولیہ کے) سے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ ان دونوں میں اجابت بالفعل ہے تو علامہ شامی کے اس بیان سے ماہِ نیم ماہ کی طرح واضح ہوا کہ یہ مسئلہ فسادِ نماز باقتدائے من لم یدخل فی الصلوٰۃ باطل و بے جا ہے۔ اس میں کوئی علتِ فساد اجابتِ غیر نمازی کے علاوہ نظر نہیں آتی حالانکہ اجابتِ فعلیہ کے ساتھ نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہ مسئلہ اسی کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے کہ یہاں بھی اجابتِ بالفعل ہے تو اسی پر قیاس چاہیئے اور حکم عدمِ فساد چاہئے اور چونکہ اس مسئلہ کی تصریح کسی سے نظر نہیں آئی تو یہی حکم چاہیئے کہ غیر منصوص کا حکم منصوص سے لیا جاتا ہے اور حموی وغزی بہت متاخر ہیں تو صرف ان کا قول قابلِ اعتماد نہیں۔ پھر ردالمحتار میں بھی جو اس رسالہ کے بعد کی تصنیف ہے کسی تصریح ملنے کا ذکر نہیں۔ صرف محشی مسکین کی تقریر ذکر کی جو حموی سے بھی متاخر ہیں اور اسی رسالہ کیطرف متوجہ ہونے کا حکم فرمایا کہ اس میں اس کو رد کر چکے ہیں۔

تعجب ہے کہ مانعین حضرات حسبِ ہدایتِ شامی تکمیل بحث پر غور نہیں کرتے اور قول مردود سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے رسائل ص۱۳ جلد ۱ میں فرماتے ہیں کہ کبھی یوں اتفاق بن جاتا ہے کہ متاخرین کی بیس کے قریب کتابوں میں کوئی قول نقل ہو جاتا ہے جو غلط ہوتا ہے، کسی ایک صاحب کی غلطی ہوتی ہے اور پچھلے نقل در نقل کرتے چلے جاتے ہیں، چنانچہ کئی مسائل میں یہ واقع ہوا۔ پھر اس کی نظیریں ذکر کرتے کرتے ص۱۵ میں فرمایا ولہذا الذی ذکرناہ نظائر کثیرۃ اتفق فیہا صاحب البحر والنہر والمنح والدر المختار وغیرہم وھی سہو منشأہا الخطأ فی النقل او سبق النظر یعنی یہ جو ہم نے ذکر کیا اس کی بہت نظیریں ہیں جن میں بحرالرائق، نہرالفائق، منح الغفار، درالمختار کے مصنفین وغیرہم نے اتفاق کیا حالانکہ وہ ہیں سہو (بھول) جن کا منشأ نقل میں غلطی ہے یا سبقتِ نظر۔ اور یونہی فتاوٰی رضویہ ص۳۱۳ جلد ۱ میں بحرالرائق سے ہے ما نصہ ھذا الموضع مما اخطأوا فیہ (الیٰ ان ذکر) وانا متعجب لکونہم تداولوا ھذہ العبارات متوناً وشروحاً وفتاوی وقد یقع کثیراً ان مؤلفاً یذکر شیئاً خطأً

فیأتی من بعدہ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا تنبیہ فیکثر ناقلون واصلہ لواحد مخطئ اور یہی وجہ ہے کہ فتاوٰے رضویہ مبارکہ میں معروضات وتطفلات بکثرت ہیں حتیٰ کہ صرف پہلی ہی جلد میں ایک ہزار نو سو پچپن ہیں، فافہم و لاتکن من الغافلین۔

وضاحت نمبر ۵

تعجب ہے کہ وہی صاحب جنہیں سائل نے ایک بہت بڑے عالم کا لقب دیا ہے اپنے مطبوعہ فتاویٰ میں صاف صاف یہ تصریح کرتے ہیں کہ لاؤڈ سپیکر میں سنی گئی آواز بعینہٖ امام ہی کی آواز ہوتی ہے مگر پھر فرماتے ہیں کہ چونکہ لاؤڈ سپیکر قصد ذکر نہیں کرتا اور نماز میں داخل نہیں ہوتا لہٰذا یہ اس کی اقتدا رہی جو نماز میں داخل نہیں تو نماز جائز نہیں، جب تسلیم کر لیا کہ امام ہی کی آواز ہے اور نیت بھی امام کی اقتدا رہی کی ہوتی ہے تو لاؤڈ سپیکر کی اقتدا کیوں بنی؟ اگر یونہی اقتدا بن جاتی ہے تو کیا وہ مقتدی جو بیرون مسجد ہوں اور مسجد کے دروازے یا کسی روشندان سے آواز امام سنیں تو وہ دروازہ یا روشندان کے مقتدی بن جائیں گے؟ بلکہ اس سے تو لازم کہ کسی مقتدی کی نماز جائز ہی نہ ہو اگرچہ امام کی آواز بلاواسطہ ہی سن رہا ہو کہ امام کی آواز بھی یقیناً امام کی غیر ہے اور اہلیت قصدِ ذکر و دخول فی الصلوٰۃ بھی نہیں رکھتی، اور جب یہ سن کر نماز پڑھ رہا ہے تو یہ آواز کی اقتدا رہی اور نماز نہ ہوئی، اور یونہی دیکھ کر پڑھے تو پھر بھی چونکہ امام کے لباس پر نظر پڑ رہی ہے یا جسمِ امام کا بعض حصہ دیکھ رہا ہے جو قاصدِ ذکر نہیں تو نماز نہ ہوئی واللوازم باطلۃ فالملزوم مثلھا۔

وضاحت نمبر ۶

مقدماتِ مذکورہ سے واضح ہو چکا کہ بلا نیتِ اقتدار اقتدار نہیں پائی جاتی اور بلا نیتِ اجابت اجابت نہیں بنتی اور یہ بھی اظہر من الشمس کہ کوئی مقتدی لاؤڈ سپیکر کی اقتدا و اجابت کی نیت نہیں کرتا تو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ یہ اقتدائے من لم یدخل فی الصلوٰۃ ہے؟ فقہائے کرام تو فرماتے ہیں یجب حمل افعال المؤمنین علی الصلاح کہ مسلمانوں کے اعمال درست ہونے پر محمول کیے جائیں مگر یہاں ان اعمال کو جو درست ہیں الٹے غلط بتایا جاتا ہے! فیاللعجب!

۲ـ دوسری وجہِ فساد سائل نے یہ نقل کی کہ یہ تلقن من الخارج بنتا ہے یعنی جو نماز میں نہیں اس سے

Marfat.com

افعالِ نماز کی ادائیگی میں استفادہ ہے اور یہ بھی مفسد ہے۔

جواب : ایسا تلقن و استفادہ مفسد نہیں (دیکھو مقدمۂ حادیہ عشرہ)

۳ـ تیسری وجہ فساد یہ ذکر کی کہ صدا سے سجدۂ تلاوت کی آیت سنی جائے تو سامع پر سجدہ لازم نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ ان مقتدیوں کی نمازیں فاسد ہیں۔

جواب : یہ کیسے معلوم ہوا؟ اور یہ کس نے کہا کہ جس چیز سے سجدۂ تلاوت لازم نہ ہو وہ اقتدار میں کارآمد نہیں، دیکھئے کسی کو سجدۂ تلاوت کرتے ہوئے دیکھنے سے سجدہ لازم نہیں ہو جاتا حالانکہ دیکھنے سے اقتدار روا ہے بسماع او رؤیۃ، سن چکے۔ اگر یہی قاعدہ ہے تو لازم کہ مکبر کی تکبیرات سن کر بھی اقتدار روا نہ ہو کہ مکبر مقتدی ہی ہوتا ہے اور ہمارے امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بروایاتِ ظاہرہ یقیناً ثابت اور تمام کتبِ فقہیہ میں منصوص کہ مقتدی آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو اس کے سماع سے امام و مقتدی، کوئی بھی سجدہ نہ کرے، نہ نماز میں اور نہ فارغ ہونے پر۔ جامع صغیر ص۱۶، جامع کبیر ص۱ میں ہے والنظم من الصغیر محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رحمہم اللہ تعالٰی فی رجل قرأ سجدۃ خلف الامام قال لایسجدھا الامام ولاھو ولا احد من القوم ولا اذا فرغوا۔ اور لطف یہ کہ اس مسئلہ میں لا یسجدھا صیغۂ نہی ہے جو نفیِ جواز کا افادہ کرتا ہے اور مسئلۂ صدا میں (جو صرف بعض مشائخ نے ہی بیان فرمایا اور ہمارے ائمہ سے منقول دکھائی نہیں دیتا) لایجب آیا ہے جو جواز کی نفی نہیں کرتا بلکہ حسب القواعد مفیدِ جواز ہے۔ جب وہ حضرات مسئلۂ صدا سے جو مفیدِ جوازِ سجدہ ہے[ع] اور محض وجوب کی نفی کرتا ہے، اقتدار کا عدمِ جواز ثابت کر رہے ہیں تو اس مسئلۂ ظاہر الروایۃ یعنی مقتدی سے آیتِ سجدہ سننے پر عدمِ جوازِ سجدہ سے اقتدار کا عدمِ جواز کیوں ثابت نہیں کرتے؟ حالانکہ یہ ان کے قول پر بطریقِ اولیٰ ثابت ہونا چاہیئے تو صرف لاؤڈ سپیکر کی صورت میں ہی عدمِ جواز کے کیوں قائل ہیں۔ مکبر کی صورت میں

ع ہمارے نزدیک دوسرے مذہب کی رعایت جبکہ اپنے مذہب کا خلاف نہ ہوتا ہو، مستحب ہے لہٰذا جس صورت میں ہمارے مذہب میں سجدۂ تلاوت واجب نہ ہو حالانکہ کسی اور امام کے نزدیک اس صورت میں سجدہ ہو تو ہمیں ادا کرنا اس قاعدہ کی بناء پر جائز و مستحب ہے تو معلوم ہوا کہ ہمارے مذہب میں فی الجملہ سجدۂ تلاوت جواز و استحباب کی صورت میں بھی ادا ہو سکتا ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

بھی یونہی کہیں بلکہ اگر اسی مسئلۂ صدا پر ہی قیاس کرنا ہے تو وہ تو مفیدِ جواز ہے کہ وجوب خاص اور جواز عام ہے اور ارتفاعِ خاص ارتفاعِ عام کا مستلزم نہیں ۔ انسانیت کا اٹھنا حیوانیت کی نفی نہیں اور بحکم مفہوم مخالف (جو حسبِ تصریحاتِ مذہبیہ روایات میں معتبر ہے) جواز مستفاد ہے اور جب مقیس علیہ میں جواز ثابت ہوا تو مقیس میں بھی ثابت ہوگا تو معلوم ہوا کہ مانعین حضرات کا یہ استدلال صحیح نہیں اور یونہی یہ بھی کتبِ متعددۂ فقہیہ سے ثابت کہ حائض و نفساء جنب و مُحدِث ، مجنون و صبی ، نائم و سکران بلکہ کافر بھی آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو سننے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے حالانکہ یہ مکبر نہیں بن سکتے بلکہ صبی کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی اپنے ان حالات میں نماز ہی نہیں پڑھ سکتا ، تو معلوم ہوا کہ وجوداً وعدماً کسی طرح بھی مسئلۂ تلاوتِ سجدہ ، اقتدار کا مقیس علیہ نہیں بن سکتا ۔ پھر چونکہ سجدۂ تلاوت میں سامع پر قبل از سماع وجوب نہیں بلکہ سماع ہی سببِ وجوب بنتا ہے اور مقتدی پر قبل از سماعِ تکبیرات مکبر امام کی متابعت بوجہ اقتدار لازم ہے لہذا سجدۂ تلاوت میں سبب قوی کی ضرورت کہ موجب بن سکے اور اقتدار کی صورت میں صرف اطلاع کی حاجت ہے کہ انتقالاتِ امام پر واقف ہو کر پہلے سے لازم شدہ افعال ادا کر سکے تو قوتِ موجبہ کی ضرورت نہیں اور صدا کا اداۓ امام کی اطلاع بننا اظہر من الشمس ہے اس کا منکر اگر معاند نہیں تو مجنون سے بہترین کسی لقب کا مستحق نہیں ، تو ثابت ہوا کہ مسئلۂ مذکورہ تلاوتِ سجدہ کسی طرح بھی مقیاس نہیں بن سکتا ۔

۴ سائل نے یہ بھی نقل کیا کہ اگر امام ہی کی آواز ہو تو پھر بھی چونکہ اس میں جہرِ مفرط (زیادہ بلند کرنا) پایا جاتا ہے جو مفسدِ نماز ہے لہذا نمازیں نہ ہوئیں اور لاؤڈ سپیکر کا استعمال نماز میں حرام ہے جو کرے اس پر توبہ فرض ہے ۔

جواب : یہ کس نے کہا کہ جہرِ مفرط مفسد ہے ؟ جہر مطلقاً واجباتِ نماز میں داخل ہے ، متون و شروح و فتاوائے و حواشئ مذہبِ مہذب میں مطلق جہر کا ذکر ہے اور یونہی احادیث سے بلکہ اس آیت سے بھی جسے مانعین حضرات عدم جواز کی مایہ ناز دلیل تصور کئے ہوئے ہیں ، مطلق جہر ثابت ہے حالانکہ اطلاقِ مطلق بمنزلۂ نص ہے ، تو جہر کے تمام افراد بمع جہرِ مفرط مشروع و جائز ہوئے تو جہرِ مفرط کو مفسد کہنا صحیح نہیں الا ان یشتمل علی مفسد لا یوجد فی محل النزاع ۔

اس کا بیانِ تفصیلی ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائیں جہاں آفتابِ جہاں تاب سے بھی زیادہ روشن

Marfat.com

کیا گیا ہے کہ وہ آیت لا تجھر بصلوتك ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلك سبیلاً عدمِ جواز کی دلیل نہیں بن سکتی بلکہ دلیلِ جواز ہے، نہیں نہیں! صرف جواز نہیں بلکہ وہ جواز جو صورتِ واجب میں پایا جاتا ہے فانظر تری عجبا۔ ہاں وہ جو فتح القدیر ص۳۲۲ جلد ا میں اپنے شہروں اور زمانے کے مکبرین (امام کی تکبیرات سنانے والوں) کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کا اس خصوصی انداز سے (تکبیرات سناتے ہوئے) آواز بلند کرنا جس کا یہ لوگ دستور بنا چکے ہیں، اس کا مفسد ہونا بعید نہیں بلکہ ان کی بلند تکبیریں غالباً ہمزۂ "اللہ" یا ہمزۂ "اکبر" یا بائے "اکبر" کی مدوں (جس سے الف پیدا ہو جاتا ہے اور معنی سخت ترین غلط بن جاتا ہے) پر مشتمل ہو جاتی ہیں حالانکہ یہ مفسدِ نماز ہے، اور اگر ان مدوں پر مشتمل نہ ہوں تو اس لئے مفسد ہونا بعید نہیں کہ وہ حاجت سے زیادہ چلانے میں مبالغہ کرتے راگ اور گانے کی صاف ادائیگی کے اشتغال میں مبالغہ کرتے ہیں، اقامتِ عبادت کے لئے نہیں بلکہ اظہارِ صناعتِ نغمیہ کے لئے، حالانکہ ایسا چلانا اس کلام کا حکم رکھتا ہے جس پر وہ دلالت کرتا ہے پھر (بیانِ وجہِ افسادِ نماز کے بعد) فرمایا اور یہاں یقیناً معلوم ہے کہ ایسے چلانے اور راگ و گانے میں مبالغہ کرنے والے مکبر کا قصد اس اندازِ ادا سے لوگوں کو خوش کرنا اور تعجب میں ڈالنا ہوتا ہے حالانکہ اگر یہ کہہ دے کہ میرے حسنِ صوت اور صفائی ادا سے خوش ہو اور تعجب کرو، تو نماز فاسد کر بیٹھتا ہے (تو یہاں بھی فاسد ہونی چاہئے) اور ایسی غلط ادا سے زائد حرفوں کا حاصل ہو جانا (جو معنی بگاڑ دیتے ہیں) لازم ہے (جیسے پہلے بیان فرمایا کہ ہمزۂ اللہ یا ہمزۂ اکبر یا بائے اکبر کی مد پر مشتمل ہوتی ہیں جو مفسد ہے)،

نصہ اما خصوص ھذا الذی تعارفوہ فی ھذہ البلاد فلا یبعد انہ مفسد فانہ غالبا یشتمل علی مد ھمزۃ اللہ او اکبر او بائہ و ذلك مفسد و ان لم یشتمل فلانھم یبالغون فی الصیاح زیادۃً علی حاجۃ الابلاغ و الاشتغال بتحریرات النغم اظھارا للصناعۃ النغمیۃ لا اقامۃ للعبادۃ و الصیاح ملحق بالکلام الذی بساطہ ذلك الصیاح (الی ان قال) وھنا معلوم ان قصدہ اعجاب الناس بہ ولو قال اعجبوا من حسن صوتی و تحریری فیہ افسد وحصول

الحروف لازم من التلحین الخ

اس بیانِ فیض تواماں کو منحۃ الخالق وغیرہ میں نقل کرکے برقرار رکھا۔ تو اس سے مطلقاً جہرِ مفرط (زیادہ بلند پڑھنے) کا مفسد ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔ حضرت محقق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صرف اس خصوصی رواجِ زمانہ کے مطابق بہت زیادہ چلا کر راگ سے پڑھنے کو مفسد فرماتے ہیں جو لوگوں کو خوش کرنے کی نیت سے بلا قصدِ عبادت ہو (کہ حسب القواعد ایسی نیت سے پڑھنا یوں کہنا ہے کہ میری اچھی آواز سے خوش ہو اور یہ مفسد ہے) اور وہ ایسا چلانا ہے کہ جس میں حرف زائد پیدا ہو جاتے ہیں جو معنی بگاڑ دیتے ہیں۔

حاصل یہ کہ مکبرین کا زیادہ چلا کر پڑھنا دو وجہ سے مفسد ہے، ایک تو زیادہ چلانے کے سبب زائد حرفوں کا پیدا ہو کر معنی بگاڑ دینا اور دوسری وجہ لوگوں کے خوش کرنے کی نیت سے راگ میں پڑھنا رسائل علامہ شامی ص۱۴۶ جلد ا میں ہے فحاصل کلام المحقق ان الاشتغال بتحریر النغم والتلحین والصیاح الزائد علی قدر الحاجۃ لا لقصد القربۃ بل لیعجب الناس من حسن صوتہ و نغمہ مفسد من وجہین الاول ما یلزم من التلحین من حصول الحرف المفسد غالبا والثانی عدم قصد اقامۃ العبادۃ الخ نیز اسی صفحہ میں یہ بھی فرمایا کہ ان المحقق لم یجعل مبنی الفساد مجرد الرفع بل زیادۃ الرفع الملحق بالصیاح المشتمل علی النغم مع قصد اظہارہ لذلک والاعراض عن اقامۃ العبادۃ۔ اور یونہی منحۃ الخالق ص۳۶۴ جلد ا اور ردالمحتار ص۵۵۱ جلد ا میں بھی فرمایا، تو اظہر من الشمس ہوا کہ اس بیان سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہو سکتا کہ صرف جہرِ مفرط (زیادہ بلند آواز سے پڑھنا) مفسد ہے ایسا سمجھنا محض غلط ہے اور کسی نے یوں سمجھا بھی نہیں، صرف سید احمد حموی (جن سے اقتدائے من لم یدخل فی الصلوۃ والاجزئیہ مستخرجہ ہے) نے یوں سمجھ کر محقق علیہ الرحمۃ پر یہ اعتراض کر دیا کہ جہرِ مفرط کو کیوں مفسد فرماتے ہیں وہ تو مفسد نہیں۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے نہایت زور دار الفاظ میں حموی علیہ الرحمۃ کا رد کیا کہ محقق علیہ الرحمۃ کی قطعاً یہ مراد نہیں کہ نفسِ جہرِ مفرط مفسد ہے

Marfat.com

رد المحتار، منحۃ الخالق، رسائل میں فرمایا (والنظم منہ) اقول فیہ نظر لان الکمال لم یجعل الفساد مبنیا علی مجرد الرفع الخ نیز رسائل میں فرمایا فقول المحقق و الصیاح ملحق بالکلام ای الصیاح المشتمل علی ما ذکر بدلیل سوابق الکلام و لواحقہ و بدلیل قولہ وھنا معلوم ان قصدہ اعجاب الناس بہ الی اخرہ۔ اذلا اعجاب فی مجرد الصیاح الخالی عما ذکر فتعین ان المراد بالصیاح ما ذکر کما لا یخفی نیز رد المحتار میں فرمایا لاشک انہ اذا لم یقصد الذکر بالغ فی الصیاح لاجل تحریر النغم و الاعجاب بذلک یکون قد افاد بہ معنی لیس من اعمال الصلوٰۃ۔

تو روز روشن کیطرح واضح ہوا کہ مجرد جہر مفرط مفسد نہیں اور نہ ہی فتح القدیر میں اس کو مفسد بنایا گیا بلکہ بنائے فساد وہی دو وجہیں ہیں جو درمیانی یا آہستہ آواز میں بھی پائی جائیں تو فاسد کر دیتی ہیں اور وہ دونوں وجہیں لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز میں جبکہ امام صحیح پڑھ رہا ہو اور نیت بھی صحیح ہو، ہرگز ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ اور اگر امام کا پڑھنا ان مفسدہ وجہوں پر مشتمل ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اگرچہ لاؤڈ سپیکر نہ ہو، لاؤڈ سپیکر تو مکبر الصوت ہے یعنی آواز کو بلند کرنے والا ہے۔ صحیح ہو تو صحیح کو بلند کر دیتا ہے اور غلط ہو تو غلط کو بلند کر دیتا ہے اور یہ نہیں کہ غلط کو صحیح یا صحیح کو غلط بنا دے ورنہ وعظ و اذان و تلاوت میں بھی جائز الاستعمال نہ ہوتا۔ کیا وعظ و اذان و تلاوت میں لوگوں کے خوش کرنے کی نیت اور عبادت سے اعراض کرتے ہوئے راگ اور گانے کے رنگ میں چلا چلا کر آیات و احادیث میں حروف اور مدیں بڑھا بڑھا کر معانی بگاڑ دینے جائز ہیں؟ ایسا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں اور نہ ہی سننا جائز ہے۔ خلاصۃ الفتاوے ص۴۹ جلد۱، تبیین الحقائق ص۱۰۹ جلد۱، مجمع الانہر ص۱۰۶ جلد۱، طحطاوی علی المراقی ص۱۱۱، در المختار شامی ص۳۵۹ جلد۱، بحر الرائق ص۲۵۶ جلد۱، فتح القدیر ص۲۱۷ جلد۱ میں ہے والنظم منہ فظھر من ھذا ان التلحین ھو اخراج الحرف عما یجوز لہ فی الاداء وھو صریح فی کلام الامام احمد فانہ سئل عنہ فی القراءۃ فمنعہ فقیل لہ لم قال ما اسمک قال محمد

Marfat.com

فان ایعجبک ان یقال لک یا موحا مد قالوا اذا کان لم یحل فی الاذان ففی القراءۃ اولی وحینئذٍ لا یحل سماعہا ایضاً۔

اس کا خلاصہ یہ کہ حرف کو اس کی جائز صفتِ ادا سے نکال دینے کا نام تلحین ہے" جو اذان میں حلال نہیں" حضرتِ امام احمد بن حنبل کی کلام سے بمعنیٰ صراحۃً مستفاد ہے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ تلاوت میں تلحین کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے اسے منع فرمایا، تو عرض کی گئی کہ کیوں؟ فرمایا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا محمد! تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہیں یا موحامد کہا جائے (تلحین ہے) فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ تلحین جب اذان میں حلال نہیں تو تلاوتِ قرآنِ کریم میں بطریقِ اولیٰ حرام ہوئی اور جب حرام ہے تو اس کا سننا بھی حرام ہوگا۔ تو آفتابِ جہاں تاب کی طرح تاباں ہوا کہ جب امام صحیح پڑھ رہا ہو (اگرچہ بلند آواز سے) تو نماز بلا کراہت جائز ہے۔ اور لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے یہ جائز ناجائز نہیں بنتا۔ چہ جائیکہ امام پڑھ ہی درمیانی آواز سے رہا ہو، تو ثابت ہوا کہ مانعین حضرات کا یہ استدلال بھی محض باد ہوا اور ہباءً منثوراً ہی ہے۔ پھر تعجب در تعجب یہ کہ اگر یہ استدلال صحیح ہوتا تو اس کی زد براہِ راست مکبر کے کھڑے کرنے پر پڑتی کہ وہی مکبرین ہی تو موضوعِ مسئلہ فتح القدیر ہیں۔ اور ان کی غلط کاریاں اور بے اعتدالیاں صرف چند مرتبہ ہی نہیں بلکہ وہ تو ان کا دستور و رواج ساتویں صدی ہجری (جو حضرتِ محقق مصنفِ فتح القدیر کا زمانہ ہے) میں ہی بن چکا تھا جو تیرھویں صدی (زمانۂ شامی) بلکہ چودھویں صدی (زمانۂ مجدد مائۂ حاضرہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تک مکبرین کا غلط دستور چلا آیا ہے حالانکہ مانعین حضرات کے نزدیک مطلقاً مکبر کھڑے کرنے ممنوع نہیں بلکہ جب ریا، تلحین وغیرہ مفاسد سے بچیں تو ان کے نزدیک بھی جائز ہیں، تو انصاف یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکر کی صورت میں بھی وہ مفاسد نہ پائے جائیں تو جواز برقرار رہے کما لا یخفی علیٰ اولی النہیٰ۔

رہا ایسے مفاسد بھرے دستور و رواج بن جانے کا ثبوت تو صاحبِ فتح القدیر سے ابھی ابھی گزر چکا کہ ان کے زمانے میں شہروں میں مکبرین ایسا دستور بنا چکے تھے۔ اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے رسائل کے ص۱۴۲ جلد ا سے ص۱۴۹ جلد ا تک ان کے کئی مفاسد نام بنام ذکر کرنے کے بعد ان مکبرین کی بکثرت قباحتوں کا اجمالی بیان کیا جو عین نماز میں کیا کرتے ہیں اور رواج بنا چکے ہیں، اول کلام میں فرماتے ہیں

Marfat.com

فلابد مع من اجتناب ما احدث جهلة المبلغين الذين استولت علیهم الشیاطین من منکرات ابتدعوها ومحدثات اخترعوها لکثرة جهلهم و قلة عقلهم و عدم اعتنائهم باحکام ربهم و بعدهم عما هو سبب قربهم وانهماکهم فی تحصیل حطام الدنیا و ترك التعلم الموصل الی الدرجات العلی۔ اور آخر میں فرماتے ہیں وهذا الذی ذکرناه من المنکرات التی یفعله المبلغون نبذة من قبائحهم التی تعارفوها فی نفس الصلوٰة۔

ان سب کا حاصل یہ کہ ایسے بے علم مکبرین جن پر شیطان غالب ہو چکے ہیں، اور بڑے جہالت اور تھوڑے عقل والے ہیں، جو اپنے رب کے حکموں کی پرواہ نہیں کرتے، ان کی بدعتوں سے بچنا ضروری ہے، اور یہ چند بری باتیں جو ان کی ذکر کی گئی ہیں، تھوڑا سا حصہ ہیں ان کی ان قباحتوں سے جنکو نفسِ نماز میں وہ دستور اور رواج بنا چکے ہیں۔ اور فتاویٰ رضویہ شریف ص۴۹۲ جلد ۲، احکامِ شریعت ص۱۳۳ جلد ۲ میں امام اہل سنت و الجماعت مجددِ مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں" مؤذن نماز میں امام کی تکبیر پہنچانے کو جس وضع سے تکبیر کہتے ہیں اسے کون عالم جائز کہہ سکتا ہے؟ مگر سلطنت کے وظیفہ داروں پر علماء کا کیا اختیار؟ علماء کرام نے تو اس پر یہ حکم فرمایا کہ تکبیر درکنار، اس طرح تو ان کی نمازوں کی بھی خیر نہیں۔ دیکھو فتح القدیر ص۲۶۲ جلد ۱، ص۲۹۳، درالمختار و ردالمختار ص۶۱۵، خود مفتیٔ مدینہ منورہ علامہ سید احمد اسعد حسینی مدنی تلمیذِ علامہ صاحب مجمع الانہر رحمہما اللہ تعالیٰ نے تکبیر میں اپنے یہاں کے مکبروں کی سخت بے اعتدالیاں تحریر فرمائی ہیں دیکھو فتاویٰ اسعدیہ ص۵ جلد ۱۔ آخر میں فرمایا اما حرکات المکبرین وصنعهم فانا ابرأ الی الله تعالی منه الخ

بفضلہ و کرمہ تعالیٰ ثابت ہوا کہ مانعین حضرات کی وہ تمام دلیلیں جو سائل نے نقل کی ہیں، تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور و ناتواں ہیں حالانکہ دلائل وصلِ اول سے آفتاب جواز کی ضیاء پاشیاں تمام اوہامِ خام اور خیالاتِ ناتمام کی تمام اندھیریوں کو نیست و نابود بنا رہی ہیں، تو امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ صورتِ مذکورہ میں نمازیں جائز ہیں اور استعمالِ اسپیکر حرام نہیں تو توبہ کرنی بھی فرض نہیں بلکہ ہو سکتی ہی نہیں کہ

Marfat.com

توبہ ناجائز سے ہوا کرتی ہے نہ کہ جائز سے۔ مانعین حضرات کی یہ جراتیں سخت بیجا ہیں، ایسے دلائل سے حرام کہنا قطعاً جائز نہیں۔ دیکھو مقدمات نمبرا، ۲، ۳، ۴۔

اصولِ فقہ حنفی سے روزِ روشن کی طرح نمایاں کہ فرض و حرام ایسی آیت یا حدیثِ متواتر سے ثابت ہوتے ہیں جو اپنے معنی پر یقینی طور دلالت کریں، طلبِ جازم کے ساتھ تبرکاً، فتاویٰ رضویہ صا جلد ا کے کلمات مبارکہ ہدیۂ ناظرین ہیں لایثبت الافتراض منہا الا واحد وھو یقینی الثبوت والاثبات مع الطلب الجازم (الی ان قال) وقس علی ھذا فی جانب الکف الحرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہٖ واصحابہ وبارک وسلم۔

سوالِ دُوُم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ اگر بوقتِ امامت امام کے نزدیک لاؤڈ سپیکر اس لئے نصب کر دیا جائے کہ دور والے مقتدی جو بلاواسطہ امام کی آواز نہیں سن سکتے اس آلہ کے ذریعہ سن کر انتقالاتِ امام کے وقت امام کی پیروی کر سکیں تو یہ جائز و درست ہے یا ناجائز و نادرست؟ بعض علما حرام و ناروا کا فتوے دیتے ہوئے اعادہ نماز ضروری قرار دیتے ہیں اور بعض اعادۂ نماز ضروری نہیں جانتے مگر استعمالِ مذکور ناروا بتاتے ہیں کہ اس میں کئی مفاسد ہیں:۔

ا۔ نماز عبادتِ مقصودہ ہے۔ اس کا طریقۂ مسنونہ مبلغ کے قائم کرنے پر قائم رہنا ہی بہتر ہے ایسے آلات کے استعمال سے علیحدہ رکھی جاتے جیسے حج عبادتِ مقصودہ ہے تو طواف پیادہ کرنے کی بجائے ہوائی جہاز پر نہیں کر سکتے۔ ہاں حج کے متعلقہ افعال کچھ ایسے بھی ہیں جو عبادتِ مقصودہ نہیں بلکہ محض ذریعۂ عبادت ہونے کی وجہ سے عبادت سمجھے جاتے ہیں مثلاً حج کے لئے روپیہ جمع کرنا، حج بکنگ آفس میں جانا، وہاں کی ہدایات و شرائط کو پورا کرنا، پھر ہوائی یا بحری جہاز پر سوار ہونا، جدہ پہنچنا، پھر وہاں سے بذریعہ لاری یا کار مکہ مکرمہ میں داخل ہونا، پھر کار پر سوار ہو کر عرفات کو جانا، آنا وغیرہ، یہ سب کام عبادات ہیں مگر عباداتِ مقصودہ نہیں۔ ان کے متعلق شریعت میں بڑی وسعت ہے۔ ان کا کوئی خاص طریقہ یا خاص وضع مقرر نہیں۔ یہ نہ کہا جاتے گا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ سوار ہو کر حج فرمایا۔ اور جو

Marfat.com

صحابہ کرام ساتھ تھے اونٹ، گھوڑے وغیرہ جانوروں پر سوار تھے یا پیادہ تھے بلکہ قرآن کریم نے بھی بالتخصیص پیادہ یا شتر سوار ہونے کی تصریح کی ہے تو ہوائی جہاز یا بحری جہاز وغیرہ کی سواری ناجائز و گناہ ہے، بلکہ یہی کہا جائے گا کہ یہ سب ذریعے ہیں، ان میں کمی بیشی یا تغیر و تبدل ناجائز و گناہ و حرام نہیں اور نہ ہی بدعت کہا جائیگا جبکہ کسی خاص شرعی حکم سے حرام نہ ہو اور یونہی نماز کے ایسے افعالِ متعلقہ جو عبادتِ مقصودہ نہیں بلکہ تکمیلِ نماز کا ذریعہ ہونے کے سبب عبادت ہیں ان میں بھی تغیر و تبدل ناجائز و گناہ نہیں جبکہ اصل مقصود جو نماز ہے پوری ہو جاتے، ذریعہ بدلنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً نماز میں سترِ عورت ضروری ہے تو کپڑے کی بجائے چام لپیٹ لے تو جائز ہے الی غیر ذلک من النظائر۔

۲۔ بسا اوقات یہ آلہ فیل ہو جاتا ہے تو احتمالِ قوی ہوتا ہے کہ بہت سے نمازیوں کی نمازیں برباد ہو جائیں۔

۳۔ نماز میں خشوع نہایت ضروری ہے بلکہ روحِ نماز ہے مگر جب امام کو یہ خیال رہے کہ آواز میکروفون پر پہنچ رہی ہے یا نہیں تو خشوع نہ ہوگا۔

۴۔ ایک بڑی بات قابلِ غور ہے کہ عام اسلامی عبادات میں مساوات کی رعایت رکھی گئی ہے کہ امیر و غریب یکسانیت سے ادا کرسکیں مگر لاؤڈ سپیکر کا رواج ہو اور اس کو مستحسن سمجھا جائے تو غریب بیچارے نماز میں بھی امیر سے پیچھے رہ جائیں گے اور عینِ نماز میں جہاں شاہ و گدا ایک صف میں کھڑے کرنے تھے۔ امیر و غریب کی تفریق نظر آنے لگے گی، کوئی مسجد امیر کہلائی گئی، کوئی غریب۔

۵۔ ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ جب مسجدیں نزدیک نزدیک ہوں تو آوازیں ٹکرائیں گی اور بسا اوقات تکبیرات میں التباس پیش آئے گا۔

۶۔ فقہا کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب ائمہ مجتہدین یا علما میں اختلاف ہو تو مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ خروج عن الخلاف کی کوشش کی جائے۔ اور بہت سے علما کی تحقیق اور فتویٰ یہ ہے کہ یہ آواز اصلی آوازِ امام نہیں اس کی اتباع مفسدِ نماز ہے تو بچنا ضروری ہے اور ان مفاسد کی وجہ سے اس آلہ کا استعمال مذکور نادرست ہے حالانکہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ امام ہی کی اصل آواز ہے۔ بینوا ماجورین من رب العلمین۔

السائل : ابوالفیض علی محمد نوری خطیب جامع مسجد مائی والی منٹگمری

سہ یاتوک رجالا وعلی کل ضامر (سورۃ الحج)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک وشبہ وریب جائز و درست ہے کہ سپیکر استماع واتباع تکبیرات امام کا ذریعہ ہے جو مطلوبِ شرعی وبشارتِ ربانیہ کا موجب اور ہدایت وعقلمندی کی دلیل ہے، مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے، فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولٰئک الذین ھداھم اللہ واولٰئک ھم اولوا الالباب۔ یہ "یستمعون" اپنے اطلاق کے لحاظ سے یقیناً استماع بالذریعہ کو بھی شامل ہے حالانکہ شرعاً اطلاق اتنا قوی ہے کہ خصوصِ سبب یا خبرِ واحد وقیاس سے بھی مرتفع نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ان سے اس کی تخصیص جائز فاتضح الحق وثبت الجواز۔ بلکہ بالخصوص قرآنِ کریم سے کسی ذریعۂ غیر مختار سے بھی سننے سنانے کے اعتبار اور مقبولیت کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا فلما اتٰھا نودی من شاطئ الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ان یٰموسٰی انی انا اللہ رب العٰلمین۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے شجرہ کے ذریعہ رب العالمین کا کلام سنا جو خود اسی کا اپنا کلام ہے اور یہ نہیں کہ بدل کر کوئی نیا کلام بن گیا ہو تعجب ہے کہ اب یہ حضرات سنانے کے ذریعہ کو بدلانے کا ذریعہ بنا رہے ہیں حالانکہ ہمارے رب العالمین جل وعلا نے ہمارے آرام وانتفاع کے لیے ہزارہا چیزیں پیدا فرمائیں اور آیندہ بے شمار اشیاء پیدا فرمانے کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا ویخلق ما لا تعلمون۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ لاؤڈ سپیکر بھی یقیناً انہی اشیائے موعودہ کا ایک فردِ خاص ہے جو ہمارے آرام وانتفاع کے لئے پیدا فرمایا، تو لا محالہ انتفاع بھی جائز و حلال ہوگا جب تک کہ کسی خاص صورت میں باقاعدہ دلیلِ شرعی حرام نہ کر دے۔ اور چونکہ صورتِ مذکورہ میں دلائلِ شرعیۂ اربعہ میں سے کوئی دلیل بھی حرام نہیں کرتی تو حسب القاعدہ جواز ثابت ہو گیا وما تشبثوا بہ لا ینعقد دلیلاً کما ذکرنا فی ما مضٰی بتفصیل ما یری عجبًا۔

اور یہ چھ مذکورہ مفاسد جو سائل نے ذکر کئے، ایسے نہیں جو نماز میں استعمالِ آلہ کو مطلقاً ناجائز بنا سکیں اس کی مختصر تفصیل سنئے:۔

سائل نے پہلا مفسدہ یہ بتایا کہ نماز عبادتِ مقصودہ ہے الخ اس نام نہاد مفسدہ کی بنا صرف اس بات پر ہے

Marfat.com

کہ مبلغ (جسے مکبر بھی کہا جاتا ہے جو امام کی تکبیرات سناتا ہے) کا قائم کرنا عبادتِ مقصودہ ہے[1] یعنی اس کی مشروعیت محض رضائے الٰہی کے لئے ہوئی ہے۔ اس پر جو اثر و ثمرہ دنیا میں ظاہر ہوتا ہے وہ مقصودِ اصلی نہیں بلکہ یہ خود ہی مقصود ہے۔ مگر یہ بات محض بے بنیاد اور واقع کے خلاف ہے۔ اس کا نام (مبلغ یا مکبر) ہی واضح کرتا ہے کہ دوسروں کو انتقالاتِ امام کی اطلاع دینا مقصود ہے۔ اس کے مشروع ہونے کی اصل دلیل (احادیث صحیحین) میں ہی اس کی تصریح ہے۔ رسائلِ شامی صـ۱۳۸ جلد ۱ میں ہے اعلم ان اصل مشروعیۃ التبلیغ خلف الامام مارواہ الامام مسلم فی صحیحہ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشتکیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلینا وراءہٗ وھو قاعد وابوبکر یسمع الناس تکبیرہ وما فیہ عنہ ایضاً صلّی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلفہ فاذا کبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبر ابوبکر یسمعنا وما فیہ ایضا عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (الیٰ ان ذکر) وابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یسمعھم التکبیر۔

ان سب کا صریح حاصل یہ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص مرض کے دوران میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لئے بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ نمازی سن لیں۔ اسی صفحہ میں بشرح مسلم سے امام نووی کا استفادہ ذکر فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نمازیوں کو سنانے کی غرض سے بلند آواز سے تکبیر کہنا جائز ہے اور یہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔ نصہ فیہ جواز رفع الصوت بالتکبیر یسمعہ الناس و یتبعوہ وانہ یجوز للمقتدی اتباع صوت المکبر وھذا مذھبنا ومذھب الجمھور۔ پھر صـ۱۴۲ میں فرمایا ان المنادی فی الاعیاد والجمع یجھر بالتکبیر لاعلام القوم ولاتفسد صلوٰتہ بذلک جرت العادۃ۔ یعنی منادی (مبلغ یا مکبر) عید اور

---

[1] عبادتِ مقصودہ کی یہ تعریف سائل کے بعض علماء کی ہی ہے ۱۲ ابوالخیر غفرلہٗ

Marfat.com

جمعہ کی نمازوں میں بلند آواز سے تکبیر کہتا ہے اعلامِ قوم کے لئے اور اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی، اس کے ساتھ مسلمانوں کی عادت جاری ہو چکی ہے (یعنی اجماعِ عملی ہے) کہ مکبر کا بلند آواز سے تکبیر کہنا نمازیوں کے سنانے کے لئے ہے۔ اور یہ بھی پُر ظاہر کہ اگر مبلغ کا قائم کرنا عبادتِ مقصودہ ہوتا تو نماز کے دوسرے افعالِ مقصودہ کی طرح ہر نماز میں قائم کیا جاتا، تو ثابت ہوا کہ عبادتِ مقصودہ نہیں بلکہ امام سے دور مقتدیوں کے اتمامِ نماز کا (بحکم تعاونوا على البر والتقوى احادیثِ مذکورہ کی روشنی میں) ذریعہ و وسیلہ جائزہ ہے۔

تعجب ہے کہ مفتیانِ سائل نے نماز کے عبادتِ مقصودہ ہونے سے اس کا عبادتِ مقصودہ ہونا ثابت کیا ہے، حالانکہ خود فرماتے ہیں کہ حج نماز کی طرح عبادتِ مقصودہ ہے۔ اور پھر خود ہی تصریح کرتے ہیں کہ حج کے تمام افعال عبادتِ مقصودہ نہیں بلکہ بعض افعالِ حج محض ذریعہ عبادت ہونے کی وجہ سے عبادت سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی خود ہی مانتے ہیں کہ نماز کے افعالِ متعلقہ حج کے افعالِ متعلقہ کیطرح سبھی عبادت مقصودہ نہیں بلکہ محض تکمیلِ نماز کا ذریعہ ہونے کے سبب ہیں، تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ نماز کا عبادت مقصودہ ہونا اقامتِ مبلغ کے عبادتِ مقصودہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ اور واقعات بتاتے ہیں کہ ذریعہ تکمیلِ نماز غیر ہے تو انہی کی تصریح کے مطابق اس میں بھی تغیر و تبدل جائز ہوگا جب کہ اصل مقصود (دور کے مقتدیوں کا مطلع ہوکر امام کی پیروی کرنا) کسی ذریعہ سے پورا ہو جائے تو ذریعہ بدلنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اور چونکہ لاؤڈ سپیکر بھی ایک ذریعہٴ اطلاع ہے تو اس کے استعمال میں بھی کوئی حرج اور گناہ نہیں ہوگا اور بدعت نہیں بنے گا جیسے اذان، کہ وہ بھی ذریعہٴ اطلاع واعلام ہے۔ اور سب مانتے ہیں کہ سپیکر پر جائز ہے اور بدعت نہیں حالانکہ پہلے بلا سپیکر ہی ہوا کرتی تھی۔ اور یونہی وعظ اور تلاوتِ قرآن پاک بھی سب جائز مانتے ہیں۔ اور یونہی نماز میں سترِ عورت کہ پہلے زمانہ میں نہایت سادگی سے دستی بُنے ہوئے کپڑوں سے کیا جاتا تھا، مگر چونکہ عبادت مقصودہ نہیں بلکہ ایسی عبادت ہے جو ذریعہ تکمیلِ عبادتِ مقصودہ (نماز) ہے، تو اس میں تغیر و تبدل بالاتفاق جائز ہے۔ برقی مشینوں سے بُنے ہوئے ہر قسم کے وہ نئے کپڑے جو سترِ عورت کر سکیں جائز الاستعمال ہیں جب کہ شعارِ کفار نہ ہوں جیسے حج میں اونٹ، گھوڑے کی بجائے انجنوں سے چلنے والے بحری اور ہوائی جہاز یا تیز رفتار لاری و کار وغیرہ سے سفر کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاد میں تیر و تلوار کے بدلے توپ اور ٹینک، ہر قسم کے بم، تار پیڈو وغیرہ، ہر قسم کے نو ایجاد اوزار بلا جھجک استعمال کئے جا سکتے ہیں اور یہ نہیں کہا جاتا کہ چونکہ پہلے زمانہ میں نہیں تھے لہذا بدعت و ناجائز ہیں۔ اور اس کی نظیریں اس کثرت سے ہیں کہ حدود کے

Marfat.com

دائرے ان کے احصاء سے قاصر ہیں۔ نور وز روشن کیطرح واضح ہوا کہ یہ مفسدہ حقیقۃً مفسدہ نہیں تھا بلکہ ایک شبہ تھا جو زائل ہو گیا۔

پھر ان مفتیوں کا اقامتِ مبلغ کو طریقۂ مسنونہ کہنا ان کی سہل انگاری کا نتیجہ ہے ورنہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا خلفائے راشدین سے کسی کتاب متداول حدیث و فقہ میں یہ منقول نہیں کہ اقامتِ مبلغ (مبلغ کا قائم کرنا) کیا ہو تو طریقۂ مسنونہ کیسے بنا؟ ہاں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دوران مرض پاک میں خود بخود مبلغ (تکبیرات سنانیوالا) بننا دو مرتبہ ثابت ہے مگر اقامتِ مبلغ اور ہے اور مبلغ بننا اور، پھر اس مبلغ بننے سے بھی مطلقاً مبلغ بن جانے کا مسنون ہونا ہر گز ہر گز ثابت نہیں بلکہ حدیثِ تقریری سے تبلیغ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جواز ثابت ہے۔ پھر اس کے جواز سے حسبِ قواعدِ اصولیہ دوسرے مسلمانوں کی تبلیغ کا جواز بطریق قیاس ثابت ہے (والتفصیل فی الضمیمۃ) اور جواز ہی کے ہمارے حضرات قائل ہیں۔ فتح القدیر صـ۳۲۲ جلد ۱، بحر الرائق صـ۳۶۴ جلد ۱، رسائل شامی صـ۱۳۹ جلد ۱ وغیرہا میں ہے و النظم من الفتح عن الدرایۃ وبہ یعرف جواز رفع المؤذنین اصواتہم فی الجمعۃ و العیدین وغیرہما۔ نیز رسائل صـ۱۳۸ میں شرح نووی سے ہے فیہ جواز رفع الصوت بالتکبیر (الی ان قال) ھذا مذھبنا ومذھب الجمھور۔ یعنی اس (تبلیغ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے مبلّغین کے رفع صوت بالتکبیر کا جواز ثابت ہو گیا، اور یہ جمہور کا مذہب ہے، اور ہر وہ کام جو جائز ہو نیتِ حسنہ سے مستحب و مستحسن بن جاتا ہے لہذا ہمارے بعض فقہائے کرام نے اسے مستحب فرمایا۔ رسائل شامی صـ۱۴۳ جلد ۱ میں ابن امیر الحاج رحمۃ اللہ علیہ سے ہے ولقائل ان یقول و یستحب الجھر ایضًا بالتکبیر والتحمید لواحد من المقتدین اذا کانت الجماعۃ لا یصل جھر الامام الیھم اما لضعفہ او لکثرتھم الخ یعنی کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ تکبیر و تحمید کا بلند آواز سے ادا کرنا کسی ایک مقتدی کے لئے بھی امام کی طرح مستحب ہے جب کہ نمازیوں کو امام کی بلند آواز نہ پہنچ رہی ہو امام کے کمزور یا مقتدیوں کے زیادہ ہونے کے سبب۔ شامی صـ۴۴۳ جلد ۱، طحطاوی علی المراقی صـ۱۵۶ میں ہے والنظم لہ واما عند الاحتیاج الیہ بان کانت الجماعۃ لایصل الیھم صوت الامام اما لضعفہ او لکثرتھم فمستحب۔

تو واضح ہوا کہ مبلغ بن جانا جائز اور حسنِ نیت کے سبب مستحب بن جاتا ہے، تو مبلغ کا قائم کرنا زیادہ سے زیادہ مستحب ہوگا مسنون قطعاً نہیں، جو دعویٰ کرے دکھائے۔ پھر تعجب کہ مفتیانِ سائل جب تسلیم کرتے ہیں کہ یہ آواز (سپیکر سے سنی گئی) امام ہی کی اصل آواز ہے تو ناروا کیوں بتاتے ہیں؟ جہرِ امام تو حسبِ تصریحاتِ حدیثیہ و فقہیہ مسنون ہے اور یہ بھی مصرح اور فی نفسہ اوضح ہے کہ جب امام کی آواز پہنچ رہی ہو تو مبلغ بننا بیجا ہے تو بنانا بھی بیجا ہوگا! شامی ص۳۴۴ جلد ا، اور طحطاوی علے المراقی ص۱۵۱ میں ہے و فی السیرة الحلبیة اتفق الائمة الاربعة علی ان التبلیغ فی ھذہ الحالة بدعة منکرة ای مکروھة۔ یعنی سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ چاروں امام متفق ہیں اس پر کہ ایسی حالت میں (جب امام کی آواز نمازیوں کو پہنچ رہی ہو) مبلغ بننا (بلند آواز سے تکبیرات کہنا) بدعتِ منکرہ یعنی ناپسندیدہ ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دوسرا مفسدہ یہ بتایا کہ بسا اوقات یہ آلہ فیل ہو جاتا ہے اس وجہ سے اگر یہ آلہ مطلقاً محلِ اعتراض اور قابلِ احتراز ہے تو بسا اوقات مبلغین بھی مفسدِ نماز حرکات کا ارتکاب کر جاتے ہیں، بلکہ ساتویں صدی سے چودھویں صدی تک ایسی حرکاتِ بد ان کا دستور و رواج بن چکی ہیں، تو مفتیانِ سائل کے نزدیک مبلغین بھی مطلقاً محل اعتراض و احتراز بن جائیں گے حالانکہ بوقتِ ضرورت بشرطِ احتیاط ان سے احتراز نہیں۔ تو جب اس آلہ کے متعلق بھی قبل از نماز پوری پوری احتیاط برتی جائے تو کیوں پرہیز کی جائے۔

تیسرا مفسدہ یہ بتایا کہ نماز میں خشوع نہایت ضروری ہے الخ امام کا یہ خیال اپنے مقتدیوں کی اصلاحِ نماز کے لئے ہو تو خشوع کیوں فوت ہوگا؟ کیا حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عینِ نماز میں صحابہ کرام کی نگرانی نہیں فرمایا کرتے تھے؟ قرآنِ کریم فرماتا ہے و تقلبک فی الساجدین۔ و الاحادیث فی ذلک کثیرة حالانکہ حکم دیا صلوا کما رأیتمونی أصلی (تم یوں نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھ رہے ہو) تو نماز کے اندر اپنے مقتدیوں کا خیال رکھنا مسنون ومطلوب بن گیا تو مخالفِ خشوع کیوں ہوگا؟ پھر محتاط امام یہ انتظام کیوں نہ کرے گا کہ آلہ عمدہ اور تیز ہو جو آواز پکڑتا جائے یا میکروفون دو ہوں۔ اور اس کی ضرورت بھی بڑے بڑے اجتماعات میں ہی ہو سکتی ہے ورنہ تجربہ گواہ اور مشاہدہ شاہد کہ کچھ نہ کچھ آواز ضرور پکڑ لیتا ہے۔ اور افتتاحِ نماز کے وقت بسا اوقات تازہ بتازہ نمازیوں کی حاضری اور حاضرین کے یکایک کھڑے ہونے کے سبب چونکہ پورا سکون نہیں ہوتا لہٰذا زیادہ بلند آواز کی ضرورت ہوتی ہے

Marfat.com

جو بوجہ مواجہتِ میکروفون پوری ہو جاتی ہے اور رکوع وسجود میں جانے اور سر اٹھانے کے حالات نسبۃً سکونیہ ہوتے ہیں، تو بوجود دوریٔ میکروفون بھی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، تو کسی خاص خیال کی ضرورت بھی نہیں؛

چوتھا مفسدہ یہ ہے کہ عام اسلامی عبادات میں مساوات کی رعایت رکھی گئی ہے الخ یہ نام نہاد قابلِ غور بڑی بات محض فضول اور سطحی بات ہے۔ یہ مساواتِ اصولیہ ایک ایک عبادت کے ایک ایک پہلو میں مختلف حیثیات کے مسلمانوں کے لئے یکسانیت ومساوات کا تقاضا ہی نہیں کرتی بلکہ ایسی مساوات تو ہے ہی محالات سے، کیا روزہ میں مقیم ومسافر، تندرست وبیمار، توانا وُ ناتوانا، طاہرہ وُ حائضُ نُفسار سب مساوی ہیں؟ کون کہتا ہے کہ مال دار کی طرح نادار پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؟ اور یہ بھی تہاں نہیں کہ تمام مال داروں پر ایک ہی معین مقدار لازم نہیں، لاکھ پتی اور کروڑ پتی کی زکوٰۃ برابر نہیں، کیا حج سب پر فرض ہے؟ یا لباسِ احرام ایک ہی کپڑے سے ایک ہی رنگ اور ایک ہی ماپ کی دو دو چادریں ضروری ہیں! کیا تمام حاجی پا پیادہ جاتے ہیں یا سواری پر؟ پھر سواری سب کی ایک ہی قسم کی ہوتی ہے؟ یا مختلف، کیا مکی اور غیر مکی قران میں مساوی ہیں؟ پھر مختلف مواقیت میں یہ مساوات کہاں؟ کیا تندرست ومریض کی نمازمیں مساوات موجود ہے؟ مقیم ومسافر کی نمازوں میں تو فرق ہے ہی نہیں؟ کیا طاہرہ کی طرح حائض ونفسا بھی نماز ادا کر سکتی ہیں؟ مدرک ومسبوق ولاحق کا ادا کرنا مساوی نہیں، کیا سب نمازوں میں بالخصوص جمعہ اور عیدین میں جائز لباسوں کا بہتر پہننا خذوا زینتکم عند کل مسجد اور احادیثِ شریفہ وتوارث وتعارفِ عامۃ المسلمین سے ثابت نہیں؟ اور جب حقیقۃً ثابت ہے تو اس میں مساوات کیسے ہو سکے؟ زینتِ مضافہ الی بنی آدم، بوجہ اختلافاتِ حیثیاتِ مضاف الیہم ضرور مختلف ہے۔ اور حدیث وفقہ کے "احسن ثیابہ" میں بھی یہی اختلاف موجود، تو واضح ہوا کہ مساوات نہیں۔ پھر اجماعِ عملی امت اس عدمِ مساواتِ لباس کے مظاہرے ہر عید اور جمعہ بلکہ جمیع جماعات میں کیا کرتا ہے۔ ہاں برقی روشنی اور پنکھوں میں بھی یہ مساوات ضروری ہوتی۔ اور جب سب مسجدوں میں ایسے انتظامات نہیں ہو سکتے تو کسی میں بھی جائز نہ ہونے بلکہ عماراتِ مساجد میں بھی تفرقہ ممنوع ہوتا اور فرش وغیرہ میں بھی برابری ہوتی کہ کوئی مسجد امیر اور کوئی غریب نہ کہلاتی سب کا یوں برابر ہونا واقعات کے سراسر خلاف ہے۔ جب اچھے لباس میں برقی روشنی اور پنکھوں کے نیچے

Marfat.com

مباحوں کی طرح مستحسن وطاعت بن جاتا ہے۔ پھر اس میں کئی مفاد بھی ہیں جن سے اختصاراً سائل کے بیان کردہ چھ مفاسد کے تناسب سے، صرف چھ ہی لکھے جاتے ہیں :۔

نمبر۱۔ اس کے ذریعہ دور کے مقتدی قرارتِ امام سن لیتے ہیں اور قرارت کا سننا سببِ رحمتِ خاصہ ہے ارشاد ہوا واذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون ٥ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے " اور گو دور والوں کو آواز نہ پہنچے تو چپ رہنا ہی کافی ہے۔ مگر کفایت کا یہ معنٰی قطعاً نہیں کہ سماعتِ قرارت میں فائدہ ہی نہیں ورنہ امام کا جہر لازم ہی نہ کیا جاتا اور فاستمعوا کا امرِ وجوبی بھی نہ آتا۔

نمبر۲۔ یہ ذریعہ ہے عبادت کی زیادتی کا کہ استماعِ قرآنِ کریم بہترین عبادت ہے۔

نمبر۳۔ نماز میں خشوع نہایت ضروری بلکہ بقول بعض علماء سائل روح وروانِ نماز ہے جو دور کے مقتدی بذریعہ سپیکر حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ استماعِ قرآنِ کریم مفیدِ خشوع ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم و قلوبهم الى ذكر الله۔ (اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں)

نمبر۴۔ یہ اطمینانِ قلبی کے حصول کا ذریعہ ہے کہ اس سے استماعِ قرآنِ کریم اور وہ یادِ الٰہی کا سبب اور یادِ الٰہی سے دل اطمینان یاب ہوتے ہیں۔ حضرتِ رب العالمین کا ارشاد ہے الذين اٰمنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله ۚ الا بذكر الله تطمئن القلوب ٥ (وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں، سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے)

نمبر۵۔ جب عند التحقیق اس کا استعمال جائز ہے اور جائز کا کرنا اس کے جواز کی عملی تبلیغ ہے حالانکہ جواز حکمِ شرعی ہے تو اس کا استعمال اس حکمِ شرعی کی تبلیغ بن گیا کما فی صلٰوة سیدنا جابر رضی الله تعالٰی عنه فی ثوب واحد مع وضع الثياب على المشجب بل صرحوا بوجوب فعل المكروه تنزيهًا بيانًا للجواز على الحبيب الاكبر صلى الله تعالٰى عليه وسلم كما فى البحر الرائق وغيرها

Marfat.com

نمبر ۶۔ تکبیر تحریمہ و انتقالیہ تکبیرات کا بلند آواز سے کہنا کہ مقتدی سن لیں ایسی سنت ہے جو اصالۃً آواز امام سے ادا ہوتی ہے حالانکہ یہ آلہ بھی امام ہی کی آواز پہنچاتا ہے تو ادائے سنتِ اصلیہ کا ذریعہ بنا، اور ذریعہ سے فعل بدل نہیں جاتا۔ بیت اللہ شریف کی زیارت اور مناظرِ قدرت کا مطالعہ جو مسنون ہے، بذریعہ عینک کرے تو کیا سنت ادا نہ ہوگی؟ جن چاندوں کا دیکھنا واجب ہے اگر عینک سے دیکھے تب بھی یقیناً واجب ادا ہو جاتا ہے تو اس آلہ کے ذریعہ یہ سنت بھی ادا ہو جائے گی۔

افادۂ تاکیدیہ

امام اہلسنت والجماعت اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقامۃ القیامہ کے ص۲۵ میں فرماتے ہیں مولانا علی قاری رسالہ اقتداء بالمخالف میں فرماتے ہیں من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلۃ ھو الصحۃ واما القول بالفساد او الکراھۃ فیحتاج الی حجۃ من الکتاب او السنۃ او اجماع الامۃ (ترجمہ) یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج ہے اس کا کہ قرآن یا حدیث یا اجماعِ امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے انتہی بلفظہ الشریف۔

حضرتِ ملا علی قاری کا یہ ارشاد براہِ راست نماز کے متعلق ہے اور امامِ اہل السنت والجماعت نے ان کے اس ارشاد اور استدلال کو برقرار رکھتے ہوئے بطور استدلال بیان فرمایا تو اسی استدلال سے مسئلہ زیرِ بحث بھی صاف ہو گیا۔ مانعین حضرات کوئی آیت یا حدیث یا نقلِ اجماع یا ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی ایسا بیان پیش نہیں کر سکے جس سے عدمِ جواز ثابت ہو، تو بحکم اصالتِ صحت، صحت و جواز ثابت ہو گیا اور ہر جائز نیتِ حسنہ سے مستحسن بن جاتا ہے تو حسنِ نیت سے یہ بھی مستحسن ہوگا اور مبلغ کا مستحسن ہونا قطعاً مضر نہیں کہ لا مزاحمۃ فی الاسباب امرِ مسلم ہے۔

امامِ اہل السنت والجماعت نہج السلامۃ کے ص۱۵ میں فرماتے ہیں" مباح کو بہ نیتِ قربت کرنا اسے قربت کر دیتا ہے اور ہر قربت طاعت ہے (الیٰ ان قال) اگر ورود نہیں، کہیں منع بھی نہیں اور بے منعِ شرعی منع کرنا ظلمِ مبین، ادنیٰ درجہ منع کراہت ہے، اور کراہت کے لئے دلیلِ خاص کی حاجت ہے اور بے دلیلِ شرعی ادّعائے منع، شریعت پر افتراء و تہمت ہے۔ ردالمحتار ص۶۸۳ جلد ۱ لا یلزم من ان یکون مکروھا الا بنھی خاص لان الکراھۃ حکم شرعی فلا بد لہ من

Marfat.com

دلیل ۔ بحرالرائق صفحہ ۱۷۶ جلد ۲ میں ہے لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لابد لہا من دلیل خاص ، وہابیہ کی جہالت کہ جواز کے لئے ورودِ خاص مانگیں اور منع کے لئے دلیلِ خاص کی کوئی حاجت نہ جانیں ! اس اوندھی الٹی سمجھ کا کیا ٹھکانا مگر علت وہی شریعتِ مطہرہ پرافترا اٹھانا الخ اہل السنت والجماعت ان کلماتِ مبارکہ پر غور سے نظر کریں اور علتِ وہابیت سے بچیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم

تمّ مُکبِّرُ الصَّوتِ

ویلیہ

ضمیمۃ مُکبِّرِ الصَّوتْ

الاستفتاء

بحضور سیدی وسندی فقیہِ اعظم قبلہ شیخ الحدیث صاحب دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور دامت برکاتکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :۔

امید ہے کہ حضورِ والا مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عطا فرما کر فقیر کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے :
عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے لئے امام کے آگے لاؤڈ سپیکر نصب کر دیا جاتا ہے تاکہ امام کی آواز تمام مقتدیوں تک بآسانی پہنچتی رہے کیا یہ شرعاً جائز ہے ؟ مقتدیوں کی نمازیں جائز ہوں گی یا نہیں ؟ کیا کریمہ ولا تجہر بصلوتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سبیلا کی خلاف ورزی تو نہیں ؟ کیا یہ سنتِ مستمرہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے مخالف تو نہیں ؟ کہتے ہیں کہ حضور مبلغ کھڑے کرتے تھے ؟ بینوا اجوروا من رب العلمین ۔

المستفتی : فقیر ابوالنصر منظور احمد عفا اللہ عنہ مہتمم دار العلوم عالیہ عربیہ منٹگمری ۴ / جمادی الثانیہ ۱۳۷۸ھ

مانعین خلاف ورزی یوں سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں جہار و مخافت کی درمیانی راہ کا حکم دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ زیادہ جہر یعنی جہر شدید دوقوی نا جائز ہے ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ہاں بلاشبہ جائز ہے اور نمازیں بھی جائز ہیں کہ شرعِ اطہر نے اس سے ممانعت نہیں فرمائی اور بلاممانعت شرع کوئی شے ممنوع وناجائز نہیں ہوسکتی۔ قرآنِ کریم میں ہے ما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھداھم حتی یبین لھم ما یتقون ۰ (ترجمہ) اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کرکے گمراہ فرمائے (یعنی ان پر گمراہی کا حکم کرے اور انہیں گمراہوں میں داخل فرمائے) جب تک انہیں صاف نہ بتادے کہ کس چیز سے انہیں بچنا ہے"۔ امام اہل السنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ "نہج السلامۃ" کے ص۱۵ میں فرماتے ہیں "بے منع شرعی منع کرنا ظلم مبین، ادنیٰ درجہ منع کراہت (تنزیہی) ہے اور کراہت کے لئے دلیل خاص کی حاجت ہے اور بے دلیل شرعی ادعائے منع شریعت پر افترا و تہمت ہے الخ

اس کی قدرے تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آخر جواب میں آرہی ہے اور مکبر الصوت میں گزر بھی چکی ہے اور کریمہ ولا تجھر بصلوتک الآیۃ کی خلاف ورزی بھی یقیناً نہیں کہ اس کی تفسیر میں مفسرین کرام نے متعدد اقوال نقل فرمائے جن میں سے کسی قول کا تعلق تکبیراتِ نماز کے جہر کے ساتھ قطعاً نہیں جبکہ بلا ریا ادا کی جائیں۔ ہاں صرف دو ایسے قول ہیں جو قراءتِ نمازِ جماعت سے متعلق ہیں اور وہ دونوں قول حقیقۃً ایک ہی شانِ نزول کے ماتحت دو متبادل صورتیں ہیں جن میں سے ایک صورت یا قول کی بنا پر نماز میں مطلقاً جہرِ قراءت ہرگز ہرگز محلِ اعتراض نہیں، ہاں دوسرے قول یا صورت کا ضرور یہ تقاضا ہے کہ وہ جہر بیرونِ مسجد نہ سنا جائے مگر اس صورت میں تو وہ کریمہ ہے ہی منسوخ اور منسوخ قابلِ استدلال نہیں، تو خلاف ورزی کاہے کی؟

اس اجمال کی (بقدر ضرورت) تفصیل یہ کہ رأس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح بخاری ص۶۸۷ جلد۲، مسلم ص۱۸۳ جلد۱، تفسیر طبری ص۱۲۳ جلد۱۵، ص۱۲۴ جلد۱۵، ابن کثیر ص۶۹ جلد۳، درالمنثور ص۲۰۶ جلد۴، خازن، معالم ص۱۵۴ جلد۴ وغیرہا کتبِ کثیرہ حدیث وتفسیر میں بکلماتِ متقاربہ ہے والنظم من البخاری نزلت ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختف بمکۃ کان اذا صلی باصحابہ رفع صوتہ بالقراٰن فاذا سمع المشرکون سبّوا القراٰن ومن انزلہ ومن جاء بہ

(کریمہ ولا تجھر بصلوتک کی تشریح) (شانِ نزول)

Marfat.com

فقال اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا تجہر بصلوتک ای بقراءتک فیسمع المشرکون فیسبّوا القرآن ولا تخافت بہا عن اصحابک فلا تسمعہم وابتغ بین ذٰلک سبیلا۔ یعنی یہ آیت اس وقت اتری جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مختفی تھے۔ آپ جس وقت اپنے اصحاب کو نماز پڑھایا کرتے تو اپنی آواز مبارک قرآن کریم پڑھنے میں بلند فرمایا کرتے تھے پس جب کافر سن لیتے تو قرآنِ کریم اور اس کے اتارنے والے اور لانے والے کی شان میں گستاخانہ کلمات بکتے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ولا تجہر بصلوتک یعنی نماز کی قرات کو اونچا نہ کرو کہ کافر سن لیں گے تو بیہودہ کلمات بکیں گے ولا تخافت بہا یعنی اصحاب سے، یوں آہستہ نہ پڑھو کہ وہ سن نہ سکیں وابتغ بین ذٰلک سبیلا اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو؟

اس شانِ نزول سے واضح ہوتا ہے کہ اس "صلوتک" سے مراد پوری نماز نہیں بلکہ صرف قراءتِ نماز (جو جزوِ نماز ہے) ہی مراد ہے۔ اور ابتدائے اسلام میں سب نمازوں میں قرآن کریم زیادہ بلند آواز سے پڑھا جاتا تھا۔ اور باہر والے مشرکین سن کر شرارتیں کرتے تھے اور اس فرمان کے اترنے سے مطلوب یہ تھا کہ مشرکین نہ سنیں اور حاضرینِ نماز بھی محروم نہ رہیں۔

صورتِ اول

اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ مطلوب کے حصول کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آواز نہ زیادہ بلند ہو اور نہ ہی زیادہ آہستہ بلکہ درمیانہ درجہ کی ہو کہ حاضرین سن لیں اور باہر والے نہ سکیں۔ بہت سے مفسرینِ کرام نے اس صورت کا ذکر اسی شانِ نزول کے ساتھ فرمایا بلکہ اس شانِ نزول کی بعض روایات میں بھی اس کی تصریح آئی ہے۔ استعمالِ سپیکر کو ناجائز فرمانے والے حضرات کا استدلال صرف اسی صورت پر مبنی ہے مگر ان حضرات نے اس پر غور نہ فرمایا کہ مفسرینِ کرام نے حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی صراحۃً اس کا منسوخ ہونا بھی نقل فرمایا۔ طبری ص ۱۲۳ جلد ۱۵، درالمنثور ص ۲۰۷ جلد ۴، ابنِ کثیر ص ۶۹ جلد ۳ میں ہے والنظم من الطبری فلما ہاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عہ اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے ۱۲ منہ غفرلہ   عہ جو روایات متظافرہ کی ہم پایہ نہیں ۱۲ منہ غفرلہ   عہ گوشہ نشین ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

الی المدینۃ سقط ھذا کلہ یفعل الاٰن ای ذٰلک شاء یعنی جب مدینہ طیبہ کیطرف ہجرت فرمائی تو یہ (جہرِ شدید کا منع ہونا) منسوخ ہوا۔ اب جو چاہے (جہرِ شدید یا متوسط) کرے بلکہ صاوی علی الجلالین ص۳۱۵ جلد ۲ میں تو ہے وھذا الامر قد زال من یوم اسلام عمر و الحمزۃ فھو منسوخ فللمصلی الجھر فی الصلوٰۃ الجھریۃ ولو یزید علی سماع المأمومین یعنی یہ حکم ضرور زائل ہوگیا حضرتِ عمر اور حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسلام کے دن سے۔ پس یہ منسوخ ہے۔ تو نمازی کے لئے بلند پڑھنا جہریہ نمازوں میں جائز ہے اگرچہ مقتدیوں کے سننے سے زیادہ ہو۔

نیز سنن بیہقی ص۱۹۵ جلد ۲ میں اسی شانِ نزول مذکورہ کی روایات کے بعد حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جہرِ شدید کی حدیث بیان کرکے فرماتے ہیں قال الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ ولم یکن فی الوقت الذی جھر فیہ عمر ھذا الجھر ما کان فی وقت نزول الاٰیۃ من خوف المشرکین ان ینالوا منہ۔ یعنی حضرت عمر کے اس جہر کے وقت اس شرارتِ مشرکین کا خطرہ نہیں تھا جو اس آیت کے وقت نزول میں تھا نیز احادیثِ شریفہ صریحہ سے جہریہ نمازوں میں اتنا بلند پڑھنا کہ بیرونِ مسجد سنا جاتے، یقیناً ثابت ہے کما سیأتی بـاذنہ تعالیٰ۔

تو ان حدیثوں سے بھی واضح ہوتا ہے کہ بوجہ ارتفاعِ سبب (خوفِ شرارتِ مشرکین) وہ حکم (درمیانی آواز سے پڑھنے کا) مرتفع ہوگیا۔ پھر زمانۂ مقدسہ سے آج تک بالاجماع یقینی طور پر ظہر و عصر میں مخافت (آہستہ پڑھنا) کا رائج چلے آنا صاف صاف بتا رہا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہوگیا کیونکہ جس طرح "لاتجھر" فرما کر اس صورت میں جہرِ شدید سے منع فرمایا کہ مشرکین نہ سنیں، یونہی ساتھ ہی "لاتخافت" فرما کر مخافتِ شدیدہ سے منع فرمادیا تاکہ مقتدی سن سکیں اور "وابتغ بین ذٰلک سبیلاً" سے لازم فرمادیا کہ جہرِ شدید اور مخافتِ شدیدہ کے درمیان پڑھا جائے کہ مقتدی سنیں اور مشرکین نہ سنیں، تو ظہر و عصر میں یوں آہستہ پڑھنا کہ مقتدی نہ سن سکیں نسخ کی دلیلِ صریح ہے۔ اور جب منسوخ ہونا ثابت ہوا تو وہ استدلال بھی ہباءً منثوراً بن گیا۔

حصولِ مطلوب (مشرکین کو نہ سنانا اور حاضرینِ نماز کو نوازنا) کی دوسری صورت یہ کہ جن نمازوں

دوسری صورت (۱) [illegible]

Marfat.com

مشرکین اپنی ضروریات سے فارغ اور آمادۂ شرارت ہوں، آہستہ پڑھا جاتے کہ سن کر شرارتیں نہ کریں اور
جن میں کھانے پینے یا سونے میں مصروف ہوں حسب معمول بلند پڑھا جاتے کہ مقتدی اصحاب کلیۃً محروم نہ
رہیں۔ اس صورت کا ذکر اس سابقہ شانِ نزول کے ساتھ ہمارے مشائخ عظام نے کتبِ معتمدۂ فقہیّہ
میں صراحۃً بالوضاحت فرمایا ہے۔ مبسوطِ سرخسی ص۱۷ جلد ۱ میں ہے وقد کان النبی صلی
اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الابتداء یجہر بالقرآن فی الصلوٰۃ
کلہا وکان المشرکون یؤذونہ ویسبون من انزل ومن انزل
علیہ فانزل اللہ تعالٰی وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا
وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا فکان یخافت بعد ذلک فی صلوٰۃ الظہر
والعصر لانہم کانوا مستعدین للاذٰی فی ھٰذین
الوقتین ویجہر فی صلوٰۃ المغرب لانہم
کانوا مشغولین بالاکل والعشاء
والفجر لانہم کانوا نیامًا ولہٰذا جہر فی الجمعۃ والعیدین
لانہ اقامہما بالمدینۃ وما کان للکفار بہا قوۃ الاذٰی
کفایہ ص۲۸۲، ۲۸۳ جلد ۱، بحرالرائق ص۳۳۵ جلد ۱ طحطاوی علی المراقی ص۱۵۱ میں بکلماتِ متقاربہ ہے والنظم
من البحر والاصل فیہ کما ذکرہ المصنف فی الکافی ان النبی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجہر بالقرآن فی الصلوات
کلہا فی الابتداء وکان المشرکون یؤذونہ ویسبون
من انزل وانزل علیہ فانزل اللہ تعالٰی ولا تجہر بصلٰوتک
ولا تخافت بہا ای لا تجہر بصلٰوتک کلہا ولا تخافت بہا کلہا
وابتغ بین ذلک سبیلا بان تجہر بصلٰوۃ اللیل وتخافت
بصلٰوۃ النہار فکان یخافت بعد ذلک فی صلٰوۃ الظہر و
والعصر لانہم کانوا مستعدین للایذاء فی ھٰذین الوقتین
ویجہر فی المغرب لانہم کانوا مشغولین بالاکل وفی
العشاء والفجر لکونہم رقودًا وفی الجمعۃ والعیدین
لانہ اقامہما بالمدینۃ وما کان للکفار بہا قوۃ۔

Marfat.com

ان سب عبارتوں کا حاصل یہ کہ بیشک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ابتداءِ اسلام میں تمام نمازوں میں قرآنِ کریم بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے اور مشرکین سنکر بیہودہ حرکتیں کیا کرتے تھے تو اللہ تبارک و تعالٰے نے (ولا تجہر بصلوتك ولا تخافت بہا) نازل فرمایا کہ اپنی سب نمازوں میں بلند آواز سے قرآنِ کریم نہ پڑھو اور نہ ہی سب نمازوں میں آہستہ آواز سے پڑھو (وابتغ بین ذلك سبیلا) اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو " بایں طور کہ رات کی نمازوں میں بلند آواز سے پڑھو اور دن کی نمازوں میں آہستہ ، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم آنے کے بعد ظہر وعصر میں آہستہ پڑھا کرتے تھے اس لئے کہ ان دونوں وقتوں میں مشرکین آمادہ شرارت ہوتے تھے ۔ اور مغرب کی نماز میں بلند پڑھا کرتے تھے کہ وہ کھانے پینے میں مشغول ہوا کرتے تھے ۔ اور عشاء و فجر میں بھی بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے کہ وہ ان وقتوں میں نیند میں ہوتے تھے اور جمعہ وعیدین میں بھی بلند پڑھا کرتے تھے اس لئے کہ ان کو قائم ہی مدینہ شریف میں کیا ، حالانکہ اس میں کفار کو طاقتِ شرارت نہ تھی ۔

کفایہ وبحر الرائق میں فرمایا وهذا العذر وان زال بغلبة المسلمین فالحكم باقٍ لان بقاءه یستغنی عن بقاء السبب . یعنی وہ عذر (شرارتِ مشرکین) اگرچہ غلبۂ اسلام سے زائل ہو چکا مگر وہ حکم باقی ہے اس لئے کہ اس کی بقاء بقاءِ سبب سے بے پروا ہے " نیز بدائع صنائع ص۱۶۱ جلد ا ، فتح القدیر ص۲۸۶ جلد ا ، عنایہ ص۲۸۳ جلد ا ، درالمختار مع تقریر الشامی ص۴۹۷ جلد ا میں ہے والنظم من البدائع کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجہر فی الصلوات کلہا فی الابتداء الی ان قصد الکفار ان لا یسمعوا القرآن وکادوا یلغون فیہ فخافت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقراءة فی الظہر والعصر لانہم کادوا مستعدین للاذی فی ہذین الوقتین ولہذا کان یجہر فی الجمعة والعیدین لانہ اقامہما بالمدینة وما کان للکفار

عہ بدائع وعنایہ میں ہے وان زال ہذا العذر بقیت ہذہ السنة کالرمل فی الطواف ونحوہ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

بہا قوۃ الاذی۔

اس کا حاصل بھی وہی ہے اور مفسرین کرام نے بھی بلا ذکر شان نزول اس صورت سے اس کریمہ کی تفسیر صراحۃً ذکر فرمائی ہے۔ احکام القرآن للامام الجصاص الحنفی صنا۲۶ جلد ۳، ابوالسعود ص۴۷۲ جلد ۶، بیضاوی ص۴۷ جلد۱، تفسیر کبیر ص۲۵۵ جلد ۵، نیشاپوری ص۱۰۳ جلد ۱۵، تفسیرات احمدیہ ص۳۳۳، مدارک ص۲۵۶ جلد ۲ میں ہے و النظم للنسفی او معناہ و لاتجہر بصلوتک کلہا ولاتخافت بہا کلہا و ابتغ بین ذلک سبیلاً بان تجہر بصلوۃ اللیل و تخافت بصلوۃ النہار، بلکہ درالمنثور ص۲۰۸ جلد ۴ میں حضرت رأس المفسرین سے ہے و نصہ و اخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباس فی قولہ تعالٰی و لاتجہر بصلوتک و لاتجعلہا کلہا جہرا و لاتخافت بہا قال لاتجعلہا کلہا سرًّا۔

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں تمام نمازوں کے جہر قرارت سے منع نہیں فرمایا بلکہ صرف ظہر وعصر میں، نیز تفسیرات احمدیہ میں ہے و علی ھذا فالاٰیۃ فی تعیین الصلوۃ الجہریۃ وغیر الجہریۃ۔ یعنی اس تفسیر پر یہ آیت جہریہ اور غیر جہریہ پنجگانہ نمازوں کی تعیین کرتی ہے۔ بہرحال یہ اس کریمہ کی ایسی تفسیر ہے جسے بکثرت مفسرین کرام نے بیان فرمایا اس صورت میں "ذلک" کا اشارہ الجہر بقراءۃ کل الصلوات او المخافتۃ بقراءۃ کل الصلوات کی طرف ہے۔ تو امر "ابتغ بین ذلک" سے رات کی نمازوں میں جہر واجب ہوا اور دن کی نمازوں (ظہر وعصر) میں مخافتت کما مر مصرّحًا۔ اور جب اس کریمہ سے جہریہ نمازوں میں جہر جائز ہوا تو جہر کے تمام افراد کا جواز ثابت ہو گیا شدید ہو یا خفیف یا بین بین کہ اطلاق وعموم جہر ان سب کو شامل ہے۔

امام اہل السنت والجماعت رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں "عموم واطلاق سے استدلال زمانۂ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے آج تک علماء میں شائع وذائع، یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح واقع ہو گی، ہمیشہ محمود رہے گی تا وقتیکہ کسی صورت خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آ جائے مثلاً مطلق ذکر الٰہی کی خوبی قرآن وحدیث سے ثابت تو جب کبھی کہیں

Marfat.com

کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی، بہتری ہوگی۔ ہر ہر صورت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یادِ الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت، غرض جس مطلق کی خوبی معلوم اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا یہ محتاجِ دلیل ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے شاع و ذاع احتجاجہم سلفا وخلفا بالعمومات من غیر نکیر ۔ اسی میں ہے العمل بالمطلق یقتضی الاطلاق ۔ تحریر الاصول علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے العمل بہ ان یجری فی کل ما صدق علیہ المطلق (اقامۃ القیامۃ ص۲۶) بلکہ بالخصوص جہرِ قوی (جو بیرونِ مسجد سنا جائے) کا جواز یوں بھی ثابت ہے کہ اس کریمہ کا سبب نزول وہی جہرِ قوی تو ہے جو تمام نمازوں میں کیا جاتا تھا اور مشرکین باہر سنا کرتے تھے جیسے مشائخ احناف کے نزدیک ابتغ بین ذٰلک سے جہریہ نمازوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا تو لامحالہ جہرِ قوی بھی جائز ہوا اور مامور بہ کا فرد بنا اور جمعہ و عیدین بھی جب جہریہ نمازوں میں شامل ہوئے تو ان میں وہ جہر جائز ہوا۔" تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ خلاف ورزی کریمہ کا شبہ محض پا در ہوا ہے۔ کریمہ تو جائز بتاتی ہے خلاف ورزی کیسی؟ پھر ایسا جہرِ قوی ان احادیثِ کثیرہ مرفوعہ و موقوفہ کے اطلاقات و عمومات سے بھی ثابت، جن میں جہریہ نمازوں کا جہر بیان ہے وکثرتہا اظہر من ان تظہر۔ بلکہ بالخصوص صراحۃً بھی ثابت، صحیح بخاری ص۱۰۵ جلد۱، ص۲۲۵ جلد۱ وغیرہ کتب کثیرۂ احادیث میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ میں نے سرکارِ عرش قرار صلے اللہ علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب جبیر اسلام نہیں لائے تھے اور بدر کے قیدیوں کی طلب میں آئے تھے۔ جہادِ بخاری کے یہ لفظ ہیں وکان جاء فی اساریٰ بدر قال سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالطور۔ ظاہر ہے کہ وہ مسجدِ اقدس سے باہر قیدیوں کے پاس ہی ہوں گے، تو معلوم ہوا کہ بیرونِ مسجد سن رہے تھے۔ بلکہ صحیح بخاری ص۲۳۵ جلد۲ میں طبرانی کی روایت سے اسی حدیث میں ہے وقد خرج صوتہ من المسجد کہ حضور کی آواز مبارک مسجد سے ضرور باہر نکلی ہوئی تھی۔ مؤطا امام مالک ص۲۶، مؤطا امام محمد ص۸، سنن بیہقی ص۱۹۵ جلد۲

Marfat.com

میں ہے و النظم منہ۔ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یجھر بالقراءۃ فی الصلوٰۃ و ان قراء تہ کانت تسمع عند دارابی جھم بالبلاط۔ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز قرارت بلند پڑھا کرتے تھے اور آپ کی قرارت بلاط میں ابوجہم کی حویلی کے پاس سنی جاتی تھی ولا شک فی وفور الصحابۃ فی عھدہ السابک ولم ینقل انکار احد فکان اجماعا منھم علی حسن کمال الجھر۔

شرح معانی الآثار ص۱۰۱ جلد ۱ میں حدیث عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں مکہ مکرمہ میں نمازِ صبح پڑھائی اور اپنی آواز قرارت اتنی بلند فرمائی کہ اگر اس وادی میں کوئی ہوتا تو ضرور سن لیتا و رفع صوتہ بالقراءۃ حتی لو کان فی الوادی احد لاسمعہ صحیح بخاری ص۹۲ جلد ۱ میں ہے وکان ابن عمر یوضع لہ الطعام وتقام الصلوٰۃ فلا یأتیھا حتی یفرغ وانہ یسمع قراءۃ الامام۔ عینی شرح بخاری ص۱۲۷ جلد ۲ میں ہے (قولہ وکان ابن عمر) ھو موصول عطفا علی المرفوع وقد رواہ السراج من طریق یحیی بن سعید عن عبداللہ عن نافع فذکر المرفوع ثم قال قال نافع وکان ابن عمر اذا حضر عشاءہ وسمع الاقامۃ وقراءۃ الامام لم یقم حتی یفرغ۔ فتح الباری ص۱۲۷ جلد ۲ میں بھی یونہی ہے مگر "عن عبداللہ، عن نافع" کی بجائے عن عبیداللہ عن نافع ہے۔ وقد اخرج الحدیث الامام محمد فی الموطا ص۱۰۶ وفیہ فیسمع قراءۃ الامام وھو فی بیتہ۔ گھر اور کھانا لامحالہ مسجد سے باہر ہی ہوتا ہے تو مدعیٰ صاف طور پر ثابت ہے۔ پھر تمام ائمہ کا اتفاقیہ مسئلہ ہے کہ جہریہ نمازوں میں امام پر جہر واجب ہے۔ متون و شروح و حواشی و فتاوے سب کے سب تصریحاتِ وجوب سے گونج رہے ہیں۔ ان کے اطلاقاتِ جہر سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ اس کی سب صورتیں جائز ہیں حالانکہ فقہائے کرام نے یہاں تک فرمایا کہ جہرِ امام کا سب سے کم درجہ یہ کہ ساری صفِ اول سن لے، اور اعلیٰ کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ خلاصۃ الفتاوے ص۹۵ جلد ۱، بحر الرائق ص۳۳۶ جلد ۱، در المختار

Marfat.com

ص۵۲ جلد ا ، شامی (از خلاصہ و خانیہ از جامع صغیر) ص۲۹۹ جلد ا میں ہے ان الامام اذا قرأ فی صلوٰۃ المخافتۃ بحیث سمع رجل او رجلان لا یکون جھرًا والجھر ان یسمع الکل. شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ای کل الصف الاول لا کل المصلین بدلیل ما فی القھستانی عن المسعودیۃ ان جھر الامام اسماع الصف الاول (الی ان قال) ادنی الجھر اسماع غیرہ ممن لیس بقرب کاھل الصف الاول واعلاہ لاحد لہ۔

یہ شامی علیہ الرحمۃ کی وہ بلند پایہ تحقیق ہے جو عطرِ تحقیق اور غنیمتِ خاصہ ہے تو روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ امام کے لئے ایسا بلند پڑھنا جو بیرونِ مسجد سنا جائے یقیناً جائز ہے جب کہ اس پڑھنے سے امام یا کسی دوسرے کو مشقت واذیت نہ پہنچے بلکہ ایسا پڑھنا اولیٰ و افضل ہے۔ تبیین الحقائق ص۱۲۷ جلد ا ، عالمگیریہ ص۳۷ جلد ا طحطاوی علی المراقی ص۱۵۱ میں ہے لکن لا یبالغ فی الجھر مثل الامام لانہ لا یسمع غیرہ۔ یعنی امام تو بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھتا ہے مگر اکیلا امام کی طرح زیادہ بلند آواز سے نہ پڑھے ، نہایہ علی الدرایہ ص۲۸۳ جلد ا میں بھی منفرد کے حق میں ہے لا یجھر ھھنا کل الجھر یعنی اس حالتِ انفراد میں پورا جہر نہ کرے " درالمختار ص۵۱ جلد ا ، مراقی الفلاح ص۱۵۱ ، کفایہ علی الھدایہ ص۲۸۴ جلد ا میں ہے ویکتفی بادناہ کہ اکیلا سب سے چھوٹے درجے کا جہر کرے۔

تو ان عبارات سے حسب القواعد معلوم ہوا کہ امام پورا جہر کرے اور ادنیٰ درجہ کا نہ کرے لان المفھوم المخالف معتبر کما فی الدر والشامی و رسائلہ وصرح بہ مجدد المائۃ الحاضرۃ فی الرضویۃ المبارکۃ بلکہ شامی علیہ الرحمۃ اور وضاحت فرماتے ہیں کہ جماعت کے قدر سے زیادہ بلند پڑھنا اسی شرط کے ساتھ افضل ہے ص۴۹۷ جلد ا میں ہے وفی الزاھدی عن ابی جعفر لو زاد علی قدر الحاجۃ فھو افضل الا اذا اجھد نفسہ او اذی غیرہ۔ قہستانی تبیین الحقائق ص۱۲۷ جلد ا ، فتح القدیر ص۲۸۳ جلد ا ، مجمع الانہر ص۱۰۳ جلد ا ، ہندیہ ص۳۷ میں ہے والنظم منھا ولا یجھد الامام نفسہ بالجھر۔ یعنی امام یوں نہ پڑھے کہ مشقت میں پڑے

Marfat.com

تو معلوم ہوا کہ بلا مشقت جس قدر بلند پڑھ سکے بہتر ہے۔

ان سب عباراتِ فقہیہ کا منبع وہ پاکیزہ کلمات ہیں جو محرر مذہب مہذب حنفیہ حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے مؤطا کے ملاء باب جہر اور قدرِ مستحب جہر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ بلند جہر جو بیرونِ مسجد پاک ابوجہم کی حویلی کے پاس سنا جاتا تھا، باسناد بیان کر کے فرماتے ہیں الجهر بالقراءة فی الصلوٰة فیما یجهر فیه بالقراءة حسن ما لم یجهد الرجل نفسه۔ یعنی یہ جہر (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے) جہریہ نمازوں میں اچھا ہے جب کہ پڑھنے سے مشقت میں نہ پڑے۔ تو اس بلند پڑھنے کا حسن و استحباب آفتابِ بلا حجاب کی طرح واضح ہوا۔ رہا وہ جو سراج وہاج سے بحر الرائق و ہندیہ میں ہے الامام اذا جهر فوق الحاجة فقد اساء کہ امام جب ضرورت سے زائد جہر کرے تو اس نے اچھا نہ کیا۔ اس ضرورت سے زائد جہر سے مراد اگر وہ جہر ہو جو باعثِ مشقت بنے تو فبہا کما مر، ورنہ ان نصوص عالیہ مشائخ عظام وائمہ کرام کے سامنے محض مضمحل ولا طائل ہے کہ سراج وہاج ضعیف اور غیر معتبر کتاب ہے۔ حضرت مجددِ مائۃِ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاوٰے رضویہ ص۳۱۳ جلد ا میں اسی سراج وہاج کے ایک مسئلہ کے رد میں فرمایا کیف ما کان فما فی السراج غریب جداً ولو یستند لمعتمد وخالف المعتمدات ونقول الثقات ولا یظهر له وجه وقد قال فی کشف الظنون السراج الوهاج عده المولی المعروف ببرکلی من جملة الکتب المتداولة الضعیفة غیر المعتبرة۔ (ترجمہ) جس طرح بھی ہو تو وہ جو سراج میں ہے بالکل نئی بات ہے جو کسی معتمد کتاب پر مستند نہیں اور کتبِ معتمدہ اور ثقوں کی نقلوں کے خلاف ہے۔ اور اس کی کوئی دلیل ظاہر نہیں ہوتی حالانکہ کشف الظنون میں فرمایا کہ مولیٰ برکلی نے سراج کو ان کتبِ متداولہ سے ذکر کیا ہے جو ضعیف اور غیر معتبر ہیں۔" اور یونہی سراج الوہاج سے بعض کتابوں میں منقول ہو جانا بھی صحیح نہیں بنا سکتا۔ رضویہ شریفہ ص۳۰۳ جلد ا میں بحر الرائق سے ہے وقد یقع کثیرا ان مؤلفا یذکر شیئا خطأ فیاتی من بعده فینقلون تلك العبارة من غیر تغیر ولا تنبیه فیکثر الناقلون واصله لواحد مخطئ۔ یعنی بسا اوقات یوں واقع ہوتا ہے

Marfat.com

کہ کوئی ایک مصنف غلطی سے کوئی چیز ذکر کر دیتا ہے تو اس سے پچھلے آ کر اس عبارت کو یونہی بلاتنبیہ نقل کر دیتے ہیں تو ناقل زیادہ ہو جاتے ہیں حالانکہ دراصل ایک ہی بھولنے والا ہوتا ہے۔ اور شامی علیہ الرحمۃ رسائل ص۱۳ جلد ا میں فرماتے ہیں کہ کبھی یوں اتفاق بنتا ہے کہ متاخرین کی کتابوں سے تقریباً بیس کتابوں میں کوئی قول نقل ہو جاتا ہے اور ہوتا وہ قول غلط ہے جو غلطی کر بیٹھا اس میں پہلا واضع اس کا تو پچھلا آتا ہے اور اس قول کو اس سے نقل کر دیتا ہے اور یونہی نقل کرتا جاتا ہے بعض ان کا بعض سے۔ پھر اس کی کئی نظیریں ای سراج وہاج وغیرہ سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں و لهذا الذی ذكرناه نظائر كثيرة اتفق فيها صاحب البحر والنهر والمنح و درالمختار وغيرهم وهى سهو منشأه الخطأ فى النقل او سبق النظر یعنی یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کی نظیریں بکثرت ہیں جن میں بحرالرائق، نہرالفائق، منح الغفار، درالمختار وغیرہا کے مصنفین نے اتفاق کیا حالانکہ وہ نظیریں سہو (بھول) ہوتی ہیں، منشا ان کا نقل میں غلطی یا سبقتِ نظر ہوتی ہے۔"

نیز رسائل ص۱۷۹ جلد ا میں ایک اہم قاعدہ بیان کر کے فرماتے ہیں ان المقلد ان افتى بلا نقل عن المعتبرات فلا تنظر الى فتواه" بیشک مقلد اگر معتبر کتابوں کی نقل کے سوا فتوے دے تو اس کے فتوے کو دیکھا ہی نہ جائے۔" پھر صراحۃً حدادی (مصنف سراج وہاج شرح قدوری) کا نام لیکر فرمایا کہ وہ اور ان کے ہم مثلوں کا یہی حکم ہے لہذا شامی علیہ الرحمۃ نے درالمختار کے قول "فان زاد عليه اساء" کی شرح میں بجائے اس کی تائید کے اسلئے جہر فوق الحاجۃ کو افضل قرار دیا اور اس "اساء" کا قطعاً اعتبار نہ فرمایا۔ شامی ص۴۹۷ جلد ا میں ہے (قوله فان زاد عليه اساء) وفى الزاهدى عن ابى جعفر لو زاد على الحاجة فهو افضل الخ اور اگر رغار العنان کے طریق پر چشم پوشی کی جائے تو پھر بھی اس عبارتِ سراج سے حرمت و کراہت ثابت نہیں ہو سکتی کہ لفظِ "اساءة" ترکِ اولیٰ پر بھی بولا جاتا ہے۔ بلکہ مانعین جواز کے مسلم سید احمد حموی سے شامی علیہ الرحمۃ نے شامی ص۵۰۵ جلد ا میں یہی عبارتِ سراج اور اس کے متصلاً "ان الاساءة دون الكراهة"، نقل فرمایا، یعنی یہ اساءۃ کراہت سے کم ہے۔" تو ثابت ہوا کہ اس عبارت کا تقاضا صرف اتنا ہے کہ ضرورت سے زائد جہر افضل نہیں تو فاضل و جائز ہونے کی نفی نہ ہوئی بلکہ حسب القواعد اثبات ہوا۔ اور یونہی طحطاوی علیہ الرحمۃ نے حاشیۃ المراقی ص۱۵۱ میں اس کا ذکر مستحب کے مقابلہ میں فرمایا والمستحب

Marfat.com

أن يجهر بحسب الجماعة فان زاد فوق حاجة الجماعة فقد اساء۔ تو وہ عبارتِ سراج بھی جوازِ بلا کراہت کے خلاف نہیں۔ بہرحال ایسا جہرِ امام جو بیرونِ مسجد سنا جائے فقہائے کرام کی نظروں میں جائز ہے۔ بلکہ محررِ مذہب حضرتِ امام محمد علیہ الرحمۃ اور بہت سے مشائخ عظام نے اس کی تحسین فرمائی ہے جبکہ باعثِ مشقت نہ بنے اور چونکہ لاؤڈ سپیکر کی صورت میں بھی ایسا ہی جہر پایا جاتا ہے جو باعثِ مشقت نہیں بنتا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہوگا چہ جائیکہ ناجائز یا مفسدِ نماز بنے۔

الحاصل عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے لئے سپیکر نصب کر دینا کریمۂ ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلا۔ کی خلاف ورزی قطعاً نہیں۔ جس معنٰی کی بنا پر خلاف ورزی کا خیال کیا جاتا ہے وہ حکم جمعہ وعیدین کے شروع ہونے سے پہلے ہی منسوخ ہو گیا۔ اور دوسرا معنٰی مفیدِ جواز و استحباب ہے جو احادیثِ مرفوعہ وموقوفہ اور تصریحاتِ فقہیہ حنفیہ سے بھی ثابت ہے۔ تعجب ہے کہ حنفی ہو کر کریمہ کا وہ معنٰی نہیں لیتے جو مشائخ عظام حنفیہ نے نہایت واضح الفاظ میں تفصیل سے بیان فرمایا اور ایک ایک نماز کا نام لیکر بتایا (کما مر) پھر تعجب ہے کہ وہ حضرات[عہ] سپیکر سے سنی گئی آواز کو جب آوازِ امام نہیں مانتے بلکہ مغائر اور صدا جانتے ہیں اور صدا درمیانی آواز بلکہ قدرے آہستہ سے بھی پیدا ہو جاتی ہے[عہ] تو ان کے قول پر لازم کہ نمازیں جماعت سے ایسے مکانوں

عہ یہ دوسرے حضرات ہیں جو صدا مانتے ہیں اور مکبر الصوت کے سوال دوم میں مذکور بعض علماء سپیکر سے سنی گئی آواز کو صدا نہیں بلکہ عینِ آوازِ امام مانتے ہیں (اور آوازِ امام کا غیر مانتے ہیں) فقتبہ ۱۲ منہ غفرلہ

عہ بیجاپور کے سلطان عادل شاہ کے مزار کے گول گنبد میں وہ خوبی ہے جو کسی بہتر سے بہتر لاؤڈ سپیکر میں بھی نہیں۔ سینکڑوں برس کا یہ پرانا گنبد جس میں بجلی و بھی نہیں۔ اس میں دو آدمی پورے قطر کے فاصلے پر جو تقریباً سو گز ہوگا بیٹھ کر آہستہ سرگوشی کرتے اور سنتے ہیں اور آواز بعینہٖ اصل متکلم کی ہوتی ہے اور یونہی بیجاپور کی مسجد بھی مشہور ہے۔ اس رسالہ کی دوبارہ طباعت کے بعد کراچی سے مشرق میں شہر ٹھٹھہ میں سو گنبد والی مسجد جو شہنشاہ شاہجہان کی تعمیر کردہ ہے فقیر نے بمع جماعتِ علماء خود دیکھی حالانکہ مسجد کی مرمت سرکاری طور پر ہو رہی تھی اور کافی کام ہو رہا تھا اور شور تھا مگر اس کے باوجود مولانا الحاج غلام حسین نوری کو ہم نے محراب میں کھڑے کیا اور مسجد کے بیرونی صدر دروازہ میں چلے گئے تو نوری صاحب کا پڑھنا یوں معلوم ہوا کہ بالکل پاس ہی پڑھ رہے ہیں حالانکہ مسجد بہت ہی زیادہ وسیع ہے اور یونہی درمیانی صحن اور آس پاس برابر پورا پورا سن رہے تھے۔ نیز ابھی زمانہ قریب میں پاکستانی بحریہ فوج نے کراچی میں تقریباً چھتیس لاکھ روپیہ سے وسیع مسجد تعمیر کی ہے جو ساری کی ساری ایک بہت بڑا گنبد ہے اور امام کی آواز سب مقتدی یوں سنتے

(بقیہ بر صفحہ ۳۲۲)

Marfat.com

میں جائز نہ ہوں جن میں صدا پیدا ہو جاتی ہے جیسے گنبد دار مساجد، حالانکہ قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ اہالیانِ اسلام گنبد دار مسجدیں بناتے اور ان میں نمازیں ادا کرتے چلے آتے ہیں۔ آج تک کسی نے ایسی مسجدوں کا بنانا حرام نہیں بتایا اور نہ ہی ان میں نماز پڑھنا ناجائز فرمایا۔ یہ حضرات عذر کیا کرتے ہیں کہ سپیکر نئی ایجاد ہے اس کا صریح جزئیہ کیسے دکھائیں؟

حضرات! گنبد دار مساجد تو نئی ایجاد نہیں، براہِ کرم کسی مستند کتاب سے صرف اتنا ہی کھا دیں کہ ان میں نماز باجماعت ناجائز ہے یا کریمۂ لا تجهر بصلوتك کی خلاف ورزی ہے۔ فقہائے کرام نے ایسی ایسی نادر سے نادر صورتوں کا بھی بیان فرمادیا ہے جن کا وقوع نہایت ہی مستبعد ہے۔ تو اس واقع و متحقق صدا کا حکم کیوں نہ بیان فرمایا؟ کیا ان کی باریک بین نظروں نے یہ بڑے بڑے گنبد نہ دیکھے یا ان کے سریع السماع کانوں نے یہ سخت سخت صدائیں نہ سنیں؟ یوں ہرگز ہرگز نہیں بلکہ یہ سب کچھ یقیناً ان کے پیشِ نظر تھا مگر چونکہ جوازِ نماز میں خلل انداز نہیں تھا لہٰذا مفسداتِ نماز میں شمار نہ فرمایا بلکہ صاف صاف جوازِ نماز کا حکم لگا دیا کہ ان حضرات (مشائخ عظام) نے مقتدی کے لئے انتقالاتِ امام کا علم کسی طرح سننے یا دیکھنے سے حاصل ہو جانا جوازِ نماز کے لئے ضروری قرار دیا جو صدائے گنبد یا سپیکر سے بھی حاصل ہے، اس کا بیان رسالہ مکبر الصوت میں فتاویٰ قاضی خان وغیرہا گیارہ کتابوں سے گزر چکا، اور سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا تو اس کی تصریح فرمادی مگر اس سے یہ سمجھنا کہ صدا سے سجدہ واجب نہیں ہوتا تو نماز بھی جائز نہ ہوگی، صحیح نہیں۔ وجوبِ سجدہ کی نفی تو جوازِ سجدہ کی نفی بھی نہیں چہ جائیکہ جوازِ نماز کی نفی بنے۔ اور اگر اسی پر اصرار ہے کہ اس مسئلۂ تلاوت سے نماز کا عدمِ جواز ثابت ہو گیا تو پھر دوسرے مسئلۂ تلاوت سے مبلغ کی تکبیرات سن کر نماز پڑھنا بھی ناجائز ہو جائے گا کہ ہماری تمام کتبِ فقہیہ سے روزِ روشن کی طرح ثابت کہ مقتدی آیتِ سجدہ پڑھے تو سجدہ واجب نہیں ہوتا تو لازم کہ جس طرح صدا، سے سجدۂ تلاوت واجب نہ ہونے پر صدا مفسدِ نماز بن گئی۔ یونہی مقتدی کے

ہیں جیسے پاس کھڑے ہیں تو کیا ان مساجد میں نماز باجماعت جائز نہیں؛ تعجب ہے کہ ایسی بڑی مساجد کو بڑی بڑی جماعتوں کے لئے تیار کرایا گیا ہے اور شہنشاہ شاہجہان کے زمانہ میں اور بعد میں آجتک کسی عالم کا ایسا کوئی فتوے دیکھا یا سنا نہیں گیا ہے جس میں ایسی مساجد میں نماز باجماعت کو حرام اور مفسدِ نماز کہا گیا ہو فاعتبروا یا اولی الابصار ۱۲ منہ غفر لہ

Marfat.com

پڑھنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہ ہونا صورتِ مبلغ میں مفسد بن جائے کہ مبلغ بھی مقتدی ہی ہوتا ہے حالانکہ یہ جائز ہے تو معلوم ہوا کہ صدا سے سن کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے تو یہ مسئلہ منصوصہ صدا دلیلِ جواز بن گیا (و التفصیل فی مکبر الصوت وسیجیئ فی ھٰذہ ایضًا باذنہ تعالیٰ)

رہا یہ شبہ کہ سنتِ مستمرہ کے مخالف ہے تو یہ بھی محض اشتباہ و توہم ہی ہے۔ یوں کہنے والوں سے دریافت کیا ہوتا کہ کون سی دینی کتاب مستند میں ہے کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبلغ کھڑے کرتے تھے، مجھے تو بکثرت کتبِ متداولہ دیکھنے سے اتنا بھی نہیں مل سکا کہ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک مرتبہ کے لئے بھی کوئی ایک ہی مبلغ (تکبیرات سنانے والا) کھڑا کیا ہو، تعجب ہے کہ ان حضرات کو کیسے مل گیا کہ "مبلغ کھڑے کرتے تھے" جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ مبلغ کھڑے کرتے تھے اور ایک سے زیادہ ہوتے تھے کیونکہ "کھڑے" صیغۂ جمع ہے اور "کرتے تھے" ماضیٔ استمراری ہے۔ تبھی تو سنتِ مستمرہ کے خلاف بتاتے ہیں۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین "کہو دعوے میں سچے ہو تو دلیل لاؤ"۔

ہاں اتنا تو ضرور ملتا ہے اور مستند کتابوں سے ثابت کہ محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مختلف مرضوں کے دوران ایک ایک مرتبہ یہ اتفاق بنا کہ حضور نے نماز پڑھائی اور حضرت ابوبکر حاضرین کو تکبیر سناتے رہے (صلی اللہ علیہ وعلی صدیقہ وسلم) اور ان دونوں مرتبہ ظہر ہی کی نماز تھی۔ پہلی نماز حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے دولت سرا کے بالاخانہ میں مزاج پرسی کے لئے حاضر ہونے والوں کو بیٹھ کر پڑھائی اور ابوبکر صدیق لوگوں کو تکبیرات سناتے رہے۔ مسلم ص۱۷۷ جلد ۱، ابوداؤد ص۸۹ جلد ۱، سنن بیہقی ص۷۹ جلد ۳، طحاوی شریف ص۲۳۴ جلد ۱ میں بکلماتِ متقاربہ ابوالزبیر سے ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (و النظم لاحدی روایات مسلم) اشتکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلینا وراءہ وھو قاعد و ابوبکر یسمع الناس تکبیرہ، ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے فاتیناہ مرۃ اخری نعودہ فصلی المکتوبۃ جالسا۔ امام طحاوی اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے صلی بنا رسول اللہ علیہ وسلم الظھر فتح الباری ص۱۴۱ جلد ۲ میں ہے ان ھٰذہ القصۃ کانت فی ذی الحجۃ سنۃ خمس من الھجرۃ کہ یہ سن پانچ ہجری کے ذی الحجہ میں ہوا، اور

Marfat.com

دوسری نماز مسجدِ اقدس میں جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرض میں حضرتِ ابوبکر کو امامتِ نماز کا حکم دیا اور کئی دن وہی نمازیں پڑھاتے رہے۔ پھر ایک دن حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا آرام محسوس فرمایا تو دو صاحبوں کے سہارے نمازِ ظہر کے لئے باہر تشریف لاتے حالانکہ ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب ابوبکر نے حضور کو دیکھا تو (عین نماز میں) پیچھے ہٹنے لگے تو حضور نے اشارۃً ہٹنے سے روک دیا اور حکم فرمایا کہ مجھے ابوبکر کے پاس بٹھا دو۔ تو اب ابوبکر حضور کی اقتدا کرتے ہوئے نماز پڑھا رہے تھے اور لوگ ابوبکر صدیق کی تکبیرات سن کر پڑھ رہے تھے۔

حضرتِ ام المؤمنین صدیقہ سے بہ تصدیقِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحیح بخاری ص۹۵ جلد ۱، صحیح مسلم ص۱۷۸ جلد ۱ وغیرہما کتبِ معتمدہ کثیرہ میں ہے و النظم من البخاری فصلی ابوبکر تلک الایام ثم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجد من نفسہ خفۃ فخرج بین رجلین احدھما العباس لصلوٰۃ الظھر و ابوبکر یصلی بالناس فلما راٰہ ابوبکر ذھب لیتأخر فاومی الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بان لایتأخر فقال اجلسانی الی جنبہ فاجلساہ الی جنب ابی بکر قال فجعل ابوبکر یصلی وھو یأتم بصلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و الناس بصلوٰۃ ابی بکر۔

صحیح مسلم ص۱۷۹ جلد ۱ میں ہے و ابوبکر یسمعھم التکبیر۔ عینی ص۴۲۶ جلد ۲، فتح الباری ص۱۳۵ جلد ۲ میں ہے (قولہ لصلوٰۃ الظھر) ھو صریح فی ان الصلوٰۃ المذکورۃ کانت صلوٰۃ الظھر۔ سنن بیہقی ص۸۳ جلد ۳، عینی ص۷۱۹ جلد ۲، فتح القدیر ص۳۲۱ جلد ۱، نصب الرایہ ص۴۵،۴۴ جلد ۲، مرقاۃ ص۱۰۲ جلد ۳ میں ہے ھی صلوٰۃ الظھر یوم الاحد او یوم السبت کہ یہ اتوار یا ہفتہ کی ظہر تھی۔ عینی ص۴۲۶ جلد ۲، فتح الباری ص۱۳۵ جلد ۲ میں ہے و النظم من الفتح و قد صرح الشافعی بانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یصل بالناس فی مرض موتہ فی المسجد الا مرۃ واحدۃ وھی ھذہ التی صلی فیھا قاعدا و کان ابوبکر

Marfat.com

فیہا اولا اماماً ثم صار ماموماً یسمع الناس التکبیر۔ یعنی امام شافعی علیہ الرحمۃ نے صراحۃً فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مرضِ وصال میں مسجد میں صرف ایک مرتبہ ہی نماز پڑھائی اور یہ وہی نماز ہے جو بیٹھ کر ادا فرمائی اور ابوبکر اس میں پہلے امام تھے پھر مقتدی بن گئے، لوگوں کو تکبیر سناتے تھے۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ یہ ربیع الاول شریف ۱۱ھ میں تھا۔ بہرحال صرف ظہر کی دو نمازوں میں دورانِ مرض میں حضرت ابوبکر کا اپنے طور پر کھڑے ہونا اور تکبیرات سنانا ملتا ہے اور جمعہ وعیدین یا کسی اور نماز میں تکبیرات سنانا نہیں ملتا اور نہ ہی یہ ملتا ہے کہ ابوبکر کے ساتھ کوئی مبلغ بھی تھا۔ اور یہ بھی نہیں ملتا کہ حضور نے ابوبکر صدیق کو تکبیرات سنانے کا حکم دیا ہو، تو سنتِ مستمرہ کیسے بنا؟ ہاں ان دونوں مرتبہ میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوبکر کو منع نہ فرمانا ان دونوں مرتبہ میں جائز ہونے کی دلیل ہے کہ حضور کا فعلِ صحابی پر مطلع ہو کر منع نہ فرمانا دلیلِ جواز ہے۔ تحریر الاصول مطبوع مع التیسیر ص۱۲۸ جلد ۳، مسلم الثبوت مع شرح بحر العلوم ص۴۶۹ وغیرہما میں ہے (والنظم للمحقق) اذا علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بفعل وان لم یرہ فسکت (الی ان قال) فدلیل الجواز۔

نیز یہ بھی مسئلہ ہے کہ حکایتِ فعلِ مثبت یعنی کسی فعل کے واقع ہونے کی خبر دینی (جیسے گذشتہ حدیثوں میں حضرت ابوبکر کے تکبیرات سنانے کی حکایت ہے) عام نہیں ہو جاتی ہے کہ وہ حکم تمام شخصوں اور تمام زمانوں جہتوں کے لئے عام ہو جائے۔ اس لئے کہ اس فعل کا وہ وقوع جس کی خبر دی جارہی ہے لامحالہ کسی خاص صفت اور کسی خاص وقت میں کسی خاص فاعل کا ہی کسی خاص غرض سے ایک خاص فعل ہوگا۔ یعنی جزئی حقیقی ہوگا جس میں عموم واشتراک متصور ہی نہیں تو لامحالہ خاص ہوگا تو عام کیسے ہو؟

تنقیح وتوضیح وتلویح طبع لکھنؤ ص۱۰۱ میں ہے (والنظم من التلویح) والصحیح انہ لاعموم لہ لان الواقع لایکون الا بصفۃ معینۃ فی زمان معین۔ تحریر اور اس کی شرح تیسیر ص۲۴۷ جلد ۳ میں ہے (لانہ) ای نقل فعلہ بتلک الصیغۃ (اخبار عن دخول) فعل (جزئی فی الوجود) ولا یتصور العموم فی الجزئی الحقیقی۔ مختصر المنتہی اور اس کی شرح قاضی عضد اور حاشیہ تفتازانی طبع مصر ص۱۱۱ جلد ۲ میں ہے (والنظم للقاضی) فقد ثبت ان الفعل المثبت لاعموم لہ بوجہ من الوجوہ۔ اور حضرات فقہائے کرام کی صدہا تصریحیں ہیں واقعۂ حال

لا عموم لہا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے افرادِ متماثلہ میں بھی قیاساً جواز ثابت ہو۔ بشرطیکہ وہ فعل محلِ قیاس ہو۔ تنقیح وغیرہ میں ہے وان ثبت التساوی فالحکم فی البعض ثبت بفعلہ علیہ السلام و فی البعض الاٰخر بالقیاس۔

نور و زِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ مبلغین کھڑے کرنے کا جواز احادیث مذکورہ سے بطریقِ قیاس ہی مستفاد ہو سکتا ہے چنانچہ فقہائے کرام نے بھی ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے جواز سے ہی تعبیر فرمایا ہے فتح القدیر ص۳۲۲ جلد ۱، بحر الرائق ص۳۶۴ جلد ۱، رسائل شامی ص۱۳۹ جلد ۱ میں ہے (والنظم منہ) و فی فتح القدیر عن الدرایۃ وتہ یعرف جواز رفع المؤذنین اصواتہم فی الجمعۃ و العیدین وغیرہما و نقل مثلہ العلامۃ ابن نجیم فی البحر عن المجتبیٰ۔ بہرحال مبلغ کھڑے کرنے کا جواز تو مسلم مگر سنتِ مستمرہ سمجھنا صحیح نہیں اور نہ ہی کسی کتاب مستند میں اس کی تصریح یا تلویح ہے۔ بلکہ بعض مالکی تو کہتے ہیں کہ اس سے مقتدی کی نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مبلغ کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ شرح صحیح مسلم ص۱۷۹ جلد ۱، رسائلِ شامی ص۱۳۸ جلد ۱ میں ہے قد نقل القاضی عیاض عن مذہبہم ان منہم من ابطل صلوٰۃ المقتدی (الیٰ ان قال) و منہم من ابطل صلوٰۃ المسمع یعنی قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ نے بلاشبہ اپنے مذہب سے نقل فرمایا کہ بیشک بعض ان کا (مالکی مذہب والوں کا) نمازِ مقتدی کو باطل کہتا ہے اور بعض ان کا تکبیرات سنانے والے کی نماز کو باطل کہتا ہے۔ اس سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ سنتِ مستمرہ نہیں کہ مسائل قیاسیہ ہی عموماً ایسے اختلافات کا محل ہیں۔ اور جب سنتِ مستمرہ بلکہ سنت ہی نہیں تو اس کے خلاف کو بدعتِ سیئہ کہنا محض بیجا ہے۔ اس کی صدہا چمکتی ہوئی مثالیں ہیں کہ حضور پرنور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام نے کوئی کام کیا اور حضور نے منع نہ فرمایا، پھر مسلمانوں میں اس کا رواج بھی رہا مگر عرصہ کے بعد اس کے خلاف ہونے لگا تو مسلمانوں نے بدعتِ سیئہ کا نام دیتے ہوئے رد نہ کیا بلکہ بلا انکار رائج بنا لیا۔ مثلاً حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی قرآن کریم قلموں سے ہی حضور کے سامنے بلکہ بعض بحکمِ حضور لکھا کرتے تھے، پھر صدہا سال تک اہالیانِ اسلام قلموں سے ہی لکھتے رہے بعد ازاں زمانہ قریب میں

سہ ای بالحدیث الشریف ۱۲ منہ غفرلہ

لوگوں نے پہلے دستی پھر برقی اور مشینی پریسوں کے ذریعے چھاپنا شروع کیا جو بلا انکار روئے زمین کے مسلمانوں میں رائج ہوگیا مگر کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہ کی کہ قرآنِ کریم قلم سے لکھنا سنتِ مستمرہ ہے لہٰذا چھاپنا بدعتِ سیئہ اور ناجائز ہے۔

حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانہ میں بعض انفرادی طور پر قلموں سے کچھ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور بعدازاں کئی صدیوں تک قلموں سے ہی لکھنا رائج رہا مگر جب طباعتِ احادیث شروع ہوئی تو مسلمانوں میں مقبول ہوئی۔

مسجدِ پاک بڑی سادگی سے تیار کی گئی، کھجور کی چھت بارش کا پانی نہیں روک سکتی تھی اور بے مینار تھی تو کیا مسجدوں کی مضبوط چھتیں گنبد اور مینار جائز نہیں!

صحابہ کرام فریضۂ جہاد تیر و تلوار وغیرہ پرانی طرز کے اوزار سے ہی ادا فرماتے رہے بلکہ خود محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی وہی استعمال فرماتے رہے پھر صدیوں تک مسلمانوں میں رائج رہے۔ بعدازاں توپ وغیرہ کے ایجاد ہونے پر مسلمانوں نے بلا دھڑک ان کا استعمال رائج بنالیا اور یونہی آج تک جتنے نئے اوزار ایجاد ہوتے گئے۔ ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں میں رائج بنتے گئے۔

فریضۂ حج کا سفر پاؤں یا اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں کے ذریعہ ہی ہوتا رہا اور وہی رائج رہا، پھر جب گاڑی، موٹر، بس، ٹرک، سائیکل، موٹر سائیکل، ہوائی جہاز اور بحری جہاز کلوں اور بھاپ دھوا سے چلنے والے ایجاد ہوئے تو سفرِ حج بھی ان ذرائع سے شروع ہوا۔

صحابہ کرام بلکہ خود شہنشاہِ کون ومکان صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا انعقادِ اجلاسِ خصوصیہ اور سلام و قیام مروجہ کے بغیر ولادتِ مبارکہ کا ذکر فرمایا، پھر یونہی ہوتا رہا۔ بعدازاں انعقادِ اجلاسِ خصوصیہ اور سلام وقیام جلوس وغیرہ جاری ہوئے جو سنیوں کی نظر میں بدعتِ سیئہ ہرگز نہیں۔

یونہی اس مبارک زمانہ میں بیاناتِ ولادتِ مقدسہ سنانے کا ذریعہ صرف متکلم کی اپنی ہی آواز تھی اور صدیوں تک یہی رائج رہا بعدازاں لاؤڈ سپیکر کے ذریعے بڑے بڑے مجامع میں دور دور تک سنانا شروع ہوا اور جائز مانا گیا۔

اس بابرکت زمانے کے وعظ بھی واعظین حضرات کی بلا واسطہ آوازوں سے ہی سنے سنائے جاتے تھے پھر صدہا سالوں تک یہی رائج رہا۔ بعدازاں سپیکروں کے ذریعہ سننا سنانا شروع ہوگیا تو بدعتِ سیئہ نہ بنا۔

Marfat.com

اس برکت بھرے زمانے سے صدیوں تک جمعہ وعیدین کے خطبے، قرآن خوانی، نعت خوانی، خطبا و قرا و نعت خوانوں کی بلا واسطہ آوازوں سے ہی ہوتے رہے اور اب سپیکر کے ذریعہ ہونے لگے تو بدعتِ سیئہ نہ بنے۔

اذان کے لئے حضرات بلال اور ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتخاب اس لئے ہوا کہ ان کی آوازیں دور تک پہنچتی تھیں اور یہی صدیوں تک رائج رہا کہ بلند آوازوں کے ذریعے اذانیں سنائی جاتیں۔ ہاں یہ بھی رائج رہا کہ ایک مؤذن کے ساتھ اور مؤذن مل کر اذان کہتے کہ اور زیادہ دور تک سنا سکیں مگر سپیکر ایجاد ہوا تو اس کے ذریعہ سنانا جائز ہی کہا گیا۔

جب یہ سب نئی نئی چیزیں بدعتِ سیئہ نہیں تو سپیکر کے ذریعہ تکبیراتِ نماز کا پہنچانا کیوں بدعتِ سیئہ ہے؟ امام اہل السنت والجماعت مجددِ مائۃِ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنتِ ماموربہا (ایسی سنت جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو) کا رد کرے" (اقامۃ القیامۃ ص۳۱) نیز اسی صفحہ میں فرماتے ہیں" امام علامہ ابنِ حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں والبدعۃ ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فھی حسنۃ وان کانت تندرج تحت مستقبح فھی مستقبحۃ والا فمن قسم المباح۔ (ترجمہ) بدعت اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی بات ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری بات ہے، اور جو ان دونوں میں سے کسی کے نیچے داخل نہ ہو وہ قسمِ مباح سے ہے۔

اسی طرح صدہا اکابر نے تصریح فرمائی اب مجلس میلاد مبارک اور قیام وغیرہما امورِ متنازع فیہا کی نسبت تمہارا یہ کہنا کہ زمانۂ صحابہ و تابعین میں نہ تھے لہٰذا ممنوع ہیں، محض باطل ہو گیا۔ ہاں اس وقت ممنوع ہو سکتے ہیں جب تم کافی ثبوت دو کہ خاص ان افعال میں شرعاً کوئی برائی ہے ورنہ اگر کسی مستحسن کے نیچے داخل ہیں تو محمود اور اگر بالفرض کسی کے نیچے داخل نہ ہوئے تو مباح ہو کر محمود ٹھہریں گے کہ جو مباح بہ نیتِ نیک کیا جائے شرعاً محمود ہو جاتا ہے کما فی البحر الرائق وغیرہ انتہی۔ تو واضح ہوا کہ اس نیت سے استعمالِ سپیکر کہ مقتدی بآسانی سنتے رہیں مباح و محمود و مستحسن ہے کہ نیتِ مذکورہ نیک ہے قد قال اللہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوٰی۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ سپیکر سے سنی گئی آواز بعینہٖ متکلم کی ہی آواز ہوتی ہے کہ

Marfat.com

بداہۃً بلاشبہ ثابت کہ سپیکر طبعًا ان آوازوں سے محض بے بہرہ وصامت ہے جب تک کوئی بولنے والا نہ بولے۔ اس سے آواز نکلتی ہی نہیں اور جب بولا جائے تو حرف بحرف اسی ترتیب و لہجہ سے پوری پوری ملتی جلتی آواز سنائی دیتی ہے تو عقلِ سلیم یہ کیسے تسلیم کر سکے کہ یہ کوئی آواز ہے۔ جیسے کمزور نظر بلا عینک نہیں دیکھ سکتا مگر عینک لگانے کے بعد جو دیکھتا ہے وہ اس کا اپنا ہی دیکھنا ہوتا ہے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا دیکھنا ختم ہوگیا اور یہ کوئی اور دیکھتا ہے لہذا عینک لگا کر کعبہ شریف یا اولیاء اللہ کی زیارت یا مناظرِ قدرت کا مطالعہ اور قرآن کریم اور دینی کتابوں کا پڑھنا یقیناً جائز و باعثِ ثواب ہے۔ اور یہ نہیں کہ بدعتِ سیئہ واجبۃ الترک ہے، تو واضح ہوا کہ سپیکر کے ذریعے تکبیرات سنانا امام کا ہی سنانا ہے اور بدعتِ سیئہ نہیں

اس کی مزید تحقیق مکبر الصوت میں بیان ہو چکی اور اس کے چھپنے کے بعد بفضلہ وکرمہ تعالیٰ امام اہل السنت والجماعت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ تصریحاتِ جلیلہ وجیلہ ملیں جو اس تحقیق کی پوری پوری تصدیق کرتی ہیں جنہیں شیر بیشۂ اہل السنت حضرت مولانا ابو الفتح محمد حشمت علی خاں صاحب لکھنوی مدظلہم نے اپنے فتوئے مسئلہ ہذا مطبوعہ ۱۳۶۹ھ لاہور میں امام اہل السنت والجماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ مبارکہ" الکشف شافیا فی حکم فونو جرافیا" سے نقل فرمایا۔ صوت کی تعریف و تشریح کرنے کے بعد ذکرِ نتائج میں فرماتے ہیں:- " آواز اس شکل وکیفیت کا نام ہے کہ ہوا یا پانی وغیرہ جسم نرم و تر قلع وقرع سے پیدا ہوئی وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملاءِ متکیف کی صفت ہے۔ ہوا ہو یا پانی وغیرہ آواز کنندہ کی حرکتِ قلعی وقرعی سے پیدا ہوتی ہے ولہذا اس کی طرف اضافت کی جاتی ہے جبکہ وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملاءِ متکیف سے قائم ہے تو اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے۔ انقطاعِ تموج انعدامِ سماع کا باعث ہو سکتا ہے کہ کان تک اس کا پہنچنا بذریعہ تموج ہی ہوتا ہے نہ انعدامِ صوت کا بلکہ جب تک وہ تشکل باقی ہے صوت باقی ہے دوبارہ تموج ہو تو اس سے تجدیدِ سماع ہوگی نہ کہ آواز دوسری پیدا ہوئی جب کہ تشکل وہی باقی ہے۔ وحدتِ آواز وحدتِ نوعی ہے کہ تمام امثالِ متجددہ میں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے ورنہ آوازِ شخصِ اول کہ مثلاً ہوائے دہنِ متکلم میں پیدا ہوا کبھی ہمیں نہیں ہوتا، اس کی کاپیاں ہی چھپتی ہوئیں ہمارے کان تک پہنچتی ہیں۔ اور اس کو آواز کا سننا کہا جاتا ہے۔"

ـــــ اس کے بعد وہ رسالہ مبارکہ "الکشف شافیا بھی طبع ہو کر آ گیا تو اور زیادہ وضاحت ہوگئی، وللہ الحمد والمنہ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

پھر بیانِ صدا میں فرمایا " گنبد کے اندر یا پہاڑ یا چکنی پختہ کردہ دیوار کے پاس اور کبھی صحرا میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے جسے عربی میں صدا کہتے ہیں " (پھر فرمایا) اب صدا میں علماء مختلف ہیں کہ صدا اسی تموجِ اول سے پلٹتی ہے یا گنبد وغیرہ کی ٹھیس سے تموجِ تازہ اس کیفیت سے تکیف ہو کر ہم تک آتا ہے ۔ انتہیٰ ۔

تو اس بیانِ فیض ترجمان سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ صدا پہلی ہی آواز ہوتی ہے اور تموجِ اول کا ختم ہونا مضر نہیں جبکہ وہ کیفیت موجود ہے کہ دوبارہ تموج کے پیدا ہونے سے دوسری آواز پیدا نہیں ہوئی کہ تشکل وہی باقی ہے، بلکہ تجدید سماع ہوتی ہے ۔ اور یونہی دوسری ہوا میں آواز کی کاپی اترنی بھی مضر نہیں کہ آواز کی کاپیاں ہی چھپتی ہوئی کان تک پہنچتی ہیں، اور آواز کا پہلا شخص جو ہوائے دہنِ متکلم میں پیدا ہوتا ہے وہ کبھی مسموع نہیں ہوتا کہ وہ تو ایک ہی ہوتا ہے اور ایک، ہزاروں کانوں، مکانوں میں بیک وقت کیسے پہنچ سکتا ہے بلکہ کاپیاں چھپ چھپ کر ہزاروں کروڑوں آوازیں بن جاتی ہیں مگر کہا یہی جاتا ہے کہ ایک ہی آواز ہے کہ وحدتِ آواز وحدتِ نوعیہ ہے کہ تمام امثالِ متجددہ میں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے ۔ کاپیوں اور ٹھپوں کی تعداد سے آواز متعدد نہیں سمجھی جاتی اور یہ نہیں کہا جاتا کہ ہزاروں اشخاص نے ہزاروں آوازیں سنیں بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ سب نے وہی ایک آواز سنی جیسے کاتب کتاب کے حروف و نقوش لکھتا ہے اور پریس میں اس کی کاپی اتر کر چھپتے چھپتے ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے مگر وحدتِ نوعیہ کے لحاظ سے وہی ایک کتاب ہی مانی جاتی ہے اور یہ نہیں کہا جاتا کہ مثلاً ایک " قدوری " یا " کنز " چھپتے چھپتے ہزاروں قدوریاں یا کنزیں بن گئیں کہ نسخوں اور چھاپوں کی تعداد سے اصل کتاب متعدد نہیں بن جاتی (ھٰذا نظیر من النظائر) اور جب ثابت ہوا کہ صدا پہلی ہی آواز ہے تو اس سے آیتِ سجدہ سننا فقہائے کرام کے نزدیک موجبِ سجدہ کیوں نہیں ؟

اس سوال کا جواب اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصورتِ استدراک یہ دیا کہ چونکہ شرعی حکم ہے کہ سجدہ واجب نہیں ہوتا لہٰذا ایجابِ سجدہ کے لئے علماء کے صدا کے متعلق مذکورہ دو قولوں سے پہلے قول پر بعض

ــــہ الکشف شافیا کے صـ۳۴ ، صـ۳۵ پر صدا کے متعلق اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واضح ارشاد ہے ۔ بہرحال کچھ سہی اتنا یقینی ہے کہ آواز وہی آوازِ متکلم ہے ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

طاقتِ موجبۂ تموج کی قید اور دوسرے قول پر تو صدِ تموج کی قید بڑھانی واجب ہوگی و فصب المسائل ھذا۔ مگر شرعِ مطہر نے اس کے سننے سے سجدہ واجب نہ فرمایا۔

قولِ ثانی پر کہنا ہوگا کہ سمع میں ایجاب سجدہ کے لئے اسی تموجِ اول سے وقوعِ سماع لازم ہے۔ اور قولِ اول پر یہ قید بڑھانی واجب ہوگی کہ وہ تموج محض اسی طاقت کا سلسلہ ہو جو تحریکِ گلو و زبانِ تالی نے پیدا کی تھی، پلٹنے میں وہ تنہا نہ رہی بلکہ تصادم کی قوتِ دافعہ بھی شریک ہوگئی۔ انتہیٰ۔ تو اس جواب سے یہ قطعاً مفہوم نہیں کہ صدا سرے سے ہے ہی نئی اور دوسری آواز کہ آواز کیفیت و شکل ہی ہے جو باقی ہے۔ اور پلٹی ہے اور پلٹا تموج تازہ سے ہو تب بھی دوسری آواز نہیں بنتی کما ھو صراحۃ چہ جائیکہ پہلے ہی تموج سے پلٹے اور یونہی تحریک گلو و زبانِ تالی کی پیدا کردہ طاقتِ موجبۂ تموج کے ساتھ قوتِ دافعہ تصادم کا شریک ہوجانا بھی دوسری آواز نہیں بنا سکتا کہ یہاں تو اصل طاقت بھی ہے۔ اور تموج تازہ تو بالکل نئی طاقت سے پیدا ہوتا ہے اور وہ نئی طاقت تو پہلی طاقت کے ختم ہونے کی صورت میں بھی نئی آواز نہیں بنا سکتی تو پہلی کے ہوتے ہوئے کیسے بنا سکے! اور جب آواز وہی رہتی ہے تو ثابت ہوا کہ توحد و محض مذکور وحدت صوت کی شرط نہیں بلکہ ایجاب سجدہ کی ہی شرط ہے اور یہی اس عبارتِ استدراکیہ سے صراحۃً ثابت، تو روزِ روشن کی طرح واضح و ہویدا ہوا کہ صدا امام اہل السنت والجماعت کے نزدیک دوسری آواز ہرگز ہرگز نہیں بلکہ پہلی ہی ہے۔ اور چونکہ وہ حضرات جو عدمِ جواز کے قائل ہیں لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز کو صدا ہی قرار دیتے ہیں لہذا وہ ان کے نزدیک بھی پہلی ہی آواز ہوگی۔ چنانچہ ناقل فاضل (باوجودیکہ عدمِ جواز کے قائل ہیں) وہ سب تصریحاتِ مفصلۂ مذکورہ نقل کرنے کے بعد بڑی ہی لمبی تقریر سے لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز کو صدا ثابت کرنے کے باوجود اصل آواز قرار دیتے ہیں اور یہ نہیں فرماتے کہ صدا پہلی آواز کی غیر ہے لہذا سپیکر سے سنی گئی بھی غیر ہے لہذا اقتداء ناجائز ہے بلکہ نماز کا عدمِ جواز سجدہ کے عدمِ جواز سے متفرع بناتے ہیں، فرماتے ہیں ہماری اس تقریر سے واضح و لائح ہوگیا کہ صدائے لاؤڈ سپیکر در اصل صدا ہی ہے تو اس آلے سے سنی ہوئی آواز اگرچہ وہی اصل متکلم کی آواز ہے خواہ پہلے ہی ہوا اسے لئے ہوئے پلٹ آئی یا اس کی کاپی دوسری میں اتر گئی اور وہ لائی، مگر بحکم شریعت مطہرہ اس کے سننے سے سجدہ واجب نہیں" پھر فرماتے ہیں جب بحکم فقہ صدا سے آیتِ سجدہ سننا واجب نہیں کرتا تو اس کا اتباع کر کے اقتدا کیونکہ صحیح ہو سکتی ہے؟ انتہیٰ۔

Marfat.com

تو صراحۃً ثابت ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک بھی سپیکر سے سنی گئی آواز پہلی ہی آواز ہے بناءً علی تحقیق امام اہل السنۃ والجماعۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو شبہ اقتداء من لم یدخل فی الصلوٰۃ بہا ء منثورًا بن گیا (والتفصیل فی مکبر الصوت) اور جوازِ نماز صاف صاف ثابت ہوگیا اور عدمِ وجوب سجدہ پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے سجدہ کے عدمِ وجوب سے (جو مقیس علیہ ہے) تو سجدہ ہی کا عدمِ جواز ثابت نہیں، کہ نفیِ خاص نفیِ عام نہیں تو نماز (جو مقیس ہے) کا عدمِ جواز کیونکر ثابت ہوگا؟ بلکہ بحکم مفہومِ مخالف عباراتِ فقہائے کرام سے جوازِ سجدہ ثابت، تو بحکمِ قیاسِ مذکور نماز کا جواز بھی ثابت ہوگا۔ نیز مقتدی کے آیتِ سجدہ پڑھنے سے بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا بلکہ نماز میں جائز ہی نہیں، تو اس قیاس کا تقاضا یہ کہ مبلغ سے جو مقتدی ہی ہوتا ہے سن کر بھی ادائے نماز جائز نہ ہو، اور یہ کہ غلطی کے وقت امام اگر مقتدی سے لقمہ لے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے اور اس سے سب کی فاسد ہو جائے۔ اور یونہی کسی کو آیتِ سجدہ پڑھتے ہوئے دیکھنے سے یا اس جاننے سے کہ وہ پڑھ رہا ہے، بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا تو قیاسِ مذکور کی بنا پر امام یا مقتدی کے انتقالات کو دیکھ کر یا جان کر بھی پڑھنا جائز نہ رہے تو وہ مقتدی جو دور ہوں نماز کس طرح ادا کریں کہ اس قیاس کی بنا پر مبلغ سے سن کر یا امام و مقتدی کے انتقالات دیکھ یا جان کر ادا کرنا جائز نہیں اور دور ہونے کے سبب امام کی تکبیرات سن نہیں رہے تو وہ بیچارے کریں کیا؟ بلکہ اگر امام سہواً یا عمداً ہی جہرِ تکبیرات جو سنت ہے ترک کر دے تو نزدیکی مقتدی بھی حیران رہ جائیں گے۔

پھر کتبِ معتمدۂ فقہیہ میں مصرح کہ جنب و محدث، مجنون و نائم، سکران و صبی، حائض و نفساء بلکہ کافر بھی آیتِ سجدہ پڑھے تو سامع پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے حالانکہ یہ لوگ صبی کے ماسوا مبلغ یا مقتدی بھی نہیں بن سکتے، تو امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ وجوب و عدمِ وجوب سجدۂ تلاوت نماز کے جواز و عدمِ جواز کا مقیس علیہ نہیں، اور یہ بھی بر ظاہر کہ کسی کتابِ معتمد فقہی میں یہ قطعاً نہیں کہ صدا سے سن کر اقتداء جائز نہیں بلکہ بحکمِ اطلاق جواز کی تصریح ہے۔ مکبر الصوت میں فتاویٰ قاضی خان، خلاصۃ الفتاویٰ، سراجیہ، ہندیہ، در المختار وغیرہا سے گذر چکا و النظم للامام فقیہ النفس علیہ الرحمۃ و لا یشتبہ حال الامام

عہ وھو معتبر فی الروایات کما صرح بہ فی الدر و حاشیتہ للشامی و رسائل و الفتاوی الرضویۃ وغیرھا ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

بسماع او رؤیۃ صح الاقتداء فی قولھم۔ درمختار و شامی وغیرہا میں ہے و علمہ بانتقالاتہ۔ بدائع صنائع میں فرمایا و ان کان فیہ ثقب لا یمنع مشاھدۃ حال الامام لا یمنع بالاجماع۔

سب کا حاصل یہ کہ کسی سماع (سننے) یا رؤیت (دیکھنے) یا مشاہدہ کے باعث حالِ امام مشتبہ نہ رہے تو سب کا اجماع ہے کہ اقتدا صحیح ہے۔ تو یہ مطلق مشاہدہ و سماع، سماعِ صدائے سپیکر کو بھی یقیناً شامل کہ اس کا سماع و مشاہدہ بھی بلا اشتباہ علمِ انتقالاتِ امام کا ذریعہ ہے تو نمازیں بالاجماع جائز و صحیح ہونگی۔ بفضلہ وکرمہ تعالیٰ یہ جزئیہ صریحہ ہے ولہ جل مجدہ الحمد والمنۃ یہ ہمارے مشائخ کرام کی کرامتِ کاملہ ہی ہے کہ ایجادِ سپیکر سے صدہا سال پہلے ہی حکم بیان فرما گئے۔ اور یونہی امامِ اہلِ السنت والجماعت مجددِ مائۃ حاضرہ کی بھی کرامتِ مکملہ ہے کہ ایک دوسرے مسئلہ کے بیان میں صوت وصدا کی توضیحات اس طرح بنا گئے کہ مسئلہ سپیکر بے غبار بنا گئے حالانکہ سپیکر کا ان کے وقت میں ہندوستان میں رواج ہی نہ تھا بلکہ شاید آیا ہی نہ تھا وکم من نظیر لھذا لمشائخنا رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام کی آواز مقتدیوں کو پہنچ رہی ہو تو مبلغ کھڑے کرنے کی ضرورت نہیں، اس وقت مبلغ کھڑا کرنا مکروہ اور بدعتِ منکرہ ہے کما فی الشامی لہذا لاؤڈ سپیکر بھی مکروہ و بدعت ہوگا کہ نزدیکی مقتدی دو آوازیں سنتے ہیں، تو اس کا جواب وہیں شامی میں ہی ہے و اما عند الاحتیاج الیہ فمستحب یعنے جب ضرورت ہو تو مستحب ہے۔ اور چونکہ سپیکر بھی ضرورت کے وقت ہی نصب کیا جاتا ہے تو وہ بھی مستحب ہونا چاہیے۔ ہاں امام سے نزدیک مقتدی دوہری آواز سنتے ہیں مگر اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس دوسری آواز کو وہ حضرات صدا مانتے ہیں اور صدا موجبِ کراہت نہیں کہ زمانِ قدیم سے مسلمان گنبد دار مساجد میں باوجودیکہ صدا پیدا ہوتی ہے بلا انکار نمازیں باجماعت ادا کرتے ہیں۔ اور صدا کوئی غیر آواز سے بھی نہیں بلکہ حکماً پہلی ہی ہے کما مر تو مضائقہ کیا؟ اور جب وعظ و خطبہ و تلاوت جہریہ لاؤڈ سپیکر پہ مانعین حضرات کے نزدیک بھی بلا حرج جائز ہیں حالانکہ ان میں بھی قریبی حاضرین دوہری آواز سنتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ دوہرا سننا ناجائز نہیں بناتا ورنہ جسطرح نماز میں کوئی غیر آواز قابلِ احتراز ہے اسی طرح وعظ میں اور خطبہ و تلاوت کے وقت میں بھی قابلِ احتراز

Marfat.com

ہی ہے۔ ایک صاحب کے وعظ و خطبہ و تلاوتِ جہریہ کے وقت اسی مجلس میں دوسرے صاحب کا وعظ و خطبہ و تلاوتِ جہریہ جائز نہیں فالجواب ھو الجواب۔ بلکہ مبلغ کھڑے کرنے کی صورت میں بھی امام کے نزدیکی مقتدی دو مستقل آوازیں سنا کرتے ہیں کہ مبلغ اگرچہ پہلی صفوں میں کھڑا نہیں ہوتا مگر پھر بھی امام کی حدِ آواز کے اندر ہی ہوتا ہے کہ امام سے سن کر ہی دور والوں کو تکبیرات سنایا کرتا ہے۔ اور آواز تو سب طرف برابر بلکہ نسبۃً آگے زیادہ دور ہو جاتی ہے تو لامحالہ امام و مبلغ کے درمیانی مقتدی دونوں کی آوازیں سنیں گے بلکہ بہت زیادہ نمازی ہوں اور کئی مبلغ کھڑے کرنے پڑیں تو مبلغین کی درمیانہ صفیں بھی دو دو آوازیں سنیں گی تو اگر سپیکر اس وجہ سے مکروہ و بدعتِ منکرہ ہے کہ امام کے نزدیکی مقتدی دو مستقل آوازیں سنتے ہیں تو مبلغ کھڑے کرنے کی صورت میں بھی دو آوازیں سنتے ہیں تو وہ بھی مکروہ و بدعت ہونا چاہیئے۔ اور مبلغ زیادہ ہوں تو یہ کراہت و بدعت بھی زیادہ ہو جاتی مگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ صورتِ سپیکر میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اور بعض حضرات یہ فرمایا کرتے ہیں کہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو نماز میں استعمال نہ کیا جائے لہذا نا جائز ہے۔ اس کا جواب امام اہل السنت والجماعت کے پاک کلمات میں سنیئے:-

فتاویٰ رضویہ شریف ص۹۹ جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ "احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیق بالغ و ثبوتِ کامل کسی شئے کو حرام و مکروہ کہہ کر شریعتِ مطہرہ پر افتراء کیجئے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن و بے حاجتِ مبیّن خود مبیّن۔ سیدی عبد الغنی بن سیدی اسمٰعیل قدس سرھا الجلیل فرماتے ہیں لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالی باثبات الحرمۃ او الکراھۃ اللذین لا بد لھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل وقد توقف النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مع انہ ھو المشرع فی تحریم الخمر ام الخبائث حتی نزل علیہ النص القطعی اھ واثرہ ابن عابدین فی الاشربۃ مقرراً (ترجمہ) یہ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا تعالی پر افترا کرو کہ حرمت و کراہت کے لئے دلیل درکار ہے۔ بلکہ احتیاط

ــہ کذا فی المنقول عنہ والقیاس اللتین ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے حالانکہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باوجودیکہ وہی مشرع ہیں شراب کے حرام فرمانے میں، جو ام الخبائث ہے، توقف فرمایا حتیٰ کہ آپ پر نص قطعی اتری اھ اور نقل کیا اسے شامی علیہ الرحمۃ نے کتاب الاشربہ ملا۲ جلد۵ میں مقرر فرماتے ہوئے"

بلکہ اقامۃ القیامہ ص۲۵ میں خاص مسئلہ نماز سے استدلال فرماتے ہیں نصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ. مولانا علی قاری رسالہ اقتدار بالمخالف میں فرماتے ہیں: من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلۃ ھو الصحۃ واما القول بالفساد والکراھۃ فیحتاج الی حجۃ من الکتب اوالسنۃ او اجماع الامۃ. ترجمہ یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا محتاج اس کا ہے کہ قرآن یا حدیث یا اجماع امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے اھ"

اور وہ جو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سپیکر کبھی دورانِ نماز میں بند ہو جائے تو امام سے دور مقتدیوں کی نمازیں برباد ہو جائیں گی، تو اس کا جواب بھی واضح کہ نمازیں کیوں برباد ہوں گی۔ اہلِ فہم قریبی مقتدی امام سے سن کر دور والوں کو تکبیرات سنا دیں گے اور شروع سے پہلے امام بھی یہ ہدایت دے سکتا ہے اور اگر کہیں امام و مقتدی سب کی ناواقفی سے (جو نہایت ہی نادر ہے) یہ اتفاق بن بھی جائے تو اس کا یہ تقاضا نہیں کہ مطلقاً ناجائز ہو جائے۔ جزوی خرابی سے ممانعت کلیہ ثابت نہیں ہو سکتی ورنہ مبلغین میں بھی بکثرت ایسے پائے جاتے ہیں کہ جن کی خرابیاں اور غلط کاریاں فساد و بطلانِ نماز کا باعث بنتی رہتی ہیں۔ فتح القدیر و رسائلِ شامی سے اس کی قدرے تفصیل مکبر الصوت میں گزر چکی۔ یہاں امام اہل السنت والجماعت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تصریحاتِ جلیلہ سنیں کہ باعثِ برکت ہیں۔

فتاوےٰ رضویہ ص۴۹۲ جلد۲، احکام شریعت ص۱۳۳ جلد۲ میں ہے، "مؤذن نماز میں امام کی تکبیر پہنچانے کو جس وضع سے تکبیر کہتے ہیں اسے کون عالم جائز کہہ سکتا ہے مگر سلطنت کے وظیفہ داروں پر علماء کا کیا اختیار؛ علمائے کرام نے تو اس پر یہ حکم فرمایا کہ تکبیر درکنار اس طرح تو ان کی نمازوں کی بھی خیر نہیں، دیکھو فتح القدیر ص۲۶۳/۲۶۲ جلد۱، درالمختار وردالمختار ص۱۱۶، خود مفتی مدینہ منورہ علامہ سید اسعد حسینی مدنی تلمیذ علامہ صاحب مجمع الانہر رحمہا اللہ تعالیٰ نے تکبیر میں اپنے یہاں کے مکبروں کی سخت بے اعتدالیاں تحریر فرمائی ہیں دیکھو فتاوےٰ اسعدیہ ص۸ جلد۱۔ آخر میں فرمایا اما حرکات المکبرین وصنعھم فانا ابرآ

الی اللہ تعالیٰ منہ۔ یعنی ان مکبروں کی جو حرکتیں ہو کام ہیں میں ان سے اللہ تعالےٰ کی طرف برارت کرتا ہوں اور راو پر اس سے بڑھ کر لفظ لکھا پھر کسی عاقل کے نزدیک ان کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے۔ نہ وہ علماء ہیں نہ علماء کے زیر حکم ؛ انتہیٰ ، مگر یہ بعض مبلغین کی ناجائز حرکتیں مطلقاً مبلغ کھڑا کرنا ناجائز نہیں بنا سکتیں ، تو لا محالہ استعمال سپیکر بھی مطلقاً ناجائز نہیں بنے گا۔

بعض احباب یہ اعتراض بھی کر دیتے ہیں کہ سپیکر سمندر پار کفار کا تیار کردہ ہے اور اسے کفار اپنے معابد و مجالس کفریہ میں استعمال کیا کرتے ہیں لہذا یہ جائز الاستعمال نہیں ؟

یہ اعتراض بھی نہایت ہی حیرت افزا ہے۔ سب کچھ اسی خالق کل شئی کا پیدا کیا ہوا ہے جس نے یخلق ما لا تعلمون ، فرماتے ہوئے نئی نئی ایجادات کے مفید و مباح ہونے کی ہدایت کر دی جب تک کوئی خاص شرعی دلیل کسی خاص نو ایجاد چیز کو ناجائز نہ بتاتے اس وقت تک ناجائز کہنا جائز نہیں ، صدہا آیات و احادیث سے یہ قاعدہ ثابت کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ احباب اتنا بھی خیال نہیں فرماتے کہ کعبۂ مقدسہ کی وہ عمارت جو حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک وقت میں قائم تھی جس کے طواف اولین حج میں کئے گئے وہ کس کی تیار کردہ تھی ؟ بلکہ جب فتح مکہ سے قبل اس میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے اور کفار نے بت خانہ بنا رکھا تھا تو اس وقت عمرۃ القضاء میں وہیں طواف ہوئے اور یونہی نمازیں بھی اسی کی طرف ادا ہوتی رہیں اور غنیمت کے کپڑے وغیرہ تو ابتدائے اسلام سے استعمال ہو رہے ہیں۔

اسلام ایسی تنگ نظری اور چھوت چھات کا قائل نہیں۔ امام اہل السنت والجماعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فتاوائے مبارکہ رضویہ کے صلہ سے صلا جلد ۲ تک اس مسئلہ کی بڑی وضاحت فرمائی (ونصہ) کسی شئی کا محل احتیاط سے دور یا کسی قوم کا بے احتیاط و شعور اور بے پروائے نجاست و حرمت سے مہجور ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شئے یا اس قوم کی استعمالی خواہ بنائی ہوئی چیزیں مطلقاً ناپاک یا حرام و ممنوع قرار پائیں الخ اور اگر بالفرض ممنوع ہی ہوتا تو اذان و تلاوت و وعظ میں بھی ممنوع ہی ہوتا حالانکہ سب بالاتفاق استعمال کر رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ بلاشبہ جائز ہے اور یہی تقاضا ہے ان تحقیقات امام اہل السنت والجماعت مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو صوت وصدا وغیرہ کے متعلق ہیں کما مر تفصیل البعض فی مکبر الصوت والضمیمۃ۔

حضرات علماء عظام وفقہائے کرام کے حضور پرنور معروض کہ مسئلہ زیر بحث کے متعلق اپنی آرائے عالیہ سے

Marfat.com

دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔ بفضلہٖ وکرمہٖ تعالیٰ مجھے قبولِ حق سے قطعاً عار نہیں، اور اعترافِ خطا بھی دشوار نہیں، واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبہٖ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ ذی الحجۃ المبارکہ ۷۸ ۱۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ اگر امام امامت سے پہلے لاؤڈ سپیکر نصب کرادے کہ تکبیر تحریمہ و انتقالات سے وہ مقتدی جو دور ہوں مطلع ہوتے رہیں، تو کیا شرعاً ان مقتدیوں کی نماز ہوگئی جو لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ مطلع ہو کر افعالِ نماز میں متابعتِ امام کرتے رہیں! بعض علمائے کرام فسادِ نماز کا حکم لگاتے ہیں کہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ جو آواز سنائی دیتی ہے نئی آواز ہے اور صدا ہے اور امام کی آواز نہیں تو یہ من لم یدخل فی الصلوٰۃ کی اقتدا ہی جو مفسدِ نماز ہے اور ایسے ہی یہ تلقن من الخارج بنتا ہے یعنی جو نماز میں شریک نہیں اس سے افعالِ نماز کی ادائیگی میں استفادہ ہے اور یہ بھی مفسدِ نماز ہے، صدا سے سجدۂ تلاوت کی آیت سنی جائے تو سامع پر سجدہ لازم نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ ان مقتدیوں کی نمازیں فاسد ہیں۔ اور اگر امام ہی کی آواز ہو تو پھر بھی چونکہ اس میں جہرِ مفرط پایا جاتا ہے جو مفسدِ نماز ہے، لہذا نمازیں نہ ہوئیں اور لاؤڈ سپیکر کا استعمال نماز میں حرام ہے جو کرے اس پر توبہ فرض ہے، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا قرآنِ کریم سے باوجود دعوائے تبیانا لکل شیئ اس کا کوئی حل نہیں ملتا! احادیثِ شریفہ سے کوئی ہدایت نہیں ملتی؟ پھر اجماعِ امت اور اجتہادِ مجتہدین سے بھی واضح ثبوت نہیں ملتا؟ بینوا اجروا من رب العالمین۔

سائل : ایک عالمِ دینِ متین

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

قرآنِ کریم کا تبیانا لکل شیئ ہونا اور احادیثِ شریفہ کا علوم اولین وآخرین پر احتوا، بلا شک وشبہ و گنجائش ریب یقیناً صحیح وثابت ہے۔ انقضائے زمانہ تک پیش آنے والے تمام امور و واقعات کے متعلق شرعی احکام بھی

ــــہ من الفقیر ابی الخیر النعیمی غفرلہٗ۔

Marfat.com

موجود اور قواعدِ کلیہ اور ضوابطِ جلیلہ بھی مشہور ہیں۔ چنانچہ آیاتِ متواترہ و متکاثرہ اور احادیثِ متظاہرہ و متوافرہ سے یہ کلیہ نہایت ہی محقق طور پر ثابت و مبرہن کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ یعنی جب تک دلائلِ شرعیہ سے کسی شے کی حرمت و ممانعت ثابت نہ ہو، حلال و جائز الاستعمال رہتی ہے، اس پر کوئی گرفت نہیں ہوتی کہ عفوِ عام کے تحت ہے۔ قرآنِ کریم نے صاف صاف تصریح فرمادی عَفَی اللّٰہُ عَنْہَا (پ ع) احادیثِ طیبہ نے توضیح و تشریح فرماتے ہوئے مما عفا عنہ کا وسیع شاہراہ دکھادیا۔ مفسرینِ کرام و متکلمینِ عظام و اساطینِ ملت و معتمدینِ مذہب نے اس قاعدۂ کثیرۃ الفائدہ کو استدلال و استعمال سے شمسِ نصف النہار کی طرح نہایت ہی نمایاں و واضح بنادیا، تو روزِ روشن کی مانند معلوم ہوا کہ صورتِ مسئول عنہا میں جوازِ استعمالِ لاؤڈ سپیکر ثابت ہے اور منافیٔ جوازِ نماز نہیں کہ استعمال و استفادۂ مذکور کی حرمت و ممانعت کسی آیت یا حدیث یا اجماعِ امت و قیاسِ مجتہد سے قطعاً ثابت نہیں۔ حضراتِ علماء کرام باوجود سعیِ بلیغ و تفتیشِ کامل کے کوئی وجہِ حرمت و ممانعت حسبِ قواعدِ مقررۂ شرعیہ نکال نہ سکے، البتہ بعض حضرات بنابر وجوہِ مذکورۂ سوال احتیاط پر بیز فرماتے رہے بلکہ بعض نے صریح لفظِ حرام کا اطلاق فرمادیا اور لزومِ اعادۂ نماز و فرضیتِ توبہ کا فتوٰے دے دیا حالانکہ عند التحقیق ان وجوہ سے کوئی ایک وجہ بھی ایسی نہیں جس میں اثباتِ حرمتِ شرعیہ کی ذرہ بھر تاب و تواں ہو کما سیتضح بمحسن توفیقہ تعالیٰ۔

پھر قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ سے بداہۃً یہ قاعدہ ثابت کہ فاعلِ مختار کا وہ کام جو کسی آلۂ غیر مختار کی وساطت سے انجام پائے، فاعلِ مختار کا ہی کام شمار ہوتا ہے نہ یہ کہ ایسا واسطہ حدِ وساطت سے بڑھتے ہوئے فاعل بن جائے اور فاعل معطل رہ جائے۔ کتابت بواسطۂ قلم انجام پاتی ہے مگر کاتب وہی ہوتا ہے جو قلم چلاتا ہے قرآنِ کریم نے فرمایا یکتبون الکتاب بایدیھم (پ ع)۔ جنگ میں دشمنوں کا زخمی کرنا اور مارنا بوساطت اسلحہ سے ہوتا ہے مگر قرآنِ کریم مقاتلین کا فعل قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم (پ ع) حتے کہ اسلحہ کا شمار قوتِ مجاہدین کے ماتحت افراد میں فرمایا و اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (پ ع) حتے کہ جن ظالموں نے ہٹ دھرمی سے واسطہ کی فاعلیت کا اعتبار کرتے ہوئے اپنی برأت کا دم بھرا، بندر بنادیئے گئے ولقد علمتم الذین اعتدوا فی السبت فقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین (پ ع)، حدیث شریف نے صاحب المجن وغیرہ کی بھی سزائیں بیان فرمائیں الیٰ غیر ذلک من الآیات والاحادیث۔ اور عرفِ عام کا بھی یہی

تقاضا ہے۔ تیر و تلوار وغیرہ اوزار کو مسلمان تو مسلمان کوئی کافر سے کافر بھی، بلکہ بالکل ہی اجہل اُجڈ بھی فاعل قرار نہیں دے سکتا حالانکہ شرعاً بھی عرف کا اعتبار ہے، حکم آیا و أمر بالعرف (پ ۹ ع ۱۴) تو اس ضابطہ مضبوطہ کی رُو سے بھی وہی جواز نہایت ہی نمایاں طور پر ثابت ہو گیا کہ لاؤڈ سپیکر بھی آلہ غیر مختار ہے، تو حسب القاعدہ اس کے ذریعہ جو آواز امام سنائے گا وہ امام ہی کی آواز ہو گی اور امام ہی متکلم و فاعل ہو گا نہ یہ کہ امام کو معطل کرتے ہوئے لاؤڈ سپیکر فاعل و متکلم بن جائے اور مقتدی جو دور ہیں وہ لاؤڈ سپیکر کے مقتدی اور تابع قرار پائیں اور چونکہ لاؤڈ سپیکر قصدِ ذکر و نماز نہیں کرتا تو من لم یدخل فی الصلوٰۃ بنا اور من لم یدخل فی الصلوٰۃ کی اقتدا مفسدِ نماز ہے تو ان مقتدیوں کی نماز نہ ہوئی بلکہ بفضلہ وکرمہ تعالےٰ قرآن کریم سے بالخصوص واسطۂ غیر مختار سے آواز پہنچانے کی صورت میں آواز پہنچانے والے مختار کا ہی فاعل و داعی ہونا اور تعمیلِ امر کرنے والوں کا اسی داعی کا متبع ہونا صراحۃً ثابت و واضح ہے۔ حضرتِ اسرافیل باذنہ تعالےٰ "کرنا" کے ذریعے بلائیں گے، تمام مردے زندہ ہو کر ان کی طرف دوڑیں گے۔ مولا تبارک وتعالےٰ نے فرمایا و استمع یوم ینادی المناد (پ ۲۶ ع ۱۶) یوم یدع الداع الی شیءٍ نکر (الی) مھطعین الی الداع (پ ۲۷ ع ۶) نیز فرمایا۔ یومئذٍ یتبعون الداعی لاعوج لہ (پ ۱۶ ع ۱)۔

کسی بھی مفسر نے ان آیات میں "الداعی" یا "المنادی" کی تفسیر صور سے نہیں فرمائی بلکہ اکثر نے اسرافیل اور بعض نے عزرائیل وغیرہ ملائکہ سے تعبیر فرمائی تو اس مسئلہ زیرِ بحث کی وضاحت اور بھی زیادہ ہو گئی کہ اسرافیل کرنا، کو منہ میں لے کر پکاریں گے تو ان کی آواز صرف کرنا۔ کے ذریعے ہی سنائی جائے گی اور اس کے باوجود کرنا، کی اتباع نہیں بلکہ اسرافیل کی اتباع فرمایا تو لاؤڈ سپیکر جو تمام آواز کا احاطہ نہیں کرتا، کس طرح متبوع بن گیا؟ تو ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی طرح واضح و ہویدا ہو گیا کہ لاؤڈ سپیکر امام کی اتباع و اقتدار کا ذریعۂ محضہ ہے جس کی حرمت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور انما جعل الامام لیؤتم بہ کا مقصدِ مقدس پورا کرنیکا ایک سبب اور وارکعوا مع الراکعین کی معیتِ مخصوصہ کے ذرائع استعمال سے ہے تو کم از کم مباح بلکہ مستحسن ضرور ہو گا۔ اور مبلغ و مکبر کا مستحسن و حسن ہونا مانع نہیں کہ تعدّدِ اسباب قطعاً جائز ہے اور علمائے کرام لا مزاحمۃ فی الاسباب فرمایا کرتے ہیں، ورنہ بوجہ تعدد متاثلین تبلیغ مبلغ بھی جائز نہ ہو گی و لا یقول بہ عاقل۔ اور جب اتباع و اقتدار امام ہے تو نمازیں جائز ہو گئیں۔ رہا ان حضرات کا فرمانا کہ نئی آواز ہے اور صدا ہے اور امام کی آواز نہیں تو یہ من لم یدخل فی الصلوٰۃ کی اقتدا نہیں

جو مفسدِ نماز ہے ، تو نہایت ہی ادب سے معروض کہ " امام کی آواز نہیں " سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ وہ ایک آواز متشخص جو تحریک زبان سے پیدا ہوئی بعینہٖ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ کانوں میں نہیں آتی تو اس میں لاؤڈ سپیکر بیچارے کی کیا تخصیص ؛ بلکہ جو آواز بھی مقتدیوں کے کانوں میں جاتی ہے اگرچہ لاؤڈ سپیکر کا واسطہ نہ ہو تو وہ وہی پہلی متشخص و متوحد آواز امام بعینہٖ نہیں ہوتی کہ متوحد متشخص بعینہٖ کا ایک ہی وقت میں صدہا کانوں اور مکانوں میں پہنچ جانا ممکن ہی نہیں بلکہ اس پہلی آواز سے ہواؤں کے تموجات کے ذریعہ بکثرت نئی آوازیں پیدا ہو کر پہنچتی ہیں۔ مثلاً امام ، سو مقتدیوں کی امامت کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتا ہے اور تمام مقتدی بمع امام دونوں دونوں کانوں سے بیک وقت سن لیتے ہیں تو یہ نہیں کہ وہ ایک تکبیر ایک ہی رہتے ہوئے بیک وقت دو سو دو کانوں میں داخل ہو گئی بلکہ اس وحدتِ تکبیر سے یہ کثرت پیدا ہوئی کہ سب کانوں میں جلوہ گر ہو گئی و ذا بدیہی اجلی قد بین فی مظانہ من شرح المواقف وغیرہ۔ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نماز باجماعت کی صورت میں مطلقاً کسی مقتدی کی نماز نہیں ہوتی کہ نئی آواز کی اقتدار مفسدِ نماز ہے بلکہ حسب القاعدہ سب امام ہی کی آوازیں ہیں جو وساطتِ آلۂ غیر مختار تموج اہویہ سے ظاہر ہوئیں اور ایسے ہی لاؤڈ سپیکر بھی واسطۂ غیر مختار ہے تو اس سے سنی گئی آواز بھی امام کی آواز ہو گی جو مفسدِ نماز نہیں ،

نوٹ : یہ فتویٰ یہاں تک ہی دستیاب ہوا ۱۲

الاستفتاء

اللہ رب العالمین جل وعلا نے نماز میں قرآنِ کریم بلند آواز سے پڑھنا کہ بیرونِ مسجد بھی سنا جائے ممنوع فرمایا ہے ولا تجھر بصلاتك ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلك سبیلا۔ حالانکہ لاؤڈ سپیکر سے آواز بلند ہو جاتی ہے اور بیرونِ مسجد باقاعدہ سنی جاتی ہے تو استعمالِ لاؤڈ سپیکر حرام یا مکروہ تحریمہ ہوا ؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

قرآنِ کریم کا یوں بلند آواز سے پڑھنا جب کہ پڑھنے والے کو مشقت لاحق نہ ہو بلاشک وشبہ وریب یقیناً جائز ہے یہ آیتِ کریمہ اسے حرام و مکروہ قطعاً قرار نہیں دیتی۔ اس کا مشہور و مضبوط شانِ نزول جو حضرت

Marfat.com

ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ائمہ کثیرہ نے روایت فرمایا یہ ہے کہ جب حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بوجہ کثرتِ کفار و مشرکین گوشہ نشین تھے اور نمازِ باجماعت میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتے تو مشرکین سن کر گالیاں دیتے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسا بلند نہ پڑھو کہ مشرکین سنکر گالیاں دیں اور نہ ہی ایسا آہستہ کہ صحابہ نہ سن سکیں بلکہ درمیانہ راستہ اختیار کرو۔" تفسیر درِ منثور ص۲۰۶ جلد۴، ابنِ کثیر ص۶۹ جلد۳، کبیر ص۴۵۵ جلد۵، طبری ص۱۲۳ جلد۱۵، ص۱۲۴، خازن ص۱۵۴ جلد۴، بخاری ص۶۸۶ جلد۲، مسلم ص۱۸۳ جلد۱، معالم ص۱۵۴ جلد۴، سننِ ترمذی ص۱۴۲ جلد۲، سننِ نسائی ص۱۵۸ جلد۱، وغیرہا میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم من الدر اخرج سعید ابن منصور و احمد و البخاری و مسلم و النسائی و ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن حبان و ابن مردویہ و الطبرانی والبیھقی فی سننہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی قولہ تعالیٰ ولا تجھر بصلاتک الآیۃ قال نزلت و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بمکۃ متوارٍ فکان اذا صلی باصحابہ رفع صوتہ بالقرآن فاذا سمع ذلک المشرکون سبوا القرآن ومن انزلہ و من جاء بہ فقال اللہ لنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا تجھر بصلوتک ای بقراءتک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن و لا تخافت بھا عن اصحابک فلا تسمعھم القرآن حتی یأخذوہ عنک وابتغ بین ذلک سبیلا یقول بین الجھر والمخافتۃ۔

اور اسی طرح بلا ذکر ابنِ عباس، بیضاوی ص۴۷۲ جلد۱، ابوالسعود ص۴۲ جلد۶، جلالین، مدارک ص۲۵۶ جلد۲ وغیرہا میں ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم اتنا بلند پڑھتے تھے کہ مشرکین سنکر شور مچاتے تھے۔ اور اس آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ اس طرح پڑھیں کہ مشرکین نہ سنیں اور صحابہ کرام سنیں[1]۔ اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ درمیانہ آواز سے پڑھا جائے کہ آواز دور نہ جائے، دوسری یہ کہ غفلتِ مشرکین کے وقت

---

[1] لعنی اور قرآن کریم یاد کریں ۱۲

Marfat.com

(مغرب وعشاء، وفجر میں) بلند پڑھا جائے اور دوسرے وقتوں (ظہر وعصر میں) آہستہ پڑھا جائے کہ یہ صورت بھی ان کے شر سے بچاؤ کی ہے اور صحابہ کرام بھی سن سکیں گے اور بین ذلک ای بین جھر الکل ومخافتۃ الکل بھی ہے۔

ان دونوں صورتوں کا فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں نفس جہر کامل اور مخافتِ کاملہ سے نہی وارد ہے اور دوسری صورت میں نفس جہر کامل اور مخافتِ کاملہ سے نہیں بلکہ دونوں کے ایقاع فی جمیع الصلوات سے نہی ہے یعنی دن کی نمازوں میں مطلقاً جہر نہ ہو اور رات کی نمازوں میں مخافتت نہ ہو، اور ان دونوں صورتوں کی تائید میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہیں۔ پہلی صورت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا و ابتغ بین ذلک سبیلاً یقول تعالیٰ اطلب بین الاعلان و الجھر و بین التخافت و الخفض طریقا لا جھر اشدیدا و لاخفضا حتی لا تسمع اذنیک۔ (در منثور وطبری)

اکثر مفسرین کی روش میں یہی صورت نمایاں ہے کہ دوسری صورت کو الگ قول کی شکل میں لکھتے ہیں۔ کما فی الکبیر ص۲۵۵ جلدہ و الدر المنثور و المدارک والتفسیرات الاحمدیۃ و ابی السعود و النیشاپوری و احکام القرآن وغیرھا حتے کہ طبری تو بالکل متبائن سمجھے، فرماتے ہیں لاجماع الحجۃ من اھل التاویل علی خلاف اور اس پہلی صورت کے لحاظ سے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ بلند نہ پڑھا جائے مگر اس صورت میں یہ تصریح بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے ہی ملتی ہے کہ ہجرت کے وقت یہ منسوخ ہوگیا، چنانچہ در، طبری، ابن کثیر بہ کلماتِ متقاربہ ناقل و النظم للطبری فلما ھاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم الی المدینۃ سقط ھذا کلہ یفعل الآن ای ذلک شاء، صاوی ص۳۱۵ جلد۲ میں ہے فھو منسوخ جس سے روز روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ جہرِ شدید جو منہی عنہ تھا منسوخ ہوگیا، تو اب جائز ہے اور کیا جا سکتا ہے اور یوں بھی اس صورت میں نسخ ماننا ضروری ہے کیونکہ اس کا صریح مفہوم بحکم قاعدۂ مسلمہ العبرۃ لعموم الالفاظ یہ ہے کہ سب نمازوں میں نہ بلند پڑھا جائے نہ آہستہ، بلکہ درمیانہ کہ باہر والے نہ سن سکیں اور نمازی سن لیں حالانکہ ظہر وعصر میں آہستہ پڑھا جاتا ہے۔ اگر لا تجھر کی بناء پر مغرب وعشاء وفجر میں زیادہ بلند

Marfat.com

پڑھنا ممنوع ہے تو ظہر و عصر میں یوں آہستہ پڑھنا کہ مقتدی نہ سن سکیں، بھی ممنوع ہونا چاہئے ولا یقول بہ احد فثبت النسخ فی ھذہ الصورۃ۔ نیز کتب معتمدۂ ائمۂ مذہبیہ "وجوب الجھر فی الصلوات الجھریۃ و وجوب المخافتۃ فی غیرھا" کی تصریحاتِ جلیلہ سے گونج رہی ہیں تو اگر "لاتجھر" اور "لاتخافت" کا یہی معنے ہے جو سائل نے بیان کیا اور پھر منسوخ بھی نہیں ہوا تو لازم کہ یہ سب تصریحات معاذ اللہ صریح نص کے خلاف ہوں ولا یجوزہ عاقل فضلا عن فاضل۔ اور یونہی بہت سے محدثین کرام نے بھی جہر و مخافتت سے بکثرت تعبیر فرمایا ہے تو امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ اگر آیت کا یہ معنے ہے تو منسوخ ہے فبطل استدلال السائل بالمنسوخ۔

اور دوسری صورت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما نے فرمایا ولا تجھر بصلاتک ولا تجعل کلھا جھرًا و لا تخافت بھا قال لا تجعلھا کلھا سرًّا۔ درمنثور ص۲۰۸ جلد۴ اور عند الاحناف یہی راجح ہے بلکہ ہے ہی یہی کیونکہ ہمارے فقہائے کرام و مشائخ عظام نے صاف صاف تصریح فرمادی کہ اسی شانِ نزول سے یہ حکم اس آیت پاک میں آیا۔ مبسوط ص۱۷ جلد۱، کفایہ علی الہدایہ ص۲۸۲، ۲۸۳ جلد۱، بحر الرائق عن الکافی لصاحب الکنز ص۳۳۵ جلد۱، طحطاوی علے المراقی ص۱۵۱ میں ہے والنظم للسرخسی وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الابتداء یجھر بالقراٰن فی الصلوات کلھا و کان المشرکون یؤذونہ و یسبون من انزل و من انزل الیہ فانزل اللہ تعالٰی ولا تجھر بصلٰوتک ولا تخافت بھا و ابتغ بین ذٰلک سبیلاً فکان یخافت بعد ذٰلک فی صلٰوۃ الظھر والعصر لانھم کانوا یستعدون للاذٰی و یجھر فی صلٰوۃ المغرب لانھم کانوا مشغولین بالاکل و فی صلٰوۃ العشاء والفجر لانھم کانوا نیامًا۔ کفایہ و بحر الرائق و طحطاوی میں ذکر شانِ نزول کے بعد تفسیر یہ کلمات ہیں ای لا تجھر بصلٰوتک کلھا ولا تخافت بھا کلھا و ابتغ بین ذٰلک سبیلا بان تجھر بصلوات

سے کہ جہر و مخافت پر نہی وارد اور یہ جہر و مخافت ثابت کر رہے ہیں ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

اللیل و تخافت بصلوات النھار فکان یخافت بعد ذٰلک فی صلوٰۃ الظھر و العصر الخ اور یونہی فتح القدیر ص۲۸۶ جلد ۱، اور بدائع ص۱۶۱ جلد ۱ عنایہ علی الہدایہ ص۲۸۳ جلد ۱، درالمختار تصریحاً، شامی تقریباً ص۴۹۷، ۴۹۸ جلد ۱ میں ہے و النظم من الفتح انہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجھر فی الصلوات کلھا فشرع الکفار الخ بالفاظِ متقاربہ تفسیراتِ احمدیہ میں ہے فالاٰیۃ فی تعیین الصلوات الجھریۃ و غیر الجھریۃ۔ اور اس صورت میں جہریہ نمازوں میں مطلقاً جہر کی اجازت ہو رہی ہے جو اپنے عموم اور شانِ نزول کے لحاظ سے جہرِ کامل کو بھی ضرور شامل ہے تو استدلالِ سائل ہباءً منثوراً بن گیا، بلکہ اس کے برعکس جوازِ آفتابِ تاباں کی طرح نمایاں ہوگیا اور یہی احادیثِ مرفوعہ اور عاداتِ صحابہ کرام اور نصوصِ فقہاءِ عظام سے بھی واضح طور پر ثابت ہے۔

سننِ ترمذی ص۶۹ جلد ۱، ص۱۲۱ جلد ۲، شمائلِ ترمذی ص۲۳، نسائی ص۱۸۸ جلد ۱، ابنِ ماجہ ص۹۷ میں حضور پُرنور صلے اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قراءتِ لیلیہ کے متعلق حضرت صدیقہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا سے بکلماتِ متقاربہ ہے ربما جھر و ربما اسر۔ سننِ ابنِ ماجہ ص۹۷، شمائل ص۲۳ میں حضرتِ اُمِ ہانی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا سے ہے کنت اسمع قراءۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باللیل و انا علی عریشی۔ قال القاری فی شرح الشمائل ص۱۱۳ جلد ۲، و فی روایۃ النسائی و ابن ماجۃ و ابی داؤد (الیٰ ان قالت) و انا نائمۃ علی فراشی و ایضا فی الشرح عن المواھب عن ابن ماجۃ قالت کنا نسمع قراءۃ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فی جوف اللیل عند الکعبۃ و انا علی عریشی۔ سننِ ابوداؤد ص۱۸۸، شمائلِ ترمذی ص۲۳ میں حضرتِ ابنِ عباس سے ہے کانت قراءۃ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم علی قدر ما یسمعہ من فی الحجرۃ وھو فی البیت۔ بخاری ص۱۰۶ جلد ۱، مسلم ص۲۱۳ جلد ۱، مؤطا امام مالک مع الشرح ص۳۱۴ جلد ۱، مؤطا امام محمد ص۱۴۴ حضرتِ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللّٰہ

سہ قد ذکروا ھذہ الاحادیث فی باب صلوٰۃ اللیل وغیرھا ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

تعالےٰ عنہا سے ہے کہ میں علیل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو فرمایا و النظم من الأخر طوفی من وراء الناس وانت راکبة قالت فطفت ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی الی جانب البیت ویقرأ بالطور وکتاب مسطور۔ فتح الباری ص۲۰۳ جلد۲ میں ہے ان قولها طفت وراء الناس یستلزم الجهر بالقراءة لانہ لایمکن سماعها من ورائهم الا ان کانت جهریة بخاری ص۱۰۵ جلد۱، ص۴۲۸ وغیرہا کتب کثیرۂ حدیث میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے کہ جب اساریٰ بدر کی طلب میں آئے تو سرکار عرش قرار صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔ جہاد بخاری کے لفظ ہیں وکان جاء فی اساری بدر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالطور۔ ظاہر ہے کہ قیدی مسجدِ اقدس سے باہر ہوں گے اور وہ قیدیوں کے پاس ہی ہوں گے، تو بیرونِ مسجد سنا۔ اور صحیح بہاری ص۴۳۵ جلد۲ میں طبرانی کی روایت سے ہے وقد خرج صوته من المسجد۔ احکام القرآن ص۲۶۰، ۲۶۱ جلد۳ میں ہے وروی الزهری عن عروة عن عائشة قالت سمع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صوت ابی موسیٰ فقال لقد اوتی ابوموسیٰ من مزامیر ال داؤد فهذا یدل علی ان رفع الصوت لم ینکره النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت امیرالمؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب بلند پڑھا کرتے تھے حتّٰی کہ بیرونِ مسجد "بلاط"[1] تک سنا جاتا تھا۔ مؤطا امام مالک مع الشرح ص۱۰۹ جلد۱، مؤطا امام محمد ص۸۱، سنن بیہقی ص۱۹۵ جلد۲ میں ہے ان عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کان یجهر بالقراءة فی الصلوٰة و ان قرأته کانت تسمع عند دار ابی جهم بالبلاط (ترجمہ) بے شک حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نماز میں قراءت بلند پڑھا کرتے تھے اور آپ کی قراءت بلاط میں ابوجہم کی حویلی کے پاس سنی جاتی تھی۔

---

[1] موضع معروف بالمدینة ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

بیہقی علیہ الرحمۃ نے فرمایا لم یکن فی الوقت الذی جہر فیہ عمر ھذا الجہر ما کان فی وقت نزول الآیۃ من خوف المشرکین ان ینالوا منہ ۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ بیہقی علیہ الرحمۃ کی نظر میں بھی وہی صورت اولی ہے اور قائل نسخ ہیں محرر مذہب حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے موطا میں حدیث مذکور کے نتیجہ میں فرمایا الجہر بالقراءۃ فی الصلوٰۃ فیما یجہر فیہ بالقراءۃ حسن ما لم یجہد الرجل نفسہ ۔ اس نص امام سے صاف ثابت ہو گیا کہ کمال جہر میں کوئی حرج نہیں بلکہ بہتر ہے جبکہ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے ۔ اور لاؤڈ سپیکر کی صورت میں مشقت قطعاً نہیں ہوتی تو جواز ثابت ہو گیا ۔ اور اسی طرح کتب معتمدہ فقہیہ میں بھی ہے ۔

فتح القدیر ص۲۸۳ جلد ا ، تبیین الحقائق زیلعی ص۱۲۷ جلد ا ، ہندیہ ص۳۷ میں ہے ولا یجہد نفسہ فی الجہر اقول و مفہومہ مقارب ما مر عن محرر المذہب ۔ شامی علیہ الرحمۃ ص۴۹۷ جلد ا میں ناقل کہ وفی الزاہدی عن ابی جعفر لو زاد علی الحاجۃ فہو افضل الا اذا اجہد نفسہ او اذی غیرہ قہستانی ، مجمع الانہر ص۱۰۳ جلد ا میں ہے الاولی ان لا یجہد نفسہ بالجہر ۔ پھر صلوات جہریہ میں منفرد کے لئے فرمایا کہ جہر کرے تو زیادہ نہ کرے ۔ در المختار تصریحاً ، رد المحتار تقریراً ص۴۹۸ جلد ا ، کفایہ علی الہدایہ ص۲۸۴ جلد ا ، مراقی الفلاح ص۱۵۱ میں یکتفی بادناہ ۔ عنایہ علی الہدایہ ص۲۸۳ میں ہے لا یجہر ہہنا کل الجہر حالانکہ مفہوم مخالف کتب و روایات میں یقیناً معتبر ہے کما فی الدر والشامی فی شرحہ والثلثین والفتح وغیرہ تو ثابت ہوا کہ امام زیادہ جہر کرے ۔ چنانچہ تبیین الحقائق ص۱۲۷ ج ا ، ہندیہ ص۳۷ ج ا میں ہے لا یبالغ فی الجہر کالامام ۔

بہرحال امس و شمس کی طرح واضح و ہویدا ہوا کہ امام کا یوں بلند پڑھنا کہ مشقت میں نہ پڑے اور بیرون مسجد سنا جائے ، جائز و روا ہے ۔ جو ناجائز بتائے اس پر لازم کہ ان مضبوط دلائل کے مقابل دلائل دکھائے

ای ولا تجہر بصلوتک الآیۃ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

صرف کسی ایک یا دو متاخرین کا " قد اساء " کہہ دینا یا اپنے طور پر جو معنیٰ نظر آیا اس کی بنا پر ناجائز کہہ دینا کافی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ (۱۰ / ذی القعدۃ المبارکۃ ۱۳۷۷ھ)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ لاؤڈ سپیکر میں جماعت کرانا منع ہے یا کہ جائز ہے؟ مفصل جواب بحوالۂ کتب برائے مہربانی دیا جائے۔ عین نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا۔

السائل: فقیر محمد انور متعلم مدرسہ اسلامیہ عربیہ کوٹ رادھا کشن ضلع لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصّواب

امام کے پاس لاؤڈ سپیکر کا رکھا جانا کہ اس کے ذریعہ دور والے مقتدی انتقالاتِ امام سے مطلع ہو کر متابعتِ امام کر سکیں، مباح ہے، شرعاً اس کی حرمت کسی آیت، حدیث، اجماعِ امت، قیاسِ ائمہ مجتہدین سے قطعاً ثابت نہیں تو ناجائز وحرام ومفسدِ نماز کیونکر بنے گا۔ بعض علمائے کرام جو اس قسم کے فتوے صادر فرماتے ہیں، ان کا تفصیلی جواب مع وضاحتِ اباحت وجواز میرے رسالہ مطبوعہ " مکبر الصوت " میں دیکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر النعیمی غفرلہ (۷ / جمادی الاخریٰ ۱۳۷۶ھ)

الاستفتاء

حضرت مولانا شیخ الحدیث صاحب مدظلہ مدرسہ عربیہ فریدیہ بصیر پور بہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ اگر کسی جماعت میں نمازِ عید یا جمعہ وغیرہ

Marfat.com

میں لاؤڈ سپیکر اس طرح استعمال کیا جاتا ہو کہ نماز میں مکبرین کا انتظام مکمل ہو کہ وہ بھی نماز میں تکبیرات کہتے رہیں اور لاؤڈ سپیکر بھی چالو رہے تو اس صورت میں استعمالِ لاؤڈ سپیکر جائز ہے یا نہ؟ اور اس صورت میں نماز ہو جاوے گی یا سرے سے نماز نہ ہو گی؛ جہاں جہاں نمازوں میں استعمالِ لاؤڈ سپیکر بھی ہوتا ہے اور مکبرین کا انتظام بھی مکمل ہوتا ہے۔ ان مسلمانوں کی نمازوں کا کیا حکم ہے۔ اب وہ نمازیں ہو گئیں یا پھر قضا کریں؟ بینوا توجروا۔ مہر ثبت فرمادی جاوے۔

مستفتی :۔ نیاز مند فقیر محمد نواز اویسی مہتمم دارالعلوم جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یار خان بہاول پور ڈویژن مغربی پاکستان (۵۸-۹-۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

دورانِ نماز میں پہلے سے چالو کیے ہوئے لاؤڈ سپیکر کا چالو رہنا اور اس کے ذریعہ بھی تکبیراتِ انتقالات کا سنا جانا، ناجائز نہیں اور نہ ہی مفسدِ نماز ہے، تو ان اہالیانِ اسلام کی نمازیں بلاشبہ جائز ہیں تو قضاء کی ضرورت نہیں بلکہ اگر سرے سے مکبرین کا انتظام ہی نہ ہو اور دور کے مقتدی صرف لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ ہی تکبیراتِ امام سن کر انتقالات کر رہے ہوں تب بھی سب کی نمازیں جائز ہیں کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس چیز کی ممانعت شرعِ مطہر سے ثابت اور اس کی برائی پر دلیلِ شرعی ناطق، وہی تو ممنوع و مذموم ہے باقی سب چیزیں جائز و مباح ہیں، تو جو شخص کسی چیز کو ناجائز یا حرام یا مکروہ کہے اس پر واجب کہ اپنے دعوےٰ پر دلیل قائم کرے۔ اور جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کہ ممانعت پر کوئی دلیلِ شرعی نہ ہونا یہی جواز کی دلیل کافی ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ شامی صفحہ ۲۰۲ جلد ۵ میں امام عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ السامی سے ناقل مقرر لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمۃ او الکراھۃ اللذین لابد لھما من دلیل بل فی الاباحۃ التی ھی الاصل۔

امام اہل السنت والجماعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقامۃ القیامۃ صفحہ ۲۵ میں حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری کے رسالہ "اقتداء بالمخالف" سے اسی اصل کی بنا پر بالخصوص جزئیہ جوازِ نماز ناقل و مقرر ہیں کہ من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلۃ ھو الصحۃ واما القول

Marfat.com

بالفساد او الکراھۃ فیحتاج الی حجۃ من الکتاب او السنۃ او اجماع الامۃ۔ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی رسالہ میں ص۲۶ دلائلِ قاہرہ سے اثباتِ اباحتِ اصلیہ کے بعد فرماتے ہیں اور اس کے سوا بہت آیات و احادیث سے یہ مطلب ثابت اور اکابر ائمہ سلف و خلف کے کلام میں اسکی تصریح موجود، یہاں تک کہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے فتوائے مصدقہ مہری دستخطی میں ہے " او مدہوش بے عقل خدا و رسول کا جائز نہ کہنا اور بات ہے اور ناجائز کہنا اور بات، یہ تو بتاؤ کہ تم جو ناجائز کہتے ہو خدا و رسول نے ناجائز کہاں کہا ہے! الخ ملخصاً " پس مجلس میلاد و قیام وغیرہا بہت امورِ متنازع فیہا کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت نہیں، شرع سے ممانعت نہ ثابت ہونا ہی ہمارے لئے دلیل ہے، تو ہم سے سند مانگنا سخت نادانی اور بحکم مجتہد بہادر عقل و ہوش سے جدائی ہے۔ ہاں تم جو ناجائز و ممنوع کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا و رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز فرمایا ہے! اگر ثبوت نہ دو اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہرگز ثبوت نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شرعِ مطہر پر افترا کیا ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۔ سبحان اللہ! الٹا سند کا مطالبہ ہم سے؟ (اقامۃ القیامہ ص۲۶)

جو حضرات ناجائز اور مفسدِ نماز فرماتے ہیں انہیں چاہیئے کہ امام اہل السنت والجماعت کے ان شاہانہ کلمات کو ٹھنڈے دل سے سنیں اور غور فرمائیں کہ کیا کر رہے ہیں، کیا یہ کلمات قاعدۂ کلیہ کے رنگ میں ہیں یا صرف ردِ وہابیہ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں؟ ان حضرات نے آج تک کوئی ایسی دلیل قائم نہیں فرمائی جس سے حرمت یا افسادِ نماز ثابت کیا جاسکے؟ کبھی لاؤڈ سپیکر کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ آوازِ امام نہیں تو اقتدار من لم یدخل فی الصلوٰۃ کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی حالانکہ لاؤڈ سپیکر پر من لم یدخل سرے سے صادق ہی نہیں اور نہ ہی یہ من لم یدخل والا جزئیہ ہمارے ائمہ کرام سے ثابت اور نہ ہی شامی اسے برقرار رکھتے ہیں بلکہ ردالمحتار میں اشارۃً اور ثلاثین میں صراحۃً رد فرماتے ہیں تو اس سے استدلال کیونکر روا ہے؟ اور کبھی کریمہ ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بہا الآیۃ سے استدلال کرتے ہیں جو اس پر مبنی کہ سپیکر سے سنی گئی آواز بعینہٖ امام کی آواز ہے، تو یہ پہلے استدلال کے متناقض ہے۔ پھر اس آیتِ پاک کا وہ معنی جس کی بنا پر استدلال فرماتے ہیں، منسوخ ہے کما صرح بہ فی تفسیر الطبری وابن الکثیر والدر المنثور بکلمات متقاربۃ والمنظم للطبری فلما ھاجر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الی المدینۃ سقط ھذا کلہ یفعل الاٰن ای ذٰلک شاء وفی الصاوی ایضاً۔ اور منسوخ قابلِ استدلال نہیں۔ پھر طرفہ یہ کہ "لا تجھر" ہی دیکھتے ہیں اور لاؤڈ سپیکر کی صورت میں شدتِ جہر کی بنا پر فساد کا حکم لگا دیتے ہیں اور "لا تخافت" پر نظر ہی نہیں کرتے کہ اس معنی کی بنا پر ظہر و عصر میں بھی و ابتغ بین ذٰلک کا وہی حکم ہوگا۔ اور چونکہ وہ درمیانی آواز سے ادا نہیں کی جائیں تو ان حضرات پر لازم کہ ان کے فساد کا بھی حکم دیں یا فارق، ایسی دلیل سے دکھائیں کہ جو نسخ یا تخصیص کر سکے ورنہ تعملون ببعض الکتاب بل ببعض الاٰیۃ ولا تعملون ببعض کا مصداق نہ بنیں۔

تعجب ہے کہ حنفی ہو کر اپنے مشائخ عظام کی تصریحاتِ جلیلہ نہیں سنتے جو معنی آیت کی وضاحت میں اور ان کے استدلال کو ہبائً منثوراً بنا رہی ہیں۔ مبسوطِ امام سرخسی ص۱۷ جلد ۱، کفایہ علی الہدایہ ص۲۸۲، ۲۸۳ جلد ۱، بحر الرائق عن الکافی ص۳۳۵ جلد ۱، طحطاوی علی المراقی ص۱۵۱ میں بہ کلماتِ متقاربہ ہے والنظم من البحر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجھر بالقراٰن فی الصلوات کلھا فی الابتداء وکان المشرکون یؤذونہ ویسبون من انزل ومن انزل الیہ فانزل اللہ تعالٰی ولا تجھر بصلوٰتک ولا تخافت بھا ای لا تجھر بصلوٰتک کلھا ولا تخافت بھا کلھا وابتغ بین ذٰلک سبیلا بان تجھر بصلوٰۃ اللیل وتخافت بصلوٰۃ النھار الخ

اور اسی کی تائید فتح القدیر ص۲۸۶ جلد ۱، عنایہ علی الہدایہ ص۲۸۳ جلد ۱، بدائع صنائع ص۱۶۱ جلد ۱، در المختار تصریحاً، شامی تقریراً ص۴۹۷، ۴۹۸ جلد ۱ میں ہے والنظم من الفتح انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یجھر فی الصلوات کلھا فشرع الکفار الخ فالاٰیۃ فی تعیین الصلوٰۃ الجھریۃ وغیر الجھریۃ اور بکثرت تفاسیر میں بھی اس معنی کی تصریح موجود ہے منھا الکبیر والمدارک واحکام القراٰن للرازی وتفسیر ابی السعود والبیضاوی والطبری والنیشا فوری وغیرھا، اور اسی بنا پر ہمارے ائمہ کرام اور جمہور مطلق جہر و مخافتت کا ذکر فرماتے ہیں اور متون و شروح

Marfat.com

فتاویٰ وحواشی میں تصریحاتِ جلیلہ نہایت بلند آواز سے منادیٔ وجوب وجواز کر رہی ہیں حالانکہ مطلق اپنے اطلاق سے جہرِ کامل کو بھی شامل تھے۔ تو بفضلہٖ وکرمہٖ تعالیٰ اسی آیتِ پاک اور تصریحاتِ ائمۂ کرام سے جہرِ شدید کا جواز بھی ثابت ہو گیا اور تصریحاتِ احادیث سے بھی ایسا جہرِ شدید جو مسجد سے باہر بھی سنا جاتے، صاف صاف ثابت ہے۔

محررِ مذہب مہذب حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے مؤطا ص۸۱ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایسے جہر کی حدیث ذکر کرکے فرمایا کہ جہریہ نماز میں اس قدر قرارت کا بلند کرنا کہ پڑھنے والا مشقت میں نہ پڑے اچھا ہے و نصہ قال محمد الجهر بالقراءة فی الصلوٰة فیما یجهر فیه بالقراءة حسن مالم یجهد الرجل نفسه۔ فتح القدیر ص۲۸۳ جلد ا، تبیین الحقائق ص۱۲۷ جلد ا، ہندیہ ص۳۷ جلد ا میں ہے ولا یجهد نفسه فی الجهر مجمع الانہر ص۱۰۳ جلد ا میں ہے الاولیٰ ان لا یجهد نفسه بالجهر، شامی ص۴۹۷ جلد ا میں ہے وفی النهر عن الهدی عن ابی جعفر لو زاد علی الحاجة فهو افضل الا اذا اجهد نفسه او اذی غیره۔

منفرد کے متعلق عنایہ علی الہدایہ ص۲۸۳ جلد ا میں ہے لا یجهر ههنا کل الجهر تبیین الحقائق ص۱۲۷ جلد ا، ہندیہ ص۳۷ جلد ا، طحطاوی علی المراقی ص۱۵۱ میں ہے لا یبالغ فی الجهر کالامام۔ اس حکم منفرد سے کمالِ جہرِ امام صراحۃً ثابت ہو رہا ہے۔ بہرحال امس وشمس کیطرح واضح ہویدا ہوا کہ امام کا یوں بلند پڑھنا کہ مشقت میں نہ پڑے اور بیرونِ مسجد سنا جائے بلاشک وشبہ وگنجائش ریب جائز وروا ہے، جو ناجائز وناروا بتائے اس پر لازم کہ ایسے مضبوط دلائل دکھائے جن سے ہدایاتِ کتاب وسنت اور تصریحاتِ ائمہ وعلمائے امت کا جواب ہو سکے۔ اور یہ کافی نہیں کہ کسی متاخرہ کا انفرادی

عہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں" عموم واطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے آج تک علماء میں شائع وذائع ہے یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہو گی، ہمیشہ محمود رہے گی (الیٰ ان قال) غرض جس مطلق کی خوبی معلوم، اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا محتاجِ دلیل ہے، مسلم الثبوت میں ہے الخ (اقامۃ القیامۃ ص۲۶)۱۲ منہ غفرلہٗ۔ سہ المخرجۃ فی البخاری ومسلم وغیرہما ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

طور پر " فدا سازی " کیا دلیل بنائے اور بنائے حرمت و فساد بنائے تو چونکہ لاؤڈ سپیکر کی صورت میں امام مشقت میں نہیں پڑتا اور معتدل آواز سے پڑھتا ہے تو یہ بھی یقیناً جائز ہوا۔ پھر لاؤڈ سپیکر کے سبب آواز کا اور بلند ہو جانا اور بیرونِ مسجد سنا جانا تو وہ یونہی ہے جیسے گنبد دار مساجد میں پڑھنے سے آواز بلند ہو کر باہر سنائی دیتی ہے بلکہ گنبد کی صورت میں گونج کا غلبہ ہوتا ہے اور لاؤڈ سپیکر سے صاف سنا جاتا ہے۔ اور جب گنبد دار مساجد میں جہریہ نمازوں کا باجماعت ادا کرنا قرونِ اولیٰ سے آج تک بلا نکیرِ منکر مروج آرہا ہے اور معمول و متعامل اہالیانِ اسلام ہے تو لاؤڈ سپیکر کا جواز بطریقِ اولیٰ ثابت ہوا کہ اس سے نسبتہً صاف سنا جاتا ہے۔

اور کبھی وہ حضرات فرماتے ہیں کہ آوازِ لاؤڈ سپیکر صدا ہے اور صدا سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا تو اقتدار بھی جائز نہ ہوگی، حالانکہ یہ قیاس بھی صحیح نہیں۔ ناظرِ کتبِ فقہیہ پر اظہر من الشمس کہ محدث و جُنب، حائض و نفساء، مجنون و صبی، نائم و سکران بلکہ کافر تک بھی آیتِ سجدہ پڑھے تو سننے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور مقتدی کے پڑھنے سے واجب بلکہ جائز بھی نہیں ہوتا حالانکہ مکبر مقتدی ہی ہوتا ہے اور ماسوائے صبی مکبر بلکہ مقتدی بھی نہیں بن سکتے، تو معلوم ہوا کہ وجوبِ سجدۂ تلاوت وجوداً اور عدماً کسی صورت میں بھی معیارِ جوازِ اقتدار نہیں۔ اور اگر بالفرض معیار مانا بھی جائے تو پھر بھی نفیِ وجوب نفیِ جواز نہیں، کہ وجوب خاص اور جواز عام ہے اور ارتفاعِ خاص مستلزمِ ارتفاعِ عام نہیں، بلکہ بحکمِ مفہوم الکتب حجۃ[عـــہ] سجدۂ تلاوت کا جواز اسی نفیِ وجوب سے ثابت ہو رہا ہے تو حسب الفرض لاؤڈ سپیکر کی صورت میں بھی جواز ماننا پڑے گا۔ پھر یہ جزئیہ سجدۂ تلاوت بظاہر محض تخریجِ مشائخ ہی ہے اور اس کا مبنیٰ یہ کہ صدا مغائرِ صوتِ اول یا شبیہ بالمغائر ہے حالانکہ عند التحقیق صوتِ اول کے مغائر نہیں بلکہ متحد بالاتحاد النوعی ہے اور یہی اتحادِ صوت شرعاً اور عرفاً معتبر ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے رسالہ مبارکہ " الکشف شافیا فی حکم فونوجرافیا[عـــہ] " سے مولٰنا

عــہ ثلاثین شامی صلاک جلد ا، شامی ص۲۱ جلد ا میں ہے و النظم من الرسائل مفاہیم الکتب حجۃ۔ شامی ص۵۲۵ جلد ۳ میں ہے مفہوم التصنیف حجۃ ۱۲ منہ غفرلہ عــہ اعلٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عدمِ وجوبِ سجدہ کی توجیہیں اسی رسالۂ الکشف شافیا " میں بیان فرمائیں ۱۲ منہ غفرلہٗ عــہ و ذا ظاھر جدا من مطالعۃ دلائل الفریقین من المواقف مع الشرح ۱۲ منہ غفرلہ۔

Marfat.com

حشمت علی خان صاحب ناقل " وحدتِ آواز وحدتِ نوعی ہے کہ تمام امثالِ متجددہ میں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے ورنہ آواز کا شخصِ اول کہ مثلاً ہوائے دہنِ متکلم میں پیدا ہوا کبھی ہمیں مسموع نہیں ہوتا۔ اس کی کاپیاں ہی چھپی ہوئی ہمارے کان تک پہنچتی ہیں، اس کو آواز کا سننا کہا جاتا ہے گنبد کے اندر یا پہاڑ یا چکنی گچ کردہ دیوار کے پاس اور کبھی صحرا میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے جسے عربی میں " صدا " کہتے ہیں " (رضوان ۱۴ر دسمبر ۱۹۴۹ء ص۵ کالم ۳)۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا " صدا " کے متعلق " خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے " فرمانا کتنی روشن اور صاف تصریح ہے کہ صدا صوتِ اول ہی ہے۔ اور جب ان حضرات کے نزدیک لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز صدا ہے تو بحکم امام اہل السنت والجماعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوتِ امام کے مغایر نہ ہوئی بلکہ متحد ہی رہی تو نماز کیوں نہ ہوئی ! وقد بقی الخبایا فی زوایا الکلام فمن شاء تفصیلہا فلینظر رسالتی مکبر الصوت والفتاوی النوریۃ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۷ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء ۱۶

ماہنامہ نوری کرن بریلی برائے ماہ ستمبر ۱۹۶۰ء مطابق ماہ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ کے صفحہ ۴۱ پر بارہ ۱۲ سوالات شائع کئے گئے ادارہ نوری کرن کی طرف سے، اور یہ لکھا کہ جملہ علمائے اہلِ سنت سے گزارش ہے کہ ان بارہ سوالات کے مدلل جواب تحریر فرما کر مسلمانانِ اہلِ سنت کو مستفیض فرمائیں۔ (یہاں وہ سوالات بمع جوابات دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور درج کئے جاتے ہیں)

سوال نمبر ۱

گنبد کی آواز بعینہٖ آوازِ متکلم ہے یا متکلم کی آواز کے علاوہ کوئی دوسری آواز ہے ؟

جواب

جواب میں امام اہل سنت والجماعت مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحقیق بھرے

Marfat.com

پیارے پیارے نورانی کلمات ہی کافی و وافی ہیں۔ الکشف شافیا ص۳ میں فرمایا "گنبد کے اندر یا پہاڑ یا چکنی گچ کردہ دیوار کے پاس اور کبھی صحرا میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے جسے صدا کہتے ہیں۔"

ان کلمات طیبہ کے ناقل شیر بیشۂ اہلسنت حضرت مولانا ابوالفتح حشمت علی خان صاحب علیہ الرحمۃ ہیں جو ان کے فتوائے مندرجۂ ہفت روزہ "رضوان" لاہور ۱۴ دسمبر ۱۹۴۹ء ص۵ کالم ۳ میں، اور یونہی ماہنامہ نوری کرن بریلی جون ۶۰ء کے ص۳۶ کالم ۲ میں حضرت حامئ سنت مولانا مفتی سید افضل حسین شاہ صاحب مدظلہم کے فتوائے مبارکہ میں بھی منقول ہیں۔ اور ص۳۷ نوری کرن کالم ۲ میں اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ نص صریح بھی نقل فرمائی کہ "بہرحال کچھ بھی اتنا یقینی ہے کہ آواز وہی آواز متکلم ہے۔"

سوال نمبر ۲

گنبد کی آواز پر رکوع و سجود کرنے والے مقتدیوں کی نماز کو فقہ کی کتابوں میں فاسد و باطل بتایا ہے یا نہیں؟

جواب

کسی کتاب فقہی میں بھی جستجوئے بلیغ کے باوجود یہ نہیں ملا کہ ایسے نمازیوں کی نمازیں فاسد و باطل ہیں اور یوں ملے بھی کیوں؛ جبکہ فقہائے کرام کے اجماع عملی و سکوتی سے صراحۃً جواز ثابت ہے۔ گنبد دار مساجد کا رواج قدیم ایام سے آرہا ہے اور مشائخ عظام کے اکثر اوقات مسجد ہی میں بسر ہوتے، اور مساجد میں ہی نمازیں با جماعت ادا کرتے تھے تو اگر گنبد سے سنی گئی آواز پر رکوع و سجود کرنا مفسد ہوتا تو گنبد دار مساجد کی تعمیر ناجائز قرار دیتے اور واضح فرما دیتے کہ ایسی مسجدوں میں امامت ناجائز و سبب فساد نماز ہے مگر ایسا کوئی فتوے ہرگز ہرگز نہیں ملتا۔ بلکہ اس کے برعکس تعامل و توارث کی پرزور صدائیں صاف صاف بتا رہی ہیں کہ امامت بلاشبہ جائز اور نمازیں صحیح ہیں۔ بلکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ میں صحابہ کرام کو فتح بیت المقدس کے وقت نماز پڑھائی بلکہ شہنشاہ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شب اسرا تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو اسی مسجد میں نماز پڑھائی حالانکہ گنبد دار ہے۔ اور یہ بھی واضح کہ حدوث صدا صرف گنبد ہی میں بند نہیں بلکہ مسقف مکانوں، جنگلوں، میدانوں میں، اور گچ کردہ دیواروں

ف الحمد للہ اس تحریر کے بعد رسالہ مبارکہ الکشف شافیا طبع ہوا اس کے ص۳ پر یہ عبارت ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

اُوپہاڑوں کے پاس بھی پیدا ہوا کرتی ہے کما فی المواقف و شرحہا وغیرہ۔ اور یہ بھی نہاں نہیں کہ حضور پرنور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین غزوات و حج و عمرہ کی مبارک تقریبات میں ہزارہا حاضرین کو میدانوں اور پہاڑوں میں بلند آواز سے نمازیں پڑھاتے رہے حالانکہ کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جو حکم فساد دے حالانکہ اگر کوئی حدیث ہوتی تو ضرور مشہور ہو جاتی کہ صورِ عموم بلوی میں کسی حدیث کا بطورِ خبرِ واحد ہی پایا جانا انقطاعِ معنوی کی دلیل ہے کما نصوا علیہ فی اسفارھم اور جب ایسی کوئی حدیث بھی نہیں ملتی تو اس شمس کی طرح نمایاں ہوا کہ ایسی نمازیں بلا شبہ جائز ہیں بلکہ یہ بھی واضح ہوا کہ مواضعِ حدوثِ صدا میں امامت و ادائے نماز با جماعت سنت سے ثابت ہے فللہ الحمد و المنۃ علی آلائہ المتوالیۃ۔ اور امام اہل سنت والجماعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی یہ تصریح تو سن ہی چکے کہ " آواز وہی آوازِ متکلم ہے۔"

سوال نمبر۳

لاؤڈ سپیکر پر رکوع و سجود کرنے والے نمازیوں کی نماز ہو گی یا نہیں !

جواب

امام صحیح الصلوٰۃ کے ایسے مقتدی جو امام کے انتقالات پر بذریعہ سپیکر مطلع ہو کر امام ہی کی متابعت کرتے ہوئے نماز ادا کریں تو ان کی نمازیں یقیناً صحیح ہیں کہ لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز امام ہی کی تو آواز ہے جو قوتِ برقیہ سے قوی ہو جاتی ہے۔ رہا بعض حضرات کا "صدا" کہنا تو وہ ان کا اپنا نظریہ ہے جو غیر نہیں بنا سکتا خصوصاً جب کہ یہ محقق ہو چکا کہ صدا بھی تو آوازِ اول ہی ہے کما نقلہ الفاضلان المذکوران عن امام اھل السنۃ والجماعۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو جوازِ نماز میں کیا شبہ ؟ بلکہ اگر بالفرض غیر آوازِ امام ہو تب بھی نمازیں صحیح ہیں کہ سپیکر بے چارہ خود تو ناطق نہیں ، اس سے سنی گئی آواز علی حِدہ یا غیر آنا ضرور متیقن کہ آوازِ امام سے ہی پیدا ہوتی ہے بنائً علیہ انتقالات امام کی یقینی دلیل ہے لہٰذا امام سے دور مقتدی اس کے ذریعہ انتقالاتِ امام کا یقینی علم حاصل کر لیتے ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ امام یا مبلغ کی آواز سننا شرائطِ اقتداء سے ہرگز ہرگز نہیں بلکہ انتقالاتِ امام کا مطلق علم ہی شرط ہے۔ درالمختار صفحہ ۵۱ ، شامی صفحہ ۴۱۲ جلد ۱ میں ہے و النظم من الدرر و علمہ بانتقالاتہ۔ اور یہ بھی مصرح کہ یہ علم کسی سماع یا کسی رویت سے حاصل ہو کہ اشتباہ نہ رہے تو امام د

Marfat.com

مقتدی کے درمیان کسی دیوار وغیرہ حائل کی صورت میں بھی اقتدا صحیح ہے۔ فتاویٰ امام قاضی خان ص۴۵، خلاصۃ الفتاوے ص۱۵۰ جلد ا، غنیۃ المستملی ص۵۰۹، صغیری ص۲۶۷، نور الایضاح اور مراقی الفلاح ص۱۷۱، در المختار ص۵۴۸ جلد ا، شامی ص۵۱۵ جلد ا، ص۵۴۹ جلد ا، منحۃ الخالق ص۳۶۳ جلد ا، فتاوے سراجیہ ص۱۱، فتاویٰ عالمگیر ص۶۲ جلد ا، حموی شرح الاشباہ ص۱۹۷، غنیہ ذوی الاحکام علیٰ ہامش درر الحکام ص۹۲ جلد ا و النظم لفقیہ النفس و لا یشتبہ حال الامام بسماع او رؤیۃ صح الاقتداء فی قولھم۔

فقہائے کرام نے صراحۃً یہ بھی فرمایا کہ پنجرے جیسی چھوٹی جالی یا ناک کے نتھنے جیسے چھوٹے سوراخ سے مقتدی انتقالاتِ امام کا مشاہدہ سماع یا رؤیت وغیرہ سے حاصل کر رہا ہو تو اقتدا صحیح ہے۔ فتاویٰ قاضی خان اور شرح حموی میں ہے وان کان علیہ باب مسدود علیہ نقب صغیر مثل النبجرۃ۔ فتاوے سراجیہ میں فرمایا ولو کان النقب صغیرا کنقب المنخرۃ بدائع صنائع ص۱۴۵ جلد ا میں ہے وان کان فیہ ثقب لا یمنع مشاھدۃ حال الامام لا یمنع بالاجماع۔ اور جب کہ سپیکر کے ذریعہ مقتدی انتقالاتِ امام کا یقینی علم بلا اشتباہ حاصل کر لیتے ہیں اور دیوار وغیرہ کوئی بڑا حائل بھی نہیں ہوتا تو نماز بطریق اولیٰ جائز ہوگی (اس کا میکروفون پنجرے کی طرح جالی دار ہوتا ہے جس میں برقی قوت آواز جمع کرتی ہوئی چھوٹے سے سوراخ سے نکال کر بذریعہ تار سپیکر کے چھوٹے سوراخ سے داخل سپیکر کرتے ہوئے نشر کر دیتی ہے)

رہی شامی کی قید من الامام او المکبر تو وہ قطعاً مضر نہیں کہ یہ سماع اسی آواز کا ہی سماع ہے جس کی ابتداء امام سے ہے کہ من ابتدائیہ ابتداء بلا واسطہ کا اقتضاء نہیں کرتا۔ قرآنِ کریم میں ہے ھو الذی خلقکم من تراب۔ الذی خلقکم من نفس واحدۃ۔ تو جس طرح کئی واسطوں کے باوجود "من تراب" اور "من نفس واحدۃ" صادق آرہا ہے اسی طرح سپیکر کے واسطہ کی صورت میں "سماع من الامام" بھی صادق آرہا ہے نیز قرآنِ کریم نے "دعوۃ الی المحشر" بواسطۂ صور سن کر آنے والوں کو داعی کے متبع بتایا ہے نہ متبعین صور۔ فرمایا یتبعون الداعی لا عوج لہ، تو معلوم ہوا کہ واسطہ غیر مختار کی صورت

Marfat.com

میں اتباع اسی کی ہوتی ہے جو اصل آواز کنندہ ہے تو یہاں بھی امام ہی کی اتباع بنے گی نہ کہ سپیکر کی ، تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ نمازیں قطعاً صحیح ہیں اور فاسد و باطل نہیں کہ فساد و بطلان تو کسی شرط یا رکن کے فقدان پر ہی مرتب ہوتا ہے کما فی الغنیۃ صـ۲۱۲ و الشامی صـ۵۷۳ جلد۱ ، الفساد والبطلان فی العبادات سواء لان المراد بہما خروج العبادۃ عن کونہا عبادۃ بسبب فوات بعض الفرائض الخ بلکہ بفضلہ وکرمہ تعالٰے آفتاب سے بھی واضح ہوچکا کہ مواضع حدوث صدا میں امامت و اقتدار احادیث مرفوعہ و موقوفہ سے ثابت ہے حالانکہ جس مکان میں لاؤڈ سپیکر نصب ہو وہ بھی موضع حدوث صدا ہے ، تو ثابت ہوا کہ اقتدار روا اور نمازیں جائز ہیں ۔

سوال نمبر۴

لاؤڈ سپیکر مبلغ کے قائم مقام ہے اور جو مبلغ نماز سے خارج ہو اس کی آواز پر رکوع و سجود کرنے والے مقتدیوں کی نماز فاسد ہوتی ہے اس لئے لاؤڈ سپیکر پر رکوع اور سجود کرنے والے مقتدیوں کی نماز فاسد ہونی چاہئے کیونکہ ان دونوں میں کوئی وجہ فرق نہیں ورنہ وجہ فرق بتائی جائے ؟

جواب

لاؤڈ سپیکر جو خود صامت اور صوتِ امام کا مکبر ہے ، ایسے مقتدی اور مبلغ کے قطعاً قائم مقام نہیں ہو سکتا جو خود ناطق ہے تو اس سے سنی گئی آوازِ امام پہ رکوع و سجود کرنے والے مقتدیوں کی نمازیں فاسد نہیں ہوں گی ۔ اور سائل کا یہ دعوٰے کہ مبلغ خارج عن الصلوٰۃ کی آواز پہ رکوع و سجود کرنا مفسدِ نماز ہے ، ہرگز ہرگز صحیح نہیں ۔ حضرتِ رب العالمین جل و علا نے فرمایا فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولٰئک الذین ھداھم اللہ واولٰئک ھم اولوا الالباب ۔ اس قول میں اقوالِ متعلقہ نماز بھی داخل ہیں ۔ علماء فرماتے ہیں العبرۃ لعموم الالفاظ وھو صریح الرازی فی الکبیر ۔ نیز فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک مسلم عادل کی خبر دیانات (جن میں نماز بھی یقیناً ہے) میں قبول کی جائے ۔ ہندیہ صـ۲۸ جلد۴ میں ہے خبر الواحد یقبل فی الدیانات کالحل و الحرمۃ والطھارۃ

Marfat.com

والنجاسة اذا كان مسلما عادلاً ذكرًا او انثى الخ بحر ص۱۹۳ جلد۱۰ میں ہے وفی الدیانات الخبر ملزم بلکہ صراحۃً احادیث صحیحۂ صحیحین وغیرہما کا یہی ارشاد ہے کہ خارج من الصلوٰۃ کی ہدایت سے استفادہ غیر تلقن کرتے ہوئے تکمیل نماز حقیقۃً تکمیل ہی ہے اور افساد قطعاً نہیں، تحویل قبلہ کیوقت مسجد قبا میں نماز با جماعت ادا کرنے والوں کو ایک صاحب نے تحویل قبلہ کی خبر دی تو وہ عین نماز میں ہی بیت المقدس سے پھر کر کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ہدایہ ص۸۲ جلد۱ میں فرمایا واستحسنه النبي صلى الله عليه وسلم نیز حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو دستِ اقدس کے اشارے سے "اتموا صلوٰتكم" کا حکم دیا حالانکہ حضور اس وقت نماز سے خارج تھے اور صحابہ کرام صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے زیارتِ حضور سے مست ہو کر نماز سے نکلنے لگے تھے تو اس اشارہ مبارکہ سے تکمیلِ نماز ہوئی۔ رواه البخاري ص۹۴ جلد۱ ومسلم ص۱۷۹ جلد۱ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

علامہ عینی نے اس کی شرح ص۱۷ جلد۲ میں فرمایا ان الايماء يقوم مقام النطق۔ ہمارے ائمہ کرام نے تصریح فرمائی کہ امام مسافر مقیموں کو نماز پڑھائے تو بعد از سلام کہہ دے اتموا صلوٰتكم فانا قوم سفر۔ ہدایہ ص۱۴۷ جلد۱ وغیرہا میں ہے ويستحب للامام اذا سلم ان يقول اتموا صلوٰتكم فانا قوم سفر لانه عليه السلام قال حين صلى باهل مكة وهو مسافر۔ حالانکہ بعد از سلام امام نماز سے یقیناً خارج ہوتا ہے اور مقتدی اپنی نمازیں الگ الگ پوری کرتے ہیں۔ بدائع ص۱۰۳ جلد۱ وغیرہا میں ہے يجب عليهم الانفراد تو اگر یہ اتموا صلوٰتكم کہنا مفید نہیں بلکہ مفسد بن سکتا ہے تو کیوں کہا جاتا ہے؟ کیا امام خارج من الصلوٰۃ کے کہنے سے متنبہ ہو کر قیام و رکوع و سجود کرنے والے مقیم نمازیوں کی نمازیں پوری ہو جائیں گی یا برباد؟ تو ماہِ نیم ماہ کی طرح واضح ہوا کہ مبلغ خارج من الصلوٰۃ کی ہدایت پر رکوع و سجود وغیرہ افعالِ نماز ادا کرنے، جبکہ وہ مسلم عادل ہو، مفسدِ نماز نہیں اور نہ ہی تلقن ہے کما سیأتی تفصيله ان شاء الله تعالى۔ لہٰذا علامہ رافعی تحریر المختار لرد المحتار ص۵ جلد۱ میں فرماتے ہیں اذا اعتمد

Marfat.com

علی خبر المبلغ الذی لم یدخل فی الصلوٰۃ یکون قد اعتمد علی خبر العدل فی امر دینی وھو مما یصح العمل بخبرہ فی الدیانات۔

بفضلہ وکرمہ تعالیٰ امس وشمس کی طرح واضح ہوا کہ مانعینِ جواز کا پایہ ناز تمام تہا دجزئیہ اقتداء من لم یدخل فی الصلوٰۃ باطل ہے لہذا شامی علیہ الرحمۃ کی نظر میں بھی قابلِ اعتماد نہیں۔ ردالمحتار میں ذکر کرکے اپنے رسالہ کیطرف متوجہ کیا اور" ہذا " کے ساتھ تنبیہ بھی فرمادی حالانکہ اس رسالہ میں صاف رد فرمادیا (مجموعہ رسائل کے ۳۵۱ جلد ا میں) والتفصیل فی مکبر الصوت۔

اور جب یہ ثابت ہوا کہ لاؤڈ سپیکر قائم مقام مبلغ نہیں، اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ مبلغ خارج من الصلوٰۃ کی ہدایت سے استفادہ علیہ مفسد نہیں تو وجہ فرق بتانے کی ضرورت ہی نہ رہی مگر اتماماً للامر مثالاً اتنا عرض کہ سپیکر صامت وغیر مختار ہے، اس سے سنی گئی آواز انتقالاتِ امام پر ایسی دلالت کرتی ہے جو غلطی میں نہیں ڈالتی۔ اور مبلغ جو خود ناطق ومختار ہے فاسق ہو تو بے وقت بول کر غلطی میں ڈال سکتا ہے یا دیدہ و دانستہ غلط ادا سے یا بلا وجہ اعراض عن الجماعت کے ارتکاب سے فاسق بھی بن سکتا ہے تو اس کی دلالت قابلِ اعتبار نہیں رہتی۔

سوال نمبر ۵

جب کہ خارج سے تلقین نماز کو فاسد کر دیتی ہے تو پھر لاؤڈ سپیکر کی تلقین پر رکوع وسجود کرنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

جواب

صرف خارج ہی سے نہیں بلکہ اپنے امام یا اپنے جیسے مقتدی کی تلقین سے بھی تلقن مفسدِ نماز ہے کما صرحوا بہ متونا وشروحا وفتاوی وحواشی شامی ۵۸۱ جلد ا میں ہے (قولہ وکذا الاخذ) ای اخذ المصلی غیر الامام بفتح من فتح علیہ مفسد ایضا کما فی البحر عن الخلاصۃ تو اگر خارج من الصلوٰۃ یا لاؤڈ سپیکر سے تکبیراتِ انتقالیہ سن کر رکوع وسجود کرنا بقولِ سائل خارج وسپیکر سے تلقن ہے تو لازم کہ مبلغ داخلِ صلوٰۃ یا امام کی تکبیراتِ انتقالیہ براہ راست سن کر رکوع وسجود کرنا بھی تلقن بنے اور نماز

Marfat.com

بھی فاسد ہو کما مر ، اور یونہی یہ بھی لازم کہ امام و مبلغ کا بلند آواز سے تکبیرات سنانا تلقین بنے اور ان کی نمازیں بھی فاسد ہو جائیں اور خارج من الصلوٰۃ بن جائیں۔ زیلعی ص۱۵۶ جلد ۱ وغیرہا میں ہے وقولہ علی غیر امامہ یشمل فتح المقتدی علی المقتدی و علی غیر المصلی وعلی المصلی وحدہ و فتح الامام والمنفرد علی ای شخص کان وکل ذلک مفسد۔ حالانکہ یہ دونوں لازم باطل تو ملزوم یعنی (خارج و سپیکر سے تکبیرات انتقالیہ سن کر رکوع و سجود کرنے کو تلقن کہنا) بھی باطل ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ سپیکر سے سن کر رکوع و سجود کرنا قطعاً تلقن نہیں۔ تلقن مفسد کا صدق تو اس پر موقوف کہ نمازی نماز کے اندر اپنے مقتدی کے علاوہ کسی اور سے سن کر کوئی ایسا لفظ بول دے جو اسے اپنے آپ یاد نہ آیا ہو۔ فتح القدیر ص۲۵۱ جلد ۱ میں ہے المفسد التلقن المقترن بقول ما تلقنہ۔ بحر الرائق ص۱۱ جلد ۲ میں ہے ان الفساد انما یتعلق فی مثلہ بالقراءۃ۔ عنایہ ص۳۵۱ جلد ۱ میں ہے کالتلقن من غیرہ فی تحصیل ما لیس بحاصل عندہ شامی ص۵۰۲ جلد ۱ میں ہے وان حصل تذکرہ من نفسہ لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقاً۔ اور جب صورت زیر بحث میں نمازی کوئی ایسا لفظ جو اسے یاد نہ ہو سپیکر سے سن کر بولتا نہیں تو تلقن کیسے بنا؛ تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ سپیکر سے سن کر رکوع و سجود کرنا مفسد نماز قطعاً نہیں۔

تنبیہ نما دہین کلمات فقہیہ پر یہ نہاں نہیں کہ تلقین و تلقن ، فتح و اخذ ، تعلیم و تعلم کلمات متغارہ ہیں۔ ہدایہ ص۱۱۶ جلد ۱ میں ہے ومعناہ ان یفتح المصلی علی غیر امامہ لانہ تعلیم وتعلم۔ نیز اسی میں ہے وتفسد صلوٰۃ الامام لو اخذ بقولہ لوجود التلقین والتلقن۔

تنبیہ امام و مبلغ کا جہر بالتکبیرات اعلام انتقالات کے لئے ہوتا ہے جسے سن کر مقتدی علم انتقالات حاصل کر لیتے ہیں جو صورت زیر بحث میں بھی حاصل ہوتا ہے اور یہ قطعاً مفسد نہیں بلکہ محصل شرط اقتدا رہے۔

Marfat.com

سوال نمبر۶

حاجت سے زیادہ آواز کے ساتھ نماز میں قرآنِ کریم پڑھنے اور تکبیر کہنے کو فقہ کی کتابوں میں جب کہ مکروہ لکھا ہے تو لاؤڈ سپیکر پر نماز میں قرآنِ کریم پڑھنا، تکبیر کہنا مکروہ ہے یا نہیں جب کہ اس میں بھی حاجت سے زیادہ آواز ہوتی ہے؟

جواب

جہریہ نمازوں میں ایسا جہر جو مشقتِ نفس اور اذیّتِ غیر کا باعث نہ بنے، مطلقاً بلا کراہت و اساءت جائز ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے لاتجھر بصلوتک ولا تخافت بھا و ابتغ بین ذٰلک سبیلا۔ یعنی اپنی سب نمازوں میں جہر نہ کرو اور نہ ہی سب میں مخافت (آہستہ پڑھنا) کرو اور اس (سب نمازوں میں جہر اور سب میں مخافت) کے درمیان راستہ تلاش کرو؛ بایں طور کہ رات کی نمازوں میں جہر کرو اور دن کی نمازوں میں آہستہ پڑھو۔

آیتِ پاک کا یہ مطلب ہمارے فقہائے کرام کی تصریحاتِ جلیلہ سے ثابت ہے۔ (مبسوط امام سرخسی ص۱۷ جلد۱، کفایہ علے الھدایہ ص۲۸۲، ۲۸۳ جلد۱، بحر الرائق عن الکافی ص۳۳۵ جلد۱، طحطاوی علے الدر ص۲۲۳ جلد۱، طحطاوی علے المراقی ص۱۵۱) میں ہے و النظم من البحر و الاصل فیہ کما ذکرہ المصنف فی الکافی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجھر بالقرآن فی الصلوٰۃ کلھا فی الابتداء و کان المشرکون یؤذونہ و یسبون من انزل و انزل الیہ فانزل اللہ تعالٰی ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھا ای لا تجھر بصلوتک کلھا و لا تخافت بھا کلھا و ابتغ بین ذٰلک سبیلا بان تجھر بصلوٰۃ اللیل و تخافت بصلوٰۃ النھار فکان یخافت بعد ذٰلک فی صلوٰۃ الظھر والعصر لانھم کانوا مستعدین للایذاء فی ھذین الوقتین و یجھر فی المغرب لانھم کانوا مشغولین بالاکل و فی العشاء و الفجر لکونھم رقودًا و فی الجمعۃ و العیدین لانہ اقامھما بالمدینۃ و ما کان للکفار بھا قوۃ۔

Marfat.com

حاصل یہ کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم ابتداءً میں سب نمازوں میں قرآن کریم بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے اور مشرکین سن کر بیہودہ کلمات بکتے تھے تو اللہ تبارک وتعالےٰ نے ولا تجھر بصلوٰتک ولا تخافت بھا" اتارا کہ سب نمازوں میں جہر نہ کرو اور نہ ہی سب میں آہستہ پڑھو وابتغ بین ذٰلک سبیلا اور درمیانہ راستہ تلاش کرو کہ رات کی نمازوں میں جہر کرو اور دن کی نمازوں میں آہستہ پڑھو، تو اس کے بعد حضور ظہر وعصر میں آہستہ پڑھتے کہ ان دو وقتوں میں کافر مستعد شرارت ہوتے تھے، اور مغرب میں جہر کرتے کہ وہ کھانے میں مشغول ہوتے تھے، اور عشاء وفجر میں جہر کرتے کہ وہ سونے میں مشغول ہوتے تھے، اور جمعہ وعیدین میں اس لئے جہر فرماتے کہ ان کو مدینہ طیبہ میں قائم کیا اور وہاں کافروں کو طاقت نہ تھی" اور بدائع صنائع ص۱۶۱ جلد۱، فتح القدیر ص۲۸۶ جلد۱، عنایہ ص۲۸۳ جلد۱، ردالمختار مع تقریرات الشامی ص۴۹۷ جلد۱ میں بھی اسی مطلب کی تاکید اکید ہے والنظم من البدائع کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجھر فی الصلوات کلھا فی الابتداء الخ اور متعدد تفاسیر مثلاً ان میں بھی اس مطلب کی تصریح ہے۔ احکام القرآن للامام الجصاص الحنفی ص۲۶۱ جلد۳، ابوالسعود ص۴۷۲ جلد۶، مدارک ص۲۵۶ جلد۲، بیضاوی ص۴۷۲ جلد۱، تفسیر کبیر ص۴۵۵ جلد۵، نیشاپوری ص۱۰۳ جلد۱۵، درمنثور ص۲۰۸ جلد۴، تفسیرات احمدیہ ص۳۳۳ میں ہے والنظم للنسفی لا تجھر بصلوٰتک کلھا ولا تخافت بھا کلھا وابتغ بین ذٰلک سبیلا بان تجھر بصلوٰۃ اللیل وتخافت بصلوٰۃ النھار تفسیرات احمدیہ میں یہ بھی فرمایا وعلیٰ ھٰذا فالاٰیۃ فی تعیین الصلوٰۃ الجھریۃ وغیر الجھریۃ۔

تو روز روشن کی طرح روشن ہوا یہ آیت جہریہ نمازوں میں مطلق جہر کا حکم دے رہی ہے اور احادیث شریفہ میں بھی مطلق جہر کا ذکر ہے لہذا ہمارے ائمہ ومشائخ کرام نے بھی جہریہ نمازوں کے واجبات میں مطلق جہر ہی کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ جہر مطلق جہر کامل کو بھی شامل ہے تو ثابت ہوا کہ جہر کامل بلاشبہ آیت واحادیث وتصریحات فقہیہ سے جائز ومستحسن اور مصداق جہر واجب ہے والاطلاق بمنزلۃ النص واطلاق المتون معتبر والاستدلال بہ شائع وذائع وذاھما لاریب فیہ۔ خصوصاً جب کہ کتب مذہبیہ میں یہ تصریحات بھی نمایاں طور پر موجود کہ جہریہ نمازوں میں قدر حاجت سے بلند پڑھنا

Marfat.com

مستحسن و افضل و اولیٰ ہے۔ محرر مذہب مہذب حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ مؤطا ص۱۰۵ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اتنا بلند پڑھنا جو بیرونِ مسجد پاک دار ابی جہم کے پاس سنا جاتا تھا، باسناد بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسا جہر جہریہ نمازوں میں اچھا ہے جب کہ پڑھنے والا مشقت میں نہ پڑے ونصہ قال محمد الجهر بالقراءة فی الصلوٰة فیما یجهر فیه بالقراءة حسن ما لم یجهد الرجل نفسه۔ شامی ص۴۹۷ جلد۱، طحطاوی علی الدر ص۲۳۳ جلد۱ میں ہے لو زاد علی قدر الحاجة فهو افضل الا اذا اجهد نفسه او اذی غیره۔ مجمع الانہر ص۱۰۳ جلد۱ میں ہے الاولیٰ ان لا یجهد نفسه بالجهر۔ بلکہ تبیین الحقائق ص۱۲۷ جلد۱، ہندیہ ص۳۷ جلد۱، طحطاوی علی المراقی ص۱۵۱ میں منفرد کے متعلق فرمایا لا یبالغ فی الجهر کالامام۔ اور عنایہ ص۲۸۳ جلد۱ میں فرمایا لا یجهر ههنا کل الجهر تو آفتاب و مہتاب کی طرح واضح ہوا کہ امام کے لئے مبالغہ فی الجہر اور کلّ الجہر جائز و مستحب ہے۔ وذا ظاهر جداً۔ رہا یہ شبہ کہ بعض کتب فقہیہ ہندیہ وغیرہا میں سراج وہاج سے ہے الامام اذا جهر فوق الحاجة فقد اساء تو معروض کہ اتنے ٹھوس اور واضح ثبوت کو سراج وہاج کی عبارت رد نہیں کر سکتی بلکہ سراج وہاج ہے ہی ضعیف و بے اعتبار، فتاویٰ رضویہ شریف ص۴۱۳ جلد۱ میں ہے وقد قال فی کشف الظنون السراج الوهاج عده المولیٰ المعروف ببرکلی من جملة الکتب المتداولة الضعیفة غیر المعتبرة۔ اور یونہی احادیث مرفوعہ و موقوفہ شرح معانی الآثار، سنن بیہقی، مؤطا امام محمد، شمائل ترمذی بلکہ صحیح بخاری سے بھی ثبوت ملتا ہے وذکر بعضها فی مکبر الصوت۔

رہی آیتِ مذکورہ کی دوسری تشریح جو اسی شانِ نزول کے تحت کئی تفسیروں میں مذکور اور مانعین حضرات کی مایۂ ناز دلیل ہے تو معروض کہ صریح تفسیر مشائخ احناف کے خلاف کسی اور تفسیر سے استدلال احناف کے لئے مناسب نہیں خصوصاً جب کہ اس تفسیر و تشریح کے ناقلین ہی سے یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اب جتنا جہر چاہے کر سکتا ہے۔ طبری ص۱۲۳ جلد۱۵، ابن کثیر ص۶۹ جلد۳، در المنثور ص۲۰۷ جلد۴ میں ہے والنظم للطبری فلما هاجر رسول الله صلی الله علیه وسلم الی المدینة سقط هذا کله یفعل الآن ای ذلک شاء بلکہ صاوی علی

الجلالین ص۳۱۵ جلد۲ میں ہے وھٰذا الامر قد زال من یوم اسلام عمر وحمزۃ فھو منسوخ فللمصلی الجھر فی الصلٰوۃ الجھریۃ و لو یزید علی سماع المأمومین پھر تمام امت کا بالاتفاق ظہر و عصر میں آہستہ پڑھنا بھی صراحۃً بتا رہا ہے کہ اگر آیت کی واقعی یہی تفسیر ہے تو منسوخ ہے ورنہ تمام امت کا اجماع علی الضلالۃ لازم آتا ہے جو یقیناً باطل ہے۔ تعجب ہے کہ مانعین حضرات صرف "لاتجھر" پر ہی نظر کرتے ہوئے استعمالِ سپیکر کو تو ناجائز بتاتے ہیں مگر "لاتخافت" کا خیال ہی نہیں کرتے کہ ظہر و عصر میں ہمیشہ صرف اس کی خلاف ورزی ہی نہیں کرتے بلکہ واجب جانتے ہیں حالانکہ ان کے دعوے کے مطابق لازم کہ ظہر و عصر میں بھی مغرب و عشاء و فجر کی طرح درمیانی آواز سے پڑھنا واجب ہو۔ اور یہ بھی لازم کہ تمام کتبِ فقہیہ کی جہریہ اور غیر جہریہ نمازوں کی تفریق بیجا بنے۔

طرفہ تو یہ کہ ان حضرات کا اس آیت سے استدلال اس پر موقوف کہ سپیکر سے سنی گئی آواز بعینہ آوازِ امام ہو، حالانکہ وہ یہ مانتے ہی نہیں بلکہ غیر بتاتے ہیں، تو کیا کسی غیر آواز کا بلند ہو جانا آوازِ امام کا بلند ہونا ہے کہ خلاف ورزی بنے۔ حیرت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک سپیکر سے سنی گئی آواز آوازِ گنبد کی طرح صدا ہے تو ان کے قول پر گنبد دار مساجد بلکہ ہر مسقف مکان میں یا پہاڑوں کے آس پاس بھی جہریہ نمازوں کا ادا کرنا آیت کی خلاف ورزی بنے گی حالانکہ زمانۂ قدیم سے اہلِ اسلام گنبد دار مساجد اور مسقف مکانوں میں اور پہاڑوں کے آس پاس بھی بلا انکارِ منکر سب نمازیں با جماعت آج تک ادا کرتے آ رہے ہیں، جو جواز کی دلیل صریح ہے تو صدائے سپیکر کا کیا قصور کہ محلِ اعتراض بناتے ہیں؟

سوال نمبر۲

تکبیراتِ انتقالیہ کی آواز پہنچانے کے لئے مبلّغ کا تقرر سنت ہے اور لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنے سے اس سنت کی اضاعت ہے تو یہ رافعِ سنت اور بدعتِ سیئہ اور مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب

دعوٰے تو کیا جاتا ہے کہ تقررِ مبلّغ سنت ہے مگر کسی صاحب نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ کون سی کتاب میں سنت لکھا ہے! اور فقیر کو بھی سعیِ بلیغ کے باوجود اپنے یہاں کی کتابوں میں کہیں نظر نہیں آیا۔ در حضور پُر نور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقتدی حضرات سے بھی صرف صدیقِ اکبر (رضی اللہ تعالٰی عنہم) کا

Marfat.com

مبلغ بن جانا اور وہ بھی دو مرتبہ اور وہ بھی دورانِ مرض میں ہی ملتا ہے تو بلا مواظبت سنت کیسے بن گیا؟ فتح القدیر ص۱۸۱ جلد ا میں ہے والسنة ما واظب عليه صلى الله عليه وسلم مع تركه احياناً۔ شامی ص۹۵ جلد ا میں ہے او الخلفاء الراشدون من بعده اور جب سنت ہی نہیں تو بدعت سیئہ اور مکروہ بتانا بھی غلط نہ بلکہ امام اہلسنت والجماعت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ توافاقۃ القیامہ ص۳۰ میں فرماتے ہیں بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت مامور بہا کا رد کرے حالانکہ یہاں امر کا ذکر تک نہیں۔ البتہ اس تقرر صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حسب القواعد جواز ثابت ہے لہذا فتح القدیر ص۳۲۲ جلد ا، بحر الرائق ص۳۶۴ جلد ا، در المختار مع الشامی ص۵۵ جلد ا، رسائل شامی ص۱۳۹ جلد ا وغیرہا میں ہے والنظم للمحقق عليه الرحمة وبه يعرف جواز رفع المؤذنين اصواتهم في الجمعة والعيدين وغيرهما۔ اور نیتِ حسنہ سے مستحب ہے۔ شامی ص۴۴۲ جلد ا، طحطاوی علی الدر ص۲۱۳ جلد ا، طحطاوی علی المراقی ص۱۵۶ میں ہے وله النظم واما عند الاحتياج اليه بان كانت الجماعة لا يصل اليهم صوت الامام اما لضعفه او لكثرتهم فمستحب مگر امام کی آواز پہنچ رہی ہو تو محض بے جا و ناپسندیدہ و بدعت منکرہ ہے۔

انہی کتابوں میں ہے وفی السيرة الحلبية اتفق الائمة الاربعة على ان التبليغ حينئذٍ بدعة منكرة۔ اور چونکہ لاؤڈ سپیکر امام کی ہی آواز پہنچاتا ہے تو اس وقت تقرر مبلغ حسب تصریح مذکور باتفاق ائمہ اربعہ بدعتِ منکرہ بنے گا نہ کہ الٹے لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ آوازِ امام سے استفادہ بدعتِ سیئہ بنے فافهم ان كنت ممن يفهم۔

تعجب تو یہ ہے کہ صرف ظہر کی ہی دو نمازوں میں، وہ بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مرض کے دوران بطورِ خود صفوں کے آگے حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جہر تکبیرات سے تو مطلقاً تقرر مبلغ سنتِ مستمرہ مانا جاتا ہے اور اس کے خلاف ادعائی کو بدعتِ سیئہ کہا جاتا ہے مگر خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے بکثرت پنج گانہ نمازوں کو مواضعِ حدوثِ صدا میں ادا فرماتے رہنے سے اس موضعِ حدوثِ صدا (مکانِ نصبِ لاؤڈ سپیکر) میں امامت و اقتدا کا صرف جواز بھی نہیں مانا جاتا

ان ھٰذا الا اختلاق۔

سوال نمبر ۸

کیا یہ صحیح ہے کہ گنبد کی آواز سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا اور اگر صحیح ہے تو کیوں؟ کیا اس لئے کہ جو اس سے سننے میں آیا، آیت نہیں، یا اس لئے کہ وہ متکلم کی آواز نہیں! برتقدیرِ ثانی یہ قول کہ گنبد کی آواز بعینہٖ آوازِ متکلم ہے نہ کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری آواز، غلط ہے یا نہیں؟

جواب

ہاں بعض کتبِ فقہیہ میں وجوبِ سجدہ کی نفی ضرور ہے مگر جوازِ سجدہ کی نفی قطعاً نہیں بلکہ بحکم مفہوم مخالف (جو کتبِ فقہیہ میں معتبر ہے) وہی نفیِ وجوب جواز کا اثبات ہے اور جواز ہی کے ہم قائل ہیں جو نیتِ حسنہ سے مستحسن بن جاتا ہے فبطل استدلال السائل۔ رہی علتِ نفیِ وجوب میں سائل کی یہ تردید کہ جو اس سے سننے میں آیا وہ آیت نہیں یا اس لئے کہ وہ متکلم کی آواز نہیں تو امام اہلِ سنت والجماعت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک مردود ہے۔ وہ صدائے گنبد کو آوازِ متکلم مانتے ہوئے وجوبِ سجدہ کیلئے ایک قیدِ مُزَدّد بڑھاتے ہیں کما نقل الفاضلان المذکوران عن الکشف شافیا۔

اور اگر بالفرض آوازِ متکلم کے علاوہ کوئی دوسری آواز ہی ہو تب بھی اتنا بداہۃً متیقن کہ اسی سے پیدا ہو رہی ہے اور حرکاتِ انتقالیۂ امام کی بلاشبہ دلیل ہے حالانکہ مقتدی پر متابعتِ امام نفسِ اقتداء سے ہی لازم ہو جاتی ہے تو کیا علم آنے کے بعد متابعت کا لزوم اٹھ جاتا ہے بلکہ جواز ہی نہیں رہتا بخلاف سجدہ جو سماع سے پہلے لازم نہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ بکثرت ایسی صورتیں ہیں کہ صراحۃً تلازم وجوبِ سجدہ و جوازِ اقتداء کا رد کرتی ہیں والتفصیل فی مکبر الصوت ضمیمتہ۔

سوال نمبر ۹

قرآنِ کریم کی تلاوت کی آواز اگر گرامو فون کے ذریعہ سننے میں آئے تو استماع و انصات واجب ہے یا نہیں؟

جواب

"الکشف شافیا" میں شافی جواب ہے فلینظر ثمہ۔

عہ کما فی الکشف شافیا من ص۳۱ الی ص۳۴ ۱۲ منہ غفرلہ

سوال نمبر ۱۰

قرآن کریم کے تلاوت کی آواز لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اگر سننے میں آئے تو استماع و انصات واجب ہے یا نہیں؟

جواب

جب تالی ہی کی آواز ہے تو استماع و انصات بالشرائط ضروری ہے۔

سوال نمبر ۱۱

(ا) ایک مسجد میں زید و بکر صرف دو شخصوں نے نماز پڑھی۔ زید امام ہوا اور بکر مقتدی، مگر دونوں کے درمیان چھ سات گز کا فاصلہ تھا اور بکر کانوں سے بہرا تھا اس لئے امام کی آواز اس کو سنائی نہیں دیتی ہے نیز بکر کی بینائی بھی کمزور ہے اس لئے وہ امام کی نقل و حرکت کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا تھا البتہ اس کی آنکھوں میں عینک لگی تھی اس لئے اس نے عینک کے ذریعہ امام کی نقل و حرکت دیکھ کر رکوع و سجود کیا تو بکر کی نماز ہوئی یا نہ ہوئی؟

(ب) اور اگر بکر کی آنکھوں میں عینک نہ ہوتی تو بلکہ زید و بکر کے درمیان کوئی پادروالا شیشہ رکھا ہوتا جس کے ذریعہ بکر زید کی نقل و حرکت دیکھ کر رکوع و سجود کرتا تو بکر کی نماز ہوتی یا نہیں؟

(ج) اور اگر بکر کے کانوں میں کوئی ایسا آلہ لگا ہوتا جس کے ذریعہ امام کی آواز سن کر رکوع و سجود کرتا تو بکر کی نماز ہوتی یا نہیں؟

جواب

کتب کثیرہ سے سوال ثالث کے جواب میں محقق ہو چکا کہ انتقالات امام کا علم بسماع او رؤیت یعنی کسی سننے یا کسی دیکھنے سے حاصل ہو اگرچہ بالواسطہ تو اقتدا صحیح ہے اور جب "ا" اور "ب" میں علم بالرؤیۃ ہے اور "ج" میں بالسماع تو نماز یقیناً روا ہے۔

سوال نمبر ۱۲

اگر کوئی شخص امام کی آواز نہ سنے، نہ اس کی نقل و حرکت دیکھے بلکہ امام کے سایہ کی حرکت دیکھ کر رکوع و سجود کرے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب

ہاں نماز جائز ہوگی کہ علم بالرؤیۃ حاصل ہے کما مر - واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ

Marfat.com

جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ اجتماع نماز جمعۃ المبارک و عیدین میں لاؤڈ سپیکر استعمال کرنا جائز ہے یا کہ ناجائز؟ فی سبیل اللہ اس کا جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ والسلام

السائل :- الفقیر الحقیر سید محمد اسلم بخاری خطیب جامع مسجد نوری راوی محلہ سمندری ضلع لائلپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک و شبہ و ریب لاؤڈ سپیکر کا استعمال یعنی وہ بولنے والے کے پاس چالو ہو اور اس کے ذریعہ لوگ سنتے رہیں، شرعاً مباح ہے۔ اور اگر کوئی عارضہ ناجائز بنانے والا شامل ہو جائے مثلاً گانا بجانا یا بیہودہ اقوال یا کفریہ کلمات بکے جائیں تو استعمال ناجائز و گناہ ہوگا اور اگر قرآن کریم پڑھا جائے اور حضرت رب العالمین جل مجدہ کی صفت و ثناء کی جائے یا محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شان بیان کیا جائے یا احکام شرع بیان کئے جائیں تو عبادت بن جائے گا کما فی الحدیث المبارک انما الاعمال بالنیات وفی الشامیۃ علی الدر صـ۳۵۴ جلد ۵ ان الاعمال بالنیات. فکما یکون المباح طاعۃ بالنیۃ تصیر الطاعۃ معصیۃ بالنیۃ تو نیت صالحہ سے نماز میں بھی بلاشبہ جائز و باعث ثواب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوی، اور تفصیل کے لئے فقیر کا رسالہ "مکبر الصوت" ملاحظہ فرماویں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الانور وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بیدہ

۲۲ رجب المرجب ۱۳۸۸ھ   ۱۵/۱۰/۶۸

Marfat.com

باب

مَایَجُوْزُ فِی الصَّلٰوۃِ وَمَالَایَجُوْزُ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ :-

نمبر۱ :- ہمارا گاؤں اہلِ ہنود کی ملکیت ہے لیکن وہ عبادتِ الٰہی و دیگر احکامِ الٰہی سے منع نہیں کرتے بلکہ عزت کرتے ہیں، نیز ایک اہلِ اسلام بھی قدرے ملکیت رکھتا ہے۔

نمبر۲ :- اور ہمارے گاؤں میں فریقین کا تقاضا ہے یعنی اندک آدمی اہلِ حدیث کہلاتے ہیں اور آمین وغیرہ بالجہر کرتے ہیں اور دوسرے فریق والے منع کرتے ہیں تو وہ ازروئے ضد کے زیادہ آمین وغیرہ کرتے ہیں اور بصورتِ فساد تردد کرتے ہیں اور امام دائمی بھی منع کرتا ہے لیکن ترغیب قلبی کچھ اور بات رکھتا ہے۔ اگر امام حنفی ہو اور اس کی اقتدا میں فریقین نماز ادا کریں تو حنفیوں کی نماز میں آمین بالجہر سے کوئی نقصان ہے یا کہ نہیں ؟

نمبر۳ :- ہمارے گاؤں کی مسجد پختہ ہے یعنی خشتِ پختہ سے بنی ہوئی ہے اور اکثر آدمی نمازِ جمعہ ادا کرتے رہتے ہیں اور بعض برخلاف ہیں۔ اور جو جمعہ پڑھتے رہتے ہیں بعض ان میں سے فرضی ادا کرتے ہیں اور بعض احتیاطی، اگر ہمارے گاؤں میں جمعہ جائز ہے تو فرضی جائز ہے یا احتیاطی ؟ یا کہ جائز ہی نہیں ؟ ہمارا گاؤں بستی نہیں ہے گو یا کہ شہر ہے۔ اگر جائز ہے تو امام دائمی کو نمازِ جمعہ پڑھانا چاہیے یا کہ اور خطیب اور امام مقرر کرنا ہے ؟ اکثر اہلِ اسلام اس کے پیشوا ہونے پر رضامند نہیں ہیں۔

نمبر۴ : ڈاڑھی منڈانے کا ممنوعی ثبوت اور کتنا عذاب ہے۔ اور کتنی لمبی ہونی چاہیے !

التماس : علماء وارث الانبیاء کے مذکورہ مسائل کو ازروے رفع فریقین کے اور ثبوت نمازِ جمعہ

Marfat.com

کا باسنادِ صحیح وآیاتِ قرآنیہ کا ثبوت بھی ہو تحریر فرماویں۔ جواب باصواب فرمادیں خداوند کریم اجر

السائل: خادم العلماء والفقراء قطب الدین بقلم خود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصّواب

۱۔ عبادتِ رب العالمین جل جلالہ وعم نوالہ جو صحیح معنے میں عبادت ہو وہ تمام مکلفین پر لازم ہے۔

۲۔ یہ نئر ذمہ قلیلہ جو اپنے آپ کو اہلحدیث کہلاتا ہے وہ حدیث سرورِ دوجہاں صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے پیرو کار نہیں بلکہ حدیثِ نفسانی وامانی کے تابع ہیں۔ خود ان کے افعال واقوال اور ان کے مولویوں کی تصانیف اس مدعا کے شاہد ہیں، چنانچہ یہی جو سوال میں مذکور کہ وہ ازروئے ضد آمین وغیرہ زیادہ کرتے ہیں، اس مدعا کا ثبت ہے کہ گو آمین بالجہر کو یہ لوگ سنت سمجھتے ہیں مگر حدیثِ جلیل حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی کہ انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی الحدیث (مشکوٰۃ عن البخاری ومسلم) یعنی اعمال کی دار ومدار نیتوں پر ہے اور ہر ایک کے لئے وہی ہے جس کی نیت کی، حتیٰ کہ اگر کوئی فرض نماز ادا کرے مگر اس کی نیت فاسد ہے تو عبادت نہیں بن سکتی چنانچہ اسی حدیث کے اخیر میں ہے کہ اگر ہجرت جو فرض تھی کسی دنیاوی لالچ سے کرے تو وہ معتبر نہیں بلکہ اسلام لانا جو اعظم الفرائض ہے اگر نیتِ فاسدہ سے ہو تو غیر معتبر، بلکہ باعثِ زیادتِ عذاب بن جاتا ہے۔ چنانچہ منافقین کے حق میں مولیٰ تعالےٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ تو جب ان لوگوں کی آمین وغیرہ براہِ ضد ہو اور مسلمانوں کے دل دکھانے کے لئے ہو تو سنت نہ رہی بلکہ گناہ بنی کہ مسلمان کا دل دکھانا اور ضد شرعاً سخت حرام ہے مشکوٰۃ شریف میں صحیح بخاری سے ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ تو حدیث پر کب عمل رہا بلکہ حدیث کے مخالف ہوا۔ عجب کہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر تحریمہ باندھ کر بھی یہ لوگ اپنی ضد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ غرضیکہ ان کے افعال و اقوال نے یہ بات ٹھیک رہی ہے تو دوسرے فریق کا منع کرنا وہابیت سے روکنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل تھا۔ ان کو چاہیے تو یہ تھا کہ سن کر عمل کرتے مگر وہ الٹے ضد و فساد پر اترے

Marfat.com

اور فسادی کو اللہ تعالےٰ دوست نہیں رکھتا۔ اہل سنت والجماعت کو چاہئے کہ ان سے الگ رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ایسے تمام فرقوں سے الگ رہنے کی تاکید بلیغ فرمائی ہے کہ مشکوٰۃ میں بخاری و مسلم کی حدیث ہے قال صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فاعتزل تلک الفرق کلها۔ آمین بالجہر وغیرہ کی وجہ سے اگرچہ امام حنفی ہو۔ احناف کی نماز میں نقصان ہوگا کئی وجوہ سے ایک کی طرف تو اشارہ ہوچکا۔ اور دوسری یہ کہ جب وہ لوگ آمین بالجہر وغیرہ کریں گے تو کم ازکم احناف کا خیال اس طرف جائے گا اور نماز میں حضور بالقلب نہ رہے گا اور یہ بھی مکروہ ہے شامی میں ہے منها الصلوٰۃ بحضرۃ ما یشغل البال و یخل بالخشوع۔ اور ایسے ہی اور بہت سی وجوہ ہیں اور امام وائمی کو سمجھائیں کہ ترغیب قلبی کسی دوسری طرف نہ رکھے ورنہ صرف زبان کی موافقت کسی کام کی نہیں جیسے حدیث شریف وآیت طیبہ سے سن چکے۔

۳ مسجد کا پختہ ہونا اور گاؤں کا گویا کہ شہر ہونا نماز جمعہ کے لئے ہرگز ہرگز مجوز نہیں ہوسکتا عجب کہ سائل کہتا ہے کہ ہمارا گاؤں بستی نہیں، گاؤں اور بستی میں کیا فرق ہے ان هذا الا التناقض الصریح۔ ادائگی جمعہ کے لئے شہر کی مشابہت کافی نہیں بلکہ شہر ہو اور شہر بھی جامع ہو، کہ غنیۃ المستملی وغیرہا میں ابن ابی شیبہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث ہے لاجمعۃ و لاتشریق ولاصلوٰۃ فطر و لا اضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ۔ پس جو اس گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھتے وہ حق و مذہب حنفیہ پر ہیں اور جو پڑھتے ہیں اور احتیاطاً نماز ظہر بھی پڑھ لیتے ہیں تو ان کا فرض وقت نماز ظہر ادا ہو جاتا ہے مگر ترک جماعت کا بوجھ سر پر رہ جاتا ہے اور جو صرف جمعہ ہی پڑھتے ہیں اور احتیاطاً نماز ظہر نہیں پڑھتے وہ اپنے فرض وقت کے فوت ہونے سے ڈریں۔ و تمام التحقیق فی رسالتنا انوار اتقن الدولہ۔

۴ داڑھی منڈانا حرام ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے داڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں وفروا اللحی و احفوا الشوارب" بڑھاؤ داڑھیوں کو اور ترشواؤ مونچھوں کو " منڈانے والا گنہگار ہے۔ حرام کے مرتکب کے عذاب کا مستحق ہے۔ اور لمبی مشت بھر رکھی جائے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مشت بھر سے زائد کے کاٹنے کا ثبوت ہے۔ اس میں ہے وکان ابن عمر اذا حج

Marfat.com

او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ وصحبہ وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ

(نوٹ: کاتب نے تاریخ نہیں لکھی مگر فتاوٰے نوریہ جلد اول میں اس سے پہلا فتویٰ ۱۷ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۰ھ کا اور اس سے پچھلا ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ کا ہے۔

الاستفتاء

عزیز القدر مولانا حافظ محمد رحمت علی صاحب سلمہ ربہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ و برکاتہ۔ بعد از دعوات عافیت دارین آنکہ آپ کا مرسلہ خط ملا مگر افسوس کہ آپ کا لفافہ اور خط دونوں ایسے گم ہوئے کہ باوجود تلاش بھی نہ ملے۔ البتہ بہار شریعت حصہ سوم ص۶۷ کے مسئلہ[1] کی تشریح لکھی جاتی ہے۔ اس میں ہے:

مسئلہ: کپڑے میں اس طرح لپٹ جانا کہ ہاتھ بھی باہر نہ ہو مکروہ تحریمی ہے۔ علاوہ نماز کے بھی بے ضرورت اس طرح کپڑے میں لپٹنا نہ چاہئے اور خطرہ کی جگہ سخت ممنوع ہے۔"

یہ مسئلہ در المختار اور فتاوٰے عالمگیری سے ہے۔ اور ان دونوں میں مع دیگر کتب معتبرہ اس طرح کپڑے پہننے کا عربی نام اشتمال الصماء یا صماء آیا ہے۔ حدیث متفق علیہ میں اس سے مطلقاً ممانعت آئی ہے اور اس کی تفسیر شامی ص۶۱۱ جلد ا، فتاوٰے عالمگیری ص۵۵ جلد ا، تبیین الحقائق ص۱۶۴ جلد ا، اشعۃ اللمعات ص۱۰۳، ص۵۶۷ جلد ۳، عینی علی البخاری ص۲۳۸ جلد ۲، فتح القدیر ص۳۵۹ جلد ا میں ہے

والنظم من الفتح وھو ان یلف بثوب واحد رأسہ وسائر بدنہ ولا یدع منفذا لیدہ۔ یعنی وہ یہ ہے کہ اپنے سر اور باقی تمام دھڑ کو ایک کپڑے میں لپیٹ لے اور ہاتھ نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہ چھوڑے پھر اس کی وجہ تسمیہ

---

[1] کیونکہ اسی کے متعلق سوال تھا ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

اکثر کتبِ مذکورہ میں یہ ہے کہ "صماء" اس ٹھوس پتھر کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی سوراخ اور دراڑ نہ ہو تو یہ پہننا یوں ہوا جیسے اس پتھر میں داخل ہو گیا کہ ہاتھ بھی نہیں نکال سکتا۔ عینی وغیرہ نے بالفاظِ متقاربہ فرمایا و الصماء فی الاصل صفة یقال صخرة صماء اذا لم یکن فیہا خرق و لا منفذ و معنی النہی عن اشتمال الصماء نہی عن اشتمال الثوب کاشتمال الصخرة الصماء (الی ان قال) و تشبیہ الاشتمال المنہی بہا کونہ یسد المنافذ کلہا۔

تو اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ بہارِ شریعت میں اس " ہاتھ بھی باہر نہ ہو " سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ یوں چھپا ہو کہ جب باہر نکالنا چاہے تو باہر نہ ہو سکے۔ اور اس پہ وہیں بہارِ شریعت میں بھی آخر میں نماز کے علاوہ بھی اس طرح لپٹنا نہ چاہیئے۔ اور خطرہ کی جگہ سخت ممنوع فرمانا صاف صاف دلیل ہے کہ جب فوراً نکل سکے تو خطرہ میں سخت ممنوع ہونے کا کیا معنٰے ؟

بہرحال اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں کا بعض صورتوں میں یوں چھپ جانا کہ جب نکالنا چاہے فوراً نکال سکے، اس میں داخل نہیں جیسے عموماً ہمارے یہاں کمبل اوڑھ کر بائیں جانب اٹھا کر شانے پر ڈالی جاتی ہے اس میں بھی بوقتِ قیام ہاتھ چھپ جاتے ہیں مگر بوقتِ ضرورت بلا تکلف نکل سکتے ہیں اور تکبیر تحریمہ تو نکال کر ہی کہی جاتی ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں لعدم الدلیل علیہا و الاصل الاباحة وقد قال اللہ تعالٰی خذوا زینتکم عند کل مسجد۔ اس میں تمام ایسی صورتوں کی اباحت ہے جن سے شرعِ اطہر نے منع نہیں فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ و آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

ابوالخیر النعیمی غفرلہ ۱۷ر جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

بگرامی خدمت حضرت قبلہ الحاج شیخ الحدیث مفتی اعظم صاحب دامت برکاتہم

Marfat.com

السلام علیکم و رحمۃ و برکاتہ :۔

نمبر ا :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے ؟

نمبر ۲ :۔ اور کیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا فعلاً یا قولاً ثابت ہے ؟

نمبر ۳ :۔ کسی حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ فقط ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے سے ایک نماز کا اور ٹوپی مع عمامہ باندھ کر ادا کرنے سے ستر گنا زیادہ ثواب ملتا ہے ؟ نیز یہ حدیث صحیح ہے ؟ بینوا توجروا۔

امید ہے کہ آپ تفصیلی حل فرما کر بندہ کی تسلّی و تشفی فرمائیں گے۔

السائل :۔ حضرت مولانا حافظ الحاج محمد شفیع صاحب اوکاڑوی ثم کراچوی مدظلہم بمعرفت محمد رحمت علے بنیری مدنی مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ۱۰ $\frac{۸}{۶۳}$

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ا :۔ قرآنِ کریم و حدیثِ پاک اور فقہ حنفی سے روزِ روشن کیطرح واضح کہ اہلِ اسلام کی ٹوپی (مثلاً قادری ٹوپی) پہن کر نماز پڑھنا ہرگز ہرگز مکروہ نہیں بلکہ نسبتاً پسندیدہ و مستحسن ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے یٰبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (اے ابنائے آدم لو زینت اپنی ، نزدیک ہر مسجد کے)۔ اربابِ تفسیر و فقہ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ پاک میں " زینت " سے مراد وہ لباس ہے جو جسمِ انسانی کے ضروری پوشیدنی حصوں[1] کا ستر کرسکے اور " مسجد " سے مراد نماز ہے لہذا نمازی پر فرض ہے کہ لباسِ ستر پہن کر نماز پڑھے مگر جبکہ قرآنِ کریم نے " لباس " یا " ثیاب " نہیں فرمایا بلکہ " زینت " فرمایا اور " زینت " لغوی معنے کے لحاظ سے آرائش و زیبائش پر دال ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ خصوصی حاضری میں زیبائش ہونی چاہیئے لہذا لباسِ ستر سے زائد ہر وہ لباس جو شرعاً جائز ہو

---

[1] جن کو عربی میں " عورت " کہا جاتا ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

اور باعثِ زینت بنے (مثلاً قمیص، عمامہ وغیرہ) مسنون و مستحب و مستحسن ہوا۔ تفسیراتِ احمدیہ ص۲۷۳، الاکلیل ص۱۱ جلد۴ میں ہے ان المراد من الزینۃ الثیاب المواری للعورۃ والمراد من المسجد ھو الصلوٰۃ الخ نیز انہی میں ہے من السنۃ ان یاخذ احسن ھیئتہ للصلوٰۃ۔ پھر انہی میں ہے فلم یعبرہ بلفظ الزینۃ دون اللباس فقال للاشعار باخذ اللباس الحسنۃ فی الصلوٰۃ - مدارک ص۳۹ جلد۲ میں ہے لان الصلوٰۃ مناجاۃ الرب فیستحب لھا التزین۔ صحیح بخاری ص۳۴۹ جلد۲ کی حدیثِ پاک میں ہے فان اللہ احق من یتزین لہ۔ تو واضح ہوا کہ لباسِ زینت کم از کم مستحسن ضرور ہے حالانکہ ننگے سر کی بہ نسبت ٹوپی بھی لباسِ زینت ہے جسے عوام و خواص علماء و اصفیاء کے سب حلقوں میں مقبولیت حاصل ہے تو اس اشارۂ قرآنیہ سے صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا بھی مستحسن ہوا۔ اور حدیثِ پاک میں بھی صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا بھی ارشاد صریح و بیان موجود ہے جس کا ذکر بفضلہٖ تعالےٰ سوال ص۲ کے جواب میں آرہا ہے۔ اور فقہ حنفی میں ہے کہ بلا وجہ و جبہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ اس میں زینتِ مامور بہا کا ترک ہے۔ فتح القدیر ص۳۶۵ جلد۱، بحرالرائق ص۲۵ جلد۲، تنویرالابصار، درالمختار، شامی ص۵۹۹ جلد۱، مراقی الفلاح ص۲۱۶، منیہ، غنیہ ص۳۳۷ جلد۱ میں ہے و النظم من الفتح وتکرہ الصلوٰۃ ایضاً (الی ان قال) و مکشوف الرأس صغیری ص۱۸۴ میں ہے لان فیہ ترک اخذ الزینۃ المامور بہا مطلقا اور چونکہ ٹوپی سے سترِ سر حاصل ہو جاتا ہے اور ننگا نہیں رہتا تو واضح ہوا کہ ٹوپی پہننے سے ننگے سر والی کراہت دور ہو جاتی ہے اور سترِ سر کی زینت حاصل ہو جاتی ہے نہ یہ کہ الٹے ٹوپی سے کراہت آجائے۔ بلکہ فقہائے کرام نے تو یہاں تک فرما دیا کہ اگر نماز میں ٹوپی گر جائے تو نماز میں ہی اٹھا کر سر پر رکھنا افضل و بہتر ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنے سے بچے۔ غنیہ ص۴۱۹ اور صغیری ص۲۲۲ اور درالمختار تحریراً شامی تقریراً ص۶۰۰ جلد۱ میں ہے والنظم للحلبی و ذکر فی فتاوی الحجۃ ان رفع العمامۃ

سے تفسیراتِ احمدیہ میں "فلما" ہے و المعنی واحد ۱۲ منہ غفرلہ

او القلنسوة بعمل قليل اذا سقطت افضل من الصلوٰة مع كشف الرأس۔ درر الحکام ص۱۱۱ جلد ا میں ہے رفع القلنسوة بيد واحدة افضل من الصلوٰة بكشف الرأس۔

ص۲ ہاں ثابت ہے۔ امام حقانی قطب ربانی حضرت سیدی عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کشف الغمہ شریف ص۵ جلد ا میں فرماتے ہیں کان صلی الله عليه وسلم يأمر بستر الرأس بالعمامة او القلنسوة وينهى عن كشف الرأس في الصلوٰة یعنی حضور پرنور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں عمامہ یا ٹوپی سے ستر سر کا حکم دیا کرتے تھے اور نماز میں سر ننگا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے،" تو یہ حدیث پاک کئی وجوہ سے دلیل ہے ستر سر کا حکم دینا اور ننگا سر کرنے سے منع فرمانا مکرر بتہ دیتا ہے کہ اکیلی ٹوپی بھی کافی ہے۔ پھر عمامہ یا ٹوپی فرمانا بھی اس کی دلیل ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ حضور نور علیٰ نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو فرماتے تھے خود بھی اس پر عمل کر کے دکھاتے تھے اور صحابہ کرام بھی صدق دلی سے پیروی کرتے تھے اور سب حضرات کے پاس ہر وقت عماموں کا نہ ہونا بھی یقینی چیز ہے، تو مدعا روزِ روشن کی طرح روشن ہوا۔

حضرت امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی شہادت سے یہ حدیث ہے بھی حدیث صحیح، اسی کتاب مستطاب کے ص۵ جلد ا میں فرماتے ہیں ولم اعز احاديثه الى من خرجها من الائمة لانى ما ذكرت الا ما استدل به الائمة المجتهدون لمذاهبهم وكفانا صحة لذلك الحديث استدلال مجتهد به نیز ص۹ میں ہے وكفانا صحة لذلك الحديث او الاثر استدلال مجتهد به۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے کہ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم ٹوپی مبارک عمامہ شریف کے نیچے اور اکیلی ٹوپی مبارک اور اکیلا عمامہ شریف پہنا کرتے تھے۔ کنز العمال ص۲۴ جلد ۴، جامع صغیر ص۲۳۳ جلد ۲ میں بحوالہ امام رویانی اور امام ابن عساکر ہے كان يلبس صلى الله تعالى عليه وسلم القلانس تحت العمائم وبغير العمائم ويلبس العمائم بغير القلانس۔ پھر ائمہ عظام اصحاب سیرت وغیرہم نے بھی وثوق سے یہ تینوں صورتیں عمامہ مع ٹوپی، صرف ٹوپی، صرف عمامہ ذکر کی ہیں۔ السیرۃ الحلبیہ ص۴۶۳ جلد ۲، المدخل للامام

Marfat.com

ابن الحاج ص۲۱۵ جلد ۲، زاد المعاد ص۱۲۱ جلد ۱، سفر السعادۃ ص۱۲۰ جلد ۲، شرح سفر السعادۃ ص۲۳۶ میں ہے
و النظم من الحلبیۃ انہ صلی اللہ علیہ و سلم کان یلبس القلانس تحت العمائم و یلبس القلانس بغیر عمائم و یلبس العمائم بغیر قلانس۔ احیاء العلوم ص۳۷۵ جلد ۲ میں ہے کان یلبس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القلانس تحت العمائم و بغیر عمامۃ۔ فتاوٰی عالمگیر ص۹۹ جلد ۴ وجیز کردری سے اور تکملۃ البحر ص۴۸۶ جلد ۸ میں ذخیرہ سے ہے و النظم من التکملۃ روی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان لہ قلانس یلبسہا و قد صح ذٰلک اقول الظاہر ان المراد لبسہا بغیر عمائم او اعم فیطابق النصوص السابقۃ ولا یمکن ان یراد لبس القلانس تحت العمائم فقط لیخالف النصوص لان الاطلاق یابیٰ و لا مخصص شرعاً۔

بہرحال محبوبِ مکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے اکیلی ٹوپی کا پہننا بھی یقیناً ثابت ہے اور چونکہ یہ سب روایات وعبارات مطلق ہیں یعنی ان میں یہ نہیں کہ نماز میں پہنا کرتے تھے یا نماز سے باہر، تو معلوم ہوا کہ یہ پہننا عام ہے تو نماز میں صرف ٹوپی پہننا بھی ثابت ہو گیا۔ قرآن کریم فرماتا ہے وثیابک فطھر ہدایہ اور کتبِ تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ اس ارشادِ پاک کا نماز کے ساتھ خصوصی تعلق ہے حالانکہ "ثیاب" جمع ہے تو معلوم ہوا کہ محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جمیع ثیاب (جن میں ٹوپی بلا عمامہ بھی داخل ہے) نماز کے قابل ہیں تو کراہت کہاں سے آئے؟ محبوب کی تو ہر ادا ہی محبوب ہوتی ہے اور زینت، تو لامحالہ صرف ٹوپی پہننا بھی محبوب بنا اور زینت ہوا تو کراہت کا شبہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بحث ۳ آج تک ایسی کوئی حدیث نہ ہی سنی ہے اور نہ ہی نظر آئی۔ اب سوال آنے پر تازہ تتبع مظانِ کتب

ـــــہ گو یہ حدیث ضعیف ہے مگر اصحابِ سیرت کے بادثوق ذکر اور فتاوٰے ہندیہ وغیرہا کے " قد صح ذٰلک " فرمانے
تائید و تصحیح ہو رہی ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

حدیث وفقہ سے بھی کہیں اس کا کوئی نام ونشان نہیں ملا، البتہ جامع صغیر ص۶۰ جلد ا، کنز العمال ص۱۹ جلد ۸ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بہ رمز مسند الفردوس للدیلمی ہے رکعتان بعمامۃ خیر من سبعین رکعۃ بلا عمامۃ یعنی دو رکعتیں عمامہ کے ساتھ ایسی ستر رکعتوں سے بہتر ہیں جو بغیر عمامہ کے ہوں۔ پھر کنز العمال کے اسی صفحہ اور جامع صغیر ص۶ جلد ۲ میں حضرت عمر سے بہ رمز ابن عساکر ہے صلوٰۃ تطوع او فریضۃ بعمامۃ تعدل خمسا وعشرین صلوٰۃ بلا عمامۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بلا عمامۃ۔ یعنی نفلی یا فرضی کوئی ایک نماز جو عمامہ پہن کر پڑھی جائے ایسی پچیس نمازوں کے برابر ہے جو بلا عمامہ ہوں اور ایک جمعہ عمامہ پہن کر ایسے ستر جمعہ کے برابر ہے جو بلا عمامہ ہو۔

اس دوسری حدیث کے متعلق گو علامہ محمد طاہر فتنی صاحب مجمع البحار اپنی کتاب موضوعات کے ص۱۵۵ اور ص۱۵۶ میں اور حضرت ملا علی قاری موضوعات کبیر کے ص۴۵ میں بعض ائمہ حدیث سے ناقل کہ یہ موضوع ہے مگر حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کے نزدیک موضوع ہرگز نہیں بلکہ صرف ضعیف ہی ہے کہ کنز العمال کے اصل جمع الجوامع میں سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں وہ حدیثیں جو ابن عساکر یا دیلمی کی مسند الفردوس سے ہیں، وہ سب ضعیف ہیں۔ کنز العمال ص۳ جلد ا میں ہے ولابن عساکر (الی ان قال) وللدیلمی فی مسند الفردوس فھو ضعیف فیستغنی بالعزو الیھا او الی بعضھا عن بیان ضعفہ۔ اور جامع صغیر کے خطبہ ص۳ جلد ا میں فرمایا وصنتہ عما تفرد بہ وضاع او کذاب۔ اور یہیں سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک پہلی حدیث بھی ضعیف ہی ہے۔ کہ بہ رمز مسند الفردوس ہے۔

بہرحال یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اور فضائل اعمال میں اگرچہ حدیث ضعیف پر عمل جائز مگر ان میں صرف ٹوپی پہن کر نماز کا قطعاً ذکر نہیں اور نہ ہی ٹوپی بمع عمامہ کا مگر چونکہ ان دونوں حدیثوں میں عمامہ نکرہ ہے اور پھر نفی کے بعد بھی ہے تو حسب القاعدہ استغراقی معنے کے لحاظ سے عمامہ بمع ٹوپی اور عمامہ بلا ٹوپی دونوں کو شامل ہوگا اور عمامہ کے ساتھ نماز کی فضیلت بھی ثابت ہو گی مگر پھر بھی یہ دونوں حدیثیں سائل کی پیش کردہ حدیث کا اصل نہیں بن سکتیں وذا ظاھر جدا۔

Marfat.com

ضروری تنبیہ،

ترمذی ص۲۲۴ جلد۱ اور ابوداؤد ص۲۰۸ جلد۲ میں بکلماتِ متقاربہ حضرتِ رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً ہے ان فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس یعنی ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عمامے ہیں" اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کئی صاحبان تشدد کرتے ہیں کہ نماز میں سر پر ٹوپی اور عمامہ دونوں ہونے ضروری ہیں۔ صرف عمامہ یا صرف ٹوپی سے نماز پڑھنا سخت ناپسند جانتے ہیں۔ بلکہ بعض تو جھگڑے اور فساد پہ اتر آتے ہیں حالانکہ یہ خیال اور استدلال صحیح نہیں،

اوّلاً یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف اور کافی کمزور ہے۔ اس کے دو راوی مجہول ہیں، ترمذی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں واسنادہ لیس بالقائم و لا نعرف ابا الحسن العسقلانی و لا ابن رکانۃ۔ یعنی اس حدیث کا اسناد قائم نہیں اور ہم ابوالحسن عسقلانی اور ابنِ رکانہ کو جو اس حدیث کے راوی ہیں، پہچانتے نہیں و قد قررہ المولی العلی القاری فی شرح الشمائل ص۱۶۶ جلد۱ والزرقانی علی المواہب ص۱۳ جلد۵ و زاد و من ثم قال السخاوی وھو واہٍ یعنی امام سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت کمزور ہے۔ امامِ ذہبی میزان الاعتدال ص۳۵۲ جلد۳ میں ابن رکانہ اور ابوالحسن عسقلانی کو غیر معروف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں لا یعرف (ابن رکانۃ) تفرد عنہ ابوالحسن العسقلانی فمن ابوالحسن الخ۔ تقریب التہذیب ص۵۷۹ میں ہے ابوجعفر (دت) بن محمد بن رکانۃ مجہول۔ نیز ص۵۸۳ میں ہے ابوالحسن (دت) العسقلانی مجہول۔ تو ایسے کمزور اسناد والی حدیث سے اکیلی ٹوپی یا عمامے کا مکروہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہاں ٹوپی پر عمامے کا مستحسن ہونا ثابت ہو سکتا ہے مگر ترکِ استحسان مستلزم کراہت نہیں۔

ثانیاً یہ حدیث نماز کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ہی اس میں نماز کا ذکر ہے بلکہ مطلقاً لباسِ سر کا بیان ہے لہٰذا ائمہ حدیث ترمذی و ابوداؤد وغیرہما نے اسے عام لباس کے بیان میں ذکر فرمایا ہے تو خارج

Marfat.com

نماز کے لئے بھی یہ اہتمام ضروری سمجھا جاتا کہ ہر وقت سر پر عمامہ مع ٹوپی رہے حالانکہ یوں نہیں تو معلوم ہوا کہ معکوس ہے۔

ثالثًا ٹوپی پر عمامہ کا ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ہونا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اور کوئی فرق ہے ہی نہیں بلکہ حقیقتِ واقعیہ یہ ہے کہ ہر علامتِ اسلام ہی فرق ہے۔ تو اگر اکیلی ٹوپی بھی کسی زمانے میں علامتِ اسلام بن جائے تو وہ بھی فرق بن جائے گی۔ چنانچہ کافی مدت سے قادری ٹوپی اور ترکی ٹوپی علامتِ اسلام ہیں اور موجودہ دَور میں جناح کیپ، تو ایسی ٹوپی کا پہننا جبکہ علامتِ اسلام ہے اور فرق ہے تو اس حدیث کے منشا کے مخالف کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں گاندھی ٹوپی وغیرہ جو شعارِ کفار ہیں وہ چونکہ علامتِ کفر ہیں لہذا ممنوع ہیں۔

رابعًا فرق و علامتِ اسلام جو اس حدیث کا اصل مقصود ہیں اس کا ہر وقت ظاہر کرنا ضروری نہیں کہ ترک مکروہ ہو، کلمۂ توحید جو بہت بڑا شعارِ اسلام ہے اس کا ہر وقت پڑھنا اور وہ بھی بلند آواز سے ضروری نہیں تو عمامہ مع ٹوپی جیسا عمومی شعار ہر وقت قائم رکھنا کیونکر ضروری ہو! اور جب ہر وقت ضروری نہیں تو نماز یا ہر نماز میں کیونکر ضروری ہو گا؟

خامسًا خود نماز ہی اسلام کی ایسی زبردست علامت ہے کہ نمازی جب نماز پڑھ رہا ہو تو ہر ایک دیکھنے والا اسے مسلمان سمجھتا ہے وذا مما لا یخفی بحکم القرآن والاحادیث الکریمۃ۔ قرآن کریم فرماتا ہے اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین اور حدیث پاک میں آیا بین العبد وبین الکفر ترك الصلوٰۃ۔ تو اگر نمازی کے سر پر ٹوپی و عمامہ نہ بھی ہو تب بھی روزِ روشن کی طرح وہ فرق واضح ہوتا ہے تو اس لحاظ سے نماز کے باہر ٹوپی پر عمامے کا ہونا فرق کرنے کے لئے ہونا چاہئے کہ نماز تو خود ہی فرق ہے حالانکہ یہ نہیں کہتے۔

سادسًا و سابعًا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہو کہ عمامہ ٹوپی پر پہننے کو جائز سمجھنا فرق ہے تو صرف یہ جائز سمجھنا ہی کافی ہو گا، بالفعل پہننے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ یا یہ مراد ہو کہ اس خاص زمانِ اقدس میں فرق ہے۔ اور جب بعد میں اکیلی ٹوپی بھی فرق بن گئی تو وہ بھی کافی ہو گا کما قال مولانا علی القاری فی المرقاۃ ص۲۳۶ جلد۲ تحت حدیث خالفوا الیہود

فانهم لا یصلون فی نعالهم. نصه او الادب فی زماننا عند عدم الیهود و النصاریٰ او عدم اعتیادهما الخلع ثم سنح لی ان معنی الحدیث خالفوا الیهود فی تجویز الصلوٰة مع النعال والخفاف فانهم لا یصلون ای لا یجوزون الصلوٰة فیهما و لا یلزم منه الفعل۔ اوران وجوہ کی تائید اکید وجہِ ثامن سے ہورہی ہے فاستمع بقلب شہید۔

ثامناً جوابِ دوم میں روزِ روشن کی طرح واضح کیا گیا ہے کہ محبوبِ مکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اکیلا عمامہ شریف اور اکیلی ٹوپی شریف پہنا کرتے تھے، تو یہ بھی سنت بنے حالانکہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت بھی علامتِ کفر نہیں بن سکتی تو یہ کیسے علامتِ کفر یا ناجائز بن سکتے ہیں۔ ہاں جو خاص ٹوپی یا کسی خاص شکل کا عمامہ شعارِ کفار بن جائے تو اس عارضے کے سبب اس کا استعمال ہمارے لئے ناجائز ہوگا جو اسی کے ساتھ خاص ہوگا لہذا ائمہ کرام و فقہائے عظام (جو معانی احادیث اچھی طرح سمجھتے ہیں اور آیات و احادیث سے ہی ہمارے مسائل کا استنباط کیا کرتے ہیں) نے کسی کتاب میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ اکیلی ٹوپی یا اکیلا عمامہ پہن کر نماز مکروہ ہے اور نہ ہی یہ فرمایا ہے کہ نماز میں عمامہ بمع ٹوپی پہننا ضروری ہے تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ اگر یہ حدیث حضرتِ رکانہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فی الواقع ثابت ہے تو اس کا ہرگز ہرگز یہ منشا نہیں جو وہ صاحبان سمجھتے ہیں و ذلک مما لا ریب فیها اصلاً۔ بلکہ ہمارے ائمہ و مشائخ عظام تصریح فرماتے ہیں کہ نماز کے لئے کامل درجے کا مستحب لباس یہ ہے کہ مرد قمیص، تہبند، عمامہ میں پڑھے جو تین کپڑے ہیں۔ خلاصۃ الفتاوےٰ صـ۳۷ جلد ۱، بدائع صنائع صـ۲۱۹ جلد ۱، بحر الرائق صـ۲۵ جلد ۲، منیۃ المصلی او غنیۃ المستملی صـ۳۳۷، فتاوےٰ ہندیہ صـ۳۱ جلد ۱، طحطاوی علی الدر صـ۲۷۰ جلد ۱ میں بالفاظِ متقاربہ ہے المستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص و ازار و عمامة۔ بدائع صنائع میں اضافہ فرمایا کذا ذکره الفقیه ابو جعفر الهندوانی فی غریب الروایة عن اصحابنا۔ اور یہ تاویل کہ عمامہ سے مراد ٹوپی پر عمامہ ہے محض غلط ہے کہ عمامہ کا معنیٰ عمامہ بمع ٹوپی ہرگز نہیں۔ نیز ٹوپی کے ساتھ کپڑے تین نہیں رہیں گے بلکہ چار بن جائیں گے، تو واضح ہوا کہ اکیلے عمامہ کے ساتھ سترِ سر کمالِ استحباب کے ساتھ

Marfat.com

حاصل ہوجاتا ہے تو اس سے بھی اور وضاحت ہوتی ہے کہ اس حدیث سے متشددین حضرات کا وہ استدلال محض غلط ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ جب اکیلا عمامہ مکروہ نہیں تو اکیلی ٹوپی بھی مکروہ نہیں ہو سکتی اذ لا فارق بینہما فی عدم کون العمامۃ علی القلنسوۃ۔ بلکہ ننگے سر کی بہ نسبت افضل و مستحسن ہے کما مر التصریح بہ عن الدر وغیرھا مگر چونکہ عمامہ میں زینت نسبۃً زیادہ ہوتی ہے تو وہ کامل مستحب ہوا پھر جب اکیلے عمامہ سے استحباب کامل حاصل ہوجاتا ہے تو اگر عمامہ ٹوپی پر ہو تو بطریق اولیٰ حاصل ہوگا کہ اس میں زینتِ مطلوبہ میں کمی ہرگز نہیں ہوتی اور اس حدیث کے ظاہری معنے پر بھی عمل ہوگا۔ نیز یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ کامل مستحب کی نفی سے مطلق مستحب کی نفی نہیں ہوتی اور یہ کہ مستحب کا انتفاء مستلزم کراہت نہیں کہ مکروہ تنزیہی کے لئے بھی دلیلِ خاص کی ضرورت ہوتی ہے چہ جائیکہ تحریمی، شامی صـ۱۱۶ جلد ۱ میں ہے لا یلزم من ترك المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لابد لھا من دلیل خاص۔ نیز وہیں ہے لان الکراھۃ حکم شرعی فلا بُدّ لہ من دلیل۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ تین دعائیں تین بار ہاتھ اٹھا کر جائز ہیں؟ ایک مولوی صاحب ناجائز کہتے ہیں خصوصاً بعد از نماز؟ بینوا توجروا۔

سائل: حافظ چراغ دین ساکن ملکہ ہانس خاص تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصّواب

قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ سے روزِ روشن کی طرح صاف صاف ثابت کہ دعا عبادت ہے بلکہ اعظم و افضل و اشرف و اکرم مغزِ عبادت ہے اور ایماندار کا ہتھیار اور دین کا ستون اور آسمانوں اور زمین کا

Marfat.com

نور ہے اور دعا نہ کرنا سبب غضب رب تبارک وتعالےٰ ہے۔ بخاری الادب المفرد ص۲۴۹، ترمذی بافادہ تحسین وتصحیح ص۱۷۰ جلد ۲ حاکم مستدرک بافادہ تصحیح وتقریر ذہبی ص۴۹۱ جلد۱ حضرت نعمان بن بشیر سے مرفوعًا راوی ان الدعاء ھو العبادۃ ثم قرأ و قال ربکم ادعونی استجب لکم الآیۃ۔ جمہور علماء فرماتے ہیں حصر "ھو العبادۃ" بوجہ عظمیت دعاء ہے۔ فتح الباری ص۷۹ جلد ۱۱ میں ہے اجاب الجمھور ان الدعاء من اعظم العبادۃ۔ مستدرک ص۴۹۱ جلد ۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوف لفظًا مرفوع حکمًا ہے افضل العبادۃ ھو الدعاء۔ بخاری الادب المفرد ص۲۴۹ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مرفوعًا راوی اشرف العبادۃ الدعاء۔ بخاری الادب المفرد ص۲۴۹، حاکم بافادہ تصحیح وتقریر ذہبی ص۴۹۰ جلد ۱، ترمذی ص۱۷۰ جلد ۲ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مرفوعًا راوی لیس شیئ اکرم علی اللہ من الدعاء۔ ترمذی ص۱۷۰ جلد ۲ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعًا راوی الدعاء مخ العبادۃ۔ حاکم ص۴۹۲ جلد ۱ میں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بافادہ تصحیح وتقریر ذہبی رافعًا راوی، الدعاء سلاح المؤمن وعماد الدین و نور السموات والارض۔ حاکم ص۴۹۱ جلد ۱، ترمذی ص۱۷۸ جلد ۲ میں دو دو سندوں سے حضرت ابوہریرہ سے رافعًا راوی من لایدعو اللہ یغضب علیہ ولکن عند الترمذی لم یسأل بدل لایدعو۔

اور جب دعاء اتنی خوبیوں کی حامل ہے تو اگر حکم نہ بھی ہوتا تب بھی عقل سلیم اور ایمان قویم کا تقاضا تھا کہ اس میں ہرگز ہرگز کوتاہی نہ کی جائے اور بکثرت کی جائے چہ جائیکہ اس کا حکم احکم الحاکمین جل وعلا نے کئی جگہ دیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے وقال ربکم ادعونی استجب لکم اور فرمایا واسئلو اللہ من فضلہ۔ اور حضرت رحمۃ للعالمین نے بھی فرمایا ادعوا اللہ وانتم موقنون بالاجابۃ" دعاء کرو اللہ سے حالانکہ تم اجابت دعاء کا یقین کرنے والے ہو" رواہ الحاکم عن ابی ھریرۃ مرفوعًا وقال مستقیم الاسناد اور چونکہ رحمت کاملہ کا تقاضا ہے کہ محتاج بندے دعاء بکثرت کریں اور زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہوں تو کسی وقت کی قید نہیں لگائی بلکہ مطلق فرمایا اجیب دعوۃ الداع اذا دعان یعنی دعاء کرنیوالا جب دعاء کرے قبول فرماتا ہوں

Marfat.com

بلکہ صراحۃً دعار زیادہ کرنے کا حکم فرمایا۔ پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اکثر الدعاء بالعافیۃ " عافیت کی دعا بکثرت کیا کرو " رواہ الحاکم ص۵۲۹ جلد ۱ عن ابن عباس وقال ھذا حدیث صحیح علی شرط البخاری واقرہ الذھبی۔ نیز فرمایا جو یہ چاہے کہ گھبراہٹ اور سختیوں کے وقت اس کی دعار زیادہ قبول ہو تو آرام کے وقت زیادہ دعار کرے فلیکثر الدعاء فی الرخاء رواہ الحاکم عن ابی ھریرۃ وقال صحیح الاسناد مع تقریر الذھبی ص۵۲۳ جلد ۱۔

اور ان کے ہم معنے بکثرت احادیث ہیں۔ فتح الباری ص۷۹ جلد ۱۱ میں فرمایا وقد تواردت الاثار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالترغیب فی الدعاء والحث علیہ اور مواہب لدنیہ میں مع تقریر الزرقانی ص۲۱۸ جلد ۸ ہے وقد تواترت الاخبار عنہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ زرقانی ص۲۱۸ جلد ۸ میں ابو یعلیٰ اور حاکم سے بافادہ تصحیح حدیث مرفوع علی المرتضیٰ میں ہے تدعون اللہ فی لیلکم ونہارکم " اللہ سے دعا کرو دن اور رات میں " اور جب کثرتِ دعا مطلوب ہے تو تین مرتبہ کا جواز و استحباب وضاحت سے ثابت ہو گیا، بلکہ بالتخصیص تین مرتبہ دعار کا مسنون ہونا صراحۃً بھی ثابت۔ صحیح مسلم ص۱۰۸ جلد ۲ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے وکان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا۔ سنن ابی داؤد ص۲۱۳ جلد ۱ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص۹۹ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعجبہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا " بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیارا لگتا تھا تین مرتبہ دعا کرنا اور تین مرتبہ استغفار کرنا " وفی مسند احمد بن حنبل ص۳۸۰ جلد ۱ ح۳۷۴۴ عن ابن مسعود کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعجبہ ان یدعو الحدیث ۱۲ وفی ص۲۹۰ جلد ۵ ح۳۷۷۰ ح۳۷۶۹ عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث ۱۲ ومثلہ صحیح مسلم ص۲۲۱ جلد ۲ میں حضرتِ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ہے دعا ثم دعا یعنی حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور دعا فرمائی اور دعا فرمائی " شارح نووی نے فرمایا یہ تکرارِ دعا

Marfat.com

کی دلیل ہے نیز انہیں ام المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ہے کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ دونوں ہاتھ مبارک اٹھا کر استغفار فرمایا صحیح مسلم ص۳۱۳ جلدا ، سنن نسائی ص۲۸۶ جلدا رفع صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ ثلاث مرات ۔ نووی فرماتے ہیں فیہ استحباب اطالۃ الدعاء و تکریرہ و رفع الیدین یعنی اس سے ثابت ہوا کہ دعا کا لمبا کرنا اور بار بار کرنا اور دونوں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے ۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ احیاء العلوم ص۳۱۵ جلدا آداب دعا میں فرماتے ہیں ان یلح فی الدعاء ویکررہ ثلاثا یعنی دعا میں الحاح کرے اور تین مرتبہ دہرائے "حصن حصین فرمایا و اقلہ التثلیث یعنی ادب دعا تکریر کا سب سے کم درجہ تین مرتبہ کرنا ہے ۔ اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور منہ پر پھیر لینا بھی آداب دعا سے ہے ۔ ابوداؤد ص۲۰۹ جلدا ، مستدرک ص۵۳۶ جلدا حضرت ابن عباس سے یہ کلمات متقاربہ مرفوعاً ہے اذا سألتموا اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم و لا تسئلوہ بظہورھا وامسحوا بھا وجوھکم ۔ یعنی جب اللہ سے سوال کرو تو ہتھیلیوں کے پیٹوں سے سوال کرو اور ان کی پیٹھوں سے سوال نہ کرو (یعنی سیدھے ہاتھ اٹھا کر سوال کرو) اور اپنے چہروں پر پھیر لو ' حصن حصین ص۲۳ آداب دعا میں فرمایا و رفعھما یعنی صحاح ستہ سے ثابت ہے دعا میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اطلاقات و عمومات نصوص حجت شرعیہ ہیں کما بین فی کتب الاصول کافۃ تو امس و شمس کی طرح واضح و ہویدا ہوا کہ تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اگرچہ بعد از نماز ہو بلاشبہ جائز و مستحب و مستحسن ہے کہ یہ صورت بھی ایک فرد ہے ان کروڑہا افراد و صور ادعیہ سے جن کو اطلاقات و عمومات نصوص نے جائز و مستحسن و مستحب بنا دیا اور جو ناجائز بتائے تو اس کے ذمہ لازم کہ دلائل تقیید و تخصیص دکھلائے یا قرآن کریم اور حدیث پاک سے کوئی مانع لائے ورنہ فرمان قرآن کریم و لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۔ کا امتثال کرتے ہوئے ناجائز کہنے سے بچے ۔ تعجب ہے کہ وہ خصوصاً بعد از نماز ناجائز بتاتا ہے حالانکہ بعد از نماز کے لئے خصوصاً امر عام وارد ، جو تین کو بھی اپنے عموم سے شامل ہے قرآن کریم میں ہے فاذا فرغت فانصب و الی ربک فارغب

Marfat.com

اور جب نماز سے فارغ ہو تو دعا میں کوشش یا محنت کرو۔"

یہ تفسیر رأس المفسرین حضرت ابن عباس اور قتادہ وضحاک وغیرہ نے فرمائی ہے تفسیر خازن ص۲۲ جلد ۷، معالم التنزیل ص۲۲ جلد ۷، ابن جریر ص۱۵۰ جلد ۳۰، ارشاد العقل ص۴۸۶ جلد ۸، مدارک ص۲۷۳ جلد ۴، بیضاوی ص۴۳۲ جلد ۲، تفسیر کبیر ص۴۳۱ جلد ۸، نیشاپوری ص۱۱۵ جلد ۳۰، در المنثور ص۳۶۴ ص۳۶۵ جلد ۶، تفسیر مظہری ص۲۹۴ جلد ۱۰، تفسیر عزیزی ص۲۳۴ جلد ۳، تفسیر جلالین ص۵۰۲ تفسیر جمل ص۵۵۷ جلد ۴ میں ہے و النظم للمحلی علیہ الرحمۃ فاذا فرغت من الصلوٰۃ فارغب اتعب فی الدعاء۔ حتے کہ غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی یمانی نے بھی اپنی تفسیر فتح القدیر ص۴۵ جلد ۵، ص۴۵۱ جلد ۵ میں نمایاں طور پر یہ تفسیر نقل کی ہے اور ایسے ہی ان کے ہندوستانی پیشوا نواب صدیق خان بھوپالی نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن ص۲۴۲ جلد ۱۶ میں بھی لکھا ہے۔ اور یہ اپنے عموم الفاظ کے لحاظ سے بعد از سلام کو بھی شامل ہے۔ بلکہ امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک تو فراغت از نماز، نماز سے باہر آنے کے ساتھ ہی ہوتی ہے کہ خروج عن الصلوٰۃ فرض ہے۔

پھر مظہری اور جمل میں یہ تصریح بھی فرمادی و النظم من الجمل قولہ اتعب فی الدعاء ای قبل السلام و بعدہ۔ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ کے یہ لفظ ہیں:۔ " چوں از نماز فرض فارغ شوی دست خود را برائے دعا بردار "۔ یعنی جب نماز فرض سے فارغ ہو تو دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔" حالانکہ ہاتھ اٹھا کر دعا بعد از خروج من الصلوٰۃ ہی ہو سکتی ہے۔ نیز سنن ترمذی ص۱۹۳ جلد ۲ میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بافادہ تحسین ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کونسی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو فرمایا رات کے پچھلے حصے میں اور فرض نمازوں کے پیچھے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوف اللیل الاٰخر و دبر الصلوات المکتوبات اور حصن حصین اوقات اجابت میں برمز سنن ترمذی و نسائی فرمایا و دبر الصلوات المکتوبات ت س۔ اور کنز العمال ص۱۶۷ جلد ۱ میں ترمذی، نسائی اور سعید بن منصور کی رمز سے ہے۔ نیز احادیث مرفوعہ سے بعد از سلام بکثرت کئی دعائیں قولاً اور فعلاً وارد ہیں۔ چنانچہ سنن نسائی ص۱۹۶ جلد ۱ باب الاستغفار

ــــــــــ

سہ اور فتح البیان ص۳۰۹ ج۱۰ میں نواب صاحب بھی یونہی فرماتے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

بعد التسلیم ابن ماجہ باب ما یقال بعد التسلیم ص۶۷ میں حضرتِ ثوبان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا انصرف من صلوٰتہ استغفر ثلاثا و قال اللّٰھم انت السلام و منک السلام تبارکت یاذا الجلال و الاکرام ۔ اور پھر نسائی نے کئی بابوں میں کئی مسند حدیثیں اسی صفحہ اور ص۱۵۱ میں ذکر کیں۔ اور ایسے ہی باقی صحاح وغیرہ کتبِ حدیث میں بکثرت مذکور ہیں حالانکہ رفع الیدین کی ممانعت نہیں تو صاف جواز و استحباب ثابت ہوا ۔ بلکہ کنز العمال ص۱۸۱ جلد ا میں بہ رمز مسند امام احمد بن حنبل ، سنن ترمذی ، نسائی ، مستدرک ، ابن حبان اور ص۱۸۳ جلد ا میں برمز ترمذی ابو یعلیٰ حضرتِ انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے و النظم من الثانیۃ یا ام سلیم اذا صلیت المکتوبۃ فقولی سبحان اللہ عشرًا و اللہ اکبر عشرًا و للہ الحمد عشرا ثم سلی ما شئت فانہ یقول لک نعم ثلاث مرات ۔ یعنی اے ام سلیم جب فرض نماز پڑھ چکو تو دس مرتبہ اللہ اکبر ، دس مرتبہ سبحان اللہ ، دس مرتبہ الحمد للہ کہو پھر جو چاہو دعا کرو تو اللہ تبارک وتعالےٰ تمہیں فرمائے گا " نعم " تین مرتبہ " تو اس میں کھلی اجازت ہے فرض نماز کے بعد جو چاہے دعا کرے ۔ بلکہ ص۱۷۵ جلد ا میں بروایتِ شعب الایمان للبیہقی حضرتِ ابو ہریرہ سے ہے کہ جب کوئی تمہارا اپنی نماز سے فارغ ہو تو یہ چار دعائیں کرے پھر جو چاہے دعا کرے ۔ اذا فرغ احدکم من صلوٰتہ فلیدع باربع ثم لیدع بما شاء اللّٰھم انی اعوذ بک من جھنم و عذاب القبر و فتنۃ المحیا و الممات و فتنۃ المسیح الدجال ۔

بہر حال تین کا جواز ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز سے بھی زیادہ واضح ہوا ، جو متضمنِ استحباب بھی ہے اور نیتِ صالحہ سے متاکد ہے اور فرضیت و وجوب ہمارا مذہب نہیں اور نہ ہی ہم حرام و ناجائز ہونے کے قائل ، تو جو صاحب ناجائز و حرام بتائیں ان پر لازم کہ کوئی دلیل دکھائیں جو تین دعاؤں کو ناجائز بتائے ورنہ بے دلیل رد کرنے سے باز آئیں ۔ اور اپنے رب سے زیادہ مانگنا بندوں پر حرام نہ بنائیں رب جل و علا سے زیادہ مانگنا بہتریٔ دارین کا استحصال ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ

Marfat.com

جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۲۵ رجب المرجب ۷۷ ۱۳ھ

الاستفتاء

فرض نمازوں میں امام بڑی لمبی دعائیں مانگتا ہے اور بعد فرض بھی جس سے ضعیف اور کمزور نمازیوں کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ شرعاً کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ہمارے پیارے رؤف ورحیم رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نماز میں مقتدیوں کی رعایت فرمایا کرتے تھے حتے کہ رونے والے بچے کی ماں کی رعایت سے اور زیادہ تخفیف فرمادیتے تھے۔ یہ مضمون نہایت ہی کثرت سے کتب صحاح وسنن میں وارد ہے۔ صرف صحیح بخاری ص۹۸ جلد۱ صحیح مسلم ص۱۸۱ جلد۱ کی حدیث حضرت انس پر اکتفا کیا جاتا ہے و النظم من البخاری ماصلیت[عـہ] وراء امام قط اخف صلوۃ ولا اتم من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان کان یسمع بکاء الصبی و یخفف مخافۃ ان تفتن امہ۔ اور دوسرے ائمہ کو تخفیف نماز کا حکم دیا۔ بخاری ص۹۷ جلد۱ مسلم ص۱۸ جلد۱ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مرفوع ہے و النظم لمسلم اذا امّ[عـہ] احدکم الناس

عـہ یعنی نہیں نماز پڑھی میں نے کسی امام کے پیچھے جو حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی نماز والا ہو اور زیادہ پوری کرنے والا۔ اور بیشک آپ ضرور سنا کرتے تھے رونا بچے کا تو نماز ہلکی فرمادیتے تھے اس کی ماں کی رعایت کے لئے ۱۲ منہ غفرلہٗ

عـہ یعنے جس وقت امام بنے کوئی تمہارا لوگوں کا پس چاہیے کہ تخفیف کرے (یعنی نماز ہلکی پڑھائے) اس لئے کہ ان میں چھوٹا اور بڑا اور ضعیف اور بیمار ہوتا ہے۔ پس جب اکیلا نماز پڑھے تو جس طرح چاہے پڑھے (یعنی لمبی کرسکتا ہے) ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

فليخفف فان فيهم الصغير و الكبير و الضعيف و المريض فاذا صلى وحده فليصل كيف شاء۔

اس مضمون کی بھی بہت ہی زیادہ حدیثیں کتبِ حدیث میں وارد ہیں یہاں تک کہ لمبی نماز پڑھانے والوں کا نام منفرین (یعنی نمازیوں کو بھگانے والے) بڑے ناراض ہو کر رکھا۔ حدیثِ متفق علیہ میں ہے فما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم غضب في موعظة قط اشد مما غضب يومئذٍ فقال يا ايها الناس ان منكم منفرين فايكم ام الناس فليوجز فان من وراءه الكبير و الضعيف و ذا الحاجة۔ یعنی نہ دیکھا میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کہ کسی وعظ میں اس دن سے زیادہ غضب فرمایا ہو۔ پس فرمایا اے لوگو! بے شک بعض تمہارے نفرت دلانے والے یا بھگانے والے ہیں، تو جو تم سے لوگوں کا امام بنے پس چاہیے کہ اختصار کرے اس لئے کہ بے شک اس کے پیچھے پیر عمر اور کمزور اور ضرورت مند ہوتا ہے۔"

عینی شرح صحیح بخاری ص۷۴۴ جلد ۲ میں ہے فهذا يدل على ان الامام ينبغي له ان يراعي حال قومه و هذا لاخلاف فيه لاحد۔ یعنی یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ امام کے لئے لائق یہ ہے کہ اپنی قوم کے حالات کی رعایت کرے۔ اور اس مسئلہ میں سب متفق ہیں کسی کا کوئی خلاف نہیں۔" محررِ مذہبِ مہذب امامِ محمد رحمۃ اللہ علیہ مؤطا ص۱۱۴ میں احادیثِ تخفیفِ امام ذکر کر کے فرماتے ہیں قال محمد و بهذا ناخذ وهو قول ابي حنيفة یعنی امامِ محمد فرماتے ہیں ہم یہی اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالے عنہ کا فرمان بھی یہی ہے۔" ہدایہ ص۱۲۸ جلد ۱، فتاویٰ عالمگیر ص۴۵ جلد ۱، غنیۃ المستملی ص۳۰۸ وغیرہا میں ہے و النظم من الغنية و متنها ولا ينبغي للامام ان يطيل التسبيح او غيره على وجه يمل به القوم اذا اتى بقدر السنة لانه اى التطويل المذكور سبب التنفير من الجماعة و انه اى التنفير

Marfat.com

عن الجماعة مکروہ ۔ یعنی امام کے لئے لائق نہیں کہ تسبیح یا کسی اور ذکر یا فعل کو قدرِ سنت پر ادا کرنے کے بعد اتنا لمبا کرے کہ قوم اکتا جائے ۔ کیونکہ ایسا لمبا کرنا جماعت سے نفرت دلانے کا سبب ہے اور بے شک یہ نفرت دلانا جماعت سے مکروہ تحریمہ ہے " نیز غنیہ میں ہی ہے واعلم ان التطویل المکروہ وھو الزیادۃ علی قدر ادنی السنۃ عند ملل القوم ۔ یعنی بے شک یہ تطویل مکروہ جو سنت کے کم از کم قدر سے زیادہ کرنا ہے قوم کے اکتا جانے کے وقت ہے ؟ تو ماہِ نیم ماہ دمہرِ نیم روز سے بھی زیادہ نمایاں وعیاں ہوا کہ لمبی لمبی دعاؤں کے ساتھ نماز کو لمبا بنا کر مقتدیوں کمزوروں ، بیماروں ، ضرورت مندوں ، مسافروں کو اکتانا اور ستانا ہرگز ہرگز جائز نہیں ۔ اس مضمون پر صحیح حدیثوں اور کتب فقہیہ کے مستند حوالجات اتنے زیادہ ہیں کہ ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے مگر بقدرِ ضرورت اسی پر اکتفا رہے ۔

واللہ تعالی اعلم وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ و

الہ واصحابہ وبارک وسلم

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۲۳ رماہِ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

بخدمت حضرت محتشم ذی المجد والکرم مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ، بعد از سلامِ مسنون گزارش ہے کہ :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گھڑی کا زنجیر یعنی چین سٹیل اور رولڈ گولڈ وغیرہ کسی دھات کا پہننا کیسے ہے ؟ اور پہن کر نماز پڑھنے کا حکم بحوالہ کتبِ فقہیہ معتبرہ واضح فرمائیں اور عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں ۔ فقط والسلام

آپ کا خادم :۔ فقیر قادری ابوالارشاد غلام رسول اشرفی برکاتی خطیب جامع مسجد غلہ منڈی

یکے از خدام دارالعلوم جامعہ حنفیہ رجسٹرڈ قصور مورخہ ۶۷ - ۱۲ - ۱

(نوٹ ، بعد ازاں مورخہ ۷۰-۶-۱۶ کا مرسلہ استفتاء مولانا ابوالوفا منظور احمد صاحب مدرسہ اسلامیہ عربیہ غوثیہ کھروڑ پکا کا آیا تو یہی سوال وجواب لکھ کر جواب دیا ۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

سونے چاندی کے علاوہ تمام دھاتوں کا چین زنجیری چمچ وغیرہ استعمالی اشیاء جائز ہیں۔ قرآن کریم کا ارشادِ مبین ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا (پ ع) بلکہ ہر وہ چیز جس سے شرعِ مطہر میں ممانعت نہیں آئی دھات ہو یا کوئی اور چیز، اس کا استعمال جائز و حلال ہے۔ قرآن کریم میں ہے عفا اللہ عنہا (پ ع) سننِ ترمذی ص ۲۱۹ جلد ۱، ابنِ ماجہ ص ۲۴۹ میں حضرتِ سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پُرنور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الحلال ما احل اللہ فی کتابہ و الحرام ما حرم اللہ فی کتابہ و ما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ۔ سننِ بیہقی ص ۳۲۰ جلد ۹ میں ہے فقد عفا عنہ۔ اور جلد ۱۰ ص ۱۲ میں ہے فھو عفو۔ نیز مستدرک ص ۳۷۵ جلد ۲، سننِ بیہقی ص ۱۲ جلد ۱۰ میں حضرتِ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مرفوع میں ہے و ما سکت عنہ فھو عافیۃ فاقبلوا من اللہ العافیۃ فان اللہ لم یکن نسیا۔ پھر یہ آیہ تلاوت فرمائی و ما کان ربک نسیا۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد فرمایا جسے ذہبی نے برقرار رکھا۔ اور یہی اہل السنت والجماعت کا مسلّمہ قاعدہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

شامی ص ۹ جلد ۱ میں "تحریر" سے ہے المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیۃ و الشافعیۃ۔ فتاوےٰ قاضی خان ص ۷۷ وغیرہا میں بھی یہ تصریح ہے اور اسی سے گیارہویں شریف، میلاد مبارک، اولیائے کرام کے عرس، تیجہ، ساتواں، چہلم وغیرہ صدہا مسائل ثابت ہوتے ہیں، تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ چین وغیرہ بھی جائز الاستعمال ہیں کیونکہ کسی آیت یا حدیث میں یا کسی ہمارے مجتہد امام کے قول میں انگوٹھی کے ماسوا کسی چیز سے ممانعت نہیں آئی رہا یہ خیال کہ جب لوہے وغیرہ کی انگوٹھی کا استعمال جائز نہیں تو کوئی چیز بھی جائز نہیں رہے گی، یہ ہرگز صحیح نہیں۔ آیات و احادیثِ مذکورہ اور قاعدۂ مسلّمہ کا یہی تقاضا ہے کہ باقی چیزیں جائز الاستعمال ہیں۔ قرآنِ کریم سے صراحۃً ثابت کہ شرائعِ سابقہ میں بھی لوہا، تانبا جائز الاستعمال تھے (دیکھو سورہ کہف و سورہ سبا) اور قرآنِ کریم نے یہ بھی تصریح فرمائی کہ لوہے میں ہمارے لئے بہت سے فائدے ہیں۔ سورۂ الحدید میں ہے و

Marfat.com

انزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس اسی بنا پر تلوار، تیر، خود، زرہیں، بندوقیں، توپیں، توا، چھری، قلم، دوات، گھڑی، بٹن وغیرہ ہزارہا قسم کی اشیا مستعملہ بلا روک ٹوک ہر ایک دھات کی استعمال ہو رہی ہیں۔ اور یہ خیال کہ کڑا سکھوں کا شعار ہے لہذا چین منع ہے، یہ محض بیجا ہے اگر یوں ہوتا تو سکھوں کا شعار کرپان بھی ہے لہذا مسلمان تلوار اور خنجر استعمال نہ کر سکتا بلکہ صرف کڑا اور کرپان جوان کا شعار ہیں ان ہی سے بچنا ضروری ہے جیسے چاندی کی انگوٹھی مرد کے لئے جائز ہے مگر زنانہ یا فاسقانہ طرز کی ہو تو ناجائز ہے بلکہ کپڑا، جوتا وغیرہ مردانہ طرز کے عورت استعمال نہ کرے اور زنانہ طرز کے ہوں تو مرد پرہیز کرے یہی کافی ہے اور یہ نہیں کہ مرد مردانہ انگوٹھی یا مردانہ جوتا بھی نہ پہنے جب کہ فاسقانہ نہ ہوں۔

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دھات کے چین زیور اور زینت کا سامان ہیں لہذا ناجائز ہیں حالانکہ یہ کہنا بھی ظلم ہے۔ ہمارا رب جل وعلا ارشاد فرماتا ہے قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ (سورۃ الاعراف) "اللہ تعالے نے تو اپنے بندوں کے لئے زینت کی چیزیں پیدا فرمائیں تو اور کون ہے جو ان کو حرام بنا سکے" ایسی خام خیالیوں سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ شامی ص۲۳۷ جلد۵ میں ہے لیس کل حلی حراما علی الرجال بدلیل حل الخاتم و العلم و الثوب المنسوج بالذھب اربعۃ اصابع و حلیۃ السیف و المنطقۃ اور قرآن کریم میں بھی سورۃ النحل اور سورۃ الفاطر میں ہے حلیۃ تلبسونہا۔ بہر حال مردانہ طرز کی کوئی چیز بھی اگرچہ اس میں زیب و زینت ہو صرف زیب و زینت کی وجہ سے مرد پر ہرگز ہرگز حرام نہیں ہو سکتی۔ چین ہو یا گھڑی، عینک ہو یا چھڑی، مایا لگائی ہوئی دستار یا اچکن وغیرہ جن میں زیب و زینت پایا جاتا ہے، سب جائز الاستعمال ہیں۔ ہاں سونے اور چاندی کا حکم معلوم ہی ہے کہ ان کا پہننا حرام ہے تو ان کے برتن قلم، دوات وغیرہ اشیاء کا استعمال بھی حرام ہے اور یہ نہیں کہ پہننا حرام ہو اور باقی استعمال جائز ہوں، یونہی اگر دھاتوں کا پہننا حرام ہوتا تو ان کی سب استعمالی چیزیں جو پہنی نہیں

ــــہ یہ جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

جاتیں حرام ہوتیں. لاری گاڑی، کرسی، صوفے، حقے، چھتے وغیرہ سب چیزیں حرام ہوتیں جو صاحب سب چیزوں کو حرام بتائے یا پہننے اور دوسرے استعمال میں تفریق کرے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے اس مدعا پر قرآن پاک اور حدیث پاک یا تصریحات ائمہ مجتہدین سے کوئی دلیل قائم کرے ورنہ اس آیت پاک پر نظر کرے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا علی الله الکذب (سورۃ النحل)

اور جب چین جائز ہوا تو نماز میں جائز کی وجہ سے کیا حرج پیدا ہو سکتا ہے ؛ لہذا نماز بھی جائز ہو گی

والله تعالیٰ اعلم وصلی الله تعالیٰ علی حبیب سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ : الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

(۵ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ ۶۷-۱۲-۸)

الاستفتاء

نمبر۱ : کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ آیا امام لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں ؟

نمبر۲ گھڑی کا چین لوہے، تانبے، پیتل یا کسی دوسری دھات کا پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

بینوا توجروا۔

(نوٹ) سائل نے استفتاء پر اپنا نام نہیں لکھا۔ البتہ جوابی لفافہ پر ابوالکمال صاحبزادہ محمد بشیر الدین معظمی مرالوی خطیب جامعہ غوثیہ پاکستان چوک گجرات لکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

علـ۱ : ہاں پڑھ سکتا ہے تفصیل کے لئے رسالہ "مکبر الصوت" کافی ہے جو مکتبہ اسلامیہ گنج بخش روڈ لاہور سے مل سکتا ہے۔

علـ۲ : ہاں جائز ہے۔ قرآن کریم میں ہے وانزلنا الحدید فیہ بأس شدید

Marfat.com

ومنافع للناس نیز ارشاد ہوا و اسلنا له عین القطر نیز ارشادِ پاک ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ ان ارشاداتِ عالیہ سے جواز روزِ روشن کی طرح واضح و عیاں ہے ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان ھذا و التفصیل فی الفتاوی النوریۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و علیٰ اٰلہٖ و اصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ ۲۸-۸-۷۰

Marfat.com

بابُ القراءۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس میں کہ ایک مولوی صاحب کا قول ہے کہ نماز فرض کی رکعتین میں بعد فاتحہ کے ایک سورۃ کا پڑھنا مکروہ وناجائز ہے کہ کچھ ایک رکعت میں پڑھے اور باقی دوسری میں اگرچہ سورۃ الرحمٰن یا اس کی مثل ہو بلکہ ہرایک رکعت میں علیحدہ علیحدہ سورتیں پڑھے یا پہلی میں بعض سورت اور دوسری رکعت میں کوئی اور سورت پڑھے اور یہ جائز نہیں کہ اسی پہلی سورت کا بقیہ پڑھے ۔ آیا یہ قول صحیح ہے یا غلط ؟

السائل : اللہ بخش امام مسجد چک ۴۳/۳ ایس پی مورخہ ۱۸ صفر المظفر ۱۳۶۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النّور والصّواب

قولِ مذکور محض غلط وقبیح وغیر صحیح ہے جس کے بطلان پر قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ وروایاتِ فقہیہ شاہد عدل ہیں۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہوتا ہے فاقرءوا ما تیسر من القرآن اور یہ نہیں کہ فاقرءوا السورتین من القرآن کلا او بعضا۔ سنن نسائی شریف وترمذی شریف میں ہے و النظم من المجتبیٰ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأ فی صلوٰۃ المغرب بسورۃ الاعراف فرقہا فی الرکعتین۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے و عن عروۃ قال ان ابابکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی الصبح وقرأ فیہما سورۃ البقرۃ فی الرکعتین

Marfat.com

کلتیھما ۔ اشعۃ اللمعات میں ہے کہ " ظاہر دریںجا این است کہ تفریق کرد سورت را پارہ در رکعت اولیٰ خواند و پارہ در رکعتِ اخرٰے " صحیح بخاری شریف میں ہے قال قتادۃ فی من یقرأ بسورۃ واحدۃ فی رکعتین او یردد سورۃ واحدۃ فی رکعتین کل کتاب اللہ ۔ سنن نسائی و ابنِ ماجہ و صحیح مسلم میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقرأ فی صلوٰۃ الغداۃ من الستین الی المائۃ ۔ منیۃ المصلی، قدوری، ہدایہ، غنیۃ المستملی، تنویر الابصار، درالمختار، کنزالدقائق، بحرالرائق، عالمگیری میں ہے والنظم من الھندیۃ ثم یضم الی الفاتحۃ سورۃ او ثلث ایات ھکذا فی شرح المنیۃ لابن امیر الحاج ۔ غنیۃ المستملی، تنویر الابصار، درالمختار، بحرالرائق، ہندیہ میں ہے والنظم منھا الاٰیۃ الطویلۃ تقوم مقامھا ۔ نیز ظاہر کہ مکروہ مذکور سے مکروہ تحریمی مراد ہے کہ وہی ناجائز ہو سکتا ہے ۔ اور کتبِ مذہب میں مبین کہ ترکِ واجب یا خلافِ نہی ظنی ہی مکروہ تحریمی ہے اور قرارتِ مذکورہ میں دونوں منتفی کہ کتبِ فقہ میں مصرح کہ بعد فاتحہ، سورت یا آیاتِ ثلاثہ کا پڑھنا واجب ہے ۔ منیۃ المصلی، غنیۃ المستملی، بحرالرائق، درالمختار، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے والنص منھا وتجب قراءۃ الفاتحۃ وضم السورۃ او ما یقوم مقامھا من ثلاث ایات قصار او ایۃ طویلۃ فی الاولیین بعد الفاتحۃ کذا فی النھر الفائق لہذا منیۃ المصلی وغنیۃ المستملی وبحرالرائق ودرالمختار وردالمحتار میں ہے والنظم منھا وان قرأ ثلث ایات قصارا او کانت الاٰیۃ او ایتان تعدل ثلث ایات قصار خرج عن حد الکراھۃ المذکورۃ یعنی کراھۃ التحریم ۔ فوائد غنیۃ المستملی ص۲۶۲ میں ہے لو قرأ بعض السورۃ فی رکعۃ وباقیھا فی رکعۃ قیل یکرہ والصحیح لایکرہ لما روی النسائی من حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ فی المغرب سورۃ الاعراف

Marfat.com

فرقهما فی المکتبین۔ پس امس و شمس کی طرح واضح ولائح ہوا کہ قولِ مذکور سراسر باطل وخطا ہے۔ ہاں اگر سورت چھ آیات سے کم ہو تو ہر رکعت میں تین آیاتِ قصار کا مقدار پورا کرنا واجب ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم وعلمہما اتم واحکم جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علی المحبوب المصطفیٰ وآلہ وصحبہ البررۃ التقی۔

حررہ: الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ نور اللہ ربہ وقوبہ الحنفی القادری النعیمی سنۃ ستین بعد الالف وثلثمائۃ لثمانیۃ عشر الصفر المظفر۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ جماعت میں خصوصاً فجر کی جماعت میں ہر ایک رکعت میں سورتِ قرآن مجید ختم کرنی سنتِ نبویہ ہے اور ضروری ہے؟ ایک مولوی صاحب یہ دعوے کرتے ہیں۔ بینوا اماجورین من رب العلمین۔

السائل: غلام رسول از پھلرون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

واقعی ہر ایک رکعت نوافل وسنن وواجبات اور اولیین فرائض میں امام کے لئے سورۂ قرآن کریم کا پڑھنا اور ختم کرنا ضروری اور سنتِ نبویہ اور واجب اصطلاحی ہے اور وہ سورہ ام الکتاب ہے کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب مگر اطلاقِ سوال مقتدی کو بھی شامل حالانکہ وہ ممنوع عن القراءۃ ہے بحکم واذا قرئ القرآن الآیۃ اور ایسے ہی عموم ہر ایک رکعت اخریات فرائض پر بھی مشتمل، حالانکہ ان میں قراءۃ غیر ضروری ہے کما بین فی محلہ۔ اور اگر یہ مراد کہ ام الکتاب کے بعد اور سورۃ کا پڑھنا اور ختم کرنا ضروری اور سنت ہے، تب بھی اس کا یہ ادعا حقیقت کے خلاف ہے کہ یہ عموم نمازِ تراویح پر بھی حاوی حالانکہ اس میں ختم قرآن کریم کی کئی صورتیں معمول بہا امت مرحومہ اس کے خلاف ہیں اور شاید مدعی صاحب اس سے متغافل ہیں کہ رکوع کو رکوع اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کو پورا کرکے رکوع کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح اطلاقِ سوال مقتدی پر بھی محتوی۔ اور اگر یہ مراد

Marfat.com

ہے کہ اولیین فرائض کی ہر رکعت میں امام پر بعد الفاتحہ پوری سورت تلاوت کرنی ضروری اور سنت ہے تو یہ ادعا ضرورت بھی غیر مقبول کہ گو یہ صورت بھی سنت ہے مگر سنیتِ تلاوت اس ایک صورت میں منحصر نہیں بلکہ دو صورتیں بھی مسنون ہیں۔

حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سننِ نسائی ص۱۵۴ جلد ۱، سننِ بیہقی ص۳۹۲ جلد ۲، صحیح بہاری ص۴۳۳ جلد ۲ میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأ فی صلوة المغرب بسورة الاعراف و فرقہا فی رکعتین و نحوہ عند الترمذی ص۳۹ جلد ۱، حضرت عبد اللہ بن السائب سے صحیح مسلم ص۱۸۶ جلد ۱، سننِ نسائی ص۱۵۶ جلد ۱، ابنِ ماجہ ص۵۹، سننِ بیہقی ص۶۰ جلد ۲، ص۳۸۹ صحیح بہاری ص۴۲۳ جلد ۲، مشکل الآثار طحاوی ص۱۰۵ جلد ۱، صحیح بخاری ص۱۰۷ جلد ۱ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم لمسلم صلی لنا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم الصبح بمکة فاستفتح سورة المؤمنین حتی جاء ذکر موسیٰ و ہارون علیہما السلام او ذکر عیسیٰ محمد بن عباد یشک او اختلفوا علیہ اخذت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم سعلة فرکع۔ امام نسائی، امام بیہقی اور امام اجل طحاوی علیہم الرحمۃ نے اس حدیث سے "جواز قراءة لبعض السورة فی الرکعة" کے لیے استدلال فرمایا ہے۔ اور امام نووی علیہ الرحمۃ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں وفی ہذا الحدیث جواز قطع القراءة و القراءة ببعض السورة و ہذا جائز بلا خلاف و لا کراہیة ان کان القطع لعذر و ان لم یکن لعذر فلا کراہیة فیہ ایضا و لکنہ خلاف الاولی ہذا مذہبنا و مذہب الجمہور۔ علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں فیہ جواز قطع القراءة و لا خلاف فیہ ولا کراہة ان کان القطع لعذر و ان لم یکن لعذر فلا کراہة ایضا عند الجمہور نیز اسی میں ہے وفیہ جواز القراءة ببعض السورة۔ زاد المعاد ص۱۹۶ جلد ۱ میں ابنِ قیم فرماتے ہیں وہدیہ صلی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ علیہ وسلم قراءۃ السورۃ الکاملۃ و ربما قرأھا فی الرکعتین و ربما قرأ اول السورۃ۔ صحیح بخاری ص۴۳۶ جلد۲ میں ہے کہ حضرت اشعری رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مکہ شریف اور مدینہ شریف کے درمیان اپنے ساتھیوں کو نماز عشاء پڑھائی اور دونوں رکعتوں میں سورۃ النساء اور البقرہ کی سو آیتیں تلاوت فرمائیں تو آپ سے عرض کیا گیا یہ کیا؟ فرمایا میں نے اس میں کچھ کوتاہی نہیں کی کہ اپنا قدم وہاں رکھوں جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک رکھا اور اس میں بھی کوتاہی نہیں کی کہ اس طرح کروں جس طرح حضور نے کیا قرأ فیھما بمائۃ من النساء والبقرۃ فقیل لہ ماھذا؟ قال ما آلوت ان اضع قدمی حیث وضع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدمہ وان اصنع مثل ما صنع۔

دیکھا صراحۃً فرما رہے ہیں کہ بعض سورۃ کا پڑھنا سنت میں داخل ہے۔ مؤطا امام مالک ص۳۱ جلد۱، صحیح بخاری ص۴۲۹ جلد۲، سنن بیہقی ص۳۸۹ جلد۲ میں حضرت عروہ سے ہے ان ابا بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی الصبح فقرأ فیھا سورۃ البقرۃ فی الرکعتین کلتیھما۔ طحاوی شریف ص۱۰۱ جلد۱ میں عبداللہ بن الحارث بن جزء سے ہے کہ صلی بنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلوٰۃ الصبح فقرأ بسورۃ البقرۃ فی الرکعتین جمیعا۔ سنن بیہقی ص۴۰ جلد۲ میں قیس بن حازم سے ہے کہ صلیت خلف ابن عباس بالبصرۃ فقرأ فی اول الرکعۃ بالحمد للہ واول آیۃ من البقرۃ ثم رکع ثم قام فی الثانیۃ فقرأ الحمد للہ والآیۃ الثانیۃ من البقرۃ ثم رکع فلما انصرف اقبل علینا فقال ان اللہ یقول فاقرأوا ما تیسر من القرآن۔ صحیح بخاری ص۱۰۶ جلد۱ میں ہے قرأ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الرکعۃ الاولیٰ بمائۃ وعشرین آیۃ من البقرۃ وفی الثانیۃ بسورۃ من المثانی۔ علامہ عینی نے شرح میں فرمایا: وصلہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن عبد الاعلیٰ عن الحریری

Marfat.com

عن ابی رافع قال کان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ یقرأ فی الصبح بمائۃ من البقرۃ و یتبعہا بسورۃ من المثانی او من صدور المفصل و یقرأ بمائۃ من آل عمران و یتبعہا بسورۃ من المثانی او من صدور المفصل و ھکذا فی صحیح البخاری ص۲۳ جلد ۲ ، شرح معانی الآثار ص۲۰۵ جلد ۲ میں ہے صلی بنا عمر بن الخطاب بمکۃ الفجر فقرأ فی الرکعۃ الاولی بسورۃ یوسف حتی بلغ و ابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم ثم رکع ۔ نیز اسی صفحہ میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خصلت مبارکہ کا ذکر بایں الفاظ ہے کان یقسم السورۃ الطویلۃ فی الرکعتین من المکتوبۃ عینی ص۱۰۱ جلد ۳ میں ہے و قرأ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بآل عمران فی الرکعتین الاولیین من العشاء قطعہا فیہما و نحوہ عن سعید بن جبیر و ابن عمر و الشعبی و عطاء ۔ صحیح بخاری ص۴۳۵ جلد ۲ میں ہے قرأ بنا رسیدنا عمر) آل عمران فی الرکعتین ای من العشاء ۔ صحیح بخاری ص۱۰۷ جلد ۱ میں ہے و قرأ ابن مسعود باربعین آیۃ من الانفال (ای فی الرکعۃ الاولی کما سیجیئ ان شاء اللہ تعالٰی) و قرأ فی الثانیۃ بسورۃ من المفصل شرح عینی میں ہے و ھذا الاثر رواہ سعید بن منصور (الی ان قال) ھذا التعلیق وصلہ عبد الرزاق بلفظہ من عبد الرحمٰن بن یزید النخعی عنہ و اخرجہ ھو و سعید بن منصور من وجہ آخر عن عبد الرحمٰن بلفظ فافتتح الانفال حتی بلغ و نعم النصیر انتہٰی و ھذا الموضع ھو رأس اربعین آیۃ ۔ صحیح بخاری ص۴۲۹ جلد ۲ میں ہے عن ابن مسعود انہ قرأ فی الاولی من الصبح باربعین آیۃ من الانفال و فی الثانیۃ

بسورة من المفصل۔ طحاوی شریف ص۲۰۵ جلد۱ میں عبدالرحمٰن بن یزید سے ہے کہ صلیت مع عبداللہ العشاء الاٰخرة فافتتح الانفال حتی انتھٰی الیٰ نعم المولیٰ ونعم النصیر ثم رکع۔ حدیث شریف میں ہے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین اور اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ بنا برعلیہ افعالِ صحابہ کرام سے سنیت ثابت ہوئی اور چونکہ زمانِ اقدس صحابہ کرام مذکورین میں بالخصوص زمانۂ صدیقِ اکبر و فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہما میں وفورِ صحابہ کرام تھا لہٰذا یہ مسئلہ اجماعِ سکوتی صحابہ کرام سے ثابت ہوگیا اور اجماعِ امت خصوصًا اجماعِ صحابہ کرام اصلِ شرعی اور دلیلِ قوی ہے۔

مواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی ص۳۰۶ جلد۷ میں ہے (وام ابوبکر) الصدیق (بالصحابة فی صلوٰة الصبح بسورة البقرة قرأھا فی الرکعتین) اخرجه عبدالرزاق باسناد صحیح عن ابی بکر (وھذا اجماع منھم) ای الصحابة۔ حضرتِ انس بن مالک سے سننِ بیہقی ص۳۹۳ جلد۲، ص۱۱۸ جلد۳، ابنِ ماجہ ص۷۱، کنزالعمال ص۹۵ جلد۴، ص۱۲۷ جلد۴، سننِ ترمذی ص۵۹ جلد۱، صحیح مسلم ص۱۸۸ جلد۱، صحیح بخاری ص۹۸ جلد۱، اور حضرتِ ابوقتادہ سے سننِ ابوداؤد ص۱۲۶ جلد۱، سننِ نسائی ص۱۳۲ جلد۱، سننِ بیہقی ص۱۱۸ جلد۳، کنزالعمال ص۱۲۷ جلد۴، صحیح بخاری ص۴۷۲ جلد۲، اور حضرتِ عثمان بن العاص سے ابنِ ماجہ ص۷۱، کنزالعمال ص۱۲۷ جلد۴، ص۱۲۸ جلد۴، اور حضرت ابوہریرہ سے کنزالعمال ص۱۲۸ جلد۴ میں بالفاظِ متقاربہ مرفوعًا ہے والنظم للبخاری لابی قتادة انی لاقوم فی الصلوٰة ارید ان اطول فیھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلوٰتی کراھیة ان اشق علی امه یعنی حضرتِ رحمة للعالمین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اس ارادہ سے کہ اس میں تطویل کروں گا پس بچے کا رونا سنتا ہوں تو نماز میں تخفیف کردیتا ہوں کہ بچے کی ماں کو مشقت میں ڈالنا مجھے پسند نہیں۔ پس اگر پہلی رکعت کی ثنا یا فاتحہ

ـــــہ امام ترمذی فرماتے ہیں وفی الباب عن ابی قتادة وابی سعید وابی ھریرة ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

میں پیچھے کا رونا ہو تب تو دو چھوٹی سورتوں یا چند آیتوں سے نماز میں تخفیف ہو سکتی ہے جیسے کنز العمال ص۲۸۱ جلد۴ میں حضرتِ انس اور صحیح بخاری ص۹۸ جلد۲ میں حضرتِ ابو سعید سے ہے و النظم عن الکنز صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الفجر باقصر سورتین ثم قال انما اسرعت لتفرغ ام الصبی الی صبیہا۔ اور اگر سورتِ طویلہ پہلی یا دوسری رکعت میں شروع ہو چکی ہو تو پھر لامحالہ تخفیف کی یہی صورت متعین کہ بعض سورت پر اکتفا کیا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری ص۹۸ جلد۲ میں حضرتِ عبد الرحمٰن بن سابط سے ہے قرأ النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی الفجر فی الرکعۃ الاولی بستین اٰیۃ ثم قام فی الرکعۃ الثانیۃ فسمع صوت صبی فقرأ فیہا ثلاث اٰیات۔

اور جس طرح حضور سیدِ عالم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم تخفیف فرماتے تھے اسی طرح ہمیں بھی حکم ہے کہ یہ امر ان احادیثِ شریفہ کے سیاق و سباق سے بخوبی روشن ہے اور بعض روایات میں مصرح بھی ہے۔ صحیح بخاری ص۹۸ جلد۲، جامع المسانید للامام الاعظم ص۳۴ جلد۱ میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے ہے صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فخفف فسألتہ عن ذلک فقال سمعت بکاء الصبی فکرھت ان اشق علی امہ فایکم صلی بالناس فلیخفف و یتم فان فیہم الضعیف و الکبیر و ذا الحاجۃ۔

اور اس رعایتِ ضعیف و کبیر و ذو الحاجۃ وغیرہم کی تاکیدیں تو احادیث صریحہ صحیحہ مرفوعہ میں بکثرت وافرہ میں جو ادنیٰ خادمِ حدیث سے نہاں نہیں ہیں۔ نیز قاعدہ علیکم بسنتی اور صلوا کما رأیتمونی اصلی اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ وغیرہا آیاتِ صریحہ کا یہی تقاضا ہے کہ ضعفاء و اصحاب الحوائج والامراض کا خیال رکھیں۔ اور اگر خاص نماز میں کوئی ایسا عارضہ پیش آجائے جو بعض مقتدیوں کے لئے باعثِ پریشانی ہو تو نماز میں تخفیف کر دیں اب اگر ایسے عارضے کا احساس امام کو اس وقت ہو کہ سورۂ طویلہ شروع کر چکا ہے تو اس پر دلائل

Marfat.com

مذکورہ کی رو سے ضروری ہوگا کہ بعض سورت پر اکتفا کرے کہ یہی سنت ہے۔ اور ایسی حدیثیں جو جماعت کی ہر رکعت میں اتمامِ سورۃ کی نصوص ہیں، بہت ہی کم دستیاب ہیں۔ اکثر احادیثِ قراءۃ فی صلوٰۃ الجماعۃ قبیلۂ محتملات سے ہیں۔ بعض میں احتمالِ بعضیۃ راجح اور بعض میں احتمالِ اتمام لائح۔

علامہ عینی شرح بخاری صا۸۱ جلد ۳ میں فرماتے ہیں قال الکرمانی یحتمل ان یراد بالسورۃ بعضھا قلت والی ھذا الوجہ مال الطحاوی امام طحاوی شرح معانی الآثار ص۱۲۵ جلد ا میں اس احتمال کے استدلال میں فرماتے ہیں و ذلک جائز فی اللغۃ یقال ھذا فلان یقرأ القراٰن اذ کان یقرأ شیئا منہ۔ امام مالک علیہ الرحمۃ نے موطا باب یقرأ فی اولی المغرب و العشاء الخ میں حدیث حضرت جبیر بن مطعم سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قرأ بالطور فی المغرب اور اس کی ہم مثل احادیث سے استدلال فرمایا ہے کہ مغرب و عشاء، اور ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ایک سورۃِ طویلہ پڑھی جائے، تو امام کی نظرِ انور میں احتمالِ بعضیت راجح ہوا اور چونکہ اس قدر دلائلِ وافرہ سے مدعا ثابت ہے لہٰذا جمہور ائمۂ عظام و علمائے کرام اس کے جواز کے قائل ہیں جیسے عینی اور نووی سے گزر چکا۔

سنن ترمذی ص۴۹ جلد ا میں ہے کان الامر عندھم (ای الصحابۃ و التابعین) واسع فی ھذا۔ منیۃ المصلی مع شرح غنیۃ المستملی ص۳۰۳۔ بحر الرائق ص۳۴۰ جلد ا، ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ، عنایہ ص۲۹۱ جلد ا، خلاصۃ الفتاوٰی ص۹۳ جلد ا، مبسوط ص۱۶۲ جلد ا میں مقیم واسع الوقت کے لئے ہے و النظم من المنیۃ مع الشرح فالسنۃ فی حقہ ان یقرأ فی صلوٰۃ الفجر فی الرکعتین باربعین اٰیۃ وسطا و ھو الادنٰی و خمسین او ستین وھو الاوسط والاعلٰی الزیادۃ علی الستین الی المائۃ۔ خلاصہ کے سوا باقی تمام کتب

ــه زرقانی شرح مواہب شریف ص۳۰۳ جلد ۷ میں ہے وادلۃ الجواز کثیرۃ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

مذکورہ منقصد میں ہے و النظم من الغنیۃ ان المقادیر المذکورۃ التی اقلہا الاربعون و اکثرہا المائۃ ھی الغالب من فعلہ علیہ الصلوٰۃ و السلام ۔ اور ایسے ہی دوسری نمازوں کے لئے بھی تفصیل ہے ، غنیۃ ص۴۶۲ ، فتاوٰے عالمگیری ص۷۸ جلدا میں ہے و النظم من الغنیۃ و لو قرأ بعض السورۃ فی رکعۃ و باقیہا فی رکعۃ قیل یکرہ و الصحیح انہ لا یکرہ لما روی النسائی من حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قرأ فی المغرب سورۃ الاعراف فرقہا فی الرکعتین ۔

بفضلہ و کرمہ تعالٰے ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی طرح روشن و ہویدا ہوا کہ امام ہر ایک رکعت میں پوری سورت نہ پڑھنے کی صورت میں بھی دائرۂ سنتِ محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے اندر رہ سکتا ہے و من ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبرہان ۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ ہر ایک رکعتِ فرض میں پوری سورت پڑھنی افضل ہے کہ اس میں ارتباطِ کلامِ پاک علٰے وجہ الکمال رہتا ہے ۔ غنیۃ ص۴۶۲ ، ردالمحتار ص۵۰۵ جلدا ، خلاصہ ص۹۷ جلدا ، فتاوٰی عالمگیر ص۷۸ جلدا میں ہے والنظم من الہندیۃ و الافضل ان یقرأ فی کل رکعۃ الفاتحۃ و سورۃ کاملۃ فی المکتوبۃ شرح نووی ص۱۹۵ جلدا میں ہے لان المستحب للقاری ان یبتدی من اول الکلام المرتبط و یقف عند انتہاء المرتبط ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ و الہ وصحبہ و بارک وسلم ۔

حررہ : الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳ رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

Marfat.com

الاستفتاء

علمائے دین دریں مسئلہ کہ بیان فرماتے ہیں کہ مثلاً نماز تراویح میں حافظ صاحب منزل سنا رہا ہے اور قرآن مبارک تلاوت کرتے ہوئے جبکہ اس مقام پر پہنچا کہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین ہیں جو کہ محمد کا لفظ ہے اس میں قرآن کی تلاوت کے اندر "صلے اللہ علیہ وسلم" پڑھا گیا۔ کیا نماز صحیح ہوئی یا کہ صحیح نہیں ہوئی ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: حاجی کرم الٰہی زرگر بمقام کچا کھوہ ڈاکخانہ خاص تحصیل خانیوال ضلع ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک وشبہ نماز صحیح ہوئی کہ درود شریف ایسا کلام نہیں کہ نماز کا نقصان کر دے۔ بدائع صنائع ص۱۶۴ جلد ۱، بحر الرائق ص۹۷ جلد ۲ میں ہے و النظم من البدائع و لا یعقل تمکن النقصان فی الصلوٰۃ بالصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم۔ غنیۃ ص۴۲۰، شامی ص۵۸۱ جلد ۱ میں ہے لان نفس تعظیم اللہ تعالیٰ والصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام لا ینافی الصلوٰۃ فلا یفسدھا بلکہ آیۂ کریمہ صلوا علیہ و سلموا کا اطلاق مجوز ہے اور رعایتِ ترتیبِ کلمات قرآنِ کریم کا تقاضا ہے کہ یہاں نہ پڑھا جائے، تو نہ پڑھنا افضل ہوا۔ فتاویٰ عالمگیر ص۹ جلد ۴، شامی ص۴۸۴ جلد ۱ میں ہے و لو قرا القرآن فمر علی اسم نبی فقراءۃ القرآن علی تالیفہ و نظمہ افضل من الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم فی ذلک الوقت۔ تو حافظ صاحب کا یہ درود شریف پڑھنا ارادہ سے ہو تا تب بھی حرام یا مکروہ تحریمہ نہ بنتا بلکہ صرف خلافِ اولیٰ ہی ہوتا چہ جائیکہ یہ تو بلا قصد ہی پڑھا گیا۔ بہر حال یہ نماز باتفاقِ ائمہ دین صحیح ہوئی۔

درالمختار شامی ص۵۸۱ جلد ۱، غنیہ ص۴۲۰، خلاصۃ الفتاوے ص۱۳۲، ص۱۳۳ جلد ۱، فتاوے

Marfat.com

عالمگیریہ ص۲۵ جلد ا میں ہے و النظم من الھندیۃ و لو قال اللّٰھم صل علیٰ محمد او قال اللہ اکبر لا تفسد صلوٰتہ بالاجماع ان لم یرد بہ الجواب ۔ اور فتاوٰے عالمگیر ص۱۵ جلد ا میں تو یہ مسئلہ بافادۂ تعمیم موجود ہے صاف صاف فرمادیا و لو قرأ رجل ما کان محمد ابا احد من رجالکم و صلی رجل فی الصلوٰۃ لا تفسد صلوٰتہ[ا] ۔ اور چونکہ تشہد اول فرائض کی طرح تاخیرِ رکن نہیں تو سجدۂ سہو بھی نہیں ، و لھذا لم یصرح بہ احد و من ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبرھان ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و الہ وصحبہ و بارک وسلم ۔

ابوالخیر غفرلہٗ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک حافظ صاحب نے نماز تراویح پڑھاتے ہوئے بعد از فاتحہ قرأت میں بھول کر ایک ہی آیت کو دوبارہ پڑھ گئے اور نماز پوری کر لی اور سجدۂ سہو ادا نہیں کیا تو ایک مولانا صاحب نے فرمایا کہ نماز نہیں ہوئی ، سجدۂ سہو ضروری تھا ، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ نماز جائز ہو گئی یا نہیں ؟ اور سجدۂ سہو پڑتا ہے یا نہیں ! بینوا توجروا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال درست ہے تو نماز بلا کراہت درست اور صحیح ادا ہوئی اور سجدۂ سہو بالکل واجب

[ا] بل صرح ابن القیم الجوزیۃ بانہ من مواطن الصلوٰۃ و ذکرہ فی فصل مستقل من جلاء الافہام ص۲۹۸،۲۹۹ و ذکر النص عن الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ ابوالخیر النعیمی غفرلہ

Marfat.com

نہیں ہوا کہ اس میں کسی واجب کی ترک نہیں پائی گئی بلکہ نوافل و سنن میں تو بہت زیادہ وسعت ہے اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت کہ ایک رات صبح تک نماز پڑھتے رہے اور ہر رکعت میں ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہے۔ سنن بیہقی ص ۱۳ جلد ۳ میں باقاعدہ اسناد سے حضرت ابوذر سے ہے قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو یصلی ذات لیلۃ وھو یردد اٰیۃ حتی اصبح بھا یرکع وبھا یسجد (ان تعذبھم فانھم عبادک) قلت یارسول اللہ ما زلت تردد ھذہ الاٰیۃ حتی اصبحت قال انی سألت ربی الشفاعۃ لامتی وھی نائلۃ لمن لا یشرک باللہ شیئا۔ اور اسی ص ۱۳ میں دوسری حدیث مسند ہے اور اس میں ہے ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم تو جوازِ نماز اور سجدۂ سہو کا لازم نہ ہونا آفتاب سے بھی زیادہ واضح ہوا مولانا صاحب خود[1] بھول گئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ

(نوٹ) اگر مولانا صاحب نہ مانیں تو کسی مستند کتاب کا حوالہ تحریر فرمائیں کہ قرأت بعد از فاتحہ میں ایک آیت دومرتبہ بھول کر پڑھی جائے تو سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید نے جماعت کراتے ہوئے پہلی رکعت میں وقال الظلمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا کی جگہ وقال الظلمون ان ھذا الا رجلا مسحورا پڑھ دیا کیا

---

[1] جنہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

نماز شرع کی رُو سے ہوگئی یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

المستفتی :۔ محمد بشیر سوہنا نوری متعلم دار العلوم ہذا ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

صورتِ مذکورہ میں جب کہ امام نے یوں بدلا کر ملا کر پڑھ دیا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک نماز فاسد ہوگئی، اس کی قضاء لازم ہے۔ یہاں تو معنی بالکل ہی متغیر ہو گیا کہ " ھذہ " میں اتباع کا معنیٰ نہیں اور ہے بھی مؤنث، حالانکہ صرف معنے کے بُعد پر حکم فساد ہے۔ شامی صفحہ ۵۹۱ جلد ا، کبیری صفحہ ۴۴۷ میں ہے والنظم من الشامی وان کان مثلہ فی القرآن والمعنی بعید ولم یکن متغیرا فاحشا تفسد ایضا عند ابی حنیفۃ و محمد رحمہما اللہ وھو الاحوط۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

نمبر ا :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرعِ متین دریں مسئلہ کہ ایک امام نے تیسری رکعت میں اول کی سورت پڑھ دی اور پہلی دو رکعت میں اخیر کی، یہ صورت نفل اور وتر میں ہی ہو سکتی ہے کیونکہ فرض میں تو تیسری رکعت میں سورت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مثلاً ایک امام نے وتر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں معوذتین کو پڑھا اور تیسری میں قل شریف، کیا یہ جائز ہے ؟

نمبر ۲ :۔ کئی کتابوں میں دیکھا ہے کہ جس وقت امام نے ایک طویل آیت یا تین چھوٹی آیتیں جن سے واجب ادا ہو جاتا ہے اور اس سے آگے اور زیادہ قرات پڑھ رہا ہو۔ اور کوئی آیت غلط پڑھے یا چھوڑ دے اور اگلی آیت کی طرف منتقل ہو جائے تو لقمہ دینے والا لقمہ دے اور امام لقمے کو نہ پکڑے تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اگر امام لقمہ پکڑے تو تمام جماعت کی نماز فاسد ہو جائیگی

Marfat.com

کیا یہ صحیح ہے اور کونسی نماز کی بات ہے؟ کیونکہ عام تراویح میں حافظ صاحب اس طرح کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں کتب معتبرہ کے کچھ حوالے بھی لکھ دیں۔

السائل: مولوی محمد عظیم صاحب امام مسجد چوہدری محلہ ربیانہ خورد تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری ۲۳/۱/۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

یہ مسئلہ فرائض میں پہلی اور دوسری رکعت کا مسئلہ ہے کہ فرائض میں قصداً یوں پڑھنا مکروہ ہے اور نوافل بلکہ سنن میں فرماتے ہیں مکروہ نہیں۔ بحر الرائق ص۳۳ جلد ۲، در المختار شامی ص۵۱۱، ۵۱۰ جلد ۱، طحطاوی علی الدر ص۲۳۸ جلد ۱، طحطاوی علی المراقی ص۲۱۲، خلاصۃ الفتاوےٰ ص۹۷ جلد ۱ وغیرہا میں ہے والنظم من الخلاصۃ وان قرأ فی رکعۃ سورۃ وفی رکعۃ اخرٰی سورۃ فوق تلک السورۃ او فعل ذٰلک فی رکعۃ مکروہ (الیٰ ان قال) وھٰذہ کلھا فی الفرائض اما فی النوافل لایکرہ اور فتاوےٰ عالمگیر ص۴۱ جلد ۱ میں ہے ھٰذا کلہ فی الفرائض واما فی السنن فلا یکرہ ھٰکذا فی المحیط اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ "رکعۃ اخرٰی" کا اطلاق تیسری اور چوتھی رکعت کو بھی شامل ہے کہ سب پر "رکعۃ اخرٰی" صادق ہے اور یہ بھی خدام فقہ سے مخفی نہیں کہ قرارت میں سنن اور نوافل کا حکم ایک ہی ہے۔ رہے وتر تو گو وہ بھی قرارت میں نوافل کے حکم میں ہیں مگر اس حکم قرارت میں احتیاطاً فرض کا حکم ہی ہونا چاہیئے کہ وتر عملاً فرض کے حکم میں ہیں۔ در المختار شامی ص۶۲۱ جلد ۱ میں ہے ھو فرض عملاً، شامی فرماتے ہیں بمعنی انہ یعامل معاملۃ الفرائض فی العمل بلکہ بعض فضلاء تو نوافل میں بھی یوں پڑھنا مکروہ جانتے ہیں۔ طحطاوی علی المراقی ص۲۱۲ میں ہے قال بعض الفضلاء وفیہ تأمل لان النکس اذا کرہ خارج الصلوٰۃ الخ پس اس لحاظ سے بھی وتر میں کراہت بطریق اولیٰ ہوگی۔ ہاں بھول کر بلا ارادہ یوں پڑھا جائے تو معاف ہے اور سجدہ سہو بھی لازم نہیں ہوتا۔ فتاوےٰ عالمگیر ص۶۵ جلد ۱ میں ہے واذا قرء فی الرکعۃ الاولیٰ سورۃ وقرأ

Marfat.com

فی الرکعۃ الثانیۃ سورۃ قبلہا فلا سہو علیہ کذا فی المحیط اور جب دوسری رکعت میں یوں پڑھنے سے سجدہ سہو نہیں تو تیسری میں بھی بداہۃً یہی حکم ہوگا البتہ جب تراویح وغیرہا میں تمام قرآن کریم ختم کرے تو دوسری رکعت میں فاتحہ شریفہ کے بعد سورۃ البقرہ کی پہلی آیتیں تلاوت کرے۔ غنیۃ المستملی ص۴۶۳، فتاوٰے عالمگیریہ ص۷۸ جلد۱، مراقی وطحطاوی علی المراقی ص۲۱۲، درالمختار شامی ص۵۰۸ جلد۱ میں ہے والنظم من الشامی علیہ الرحمۃ قال فی شرح المنیۃ و فی الولوالجیۃ من یختم القرآن فی الصلوٰۃ اذا فرغ من المعوذتین فی الرکعۃ الاولی یرکع ثم یقرأ فی الثانیۃ بالفاتحۃ و شیء من سورۃ البقرۃ لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح۔ طحطاوی علیہ الرحمۃ حاشیہ در ص۲۳۸ جلد۱ میں فرماتے ہیں لیس ھذا تنکیسا۔

۲۔ صرف یوں کسی ایک کتاب میں بھی نہیں کہ غلط پڑھے تو لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے البتہ ہدایہ وغیرہا میں یہ ضرور ہے کہ امام اگر دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے تو لقمہ دینے سے ایسا ہو جاتا ہے مگر محققین فقہائے کرام کے نزدیک یہی اصح وصحیح ہے کہ کسی کی نماز بھی فاسد نہیں ہوتی اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی مذہب ہے۔ اسی پر اکثریت مشائخ کرام ہے۔ قول فساد تو محض بعض کا قول ہے۔ ملتقی الابحر مع شرح درالمنتقی ص۱۱۹ جلد۱، غنیۃ علی الدرر ص۱۰۳ جلد۱، شامی ص۵۸۲ جلد۱ وغیرہا میں ہے والنظم لہٗ (قولہ بکل حال) ای سواء قرأ الامام قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ ام لا انتقل الی آیۃ اخریٰ ام لا تکرر منہ الفتح ام لا ھو الاصح۔ نہر، فتاوٰے عالمگیر ص۵۱ جلد۱، غنیۃ المستملی ص۴۱۸، صغیری ص۲۲۰، مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص۲۰۱، بحرالرائق ص۶ جلد۲ میں ہے والنظم من البحر و الصحیح عدم الفساد نیز اسی میں ہے فصار الحاصل ان الصحیح من

لہ اور "قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ" پڑھنے کے بعد لقمہ دینے کے متعلق یونہی ہندیہ وغیرہا میں ایک قول کا ذکر ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ للعاہ ای لایفسد بکل حال ۱۲ ھ ونحوہ بالمعنی فی الفتح ۱۲

Marfat.com

من المذهب ان الفتح علی امامہ لا یوجب فساد صلوٰۃ احد لا الفاتح ولا الآخذ مطلقا فی کل حال ۔ نیراسی میں ہے وھو قول عامۃ المشائخ ۔ مجمع الانہر ص۱۱۹ جلد ا میں ہے وعلیہ الفتوی احترازا عن قول بعض المشائخ الخ تنویر الابصار ، در المختار علی ہامش الطحطاوی ص۲۶۴ جلد ا میں ہے (بخلاف فتحہ علی امامہ) فانہ لا یفسد (مطلقا) لفاتح وآخذ بکل حال ۔ اور طحطاوی علیہ الرحمۃ نے بھی وہی تقریر و تفصیل فرمائی جو شامی علیہ الرحمۃ سے گزری ۔ اور اس کی ایک دلیل علمائے کرام نے وہ بیان فرمائی جو غنیہ شرح منیہ ص۴۱۷ وغیرہا میں ہے ، ووجہہ الحدیث المذکور حیث قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لابی ھلا فتحت علی مع انہ لا یعلم ترکہ الآیۃ الا بعد الانتقال الی آیۃ اخری ۔ بہر حال نماز فاسد نہیں ہوتی فرض ہو یا نفل ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ۔

الفقیر ابو الخیر النعیمی غفرلہ ۱۲ ؍ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ ۷ ؍ فروری ۱۹۶۳ء

الاستفتاء

نوٹ : ایک خط میں یہ سوال آیا ۔

اگر امام عشاء کی نماز میں سورۃ یوسف کے تیسرے رکوع کی آیت میں قال معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای کی بجائے قال معاذ اللہ ربی انہ احسن مثوای پڑھدے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟

السائل : محمد شریف الضیائی المتعلم بجامعۃ العلوم المدرسۃ الغوثیۃ الواقعۃ علی جبل وڑچھہ تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا ۱۴ ؍ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ

عزیزی حکیم ضیائی صاحب !

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ :۔ یاد آوری کا شکریہ ! آپ کے لئے بمشکل وقت نکال کر لکھ رہا ہوں ۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

قواعد و تصریحات و جزئیات مذہب مہذب سے روزِ روشن کی طرح واضح کہ یوں پڑھنا بھول کر ہے تو نماز بلاشبہ ہوگئی کیونکہ معنے حقیقۃً متغیر نہیں ہوا۔ آیت میں " ربی " کا محل " انہ " کی ضمیر ہے اور اس کے مرجع میں مفسرین نے تین احتمال بتائے (۱) اللہ تعالیٰ۔ وھو الاظہر الاقرب المختار عندی وقد صرح بہ الصاوی فی ھامش الجلالین۔ (۲) زوج المرأۃ (۳) شان۔

پہلی صورت میں " ربی " معنے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو " معاذ اللہ ربی " پڑھنے میں بھی صادق ہے اور دوسری صورت میں " زوج المرأۃ " کی معنویہ صفت ہے جو صورت سوال میں مبتدا مقدر " ھو " کی خبر بن کر برقرار رہ سکتی ہے اور تیسری صورت میں " ربی احسن مثوای " کے ساتھ جملہ بن کر محمول ہے اور معنے " زوج المرأۃ " یا اللہ کی صفت ہے جو تقدیم میں بھی ہے حالانکہ عدم الفساد کی مدار حضرت امام اول و ثالث کے نزدیک موافقت معنی (یعنی معنائے خطا معنائے صحیح کے موافق و متقارب ہو) پر ہے۔ اور امام ثانی ابو یوسف کے نزدیک اس کی اس کی مثل قرآن کریم میں ہو غنیۃ المستملی ص۴۴۷، شامی ص۵۹۰ جلد۱ میں ہے فالمعتبر فی عدم الفساد عند عدم تغیر المعنی کثیرا وجود المثل فی القرآن عندہ (ای ابی یوسف) والموافقۃ فی المعنی عندھما (ای الطرفین علیھما الرحمۃ) اور جب " ربی " قرآن کریم کا کلمہ ہے اور معنی بھی برقرار ہے تو نماز کا بالاتفاق برقرار رہنا واضح ہوگیا اور مسئلہ زیر بحث میں ایک اور صورت بھی ہوسکتی ہے کہ تقدیم و تاخیر نہ ہو بلکہ زیادت کلمہ و نقصان کلمہ کا مسئلہ ہو یعنی " معاذ اللہ " کے بعد امام نے " ربی " زیادہ کر دیا اور " انہ " کے بعد کم کر دیا تو اس صورت میں بھی نماز جائز ہے لما مر من القنیۃ والشامیۃ وقد صرحا فی صدر العبارۃ فقالا ان الخطأ اما ان یکون فی الاعراب (الی ان قال) او فی الحروف بوضع حرف مکان اخر او زیادۃ

Marfat.com

او نقصه او تقدیمه او تاخیره او فی الکلمات او فی الجمل کذلک ۔اس " کذلک " نے واضح کر دیا کہ کلمات کی تقدیم و تاخیر زیادت و نقص کا بھی یہی حکم ہے ۔ اب اس کی چند مثالیں بھی دیکھ لیں :۔

۱۔ فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۷۰ جلد ۱ میں ہے کہ وجوہ یومئذٍ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ میں " ناضرہ " کو " ناظرۃ " اور " ناظرۃ " کو " ناضرۃ " پڑھے تو نماز فاسد نہیں ہوتی ۔

۲۔ خلاصۃ الفتاویٰ صفحہ ۱۱۶ جلد ۱ ، فتح القدیر صفحہ ۲۸۳ جلد ۱ میں ہے و النظم من الخلاصۃ اما لو قرأ اذ الاعناق فی اغلالھم لا تفسد حالانکہ قرآن مجید میں اذ الاغلال فی اعناقھم ہے ۔ نیز خلاصہ صفحہ ۱۱۵ جلد ۱ ، فتح القدیر صفحہ ۲۸۲ جلد ۱ میں ہے و النظم منہ اما الکلمۃ مکان الکلمۃ فان تقاربا معنی و مثلہ فی القرآن کالحکیم مکان العلیم لم تفسد اتفاقا ۔ زاد الفقیر میں ہے ولیفھم من ھذا معنی الموافقۃ شامی صفحہ ۵۹۱ جلد ۱ میں زیادتی کلمہ کی ایک یہ مثال ہے فان کان فی القرآن نحو و بالوالدین احسانا و برا لم تفسد فی قولھم ۔ اور نقص کلمہ کی مثال یہ ہے وجزاء سیئۃ مثلھا بترک سیئۃ الثانیۃ لم تفسد ۔ موافقۃ المعنی تو ایک وجہ سے بھی کافی ہے اور یہاں چار وجوہ سے ہے کما قد سمعت ۔ فتاویٰ ہندیہ صفحہ ۴۲ جلد ۱ میں ظہیریہ سے ہے ان الصلوٰۃ اذا جازت من وجوہ و فسدت من وجہ یحکم بالفساد الا فی باب القراءۃ لان للناس عموم البلویٰ ۔ اور اگر امام نے دانستہ یوں پڑھا ہے یعنی " معاذ اللّٰہ " کے بعد بطور ثناء " ربی " اور " انہ " کے بعد " ربی " نہ پڑھا تو چونکہ وہ ثناء ہے اور یہاں نہ پڑھنے سے معنی میں بھی زیادہ تغیر نہیں ہوتا لہذا اس صورت میں بھی نماز جائز ہے مگر اچھا نہیں کیا کہ قرآن کریم کی قراءت مسلسل پڑھنی چاہئے طحطاوی علے المراقی صفحہ ۲۰۴ میں ہے اما فی العمد فتفسد بہ مطلقا بالاتفاق اذا کان مما یفسد الصلوٰۃ اما اذا کان ثناء فلا یفسد و لو تعمد ذلک افادہ ابن امیر حاج ۔ بہر حال نماز

Marfat.com

صحیح ہے وھذا ما عندی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ بیدہٖ ۲۳ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ ۱۵ ۵/۶۶

الاستفتاء

قبلہ وکعبہ استاذ العلماء والفقہاء محبوبِ ربانی قطبِ سبحانی مرشدِ کامل فقیہ اعظم دام ظلکم ودام برکاتکم وفیوضکم

غلامانہ السلام علیکم کے بعد عرض یہ ہے کہ حضورِ والا جاہ کی خیر وعافیت بارگاہِ لم یزل سے ہر وقت بھی خواہ ہے۔ اس ناچیز کی بحرِ بیکنار کی خدمتِ گرامی میں عرض یہ ہے کہ ایک امام صاحب صبح کی نماز باجماعت میں الحمد شریف کے بعد سورہ مزمل شریف کی قراءت شروع کرتا ہے اور پہلی رکعت میں تمام سورۂ مزمل شریف تلاوت کرتا ہوا جب " خیرا تجدوہ " پر پہنچتا ہے تو " خیرا تجدوہ " سے اس سورت کو چھوڑ کر سورۂ الجمعہ شریف کی آخری آیتِ مبارک کے یہ کلمات مبارک "خیر من اللھو ومن التجارۃ واللہ خیر الرازقین۔" پڑھ کر سورہ مزمل شریف کے صحیح کلمات دہرائے بغیر ہی رکوع کر دیتا ہے اور پھر دیگر رکعت میں چھوٹی سی سورہ شریف پڑھ کر جماعت کو مکمل کرا کے سلام پھیر دیتا ہے۔ آیا اس صورت میں نماز درست ہوگئی یا نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی؟ رہبری فرما کر نوازش فرمائیں۔

سائل : سگِ دربارِ عالیہ عاجز محمد رحمت علی نوری عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ :۔

آپ نے سوال مفصل نہیں لکھا کہ کیا صورت پیش آئی۔ کیا " لانفسکم من " پڑھ کر " خیر من اللھو " پڑھا، یا " لانفسکم من خیر تجدوہ " پڑھ کر " خیر من اللھو " پڑھا۔ پھر ان دونوں صورتوں میں سورہ مزمل شریف کے کلمات پر وقف کر کے یعنی ٹھہر کر " خیر من اللھو " شروع کیا، یا وقف نہیں کیا بلکہ ملا کر پڑھا ہے۔ یہ چار صورتیں ہیں اور ہر ایک صورت

Marfat.com

میں "خیر من اللهو" کی را پر پیش پڑھا ہے یا زیر پڑھی ہے تو کل صورتیں آٹھ ہیں اور حسب الارشاد کتب فقہ حنفی میں ان سب صورتوں میں نماز درست ہوگئی۔ فتاویٰ قاضی خان ص۴۷ جلد۱، خلاصۃ الفتاویٰ ص۱۰۷ جلد۱، فتاویٰ عالمگیر ص۸۲ جلد۱، فتح القدیر ص۲۸۳ جلد۱ میں ہے والنظم منہ لاقتصاره و لو بنی بعض آیة علی اخری ان لم یغیر نحو ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت فلهم جزاء الحسنی مکان کانت لهم جنت الفردوس نزلا لا تفسد وان غیر فان وقف وقفا تاما بینهما فکذلك اور یہاں ان آٹھ صورتوں میں اصل معنیٰ نہیں بدلتا لہٰذا نماز درست ہوگئی۔ ترجمے بھی لکھ کر بتاتا اگر آپ وہ ایک صورت جو آپ کے پیش آئی ہے معین کر کے سوال کرتے مگر اب آٹھ صورتوں کے ترجمے لکھنے کا وقت نہیں۔ سوال ہمیشہ صاف اور سلجھا ہوا ہونا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم الاعظم و آلہ و اصحابہ و بارك وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ ۱۱-۸-۶۷

الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ و کعبہ استاذ العلماء و الفضلاء فقیہ اعظم مدظلکم العالی

قبلہ صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کے بعد مؤدبانہ گزارش ہے:

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام شرع متین اندریں مسئلہ ایک رنڈی جو بد معاشی کا پیشہ یعنی چکلا میں رہتی ہے وہ فوت ہوگئی ہے تو اس کے جنازہ کے متعلق کیا احکام ہیں؟ کیا اس کا جنازہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی قبر کے متعلق بھی فرمائیں کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بحوالہ کتب معتبرہ سے تحریر فرمائیں۔

۲۔ دوسرا مسئلہ کہ خسرا جس کو ہیجڑہ بولا جاتا ہے اس کے جنازے اور قبر کے متعلق بھی فرمائیں۔

۳۔ تیسرا مسئلہ: ایک امام مسجد نے پہلی رکعت میں سورۂ صف پڑھ دی اور دوسری رکعت میں سورۂ بقر کا ایک رکوع، کیا یہ جائز ہے؟

Marfat.com

۴۔ چوتھا مسئلہ۔ ایک آدمی نے حج کا ارادہ کر لیا ہے اور وہ صاحبِ نصاب بھی ہے لیکن پورا حج کا خرچ نہیں رکھتا۔ کیا ایسے آدمی کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز ہے؟ امید ہے کہ آپ ایک گناہگار کو چند ان مسئلوں سے واقف فرمائیں گے۔ واپسی لفافہ حاضرِ خدمت ہے، رنڈی بدکاری کو جائز بھی سمجھتی ہے۔ والسلام

سائل: خاکسار غلام جمعدار ملک محمد صادق اعوان آرمی ایمونیشن اصطبل تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری ریناڑ خورد ۶۲-۱۱-۲۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

محب ملت جناب جمعدار صاحب زادت عنایتہ

وعلیکم السلام ورحمتہ۔ مزاج گرامی! جناب کے مرسلہ سوالات کے جوابات حسبِ ذیل ہیں:۔

نمبر۱: قاعدہ یہ ہے کہ ہر مسلمان نیک ہو یا بد اس کا جنازہ پڑھنا لازم ہے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے البتہ ڈاکو اور باغی جو ڈکیتی اور بغاوت کے دوران قتل ہو جائے یا اپنے باپ یا ماں کو کوئی سنگدل قتل کر دے تو ان کا جنازہ نہیں ہاں اگر کوئی ایسا بدکار ہو کہ بدکاری زنا یا چوری یا شراب وغیرہ کو جائز و حلال جانتا ہو تو وہ مسلمان ہی نہیں بلکہ کافر و مرتد ہوتا ہے تو ایسے کا نہ جنازہ ہے اور نہ ہی اہلِ اسلام کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے مرد ہو یا عورت رنڈی ہو یا پارسا۔ یہ احکام فتاوٰی عالمگیری، تنویر الابصار، در المختار، شامی وغیرہا کتبِ معتبرہ مذہب حنفیہ میں ہیں۔

۲۔ خسرا جو بدفعلی جیسے گندے جرم کو جائز نہ جانتا ہوا اور کلمہ گو ہو تو اس کا جنازہ لازم ہے اور اہلِ اسلام کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ خسرا حقیقۃً یا مرد ہوتا ہے یا عورت! اگر مردوں والی ایک یا دو علامتیں غالب ہوں تو شرعاً مرد ہوتا ہے اور اس کا حکم غسل جنازہ وغیرہ میں مردوں والا ہوتا ہے۔ اور اگر عورتوں والی ایک یا زیادہ علامتیں غالب ہوں تو شرعاً عورت ہے، اس کے ساتھ عورت کا معاملہ کیا جائے۔ اور اگر کوئی ایک علامت بھی غالب نہ ہو تو اس کو خنثٰی مشکل کہا جاتا ہے اور اس کا حکم غسل میں یہ ہے کہ اسے غسل نہیں دیا جاتا بلکہ تیمم کرایا جاتا ہے۔ اگر اس کا کوئی محرم مرد یا عورت مثلاً باپ یا بھائی، ماں یا بہن ہو تو وہ اسے ہاتھ

Marfat.com

لگا کر تیمم کراسکتا ہے اور اگر کوئی محرم نہ ہو تو اپنا ہاتھ کپڑے میں لپیٹ کر تیمم کرائے اور اس کا کفن اور دفن عورتوں کی طرح ہوتا ہے۔ یہ سب اس وقت ہے کہ بالغ یا مراہق ہو۔ اور اگر بالکل چھوٹا بچہ ہے تو اسے بچوں کی طرح غسل دیا جاتا ہے۔ یہ مسائل بھی فتاوٰے عالمگیر، درالمختار، شامی وغیرہا میں ہیں۔ عبارتیں اس لئے نہیں لکھیں کہ فتوے بڑے لمبے ہو جائیں گے لہذا بہتر یہی ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ دریافت کیا جائے۔ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ حقیقۃً مرد ہوتے ہیں مگر مصنوعی خسرا بن جاتے ہیں تو وہ غسل، جنازہ وغیرہ میں شرعاً مرد ہی ہیں۔

۳ فرض نماز میں یوں پڑھنا اگر بھول کر ہے تو کوئی حرج نہیں اور سجدۂ سہو بھی نہیں اور اگر عمداً پڑھا تو مکروہ ہے مگر نماز ہو جائے گی۔ فتاوٰے عالمگیر ص۷۸ جلد ۱ میں ہے واذا قرأ فی رکعۃ سورۃ و فی الرکعۃ الاخری او فی تلک الرکعۃ سورۃ فوق تلک السورۃ یکرہ الخ نیز ص۶۵ جلد ۱ میں ہے واذا قرأ فی الرکعۃ الاولی سورۃ و قرأ فی الرکعۃ الثانیۃ سورۃ قبلہا فلا سہو علیہ کذا فی المحیط۔

۴ اگر واقعی اس کے پاس پورا خرچ نہیں اور اس کے پاس کسی نصاب سے بھی کوئی ایسی چیز نہیں کہ اسے فروخت کر کے خرچ پورا بنا لے تو اس کو سفرِ حج کے لئے زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز ہے مگر اسے سوال کرنا جائز نہیں، زکوٰۃ دینے والا خود بخود دے سکتا ہے۔ شامی ص۸۵ جلد ۲ میں ہے وقد قال فی البدائع فی سبیل اللہ جمیع القرب (الیٰ ان قال) اذا کان محتاجاً۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ

۶ رجب المرجب ۱۳۸۲ھ ۶۲-۱۲-۴ء

Marfat.com

بابُ الوِترِ والنَوافل

الاستفتاء

ہذا سوالات کے متعلق علمائے دین والمتین وفقہائے عظام وعلمائے عظام والکرام کیا فرماتے ہیں

نمبر۱ :۔ سائل کہتا ہے کہ خمسہ ترویحات کیا ترویحہ کو ترویحہ کرکے پڑھا جائے یا کہ دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے ؟

نمبر۲ :۔ اگر ترویحہ کو دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے تو ہر شفعہ کے سلام کے بعد بیٹھ کر تسبیح تلاوت کی جائے یا کہ نہ ؟

نمبر۳ :۔ اگر تسبیح تلاوت کی جائے تو کیا حرج ہے اور اگر نہ کی جائے تو فرمائیں ؟

نمبر۴ :۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ترویحہ کو ترویحہ کر کے پڑھا جائے اور دو سلاموں کے ساتھ نہ پڑھا جائے۔ اگر ترویحہ کو شفعہ کے ساتھ پڑھا جائے تو بعد ہر شفعہ کے تسبیح تلاوت کی جائے اگر نہ کی جائے تو ترویحہ پورا پڑھیں ؟ بینوا ماجورین من رب العالمین۔

السائل : محمد صدیق ولد مولوی نورالدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصّواب

نمبر۱ مستحب یہ ہے کہ ترویحہ کو دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے۔ فتاوٰے عالمگیر، فتاوٰے قاضی خاں، فتاوٰے سراجیہ، بحرالرائق، ہدایہ، درالمختار، نورالایضاح، مراقی الفلاح وغیرہا اسفار مذہب مہذب میں ہے والنظم من الہندیۃ کل ترویحۃ اربع رکعات

Marfat.com

بتسلیمتین کذا فی السراجیۃ یعنی ہر ترویحہ چار رکعت دو سلاموں کے ساتھ ہے۔" نورالایضاح اور بحرالرائق میں یہ اور افادہ فرمایا کما ھو المتوارث یسلم علی راس کل رکعتین کہ یہی متوارث ہے ہر دو رکعتوں کے سر پر سلام کہے۔" مبسوط سرخسی میں ہے قدر المسنون وھو رکعتان بتسلیمۃ واحدۃ یعنی قدر مسنون اور وہ دو رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں۔" بلکہ ہر دو شفعہ جسے ترویحہ کہتے ہیں، کے بعد چار رکعت کے مقدار ٹھہرنا اور انتظار کرنا مستحب ہے۔ فتاوٰے عالمگیر، فتاوٰی قاضیخان بحرالرائق، ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، درالمختار، ردالمحتار، نورالایضاح، مراقی الفلاح، غنیۃ المستملی، مبسوط وغیرہا میں ہے والنظم من قاضی خان وکلما صلی الامام ترویحۃ ینتظر قاعدا بین الترویحتین مقدار ترویحۃ وینتظر بین الترویحۃ الخامسۃ والوتر مقدار ترویحۃ ثم یوتر ھکذا روی الحسن عن ابی حنیفۃ علیہ الرحمۃ۔ سنن بیہقی، صحیح بخاری، کنزالعمال کی حدیث میں ہے کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ یروحنا فی رمضان یعنی بین ترویحتین۔

اور اس انتظار میں مختار ہے کہ تسبیح پڑھے یا قرآن کریم یا نفل یا چپکے رہے۔ فتاوٰے عالمگیر، فتاوٰے قاضی خان، بحرالرائق، عنایہ، کفایہ، درالمختار، شامی، مراقی الفلاح، غنیہ وغیرہا میں ہے والنظم من مراقی الفلاح وھم یخیرون فی الجلوس بین التسبیح والقراءۃ والصلوۃ فرادی والسکوت۔

مسئلہ : مکروہ ہے کہ خود نام ترویح کا تقاضا اور متوارث سلف صالحین یہ ہے کہ یہ انتظار چار رکعت پر ہی ہونی چاہیے۔ فتاوٰے قاضی خان، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، مبسوط میں ہے والنظم من العنایۃ وانما یستحب الانتظار بین کل ترویحتین لان الترویحۃ ماخوذۃ من الراحۃ فیفعل ما قلنا تحقیقا للمسمی۔ مراقی الفلاح میں ہے لانہ المتوارث عن السلف

Marfat.com

وھٰذا روی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ولان اسم التروبح ینبئ عنہ۔

دیکھا حصرِ "انما" اور "ان المتوارث" بھی صراحۃً چار رکعتوں یعنی ترویحہ کے درمیان انتظار سے منع کر رہا ہے۔ غنیہ، درالمختار، طحطاوی علے مراقی الفلاح میں ہے والنظم من الدر ستکرہ رکعتان بعد کل رکعتین۔ اور صلوٰۃ و تسبیح کا ایک حکم ہے جیسے معتبرات سے گزر چکا تو تسبیح بھی مکروہ ہوگی اور مدارِ کار دلیل کا تقاضا بلکہ تصریح بھی ہے۔ شامی میں ہے لان الاستراحۃ مشروعۃ بین کل ترویحتین لا بین کل شفعتین۔

۴:۔ دلائل و تصریحاتِ بالا سے روزِ روشن کی طرح مسائلِ مذکورہ ثابت و واضح ہوگئے لہٰذا ان کے خلاف جو کہے اس کا کہنا صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ: الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۹ رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ چار رکعتوں والی سنتوں کے پہلے قعدہ میں درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء اور اعوذ پڑھا جائے یا نہ؟ اور اسی طرح چار رکعت اکٹھے نفلوں کا کیا حکم ہے؟

السائل:۔ قائم الدین متعلم خود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں میں پہلے قعدہ میں درود شریف اور تیسری رکعت کی ابتداء میں ثناء اور اعوذ نہ پڑھا جائے اور باقی تمام سنتوں اور نفلوں کے درمیانی

Marfat.com

قعدہ میں درود شریف اور ابتداءِ ہر شفعہ پر ثنا اور اعوذ پڑھا جاتے۔ در مختار میں ہے وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویستفتح و یتعوذ ولو نذرًا لان کل شفع صلوٰۃ و قررہ السید الشامی علیہ الرحمۃ الا انہ نقل الحاق الاربع بعد الجمعۃ بالبواقی وحکم النوافل مستفاد من التعلیل۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بصیرپوری ۱۰ شوال المکرم ۱۳۶۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ عشاء کی پہلی چار سنتوں میں اور ایسے ہی اگر تراویح کبھی چار چار رکعتیں پڑھی جائیں تو پہلے التحیات پر درود شریف اور تیسری رکعت کے اول میں سبحانک اللھم پڑھے جائیں یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب معتبرہ دیا جائے۔
بینوا توجروا۔

السائل: مولوی نذر محمد متعلم دار العلوم ہذا ۱۵ رماہِ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

ظہر و جمعہ کی پہلی چار سنتوں کے علاوہ جتنے نفل اور سنتیں چار چار پڑھے جائیں ان کے دونوں التحیات پر درود شریف اور پہلی اور تیسری رکعت کے اول میں ثنا پڑھی جاتے۔ منیۃ المصلی، غنیۃ المستملی ص۳۲۲، ص۳۲۶، ص۳۷۷، بحرالرائق ص۳۲۷ جلد ۱، ص۴۹ جلد ۲، تنویر الابصار، در المختار، شامی ص۶۲۳ جلد ۱، غایۃ الاوطار ص۳۱۵ جلد ۱، نور الایضاح، مراقی الفلاح، حاشیۃ الطحطاوی ص۲۳۵ میں ہے والنظم من البحر بخلاف النوافل سنۃ کانت او غیرھا فانہ یأتی بالثناء والتعوذ فیہ کالاول لان کل شفع صلوٰۃ

Marfat.com

متحدة ولذا یصلی علی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی القعود الاول الخ نیز تراویح کا ذکر بالتخصیص بھی فقہائے کرام نے وضاحت سے فرما دیا۔ نور الایضاح، مراقی الفلاح، حاشیۃ الطحطاوی ص۲۴۹، کبیری ص۳۸۹، تنویر الابصار، در المختار، شامی ص۶۶۲، ۶۶۳ جلد۱ بحر الرائق ص۶۹ جلد۱، غایۃ الاوطار ص۳۲۶ جلد۱ میں ہے والنظم من التنویر و یأتی الامام والقوم بالثناء فی کل شفع و یزید علی التشہد الا ان یمل القوم فیأتی بالصلوات۔ فتح القدیر ص۴۰۹ جلد۱، کبیری ص۳۸۹، بحر الرائق ص۶۹ جلد۲، طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۴۹ میں ہے والنظم من الفتح لا یترکہا (ای الصلوۃ) لانہا فرض او سنۃ ولا یترک السنن للجماعات کالتسبیحات۔ فتاوے قاضی خان میں ہے و یأتی بالثناء فی کل شفع۔ تو شمس و امس کیطرح ثابت ہوا کہ ہر تشہد پر درود شریف اور ہر شفع کے اول میں ثناء پڑھے البتہ جمعہ کی پچھلی چار سنتوں کا بھی بعض نے استثناء فرمادیا جو محققین نے رد فرما دیا۔

واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم
وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

ابو الخیر غفر لہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد ادائے جمعہ کے دو سنتیں پہلے پڑھی جائیں یا چار پہلے پڑھی جائیں؟ ایک دو حوالہ بھی۔ زیادہ جھگڑا نہیں۔

السائل: مولانا علی محمد خطیب جامع مسجد چک نمبر ۲۱ فوجیانوالہ ضلع ساہیوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

بعد از جمعہ ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک چار رکعتیں سنت ہیں جو ایک سلام کیساتھ

Marfat.com

یعنی چار اکٹھی پڑھی جائیں اور امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے چھ رکعتیں آئی ہیں لہذا چھ پڑھنی اچھی ہیں کہ چھ میں چار بھی آجائیں گی مگر یوں پڑھے کہ چار پہلے ایک سلام کے ساتھ پڑھ لے اور بعدازاں دو پڑھے۔ غنیہ شرح منیہ ص۳۷۱ میں ہے والافضل ان یصلی اربعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف۔ بدائع صنائع ص۲۸۵ جلد۱ میں ہے قال ابو یوسف ینبغی ان یصلی اربعا ثم رکعتین الخ

یہ دو حوالے ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ فتویٰ کے لئے لفافہ ہو کہ سوال کے ساتھ جواب لکھا جائے اور حدیث شریف بھی لکھی جاسکتی ہے اور مہریں بھی ثبت ہوسکتی ہیں۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ایک مسجد میں باقاعدہ فرض عشاء اور تراویح ادا کرنے کے بعد اہالیانِ مسجد وتر باجماعت ادا کر رہے ہوں تو کیا وہ شخص جو فرض عشاء باجماعت ادا نہیں کرسکا بلکہ اکیلا فرض پڑھ چکا ہے اس جماعتِ وتر میں شامل ہوسکتا ہے؟ ایک مولوی صاحب ناجائز بتاتے ہیں۔ میں نے صغیری میں نکال دیا تھا اور ساتھ ہی عالمگیری اور کبیری کا حوالہ دے دیا تھا لیکن وہ اسی عبارت کو جو آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے فقیر کو حرکت دے کر دکھائی تھی یعنی قہستانی والی، پیش کرتے تھے تو میں نے کہہ دیا تھا کہ ان کی بات معتبر ہی نہیں، لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان کی تائید علامہ شامی خود کر رہے ہیں، تو حضور آپ ذرا بالوضاحت تحریر فرمادیں کہ واقعی وہاں علامہ شامی نے تائید کی ہے۔ بندہ یہاں شامی میں دیکھ لے گا۔ صرف اتنی ہی بات کی ضرورت ہے۔

سائل: مولوی محمد محسن قصوری ۲۳ ماہ رمضان المبارک ۷۷ ۱۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک وشبہ وریب شامل ہوسکتا ہے کہ ایسی جماعتِ وتر بالاتفاق جائز ومشروع ہے اور جماعتِ جائزہ ومشروع کے ساتھ نماز ادا کرنا بحکم قرآن کریم جائز ہے کہ اس جماعت کے نمازی رکعین

Marfat.com

ہیں اور اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے واركعوا مع الراكعين اور حدیث صحیح میں ہے انما جعل الامام ليؤتم به اور یہ بھی ہے وما ادركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا (رواہما البخاری) لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا الصلوٰة احسن ما يعمل الناس واذا احسن الناس فاحسن معهم (صحیح بخاری ص۹۶ جلد۱) اور اسی بنا پر معتبرات مذہب مہذب حنفیہ متون وشروح وفتاویٰ وحواشی بالاتفاق ماہ رمضان المبارک میں علی الاطلاق عـہ وتر باجماعت ادا کرنے کے جواز واستحباب سے گونج رہے ہیں حالانکہ اگر صرف متون میں ہی ہوتا اور شروح وفتاویٰ میں اس کے خلاف ہوتا تب بھی جائز رہتا کہ محققین نے تصریح فرمائی کہ مسئلہ متون مسئلہ شروح وفتاویٰ سے مقدم ہوتا ہے۔ علامہ شامی ہی کی متعدد تصریحات سے ایک یہ ہے ان ما في المتون مقدم على ما في الشروح وما في الشروح مقدم على ما في الفتاوى (شامی ص۶۶ جلد۱) چہ جائیکہ سب یہاں جواز پر متفق ہیں اور مقابلہ میں صرف قہستانی ہے جس کے متعلق علامہ شامی نے فرمایا والقهستاني كجارف سيل وحاطب ليل۔ العقود الدریہ ص۳۵۶ جلد۲ اور رد المحتار کے رسم المفتی جلد۱ ص۱۵ عـہ میں شرح قہستانی کو غیر مستند قرار دیا اور تصریح فرمائی کہ اس سے فتوےٰ دینا جائز ہی نہیں جبتک کہ منقول عنہ کا علم نہ ہو۔ اور ایسے ہی ثلاثین ص۱۳ جلد۱ میں ہے والنظم منها ومن الكتب الغريبة منلا مسكين شرح الكنز والقهستاني لعدم الاطلاع على حال مؤلفيها (الى ان قال) لايجوز الافتاء من هذه الكتب الا اذا علم المنقول عنه الخ اور العقود الدریہ کے صفحہ مذکورہ میں یہ بھی تصریح فرماتے

عـہ یعنی یہ قید نہیں لگائی کہ ہر ایک نمازی فرض عشاء باجماعت ادا کرچکا ہو تو وتر باجماعت پڑھے ورنہ نہیں حالانکہ اطلاق معتبر ہے اور قاعدہ المطلق يجري على اطلاقه نہایت مضبوط قاعدہ ہے ۱۲ منہ غفرلہ

عـہ اور منقول عنہ کا علم جو کم از کم ظن غالب کے درجہ میں ہو نہیں ہوسکا گو قہستانی نے کما فی المنیۃ لکھا ہے مگر غنیۃ المصلے میں تو یہ مسئلہ ہے نہیں۔ شاید منیۃ الفقہاء یا منیۃ المفتی میں ہو تو یہ نقل کا مجہول ہے ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

ہیں کہ وہ زاہدی معتزلی کی کتابوں سے استناد کرتا ہے خصوصا و استناده الی کتب الزاھدی المعتزلی ۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ زاہدی کی نقل معتبرات کی نقل کا معارضہ نہیں کرسکتی جب تک کسی اور مستند نقل سے مضبوط نہ ہو و نقل الزاھدی لایعارض نقل المعتبرات النعمانیۃ (الی ان قال) مالم یعضده نقل من غیره تو اکیلے قہستانی کا قول سب اکابر کے مقابلہ میں کیسے معتبر ہو سکتا ہے اور چونکہ شامی اس کے متعلق صراحۃً یہ وضاحتیں کر چکے ہیں تو صراحۃً رد نہیں فرماتے کہ ان وضاحتوں کے بعد اس کی طرف نسبت ہی کافی رد ہے ۔ اور یہ یوں بھی مردود ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ قہستانی کی ایک بحث بنے گی جو اطلاق و تصریحِ منقول کے خلاف ہے حالانکہ شامی علیہ الرحمۃ کو تسلیم ہے کہ ایسی بحث اگرچہ کسی بہت بڑے معتمد کی ہو، غیر معتبر ہے ۔ شامی ص۲۵۵ جلد ا میں فرماتے ہیں و قد قال العلامۃ قاسم لاعبرة بابحاث شیخنا یعنی ابن الھمام اذا خالفت المنقول ۔

تعجب ہے کہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ علامہ خود تائید کر رہے ہیں ۔ آپ نے دریافت کرنا تھا کہ وہ کونسا تائیدی جملہ ہے ۔ میری نظر میں شامی علیہ الرحمۃ نے ذرہ بھر بھی تائید نہیں کی بلکہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ کی تحریرات و تقریرات جو (قولہ لانہا تبع) سے (قولہ احکیمہ ذلک) تک ہیں، ان پر نظر کی جائے تو مسئلہ زیرِ بحث خود واضح ہو جاتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جماعتِ تراویح جماعتِ فرض کے تابع ہے تو اگر فرض جماعت کے ساتھ ادا نہ کئے جائیں تو تراویح جماعت کے ساتھ مشروع نہیں اور اگر فرض جماعت سے ادا کئے جائیں اور تراویح بھی جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں تو اکیلا فرض پڑھنے والا جماعت کے ساتھ تراویح پڑھ سکتا ہے ۔ اور ایسے ہی جماعتِ وتر کے متعلق فرمایا کہ جماعتِ تراویح کے تابع ہے یعنی اگر جماعت تراویح ہو تو جماعت وتر جائز ہے اور جو جماعت کے ساتھ تراویح نہیں پڑھ سکا وہ اس جماعتِ وتر میں شامل ہو سکتا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ جماعت سے پڑھنے والوں کی جماعت مشروع ہے تو یہ بھی اس مشروع میں داخل ہو سکتا ہے کہ کوئی مانع نہیں ، فرماتے ہیں لان جماعتھم مشروعۃ فلہ الدخول فیھا معھم لعدم المحذور ۔ تو اس سے

صاف صاف نمایاں ہے کہ صورتِ سوال میں اکیلا فرض پڑھنے والا جماعتِ وتر میں شامل ہو سکتا ہے کہ وہ جماعت والے فرضِ عشاء بھی جماعت سے پڑھ چکے ہیں اور ان کی یہ جماعتِ وتر مشروع ہے تو یہ بھی مشروع میں داخل ہو سکتا ہے لعدم المحذور بلکہ یہ قاعدہ لان جماعتھم مشروعۃ فلہ الدخول فیھا بغیر کسی تفرقہ کے صورتِ سوال پر سچا آرہا ہے نیز علامہ شامی کی اس تقریر سے واضح کہ جماعتِ تراویح میں جو بلا واسطہ جماعتِ فرض کے تابع ہے، اکیلا فرض پڑھنے والا شامل ہو سکتا ہے اور جماعتِ وتر میں جو جماعتِ تراویح کے بلا واسطہ تابع ہے جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھنے والا شامل ہو سکتا ہے تو جماعتِ وتر جو جماعتِ فرض کے بالواسطہ تابع ہے اس میں اکیلا فرض پڑھنے والا کیوں نہیں شامل ہو سکتا؟ کیا تابع کا تابع خود تابع سے جو اس کا متبوع ہے بڑھ جائے گا، ھل ھذا الا تحکم۔

اور اگر بالفرض مولوی صاحب کی بات مان لی جائے تو اس سے بھی قہستانی کی بات صغیری کبیری وغیرہا کی تصریح اور معتمدات مذہبیہ کے اطلاق پر راجح نہیں ہو سکتی وذا واضح جداً۔ نیز صغیری، کبیری میں جوازِ شمولیت کی صریح تصحیح ہے جو علاماتِ افتاء سے ہے۔ صغیری ص۲۱ طبع مجتبائی کے لفظ یہ ہیں واذا لم یصل الفرض معہ قیل لایتبعہ فیھا ولا فی الوتر وکذا اذا لم یصل معہ التراویح لایتبعہ فی الوتر والصحیح انہ یجوز ان یتبعہ فی ذلک کلہ۔ اور ایسے ہی کبیری میں بھی ہے تو ثابت ہوا کہ شمولیت جائز ہے اور اسی پر فتوے ہے۔ بلکہ اگر بطریقِ تنزل سب سے چشم پوشی کرتے ہوئے دیکھا جائے تب بھی صرف "لا" عدمِ جواز کی تصریح نہیں کتبِ فقہیہ میں "لا" جیسے حرام و مکروہ تحریمی کے لئے آتا ہے ایسی ہی مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں اسی صفحہ کے حاشیہ پر ولا یصلی الوتر والتطوع بجماعۃ خارج رمضان۔ اس "لا" سے صاحبِ در المختار اور شامی حرام نہیں سمجھ رہے ہے بلکہ شامی علیہ الرحمۃ اس کو صرف خلافِ اولیٰ اور مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہوئے ص۶۶۴ جلد ا میں فرماتے ہیں وھو کالصریح فی انھا کراھۃ تنزیھیۃ تو قولِ قہستانی میں بھی یہ "لا" خلافِ اولیٰ کے لئے ہو سکتا ہے تو

Marfat.com

یہ معنے نسبتۃً قہستانی کے حق میں اولیٰ ہے کہ و ارکعوا مع الراکعین اور دوسرے دلائلِ جواز کے صریح مصادم نہ بنے۔

بفضلہٖ وکرمہٖ اسی مختصر تقریر سے ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی مانند واضح ہوگیا کہ صورتِ مذکورہ میں وہ شخص جماعتِ وتر میں شامل ہوسکتا ہے اور یہ شمول جائز و روا ہے۔ مجھے زیادہ فرصت نہیں ورنہ اس مسئلہ کی بکثرتِ کتبِ معتبرۂ مذہبیہ سے اور بھی وضاحت کی جاتی۔ بہرحال طالبِ حق کے لئے یہی کافی اور عناد کی صورت میں دفتر بھی ناکافی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم و احکم
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ رمضانِ پاک میں ایک آدمی فرضوں کی جماعت سے رہ جاتا ہے۔ بعد ازاں کیا وہ جماعتِ وتر میں شریک ہوسکتا ہے؟ بہارِ شریعت میں ناجائز لکھا گیا ہے۔ بہارِ شریعت کے یہ لفظ ہیں ونصہٗ "اگر عشاء جماعت سے پڑھی اور تراویح تنہا تو وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔ اگر عشاء تنہا پڑھ لی اگرچہ تراویح باجماعت پڑھی تو وتر تنہا پڑھے (درالمختار، ردالمحتار)"۔

مستفتی: حضرت مولانا سید محمد اصغر شاہ صاحب جیکب لائن صدر کراچی

مورخہ ۱۴ ماہِ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

ہاں شامل ہوجائے۔ قرآنِ کریم میں ہے و ارکعوا مع الراکعین "یعنے نماز

سے وصرح فی احکام الشریعۃ ص۱۲۹ جلد۳ بجواز الوتر بلا کراھۃ تحریم ۱۲ ابوالخیر غفرلہ

Marfat.com

پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو" اس حکم سے ہر جماعت مشروعہ میں شامل ہونا صراحۃً ثابت ہے اور جب کہ جماعت وتر بھی یقیناً اجماعاً ماہ رمضان المبارک میں مشروع ہے، متون و شروح و فتاوے و حواشی مذہب مذہب مہذب میں صراحۃً روز روشن کی طرح موجود ہے۔ فتاوے عالمگیر صلا جلد ا وغیرہا میں ہے ویوتر بجماعۃ فی رمضان فقط علیہ اجماع المسلمین کذا فی التبیین۔ تو آیتِ مذکورہ کی رو سے مطلقاً شامل ہونا جائز ہو گیا اور یونہی فقہائے کرام کی تصریحاتِ ادائے وتر باجماعت بھی مطلق ہی ہیں اور مطلق اپنے اطلاق سے تمام افراد کا حکم ثابت کر دیتا ہے۔ بلا دلیل خاص تخصیص کوئی فرد مخصوص نہیں ہو سکتا کما بین فی اسفار المذہب المہذب باتم بیان۔

تحریر المختار لرد المحتار ص۹۴ جلد ا میں جماعتِ وتر میں شامل ہونے کے بیان میں فرمایا فیعمل بعمومہ حتی یوجد ما یقتضی تخصیصہ اور شامی علیہ الرحمۃ نے قاعدہ عامہ کی صورت میں فرمایا ان جماعتہم مشروعۃ فلہ الدخول معہم لعدم المحذور۔ اور کبیری و صغیری میں بالخصوص تصریحِ جواز بھی ہے۔ صغیری کے یہ لفظ ہیں واذا لم یصل الفرض معہ قیل لا یتبعہ فیہا وکذا اذا لم یصل معہ التراویح لا یتبعہ فی الوتر۔ یعنی جس وقت فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے تو کہا گیا ہے کہ تراویح اور وتر بھی امام کے ساتھ نہ پڑھے" اس کو "قیل" کے ساتھ بیان کر کے ضعیف بتا کر فرماتے ہیں والصحیح انہ یجوز ان یتبعہ فی ذلک کلہ۔ یعنی صحیح یہ ہے کہ مقتدی ان دونوں صورتوں میں امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔"

اس عبارت سے مدعا صاف طور پر ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ امام کے ساتھ شامل نہ ہونے کا قول ضعیف و مردود ہے اور در المختار میں تو وہ قطعاً ہے ہی نہیں اور شامی میں بھی قطعاً نہیں، ہاں شامی میں قہستانی سے اتنا ہے اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر یعنی جب فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے تو وتر بھی نہ پڑھے" مگر خود شامی اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ تراویح بھی نہ پڑھے تو یہ حکم ہے اور اگر تراویح جماعت کے ساتھ پڑھ لے تو پھر وتر پڑھنے

Marfat.com

میں کراہت نہیں اگرچہ تراویح و وتر کا امام ایک نہ ہو و نصہ ینبغی ان یکون قول القہستانی معہ احترازاً عن صلوتہما منفرداً اما لو صلی جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ لاکراہۃ۔

بفضلہ وکرمہ تعالیٰ مسئلہ کی واضح تصریحیں موجود ہیں لہذا شامی علیہ الرحمۃ کی طرح قولِ قہستانی کی تاویل کرنی چاہیئے اور یا حلبی علیہ الرحمۃ کی طرح ضعیف کہہ کے صحیح کے مقابلہ میں رد کیا جائے ورنہ بیچارے قہستانی میں یہ تاب و تواں کہاں کہ ایسی تصریحات کے مقابلہ میں اس کی بات قابلِ التفات بنے ؟ علامہ شامی عقود الدریہ ص۳۵۶ جلد۲ میں فرماتے ہیں والقہستانی کجارف سیل و حاطب لیل۔ بلکہ ردالمحتار ص۶۵ جلد۱ اور ثلاثین ص۱۳ جلد۱ میں تصریح فرماتے ہیں کہ قہستانی سے فتوے دینا جائز ہی نہیں جب تک کہ منقول عنہ کا علم نہ ہو۔ فرماتے ہیں لایجوز الافتاء من ھذہ الکتب الا اذا علم المنقول عنہ الخ

تعجب تو یہ ہے کہ شامی علیہ الرحمۃ تو عبارتِ قہستانی کی تاویل فرمائیں اور حکم جواز بلا کراہت لگائیں مگر بعض حضرات ان کی طرف بھی نسبتِ عدمِ جواز شمول فرمائیں۔ یہ جواب نہایت مختصر ہے والتفصیل فی الفتاوی النوریۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الاستفتاء

ایک نمازی نے عشاء کے فرض کی جماعت میں شمولیت نہیں کی اور دیر کے بعد آیا ہے جسکی وجہ سے اس کی بیس تراویح نہ پوری ہوئیں، بعد میں نمازِ وتر شروع ہو گئی۔ وہ وتر کی جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا کہ نہیں ؟ تراویح باقی ماندہ وتر کی جماعت سے پہلے پڑھے یا باجماعت نمازِ وتر پڑھ کر تراویح پڑھے ؟

مستفتی : میاں محمد رمضان از حجرہ شاہ مقیم

مورخہ ۲۶-۳-۵۹

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

جو نمازی فرض عشار ادا کر چکا ہے اور تراویح بیس رکعتیں پوری نہ کیں تو وہ جماعت وتر میں شامل ہو سکتا ہے کسی دلیل شرعی سے اس کی ممانعت نہیں بلکہ قرآن کریم اور حدیث پاک سے جواز ثابت ہے کما سیأتی فی الجواب الثانی ان شاء اللہ تعالیٰ اور کتب فقہ حنفی سے بھی صاف صاف ثابت ہے نور الایضاح مطبوعہ مع الشرح ص۲۴۸ میں ہے یصح تقدیم الوتر علی التراویح فتاوٰے عالمگیر ص۱۱۶ جلد ۱، خلاصۃ الفتاوٰے ص۶۳ جلد ۱ میں ہے و اذا فاتتہ ترویحۃ او ترویحتان فلو اشتغل بھا یفوتہ الوتر بالجماعۃ یشتغل بالوتر ثم یصلی ما فاتہ من التراویح و بہ کان یفتی الشیخ الامام الاستاذ ظہیر الدین۔ یعنی جب نمازی سے ایک ترویحہ (چار رکعت تراویح) یا دو ترویحے جماعت سے رہ جائیں۔ پس اگر وہ پورے کرنے لگے تو جماعت وتر سے رہتا ہے تو وہ وتر با جماعت پڑھ لے۔ بعد ازاں رہے ہوئے ترویحے پورے کرے شیخ امام ظہیر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی فتوٰے تھا۔"

فتاوٰے عالمگیر ص۱۱۶ جلد ۱، طحطاوی ص۲۴۹، بحر الرائق ص۷ جلد ۲، تنویر، در، شامی ص۶۶۳ میں ہے و النظم من الھندیۃ و اذا صلی معہ شیئا من التراویح او لم یدرک شیئا منھا او صلاھا مع غیرہ لہ ان یصلی الوتر معہ ھو الصحیح کذا فی القنیۃ۔ یعنی جس وقت امام معین کے ساتھ کچھ ترویحے پڑھ لے یا کوئی ترویحہ بھی نہیں پڑھ سکا یا کسی دوسرے امام کے ساتھ پڑھ آیا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس امام معین کے ساتھ وتر پڑھ لے، یہی صحیح ہے غنیۃ المستملی ص۳۹۱ میں ہے وھو الصحیح ذکرہ ابو اللیث وکذا قال ظہیر الدین المرغینانی۔ یعنی یہی صحیح ہے حضرت امام ابو اللیث نے یہ ذکر فرمایا ہے اور یونہی حضرت ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا ہے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔"

اور جب جماعت وتر میں شامل ہو گیا تو باقی ماندہ ترویحے فارغ ہو کر ہی پڑھے گا۔ اور اس میں

Marfat.com

کوئی حرج نہیں کہ تراویح کا وقت فرضِ عشاء کے بعد صبح صادق تک وتر کے پہلے اور پیچھے ہے۔ کنزالدقائق ص۴۰، ملتقی الابحر ص۱۳۶ جلد ۱، بحرالرائق ص۶۷ جلد ۲ میں ہے و النظم من الکنز بعد العشاء قبل الوتر و بعدہ، یہی صحیح ہے۔ تبیین الحقائق ص۱۷۸ جلد ۱، ہندیہ ص۶۰ جلد ۱، کفایہ ص۴۰۸ جلد ۱، قاضی خان ص۱۱۰ میں ہے و النظم من الہندیۃ والصحیح ان وقتہا ما بعد العشاء الی طلوع الفجر قبل الوتر و بعدہ یہی زیادہ صحیح ہے۔ ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ ص۴۰۸ جلد ۱، درالمختار، شامی ص۶۵۹ جلد ۱، عینی علی الکنز ص۴۰ میں ہے والنظم من الہدایۃ والاصح ان وقتہا بعد العشاء الی اٰخر اللیل قبل الوتر وبعدہ۔ منیہ وغنیہ ص۳۸۵ میں ہے وھو المختار کہ یہی پسندیدہ ہے۔ واللہ اعلم۔

الفقیر ابوالخیر نعیمی غفرلہ

الاستفتاء

جو نمازی فرضِ عشاء کی جماعت کے ساتھ فرض نہ پڑھے آیا وہ وتر کی جماعت کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟

مستفتی: محمد رمضان دوکاندار حجرہ شاہ مقیم ۵۹-۳-۲۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

جب امام حسبِ دستور جماعتِ فرضِ عشاء اور تراویح کرانے کے بعد وتر باجماعت پڑھانے لگے تو وہ نمازی جو فرضِ عشاء کی جماعت میں شامل نہیں ہو سکا اور اکیلا پڑھ چکا ہے جماعتِ وتر میں شامل ہو سکتا ہے۔ کسی آیت یا حدیث یا ہمارے کسی امام کے قول میں اس سے ممانعت نہیں آئی اور بلا ممانعتِ شرعی کوئی شئے ممنوع نہیں ہو سکتی بلکہ ایسی جماعتِ وتر بالاجماع جائز و مشروع ہے اور جماعتِ مشروع میں شامل ہونا

عہ کما فی جمیع کتب المذھب المھذب متونا و شروحا و فتاوٰی و حواشی ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

جبکہ کوئی دلیلِ خاص منع نہ کرے یقیناً جائز ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے واركعوا مع الراكعين یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو" اور حدیث پاک میں ہے اذا اتيتم الصلوٰة فعليكم السكينة فما ادركتم فصلوا وما سبقكم فاتموا یعنی جس وقت جماعتِ نماز کے لیے آؤ تو آرام سے آؤ (یعنی دوڑ کر نہ آؤ) پس جس قدر امام کے ساتھ پالو پڑھ لو اور جس قدر رہ گئی وہ بعد میں پوری کر لو" (بخاری صـ۸۸ جلد ۱ مسلم صـ۲۲۳ جلد ۱ عن ابی قتادة مرفوعاً)۔ علامہ نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں سواء فيه صلوٰة الجمعة وغيرها "کہ اس حکم میں جمعہ اور دوسری سب نمازیں برابر ہیں" نیز حدیثِ پاک میں ہے انما جعل الامام ليؤتم به۔ یعنی امام شرعاً بنایا ہی اس لئے گیا کہ اسکی پیروی کی جائے (رواہ البخاری مرفوعاً صـ۹۶/۹۵ جلد ۱ ومسلم صـ۱۷۷ جلد ۱ عن ام المؤمنين الصديقة بنت الصديق وانس رضی الله تعالىٰ عنهم اجمعين)

نیز جب حضرت سیدنا ذی النورین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ بلوائیوں کی جماعت نماز میں شامل ہو جائیں، تو کلیۃً فرمایا الصلوٰة احسن ما يعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم "یعنی نماز لوگوں کے سب کاموں سے اچھی ہے تو جب لوگ اچھا کام کریں تو تم بھی شامل ہو جاؤ" (رواہ البخاری صـ۹۶ جلد ۱ عن عبيد الله بن عدی)

یہ آیت و حدیث اپنے عموم واطلاق سے سب نمازوں کی جماعتوں میں سب صورتوں میں جبکہ مشروع و جائز ہوں اجازتِ شمول دے رہی ہیں۔ یہیں سے علامہ شامی صـ۶۶۳ جلد ۱ میں فرماتے ہیں لان جماعتهم مشروعة فله الدخول فيها معهم لعدم المحذور۔ یعنی بے شک ان (جو پہلے فرض جماعت کے ساتھ پڑھ چکے ہیں) کی یہ (جماعتِ تراویح) جماعتِ مشروع ہے تو وہ (جو پہلی جماعت میں شامل نہیں ہو سکا) اس جماعت میں ان کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں کوئی خرابی نہیں۔

انہی آیت واحادیث کی اجازت سے جب ایک ہی نماز کی پہلی رکعت یا رکعتوں کے رہ جانے کی صورت میں دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں جماعت کے ساتھ شامل ہونا جائز ہے حالانکہ ایک نماز کی رکعتوں میں

Marfat.com

ترتیب نہایت ضروری ہوتی ہے تو دوسری یا تیسری نماز میں شامل ہونا کیوں نہ جائز ہوگا؟ لہذا تمام متون و شروح وفتاویٰ سے وحواشیٔ مذہبِ مہذب ہیں مطلقاً ہے کہ ماہِ رمضان المبارک ہیں وتر با جماعت ادا کیے جائیں بلکہ ہدایہ، ہندیہ، بحرالرائق وغیرہا میں بالاجماع کی تصریحِ جلیل ہے اور یہی تقاضائے اطلاقاتِ عباراتِ ہندیہ وغیرہا ہے جو جوابِ اول میں گزریں کہ جو ساری یا بعض تراویح جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکے وہ جماعتِ وتر میں مل سکتا ہے کہ یہ سب تصریحات اپنے اطلاق سے اکیلے فرض والے کو بھی شامل ہیں اور المطلق یجری علی اطلاقہ تو قاعدہ متفقہ ہے ہی، تو ماہِ نیم ماہ ومہرِ نیم روز کی طرح واضح وہویدا ہوا کہ وہ شخص جماعتِ وتر میں شامل ہو سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوا کہ استدراکِ قہستانی ولکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر کی کوئی وقعت ہی نہیں بلکہ اسکا استدراک بعد از تصحیح عبارتِ مذکورہ مجوزہ علی الاطلاق (کما نقلہ الشامی) ہی بتا رہا ہے کہ خود اس کی نظر میں بھی وہ اطلاق مفیدِ جواز ہے تب ہی تو تصحیح کے بعد "لکن" سے ضرورتِ استدراک محسوس کی مگر اتنے دلائلِ قاہرہ وباہرہ مذکورہ کے سامنے ایک استدراکِ بے دلیل اور وہ بھی قہستانی جیسے غیر معتمد کا کیسے قابلِ التفات بن سکتا ہے؟ لہذا شامی علیہ الرحمۃ نے اس کی قطعاً کوئی تائید نہیں کی بلکہ نسبت الی القہستانی سے تضعیف فرمادی کہ شامی ان کے متعلق عقود الدریہ صلا ۳۵۶ جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ ان سے فتوےٰ دینا جائز ہی نہیں، فرماتے ہیں لا یجوز الافتاء من ہذہ الکتب الا اذا علم المنقول عنہ۔

پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ قہستانی میں عدمِ جواز یا کراہتِ تحریمی کی تصریح نہیں بلکہ صرف "لا یتبعہ" ہی ہے حالانکہ ایسی عبارتیں فقہائے کرام کے کلام میں جائز بلکہ مستحب شے تک بھی موجود ہیں۔ دیکھئے نماز میں فاتحہ شریف کے بعد سورت کے اول میں بسم اللہ شریف کا پڑھنا یقیناً جائز بلکہ مستحب ہے مگر فقہائے کرام کی عبارات میں "لا یسمی" اور "لا یاتی" آیا ہے تو واضح ہوا کہ یہ عبارت عدمِ جواز یا کراہت کی نص نہیں (و التفصیل فی الفتاوی الرضویۃ صلا ۵۰-۵۲ جلد ۳) تو اس کی وجہ سے آیت وحدیث وکتبِ مذہب کے اطلاقات جو مفیدِ جواز ہیں کیوں ترک کئے جائیں؟ پھر تعجب ہے کہ امامِ اہلسنت اعلیحضرت علیہ الرحمۃ نے احکامِ شریعت صلا ۱۰۷ جلد ۳ میں تصریح فرمادی کہ اس میں کراہتِ تحریم کی کوئی وجہ نہیں ظاہر اکراہتِ تنزیہ ہے تو اتنا شور کیوں برپا کیا جاتا ہے؟ اور عدمِ جواز کے فتوے دیئے جاتے ہیں۔ رہی

Marfat.com

کراہتِ تنزیہ تو وہ بھی اعلحضرت کے نزدیک بقولِ شامی ہی ہے حالانکہ شامی ہی تصریح کرتے ہیں جسے اعلیٰ حضرت بھی پسند کرتے ہیں کہ کراہت تنزیہ بھی دلیلِ خاص کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی اور وہ جواز کے خلاف بھی نہیں کما ھو مبین فی الشامیۃ والفتاوی الرضویۃ[عہ] تو معلوم ہوا کہ جس سے فرضِ عشاء کی جماعت رہ گئی اور اکیلے ادا کئے وہ جماعتِ وتر میں شامل ہو سکتا ہے اس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ آیت و حدیث اور احکامِ فقہیہ کی پیروی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک شخص عشاء کے فرضوں کی جماعت سے رہ جاتا ہے پھر اکیلا فرض پڑھ کر نمازِ تراویح میں امام کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ چند رکعت تراویح بھی رہ جاتی ہیں، آیا وہ امام کے ساتھ نماز با جماعتِ وتر ادا کر سکتا ہے یا کہ نہیں ؟ اس کی مکمل نوعیت سے مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

آپ کا خادم : مولوی محمد حسین امام مسجد موضع قادر آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصّواب

ہاں وتر با جماعت ادا کر سکتا ہے۔ قرآنِ کریم کے پہلے ہی پارے میں ہے واركعوا مع الراكعين یعنی نماز ادا کرنے والوں کے ساتھ نماز ادا کرو" اور یہی نماز با جماعت ادا کرنا ہے تو وتر با جماعت ادا کرنے والوں امام اور مقتدیوں کے ساتھ یہ بعد میں آنے والا بھی اس آیت

عہ فتاویٰ رضویہ ۳۵ جلد ا میں ہے "کراہت کے لئے اگرچہ تنزیہی ضرور دلیل کی حاجت ہے" نیز ۳۵ جلد ا میں معلوم ان ترک المستحب لا یوجب کراھۃ التنزیہ کما حققہ فی البحر والشامیۃ وغیرھما ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

پاک کے لحاظ سے اس جماعت میں شامل ہو سکتا ہے اور فقہائے کرام نے بھی یہ لکھا ہے۔ صغیری شرح منیۃ المصلی ص۲۱۱ میں ہے والصحیح انہ یجوز ان یتبعہ فی ذلک کلہ یعنی جس نے فرض یا تراویح امام کے ساتھ ادا نہ کئے وہ امام کے ساتھ وتر ادا کر سکتا ہے۔ اور تفصیل فتاوٰی نوریہ میں ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ: الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۲۵ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ ۶۷-۱-۷

الاستفتاء

بخدمت جناب حضرت قبلہ فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی صاحب

جناب عرض یہ ہے، ایک شخص نے فرض کی نماز باجماعت نہیں پڑھی مگر تراویح جماعت کیساتھ ادا کی، آیا وہ شخص وتر کی نماز باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ آپ اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کتاب کا نام اور صفحہ بھی لکھ دیں تاکہ اگر کسی شخص کو ضرورت ہو کتاب منگوا کر دیکھ سکیں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔ اس مسئلہ کا جواب مہربانی سے ماہ رمضان شریف میں پہنچ جائے ضرور تاکید ہے۔

میرا پتہ: بمقام چک ۱۴۷/۹۱ ۔ایل تحصیل و ضلع ساہیوال ڈاک خانہ چک ۱۴۸/۹ ۔ایل بنگلا نائی والا محمد عبداللہ قوم جٹ جوئیا کے جاوے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

ہاں وہ شخص بھی وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے قرآن کریم کے پہلے ہی پارے میں ہے وارکعوا مع الراکعین یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ اس آیت سے نماز باجماعت پڑھنا ثابت ہے تو وتر باجماعت پڑھنے والوں کے ساتھ بھی وتر پڑھنا مطلقاً ثابت ہو گیا اور صغیری ص۲۱۱ میں ہے والصحیح انہ یجوز ان یتبعہ فی ذلک

Marfat.com

کلہ ۔ یعنی جس نے فرض یا تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھے وہ امام کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے ، اور تفصیل فتاویٰ نوریہ میں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم ۔

الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی غفرلہ خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور ضلع ساہیوال

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ ۴-۱-۶۷

الاستفتاء

(نوٹ) حضرت مولانا الحافظ القاری محمد رحمت علی صاحب المدنی نے والانامہ مدینہ طیبہ سے ارسال فرمایا جس میں سوال ذیل بھی تھا۔

قبلہ ایک چیز دریافت کرنی ہے وہ یہ ہے کہ تحیۃ المسجد اور طہارت الوضوء ظہر یا عصر یا عشاء کی سنتوں میں اکٹھی نیت کرکے پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ یعنی پڑھے چار اور نیت آٹھ کی کرلے اور پڑھے چار یا علیحدہ علیحدہ پڑھے اور وضو اور مسجد کے تو چار کی نیت سے دو پڑھ لے ۔ شاید آپ نے ایک دفعہ فرمایا تھا اب ذرا اس کی وضاحت طلب ہے ۔ کسی سے کوئی بات اور جھگڑا نہیں ہوا صرف اپنے فائدہ کے لئے پوچھتا ہوں کیونکہ یہاں تو بہت بڑا فائدہ تحیۃ المسجد اور طہارت الوضوء پڑھنے میں ہے ۔ فقیر تو ملا کے پڑھ لیتا ہے مگر بعض لوگ علیحدہ پڑھتے ہیں ، مجھے خیال ہوا کہ شائد میں غلطی پر ہوں تو بہت بڑا نقصان ہے ۔

سائل : مولانا حافظ محمد رحمت علی صاحب المدنی ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ ۲۵/۱۱/۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بلاشبہ نماز تحیۃ المسجد مامور بہا ہے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ بے شک رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس (رواہ مسلم صـ۲۴۸ جلد ۱) والاحادیث فی ھذا المعنی شھیرۃ مگر یہ امر جمہور کے نزدیک وجوب کے لئے نہیں ۔ فتح الباری شرح

Marfat.com

بخاری ص۴۳۶ جلد۱، عینی علے البخاری ص۳۸۵ جلد۲ میں ہے واللفظ لابن حجر علیہ الرحمۃ اتفق ائمۃ الفتوی علی ان الامر فی ذلک للندب۔ تو تحیۃ المسجد واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ نووی علیہ الرحمۃ شرح مسلم ص۲۴۸ جلد۱ میں فرماتے ہیں سنۃ باجماع المسلمین۔ ہمارے سب فقہائے کرام معتمدات کتب مذہبیہ میں فرماتے ہیں کہ سنت ہے۔ شامی ص۶۳۵ جلد۱ میں ہے فقد حکی الاجماع علی سنیتہا۔ پھر یہ سنت بھی یوں مستقل سنت نہیں کہ اس کا علیحدہ بہ نیتِ سنت پڑھنا ضروری ہو یا صرف مطلق نماز کی نیت سے استقلالاً ضروری ہو بلکہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "رکعتین" کا حکم فرمایا ہے اور "رکعتین" نکرہ ہے تو ہر دو نماز جو دو رکعت پر مشتمل ہو فرض ہو یا سنت، ادا ہو یا قضا، اس کے پڑھنے سے "رکعتین" کا پڑھنا صادق آجائے گا اور تعمیلِ ارشاد ہوجائے گی اگرچہ تحیۃ المسجد کی بھی نیت نہ کرے۔ نووی شرح صحیح مسلم قسطلانی شرح بخاری ص۵۰۶ جلد۱ میں ہے واللفظ للنووی ولا یشترط ان ینوی التحیۃ بل تکفیہ رکعتان من فرض او سنۃ راتبۃ وغیرھا۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۲۴۵ جلد۱ میں ہے وینوب عن تحیۃ المسجد مطلق صلوٰۃ ذات رکوع وسجود یصلیہا عند دخولہ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۱۹۸ جلد۲ میں ہے تحیۃ المسجد او ما یقوم مقامہما من صلوٰۃ فرض او سنۃ۔ بحرالرائق ص۳۶ جلد۲، طحطاوی، مراقی الفلاح، نورالایضاح ص۲۳۷، شامی، درالمختار، تنویرالابصار ص۶۳۵ جلد۱ وغیرہا میں ہے واللفظ من البحر وقد قالوا ان کل صلوٰۃ صلاہا عند دخولہ فرضا او سنۃ فانہا تقوم مقام التحیۃ بلا نیۃ کما فی البدائع وغیرہ۔ نیز اس کی ایک وجہ محققینِ عظام نے یہ بیان فرمائی کہ تحیۃ المسجد سے مطلوب تعظیمِ مسجد ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی مسجد کے رب جل وعلا کی وہ خاص عبادت ادا کی جائے جس کے لئے مسجد بنائی گئی۔

عہ الاشباہ والنظائر ص۱۵۴ قاعدۂ ثامنہ میں ہے لو دخل المسجد وصلی الفرض او الراتبۃ دخلت فیہ التحیۃ ۱۲ منہ غفرلہٗ

Marfat.com

نووی، شامی اور صاحب بحر الرائق، صاحب نور الایضاح وغیرہم حضرات نے اپنے اپنے انداز میں اس کو بیان فرمایا مگر مجھے حضرتِ امام غزالی کے وہ کلمات بہت پسند ہیں جو احیاء العلوم ص۲۱۱ جلد ا میں فرمائے وان اشتغل بفرض او قضاء تأدى به التحية وحصل الفضل اذ المقصود ان لا يخلو ابتداء دخوله عن العبادة الخاصة بالمسجد قياما بحق المسجد۔ تو جب ہر نماز ادا کرنے کے ساتھ بلانیتِ تحیۃ المسجد ادا ہو جاتا ہے تو اگر اس نماز کی نیت کے ساتھ تحیۃ المسجد کی نیت بھی کرلے تو بطریقِ اولیٰ ادا ہو جائے گا۔ امام نووی اور قسطلانی فرماتے ہیں والنظم للقسطلانی وتحصل بفرض او بنفل آخر سواء نويت معه ام لا لان المقصود وجود صلوٰة قبل الجلوس وقد وجدت بما ذكر ولا يضره نية التحية لانها سنة غير مقصودة بخلاف نية فرض وسنة مقصودة فلا تصح۔ شامی میں ہے لان الفريضة اذا قامت مقام التحية وحصل المقصود بها لم تبق التحية مطلوبة لان المقصود تعظيم[عہ] المسجد بای صلوٰة كانت ولا يؤمر بتحية مستقلة الا اذا دخل لغير الصلوٰة كما مر وحينئذ فاذا نواها مع الفريضة يكون قد نوى ما تضمنته الفريضة وسقط بها فلم يكن ناويا جنسا آخر۔ اور جب فرض میں جائز ہے حالانکہ فرض کے لئے نیتِ فرض ضروری ہے تو سنتوں میں بطریقِ اولیٰ جائز ہوگی کہ سنت کے لئے نیتِ سنت ضروری نہیں بلکہ مطلق نماز کی نیت ہی کافی ہے كما في الفتح والغنية والدر وغيرها اور پھر سنت بھی سنت اور یہ بھی سنت۔ بہر حال فرض اور سنت ادا کرتے وقت ساتھ ہی تحیۃ المسجد کی بھی نیت کر سکتا ہے اور مثلاً قبل الفجر دو رکعت پڑھنے سے سنۃ الفجر اور تحیۃ المسجد دونوں ادا ہو جائیں گے۔ اور فقیر کی نظرِ قاصر میں بفضلہ وکرمہ تعالیٰ یہ ہے کہ فرض یا واجب یا سنت کی نیت کرتے ہوئے اتنا

عہ التحریر المختار میں ہے فنية التحية بمعنى التعظيم لا يضر ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

ارادہ کرلینا کہ اس فرض یا واجب یا سنت کی ادائیگی کے ساتھ محبوب پیارے صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو" رکعتین " نکرہ کی طلب فرمائی ہے وہ ابھی ادا کر رہا ہوں ، صرف مختصر سا تصور کافی ہے اور بفضلہٖ و کرمہٖ تعالےٰ قطعًا ایسا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا جو شامی علیہ الرحمۃ کی نظر میں آیا اور اس کا جواب دیا ۔ فرق یہ ہے کہ وہ نیتِ فرض کے ساتھ نیتِ تحیۃ المسجد سنت کے متعلق فرماتے ہیں اور فقیر نے حسبِ ارشادِ حدیث پاک " رکعتین " کی نیت رکھی اور ان " رکعتین " کا سنت ہونا ضروری نہیں بلکہ فرض ، واجب ، سنت سب کی رکعتین پر " رکعتین " سچا آرہا ہے یعنی یہ نماز کوئی علیحدہ نماز نہیں ہوگی بلکہ وہی فرض یا واجب یا سنت ہی یہ نماز بھی بن جائیں گے دو رکعتوں کے لحاظ سے ۔ قسطلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں فان صلی اکثر من رکعتین بتسلیمۃ واحدۃ جاز و کانت کلھا تحیۃ لاشتمالہ علی الرکعتین^{عــہ} و تحصل بفرض او نفل اٰخر یعنی اس فرض ، واجب وغیرہ کی سب رکعتیں ہی تحیۃ المسجد بھی بن جاتی ہیں ، یہ اس لئے کہ حدیثِ پاک میں "جو رکعتین" فرمایا ہے تو یہ کم کی حد ہے یعنی تحیۃ المسجد رکعتین سے کم نہیں ہو سکتا کہ صرف ایک رکعت ، نماز نہیں اور زیادتی کی جانب میں حد نہیں کہ تین یا چار تحیۃ المسجد نہ بن سکیں ۔ فتح الباری ص۴۲۶ جلد ا ، عینی علی البخاری ص۳۸۵ جلد ۲ میں ہے و المنظمر لہ و لا یتادّٰی ھٰذا باقل من رکعتین لان ھٰذا العدد لا مفہوم لاکثرہ و اختلف فی اقلہ و الصحیح اعتبارہ ۔

بہر حال داخلِ مسجد جو نماز بھی پہلے پڑھے اس سے تحیۃ المسجد ادا ہو جاتا ہے نیت کرے یا نہ ، مگر ظاہر یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کی ادائیگی کا ثواب نیت پر موقوف ہے ۔ اگر نیتِ تحیۃ المسجد کرے تو اس حدیث پاک پر بھی عمل کا ثواب ملے گا اور اگر نیت نہ کرے تو فقط نماز کا ثواب ہوگا اور اس حدیث پر عمل کا ثواب

عــہ اور وہ جو فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ سنت ہے اس کا یہ مطلب کہ جب تحیۃ المسجد من حیث ہی ہی ہو یعنی کسی اور نماز فرض یا سنت کے ضمن میں ادا نہ کرے بلکہ استقلالًا پڑھے کہ فرض و سنت کا وقت ہی نہیں ، یا پڑھ کر داخل ہوا تو وہ سنت ہے نہ یہ کہ مطلقًا سنت ہے " منہ غفرلہ عــہ اللام للعہد تشیر الی رکعتین منکرۃ التی طلبھما منا محبوبنا الاکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

نہیں ہوگا کیونکہ حدیث صحیح میں ہے انما الاعمال بالنیات اور یہ بھی ہے انما لامریٔ ما نوی۔ شامی ص۱۳۶ جلد۱ میں ابن حجر علیہ الرحمۃ سے مع التقریر ہے یسقط طلبھا بذلك اما حصول ثوابہ فالوجہ توقفہ علی النیۃ لحدیث انما الاعمال بالنیات۔ کتاب الفقہ ص۲۴۵ جلد۱ میں ہے و یحصل ثوابھا ان نواھا مع تلك الصلوٰۃ و الا فلا۔

رہا یہ سوال کہ تحیۃ المسجد صلوٰۃ مسنونہ ہے تو ادائے فرض سے کس طرح ادا ہوگی تو اس کی وجہ بیان ہو چکی[عــہ] اور اس کی کئی نظیریں ہیں کہ سنت فرض کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے۔ زید بھوک سے جان بلب تھا اور سحری کے وقت اسے کھانا ملا، حفظِ جان کے لئے یہ کھانا اس پر فرض ہے اور سحری سنت ہے تو اگر دونوں کی نیت کر لے تو فرض کے ساتھ سنت بھی ادا ہو جائے گی الی غیر ذٰلك من نظائر۔

تنبیہ

اگر ایسے وقت مسجد میں جائے کہ مطلق نماز ممنوع ہے یا صرف نفلی نماز ممنوع ہے مگر فرض پڑھ چکا یا جماعت کی انتظار ہے اور دیر ہے یا بے وضو ہو گیا یا ظالم نے ممانعت کر دی تو اس وقت بوجہِ عذرِ شرعی تحیۃ المسجد ساقط ہے تو مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ تسبیح اور کلمہ شریف اور درود پاک پڑھے تو حق

عــہ قال مولانا علی القاری علیہ رحمۃ اللہ الباری فی شرح الحصن الحصین ص۲۳۶ فی شرح "حتی یصلی رکعتین" (من حدیث صلوٰۃ تحیۃ المسجد) اما فرضا اداءً وقضاءً او سنۃ او نفلا ولیس للمسجد صلوٰۃ علی حدۃ تسمی تحیۃ المسجد علی ما یتوھمہ العامۃ بل المقصود انہ لایقعد دخولہ عبثا فی المسجد و لھذا لو توضأ فی بیتہ و دخل المسجد فصلی رکعتین سنۃ الفجر مثلاً فقد اتی بشکر الوضوء وتحیۃ المسجد و اداء سنۃ الصبح فلو کان وقت المکروہ التنزیھی فلیعمل قضاء ان کان علیہ والا فلیقل سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر عملا بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا و ایضا قد قال فی المرقات ص۳۱۲ جلد ا فی کتاب الطھارۃ لو صلی عقب الوضوء فریضۃ حصلت لہ ھذہ الفضیلۃ کما تحصل تحیۃ المسجد بذلك ۱۲

ابو الخیر النعیمی غفر لہ - ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ ھ

Marfat.com

مسجد ادا ہو جاتا ہے شامی میں ہے اذا دخل فیہ بعد الفجر او العصر فانہ یسبح و یہلل و یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم فانہ حینئذٍ یؤدی حق المسجد طحطاوی علی المراقی ص۲۳۶ میں عبارتِ سابقہ کے بعد ہے و فی الدر عن الضیاء عن القوت من لم یتمکن منہا لحدث او غیرہ یقول کلمات التسبیح الاربع اربعا ام وھی سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر۔ مرقات ص۱۹۸، ص۱۹۹ جلد۲ میں ہے و من دخلہ وقت کراھۃ الصلوٰۃ او و ھو محدث قال اربع مرات سبحٰن اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر زاد بعضہم و لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم فقد روی عن بعض السلف ان ذٰلک یعدل رکعتین فی الفضل و یؤیدہ ما صح عن جابر ابن زید الامام الکبیر التابعی انہ قال اذا دخلت المسجد فصل فیہ فان لم تصل فاذکر اللہ فکانک قد صلیت۔ اور جب تحیۃ المسجد فرض، واجب، سنت کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے تو نمازِ شکر الوضو بطریقِ اولیٰ ادا ہو جائے گی کیونکہ وہ مسنون ہے اور صحیح حدیثوں میں اس کا حکم آیا ہے، اور جب وہ تبعًا ادا ہو جاتی ہے تو یہ بطریقِ اولےٰ ادا ہو جائے گی کہ یہ نماز مستحب ہے کما صرح بہ الفقہاء الکرام، اور اس کا حکم کسی حدیثؔ میں فقیر کی نظرِ قاصر میں نہیں آیا بلکہ احادیثِ مبارکہ میں صرف ترغیب آئی ہے یعنی شوق دلایا گیا ہے مگر حکم نہیں فرمایا اور ہے بھی تحیۃ المسجد کیطرح صلوٰۃِ غیر مستقلہ، بلکہ اس کی حدیثوں میں صراحۃً بعد الوضو، نماز فرض کا ذکر بھی آیا ہے۔ صحیح مسلم ص۱۲۲ جلد۱ میں

عـہ بلکہ کنز العمال ص۸ جلد۵ میں حضرتِ ابو امامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے برمزِ مسند امام احمد بن حنبل حدیثِ وضو میں ہے فاذا قام الی الصلوٰۃ رفعہ اللہ عزوجل بہا درجۃ وان قعد قعد سالما ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے حدیث مرفوع ہے من توضأ للصلوٰۃ فاسبغ الوضوء ثم مشی الی الصلوٰۃ المکتوبۃ فصلاھا مع الناس او مع الجماعۃ او فی المسجد غفر اللہ لہ ذنوبہ۔ نیز اسی صفحہ میں انہی کی دوسری حدیث مرفوع میں ہے ما من مسلم یتطھر فیتم الطھور الذی کتب اللہ علیہ فیصلی ھٰذہ الصلوٰت الخمس الا کانت کفارات لما بینھن۔ طحطاوی علی المراقی ص۲۳۷، مرقات شرح مشکوٰہ ص۳۲۵، ص۳۲۶ جلد۱ میں ہے لو صلی عقب الوضوء فریضۃ حصلت لہ ھٰذہ الفضیلۃ کما تحصل تحیۃ المسجد بذٰلک۔ شامی ص۶۳۹ جلد۱ میں ہے و انظر ھل تنوب عنھا ای رکعتین بعد الوضوء صلوٰۃ غیرھا کالتحیۃ ام لا ثم رأیت فی شرح لباب المناسک ان رکعتی الاحرام سنۃ مستقلۃ کصلوٰۃ استخارۃ وغیرھما مما لا تنوب الفریضۃ منابھا بخلاف تحیۃ المسجد و شکر الوضوء فانہ لیس لھما صلوٰۃ علیٰحدۃ کما حققہ فی الحجۃ۔ اور فرض کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے تو سنت کے ساتھ بطریقِ اولیٰ ادا ہو جائے گی کما مر فی التحیۃ۔ اور اس کی وضاحت حضرتِ بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیثِ متعلق نمازِ شکر الوضوء میں بھی ہے۔ قسطلانی شرح بخاری ص۳۷ جلد۲ میں حدیثِ بخاری کے کلمات الاصلیت بذٰلک الطھور ما کتب لی ان اصلی کی شرح میں ہے ای ما قدر علی اعم من النوافل و الفرائض۔ اور یہیں سے واضح ہو گیا کہ اگر تحیۃ المسجد کے ساتھ شکر الوضوء کی نیت بھی کرے اور دو رکعت پڑھے تو یقیناً جائز ہے اور دونوں نمازیں ادا ہو جائیں گی اور دونوں کا ثواب ملے گا بلکہ اگر شکر الوضوء کی نیت نہ بھی کرے تب بھی وہ ثواب جس کا احادیثِ مبارکہ میں ذکر ہے ضرور مرتب ہو جائے گا کہ اس ثواب کا نماز پر مرتب ہونا محبوبِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے

Marfat.com

حالانکہ ان کا فرمانا " کن " کے حکم میں ہے اور اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ ہاں نیت کرنے سے عمل بالاحادیث کا ثواب اور زیادہ بڑھ جائے گا۔

الحاصل وضو یا غسل یا تیمم کرنے والا جب مسجد میں داخل ہوا اور فرض نماز یا واجب ادا کرے یا قضاء پڑھے یا سنت یا نفل پڑھے تو نماز شکر الوضوء اور تحیۃ المسجد ساتھ ہی ادا ہو جائیں گی ہاں عمل بالاحادیث کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ نیت تحیۃ اور شکر کی کرے تو ثواب بڑھ جائے گا۔ اور یہ اللہ رب العالمین کے فضلِ عمیم بجاہ الحبیب الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے کچھ بعید نہیں کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ ، واللہ یضاعف لمن یشاء ، واللہ واسع علیم ، اور اگر مسجد میں داخل ہونے والا کوئی فرض ، واجب وغیرہ نہیں پڑھتا کہ وقت ہی مثلاً فرض وغیرہ کا نہیں یا ادا کر چکا ہے تو تحیۃ المسجد استقلالاً کم از کم دو رکعت پڑھے اور شکر الوضوء ساتھ ہی ادا ہو جائے گا مگر نیت کرے تو بہتر کہ ثواب بڑھ جائے گا۔ اور اگر وقت مکروہ ہے تو ظاہر یہ ہے کہ جس طرح درود پاک اور تسبیح تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جاتے ہیں یونہی شکر الوضوء کے قائم مقام بھی ہو جائیں گے۔ مرقاۃ سے حضرت جابر بن زید تابعی کا قول گزر چکا فان لم تصل فاذکر اللہ کانک قد صلیت تو ذکر اللہ کو صلوٰۃ کا حکم دے رہے ہیں۔ نیز یہ بھی احادیثِ مسلم سے واضح ہو چکا کہ وضوء کے ماسوا غسل و تیمم کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ بھی تطہر ہیں۔ شامی ص ۱۳۹ جلد ا میں ہے ومثل الوضوء الغسل کما نقل عن الشرنبلالی اور تیمم بھی طہارت ہے خصوصاً ہمارے نزدیک تو طہارتِ کاملہ ہے۔ اور اگر مسجد میں داخل ہونیوالا نمازِ شکرِ طہارت ادا کرکے داخل ہوا ہے تو تحیۃ المسجد کے لئے پھر بھی وہ سب صورتیں ہیں جو مذکور ہوئیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعلم الاکرم واصحابہ واحبابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر النعیمی غفرلہ ۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ ۱۱/۱۱/۶۲

Marfat.com

بَابُ سَجْدَةِ السَّهْوِ

الاستفتاء

نمبر۱ : عید الفطر کی نماز میں امام صاحب (مولوی حضرت عبد العزیز صاحب) دوسری رکعت میں تکبیریں (تین تکبیریں) کہنا بھول گئے اور اسی طرح نماز ختم کر کے خطبہ پڑھنے لگے تو لوگوں نے عرض کیا کہ واجب تکبیریں نہیں کہی گئیں اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا تو کیا نماز ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نماز جمعہ و عیدین میں سجدہ سہو نہیں ہوتا اس لئے نماز ہو گئی ہے۔ رسالہ رکن دین میں مولوی رکن دین صاحب نے بحوالہ فتوٰی دے کر تحریر فرمایا ہے کہ اگر تکبیریں رہ جائیں تو لازمی ہیں کہ تکبیریں رکوع میں کہی جائیں۔ دوسری جگہ مذکورہ رسالہ میں "باب سہو" میں تحریر فرمایا کہ عیدین کی نماز میں اگر تکبیریں کم یا زیادہ وغیرہ ہو جائیں تو بھی سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ پھر اخبار امروز میں عید کے مسائل میں بھی تحریر تھا کہ اگر تکبیریں رہ جائیں تو تکبیریں کہہ لی جائیں لیکن رکوع سے لوٹ کر تکبیریں نہ کہیں اور دونوں حالتوں میں سجدۂ سہو بکثرت ازدہام نہ کریں۔

آپ ارشاد فرمائیں کہ اس کے بارہ میں شریعتِ پاک کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اگر یہ درست ہو کہ تکبیریں رکوع میں پوری کر لینے یا رکوع سے لوٹ کر تکبیریں پوری کر لینے سے سجدۂ سہو نہیں ہوتا مگر جب تکبیریں پوری ہی نہ کی جائیں۔

نمبر۲ : دعا قنوت میں جو وعدہ اللہ تعالےٰ سے کیا جاتا ہے کہ الٰہی جو تیری نافرمانی کرتا ہے اسے چھوڑ دیں گے اس حالت میں اگر روزے نہ رکھنے والوں اور نماز نہ پڑھنے والوں سے قطع تعلق نہ کریں تو حکم کی خلاف ورزی میں شمار ہوتا ہے کہ نہیں؟ ارشادِ گرامی تحریر فرما کر ارسال فرمائیں۔

السائل : صوفی رحمت علی صاحب نوری کلرک این۔ ای۔ سی

بوریوالہ ضلع ملتان

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النّور والصّواب

ع۱ بلاشک و شبہ و گنجائش ریب نمازِ جمعہ و عیدین میں ترکِ واجب سے سجدۂ سہو لازم ہو جاتا ہے۔ تنویر الابصار مطبوع مع الشامی ص۷۰۵ جلد۱، اور فتاویٰ ہندیہ ص۱۲۶ جلد۱ میں ہے السھو فی الجمعۃ والعیدین والمکتوبۃ والتطوع واحد۔ ہمارے ائمۂ متقدمین کا متفقہ فیصلہ یہی ہے مگر متاخرین مشائخ نے جمعہ و عیدین کے بہت بڑے اجتماعات میں عوام کی پریشانی کی بنا پر سجدۂ سہو کے ترک کی اجازت دے دی ہے۔ بحر الرائق ص۱۵۴ جلد۲، نور الایضاح، مراقی الفلاح، حاشیہ طحطاوی ص۲۷۹، درالمختار، شامی ص۷۰۵ جلد۱، ہندیہ ص۱۲۶ جلد۱ میں ہے والنظم من الدر والمختار عند المتأخرین عدمہ۔ شامی میں ہے لیس المراد عدم جوازہ بل اولی ترکہ نیز شامی و طحطاوی نے فرمایا ان عدم السجود مقید بما اذا حضر جمع کثیر۔ اور جب بڑے اجتماع نہ ہوں تو سجدۂ سہو ضرور ادا کیا جائے کہ تلافی نقصان (بوجہ ترکِ واجب یا واجبات) ہو جائے، اور اصل بھی یہی ہے اور چونکہ کم اجتماع کی صورت میں تشویشِ عوام جو مبنائے ترکِ اجازت تھی، نہیں پائی جاتی لہٰذا اجازتِ ترک بھی نہیں رہے گی۔ شامی و طحطاوی میں ہے والنظم للطحطاوی اما اذا لم یحضروا (ای جمع کثیر) فالظاھر السجود لعدم الداعی الی الترک وھو التشویش۔ بلکہ عقلِ سلیم سے کام لیا جائے تو چونکہ ہمارے زمانہ میں ترکِ سجدۂ سہو کی صورت میں تشویش پائی جاتی ہے اور عوام حیران و ششدر رہ جاتے ہیں کہ باوجودیکہ تکبیراتِ واجبہ رہ گئیں اور سجدۂ سہو بھی نہ کیا گیا تو نماز کیسے پوری ہوئی، تو انعکاساً وہی تشویشِ عوام جو متاخرینِ کرام کے وقت میں وجہِ ترکِ سجدہ تھی اب وجہِ اداتے سجدہ بن گئی ہے حالانکہ اصل بھی یہی ہے، تو سجدہ ضرور ادا کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ع۲ اصل اور کامل چھوڑنا تو یہ ہے کہ بالکل قطع تعلق کیا جائے مگر بوقتِ ضرورت و مجبوری صرف دلی طور پہ قطعِ تعلق بھی کافی ہے جب کہ میل جول بقدرِ ضرورت صرف ظاہر تک محدود رہے۔ قرآن کریم میں ہے الا ان تتقوا منھم تقٰۃ۔

Marfat.com

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ
وصحبہ و بارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۲۵ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۷۰ھ بروز جمعرات

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اگر امام ہو یا تنہا نماز پڑھ رہا ہو الحمد کے بعد بھول کر نہ کوئی سورت پڑھے اور نہ تین آیتیں خورد اور نہ ایک طویل آیت پڑھے، کیا اس کی نماز جائز ہو جائے گی؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوگی بوجہ ترکِ فرضِ قراءت اور الحمد کے پڑھنے سے فرضِ قراءت ادا نہیں ہوگا کہ الحمد عند الاحناف واجبات سے ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل سید وزیر علی شاہ بسنت پورہ ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک وشبہ وگنجائش ریب مذہبِ حنفی میں سہواً سورت اور آیتوں کے چھوڑنے کی صورت میں نماز جائز ہوگئی البتہ سجدۂ سہو واجب ہوگا کہ ترکِ واجب پایا گیا۔ فتح القدیر ص۲۳۸ جلد۱، بحر الرائق ص۹۴ جلد۲، فتاویٰ عالمگیر ص۶۵ جلد۱ میں ہے والنظم من الھندیۃ ولو قرأ الفاتحۃ وحدھا وترک السورۃ یجب علیہ سجود السھو وکذا لو قرأ أم الفاتحۃ آیۃ قصیرۃ کذا فی التبیین۔

باقی مولوی صاحب کا فرمانا کہ فرضِ قراءت ادا نہ ہوا یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ فرضِ قراءت صرف کسی ایک آیت کا پڑھنا ہے جو فاتحہ شریف کی آیت ہو یا کسی دوسری سورت کی، رہا ان کا یہ کہنا کہ الحمد شریف کا پڑھنا واجب ہے تو یہ دلیلِ عدمِ ادائیگیٔ فرض نہیں بلکہ اس واجب کے ضمن میں فرض ادا ہو جائیگا۔ کہ مطلق آیت کا اطلاق یقیناً سب کو شامل ہے ورنہ اگر فاتحہ شریف کے ساتھ سورت بھی ملا کر پڑھے تو مولوی صاحب کی دلیل سے پھر بھی یہی ثابت ہوگا کہ نماز نہ ہوئی کہ ہمارے مذہب میں سورت کا پڑھنا بھی واجب ہی ہے حالانکہ اس صورت میں مولوی صاحب بھی ضرور ہی جائز کہتے ہونگے ورنہ جواز نماز کی ایسی

Marfat.com

صورت ذکر فرمائیں کہ فاتحہ و سورت واجبہ پڑھنے کے ساتھ فرض قرات علیحدہ ادا ہو و لا یقول به احد من اولی المتون و الشروح و الحواشی و الفتاوی و من ادعی الخلاف فعلیہ البیان۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ واصحابہ وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۲۷ شوال المکرم ۱۳۷۵ بروز جمعرات

الاستفتاء

جناب چشمۂ نورِ آب حضرت مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب سلامت باشد

مخدوم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ :۔ مزاج شریف ! آپ کی حضرتِ عالیہ میں حاملِ رقعہ ہذا اشرف الدین بھیجا ہے مندرجہ ذیل مسئلہ حل کر دیں، مشکور ہوں گا۔

نمبر۱ : جماعت ہونے پر امام کو شبہ گزر گیا اس نے ایک طرف سلام کہہ دیا۔

نمبر۲ : ایک شخص نماز گزار رہا تھا اس کو سجدہ کا شبہ ہو گیا۔ اس کی نماز ایک طرف سلام کہنے سے ہو سکتی ہے یا دونوں طرف سلام کہنے سے ہو سکتی ہے۔ مسمیٰ قطب الدین وحاجی جان محمد کی زبانی معلوم ہوا کہ جس شخص نے ہر دو طرف سلام کہہ دیا اس کی نماز نہیں ہو سکتی، سامنا سجدہ کی بابت آپ مکمل مسئلہ حل کر دیں۔ والسلام۔

السائل : حاجی اللہ دین سکنہ مہروک ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ :۔

مذہبِ امامِ اعظم علیہ الرحمۃ میں سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا جائے۔ فقہائے کرام اور مشائخ عظام کا اختلاف ہے کہ سلام سے ایک سلام مراد ہے یا دو۔ بہت سے حضرات فرماتے ہیں ایک کے بعد کرے اور بہت سے فرماتے ہیں دو کے بعد، لہٰذا یہ تو نہ کہنا چاہیے کہ دو سلام کہہ دے تو نماز نہیں ہو سکتی۔ ہاں بہتر اور افضل ایک سلام ہے۔ فتاویٰ شامی صہ۶۹۱ جلد۱، فتاویٰ عالمگیری صہ۱۰۶ جلد۱ میں ہے و النظم من الهندية

Marfat.com

و یأتی بتسلیمتین هو الصحیح کذا فی الهدایة والصواب ان یسلم تسلیمة واحدة وعلیه الجمهور والیه اشار فی الاصل کذا فی الکافی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و الہ واصحابہ و بارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ ۶ ذی القعدۃ ۱۳۷۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید امام ہے اس نے قرأت قرآن مجید کی پہلی رکعت میں چار آیت کا مقدار پڑھ کر بھول گیا اور مقتدی نے لقمہ بھی دیا لیکن لقمہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا اور ایک آیت سہواً چھوڑ گیا۔ بعدہٗ ایک آیت پڑھ کر رکوع کر دیا اور سجدۂ سہو بھی ادا نہیں کیا۔ کیا سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اور نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ جواب صحیح مدلل بحوالہ صفحہ فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

السائل: احقر العباد بشیر احمد عفے اللہ عنہ از ملکہ ہانس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

سائل نے وضاحت نہیں کی مگر ظاہر یہ ہے کہ سورت فاتحہ پوری کر کے چار آیت کا مقدار پڑھنے کے بعد بھولا اور ٹھہرا پھر سہواً ایک آیت چھوڑ کر اگلی آیت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا اور وہ نماز بھی عشاء یا فجر تھی۔ ایسی صورتوں میں سجدہ سہو قطعاً واجب نہیں ہوتا کہ کوئی واجب ترک نہیں ہوا حالانکہ سجدۂ سہو ترکِ واجب سے ہی واجب ہوتا ہے۔ فتاوےٰ عالمگیر ص۶۵ جلد ا وغیرہا کتبِ معتبرہ میں ہے ولا یجب السجود الا بترك واجب او تاخیره (الی ان قالوا) وفی الحقیقة وجوبه بشیئ واحد وهو ترك الواجب کذا فی الکافی۔ اور امام کا دوسری آیت پڑھنا بھی ناجائز نہیں بلکہ ایسی بھول کی صورت میں یہی لائق ہے کہ جو آیت یاد نہیں آتی چھوڑ کر دوسری آیت شروع کر دے یا رکوع کر دے۔ مبسوط ص۱۹۴ جلد ا، بدائع صنائع

Marfat.com

ص۲۳۶ جلد ا، فتاوٰے قاضی خان ص۶۶ جلد ا، خلاصۃ الفتاوٰے ص۱۲۱ جلد ا، فتاوٰے ہندیہ ص۵۲ جلد ا، تبیین الحقائق ص۱۵۷ جلد ا، بحر الرائق ص۶ جلد ۲، مجمع الانہر ص۱۱۹ جلد ا، ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ ص۳۴۹ جلد ا، غنیۃ المستملی ص۴۱۷، ۴۱۸، شامی ص۵۸۲ جلد ا، طحطاوی علے المراقی ص۲۰۱ وغیرہا میں ہے والنظم لشمس الائمۃ السرخسی علیہ الرحمۃ بل یرکع او ینتقل الی اٰیۃ او سورۃ اخرٰی (والانتقال الی سورۃ اخرٰی ایضًا انتقال الی اٰیۃ اخرٰی لکن من غیر سورۃ الاٰیۃ الاولی کما لا یخفٰی) بلکہ اس کا جواز ایسا واضح و مضبوط ہے کہ بعض مشائخ کے نزدیک تو اس وقت لقمہ دینا مفسدِ نماز ہے علی التفصیل گو تحقیق یہ ہے کہ مفسد نہیں۔ اکثر کتبِ مذکورہ میں ہے والنظم من البحر لو فتح علی امامہ بعد ما انتقل الی اٰیۃ اخرٰی الخ اور یونہی اس کا رکوع کرنا بھی جائز ہے کہ قدرِ ضرورت سے زیادہ پڑھ چکا ہے تو اعادۂ نماز کی بھی ضرورت نہیں، نماز بلا کراہت درست ہوگئی۔

واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہ ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

حضرتِ محترم دامت برکاتکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ، مزاجِ گرامی۔ المرام آنکہ چند صورتیں درپیش ہیں ان کے بارے میں اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیے:۔

نمبر ا: چوپائے مثلاً بھیڑ کے ساتھ وطی کے اثبات کے لئے آیا چار گواہ ضروری ہیں یا کہ دو ہی کافی ہیں؟ اور کیا یہ فعل ایک گواہ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے؟ اور اگر کسی جنگل میں کوئی ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کے اس فعل کو دیکھ کر چیخے چلّائے اور ادھر سے چند آدمی آجائیں اور آنے والوں نے بعینہٖ فعلِ مذکور نہ دیکھا ہو تو کیا ان کی شہادت بھی معتبر ہو سکتی ہے؟

Marfat.com

نمبر۲ : امام نماز کی دوسری رکعت میں جہری نماز کے اندر بھول کر قرأت آہستہ کرے اور پھر یاد آجانے پر شروع فاتحہ سے شروع کر دے تو کیا حکم ہے ؟ اگر بمقدار تین تسبیح کے آہستہ پڑھا ہو تو سجدۂ سہو لازم ہوگا ؟

نمبر۳ : بکری یا کوئی اور مادہ جانور اپنے وقتِ مقررہ سے پہلے ہی بچہ گرا دے تو اس کے دودھ کا کیا حکم ہے ؟ از راہِ کرم ذرا جلدی جواب سے مطلع کریں۔

السائل : غلام محمود از دار العلوم اہلِ سنت جہلم ، المرقوم ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱۔ یہ فعلِ بد زنا نہیں اور چار گواہ صرف زنا کے لئے ضروری ہیں مگر نصابِ شہادت دو ہیں لہٰذا ایک کافی نہیں۔ اور گواہ وہ ہے جو مشاہدہ مشہود بہ کرے بعد میں آنے والے قرائن کا مشاہدہ کر سکتے ہیں مگر اصل فعل جس پر شہادت دینی ہے اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے تو شہادت کیسی ؟ فتاویٰ عالمگیر ص۲۰۲ جلد ۳ میں ہے ان یکون التحمل بمعاینۃ المشھود بہ بنفسہ لا بغیرہ الخ نیز ص۲۰۳ میں ہے اما اقسام الشھادۃ فمنھا الشھادۃ علی الزنا و تعتبر فیھا اربعۃ من الرجال الخ

۲۔ ہاں سجدۂ سہو لازم ہوگا کہ ظاہر الروایت کے حکم سے تو قلیل پر بھی سجدہ ہے اور دوسری صحیح روایت کے لحاظ سے ایک آیت آہستہ پڑھنے پر لازم ہوتا ہے اور تین تسبیح تو زیادہ ہیں لہٰذا دونوں روایتوں کے لحاظ سے سجدہ لازم ہوگا۔ تنویر الابصار ، در المختار میں ہے (و الجھر فیما یخافت فیہ) للامام (وعکسہ) لکل مصل فی الاصح تقدیرہ (بقدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ فی الفصلین و قیل) قائلہ قاضی خان (یجب) السھو (بھما) ای بالجھر والمخافتۃ (مطلقًا) ای قل او کثر (وھو ظاھر الروایۃ) شامی ص۶۹۴ جلد ۱ میں فرمایا صححہ فی الھدایۃ والفتح والتبیین والمنیۃ لان الیسیر من الجھر لا یمکن الاحتراز عنہ وعن الکثیر یمکن وما تصح بہ الصلوٰۃ کثیر غیر ان ذلک عندہ آیۃ

Marfat.com

الخ وهذا بعمومه واطلاقه شامل لصورة الاعادة ايضا والاستدلال بالعموم والاطلاق شائع بين الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم وبین من بعدهم۔

نمبر۳ ہاں حلال ہے اگرچہ حمل ہی نہ ہوا ہو کہ قرآن کریم یا حدیث پاک میں حمل وغیرہ کی قید نہیں اور نہ ہی ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایسی قید لگائی۔ قرآن کریم پ۱۴ ع ۱۵ میں ہے وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونها من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین ۰ نیز پ۱۸ ع ۱ میں ہے نسقیکم مما فی بطونها۔ بہرحال اس اطلاق وعموم سے انعام (بکری، گائے وغیرہ اجناس) کے دودھ کے تمام اقسام حلال ہوگئے۔ حتیٰ کہ فتاوٰے خیریہ ص۲ جلد ۱ میں فرمایا کہ اگر بکرے یا مینڈھے کے دودھ اتر آئے تو وہ بھی ظاہر یہی ہے کہ حلال ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم والہ وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۳۰ جمادے الاخرے ۱۳۸۵ھ (۲۶/۱۰/۶۵)

الاستفتاء

مکرمی ومحترمی جناب مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:۔ امید ہے کہ جناب بفضل خدا بخیریت ہوں گے۔ باقی عرض آنکہ براہ کرم مندرجہ ذیل سوالات کا جواب شرعی حدود کے اندر دے کر ممنون فرمادیں جس سے ہماری پوری طرح تسلی ہوجاوے کیونکہ اس کی وجہ سے امام مسجد کے بارے میں ہمارے دل میں کچھ شبہ پیدا ہوچکا ہے:۔

نمبر۱: ایک امام مسجد نے عید الفطر کے روز صرف نماز عید کا خطبہ پڑھا اور نماز پڑھادی۔ دوران نماز میں پہلی رکعت کے ساتھ تکبیریں بھول گیا لیکن سجدہ سہو کردیا۔ آیا نماز مکمل ہوگئی یا کہ نہیں؟

نمبر۲: اسی دن جمعۃ المبارکہ کی نماز کیساتھ اس دن کوئی خطبہ نہیں پڑھا صرف نماز باجماعت پڑھادی حالانکہ جمعہ کا خطبہ فرض ہے اور نماز عید کا خطبہ واجب ہے۔ آیا کہ ہماری نماز جمعہ ہوگئی ہے یا نہیں؟ براہ کرم

Marfat.com

مکمل جواب دیں آیا آئندہ اس امام کے پیچھے ہماری نماز جائز ہے یا کہ نہیں ؟ برائے کرم جواب جلدی دیں۔ زیادہ خیریت ۔ والسلام و آداب ۔

از طرف آپ کا نیاز کیش : اصغر علی زرگر کچا کھوہ ضلع ملتان

نوٹ ، دوسرے روز سائل نے یہ ترمیم بھی بھیجی کہ مولوی صاحب جمعہ کی اذان کہلوانے کے بعد خود ایک رکوع قرآنِ پاک کی تلاوت کی اور اس کی تشریح و تقریر کے فوراً بعد جمعہ کی جماعت کرادی۔ آیا مولانا صاحب کا خطبہ پڑھنا ہوگیا یا کہ نہیں ؟ اور ہماری نماز جمعہ بھی ہوگئی یا کہ نہیں ؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس طریقہ سے خطبہ پڑھا ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱ ۔ عید کی تکبیریں سہواً رہ جائیں تو سجدۂ سہو سے کمی پوری اور نماز کامل ہوجاتی ہے۔ فتاویٰ عالمگیر صلا جلد ا میں ہے ومنھا (واجبات الصلوۃ) تکبیرات العیدین قال فی البدائع اذا ترکھا او نقص منھا او زاد علیھا او اتی بھا فی غیر موضعھا فانہ یجب علیہ السجود کذا فی البحر الرائق ۔ اور عید کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا ہے ۔ سائل کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ خطبہ پہلے پڑھا گیا ہے ۔ اگر پہلے پڑھا گیا ہے تو یہ سنتِ مستمرہ کا خلاف ہے فتاوٰے عالمگیر صنہ جلد ا میں ہے ثم یخطب بعد الصلوۃ خطبتین کذا فی الجوھرۃ النیرۃ ۔

۲ ۔ واقعی خطبۂ جمعہ فرض اور شرطِ جواز ہے اگر بلا خطبہ پڑھا جائے تو جائز نہیں ۔ فتاوٰے عالمگیر صہ جلد ا میں ہے لو صلوا بلا خطبۃ او خطب قبل الوقت لم یجز کذا فی الکافی ۔ مگر نماز کی طرح خطبہ میں بھی فرض اور سنتیں ہیں ترکِ فرض سے جس طرح نماز نہیں ہوتی یونہی خطبہ نہیں ہوتا اور اگر سنتیں رہ جائیں تو نماز اور خطبہ ہوجاتے ہیں مگر ناقص ہوتے ہیں ایسا کرنا برا ہے اور عادت بنانا بہت برا ہے ۔ فرضِ خطبہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے ۔ فتاوٰے عالمگیر میں ہے والثانی ذکر اللہ تعالیٰ کذا فی البحر الرائق بلکہ قرآنِ کریم میں ہے

Marfat.com

فاسعوا الی ذکر اللہ . تو آپ کے مولوی صاحب نے جب نیت خطبہ سے رکوع پڑھا اور اس کی تشریح و تقریر کی تو فرض خطبہ ادا ہو گیا اور نماز بھی ہو گئی مگر کئی سنتیں ترک ہو گئیں اور کئی مستحب رہ گئے مثلاً دوسرا خطبہ اور دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرنا اور حمد و ثناء اور درود پاک اور حمد کے ساتھ شروع کرنا ، اور خلفائے راشدین رضے اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کا ذکر ہونا ، کما فی الھندیۃ وغیرھا اور پھر خطبہ میں پنجابی یا اردو کا استعمال کرنا بھی سنت متوارثہ کے خلاف اور برا ہے ۔ ہدایہ ص۸۵ جلد اول میں ہے الا انہ یصیر مسیئا لمخالفۃ السنۃ المتوارثۃ (الی ان قال) والخطبۃ والتشھد علی ھذا . فتاوے مولانا عبد الحی ص۲۱۹ جلد ا سے ص۲۳۳ تک چودہ صفحوں میں وہ تحقیق جو مولانا مذکور کے نزدیک محقق ہے ، یہی ہے کہ خلاف سنت متوارثہ اور مکروہ و بدعت ہے ۔ باوجودیکہ اسلام پھیلتا گیا اور ایسے ایسے ملک دائرۂ اسلام میں آتے گئے کہ وہاں کے باشندے عربی زبان سے قطعاً واقف نہیں تھے مگر پھر بھی صحابہ کرام اور تابعین ، تبع تابعین ، مشائخ و علمائے کاملین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب کے سب عربی زبان میں خطبے پڑھتے آئے تو لامحالہ غیر عربی میں بدعت و مکروہ بنا ۔

ص۲۳۳ میں مصفّٰی شرح موطا شاہ ولی اللہ رضے اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں " وعربی بودن بجہت عمل مستمر مسلمین در مشارق و مغارب بوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبات عجمی بودند " تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ گو نماز و خطبہ ہو گئے مگر کراہت و بدعت سے خالی نہیں لہذا آئندہ کیلئے بالکل پرہیز کریں اور خطبہ و نماز مکمل ادا کریں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۷ / ماہ شوال المکرم ۱۳۷۸ ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں :

نمبر ۱ ، نماز عید الفطر کی پہلی رکعت میں تکبیرات کے بجائے قرأت شروع کر دینا بعد از لقمہ تکبیرات ادا کرنا

Marfat.com

قرات صرف الحمد کہا گیا۔

نمبر۲ : دوسری رکعت میں تین کی بجائے چار تکبیرات نادانستہ کہنا، بعد میں سجدہ ادا کیا جانا آیا، نماز ہوگئی یا دوبارہ پڑھی جائے ؟

سائل : از منچوبان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر کوئی اور مانع نہیں پایا گیا تو صرف ان دو وجوہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی بلکہ ہوگئی۔ بدائع صنائع میں ہے لو سھی عن تکبیرات العید حتی اشتغل بالقراۃ ثم تذکر انہ لم یکبر یعود الی التکبیرات و یقرأ بعدھا۔ ہندیہ میں ہے اذا ترکھا او نقص منھا او زاد علیھا اواتی بھا فی غیر موضعھا فانہ یجب علیہ السجود کذا فی البحر۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
یکم شوال المکرم ۱۳۸۶ھ ۴/۲/۶۵

Marfat.com

بَابُ صَلوٰةِ المُسَافِرِ

الاستفتاء

ایک مسافر نے عشاء کی جماعت کرائی، قعدۂ اولیٰ کرنے کے بعد بھول کر چار رکعتیں نماز پوری کرلی۔ کیا مسافر کی نماز ہوگئی یا کہ نہیں؟ دیگر مقتدی جو کہ مقیم ہیں ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کتب معتبرہ سے تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا۔ فقط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

مسافر کا فرض ادا ہوگیا اور پچھلی دو رکعتیں نفل ہیں۔ مبسوط ص۲۳۹ میں ہے مسافر صلی فی سفرہ اربعا فان کان قعد فی کل رکعتین قدر التشھد فصلوتہ تامۃ والاخریان تطوع لہ وکذا فی عامۃ المعتبرات ایضا۔ اور جب مقتدی مقیم نے امام کی متابعت میں نماز پوری کی اس کی نماز فاسد ہوگئی کہ پچھلی رکعتوں میں امام متنفل ہے اور مقیم مفترض اور مفترض متنفل کی اقتدا نہیں کرسکتا وکل ذلک مصرح متونا وشروحا وحواشی وفتاوی وابین من ان یبین واتقن من ان یبرھن۔ بلکہ رد المحتار ص۵۴۲ جلد۱ میں جزئیہ صریحہ ہے لو اقتدی مقیمون بمسافر واتم بھم بلا نیۃ اقامۃ وتابعوہ فسدت صلوتھم لکونہ متنفلا فی الاخریین (الی ان قال) وقد نقلھا الرملی فی باب المسافر عن الظھیریۃ وکذا فی المنحۃ ص۱۳۵ جلد۲

Marfat.com

وفی اٰخرہ لان ھٰذا اقتداء المفترض بالمتنفل ولا یصح۔
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

ابوالخیر غفرلہٗ ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۷۰ھ

الاستفتاء

عزیزم مولانا ابوالفضل صاحب شرفہ ربہ تعالےٰ بالشرف والفضل

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ : بعد از دعوات آنکہ آپ کا خط آیا اور چونکہ آپ کے کاغذ پر جگہ نہیں تھی اور یہاں بھی کاغذ کی قلت ہے تو اس پر ہی استفتاء نقل کر کے جواب دیا جاتا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مسافر مقتدی نے امام مقیم کی اقتداء کی ---------- بعد سلام امام کے مقتدی نے بھی سلام پھیر کر کلام کر لی اور نماز باطل کرلی، نماز چارگانہ تھی۔ اب مقتدی چار رکعت قضاء کرلے یا دو ؟ والسلام۔ بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر وہ اقتداء بطور ادائے فرض تھی اور اس کے وقت فوت ہونے تک مسافر تھا یا آخر وقت بھی مسافر تھا تو صرف دو رکعت ہی قضاء کرے اور ایسے ہی اگر وقت کے اندر ادا کرے اور اکیلا پڑھے یا مسافر کی اقتدار کرے تو دو ہی پڑھے کہ مسافر پر دو ہی لازم ہیں اور متابعتِ مقیم کی وجہ سے چار لازم ہوتی ہیں اور جب نماز توڑ دی تو متابعت چھوڑ دی تو وہ لزوم بھی مرتفع ہو گیا۔ اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ اب جو پڑھ رہا ہے اس میں اس امام کی متابعت کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ مبسوط ص۲۴۳ جلد ۱، نیز ص۱۰۵ جلد ۲، بدائع صنائع ص۹۳ جلد ۱، بحر الرائق ص۱۳۴ جلد ۱، سراجیہ ص۱۲، فتح القدیر ص۱۲ جلد ۲، کفایہ ص۱۲ جلد ۲، غنیۃ المستملی ص۵۰۴، خلاصۃ الفتاوےٰ ص۲۰۱ جلد ۱، ہندیہ ص۱۴۳ جلد ۱، شامی ص۷۴۱ میں ہے

سہ غالباً یہ ابوالفضل مولوی محمد شریف ہیں جو صاحبزادہ غلام رسول صاحب نوری حویلوی کے رشتہ دار ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

والنظم لہ ولو افسدہ صلی رکعتین لزوال المغیر بطور آئزفرض کی قید اس لئے کہ خود فرض ادا کرنے کے بعد بطور تنفل اقتدا کرے تو چار کی قضا ہی لازم ہے جس طرح بھی پڑھے۔ معتمدات مذہبیہ میں ہے واللفظ لہ بخلاف ما لو اقتدی بہ متنفلا حیث یصلی اربعا اذا افسدہ۔ وقت کے فوت ہونے تک یا صرف آخر وقت میں بھی مسافر ہونے کی قید اس لئے کہ اگر اس وقت نیت اقامت ہوتی تو اتمام لازم ہو جاتا ہے۔ انفراد یا اقتدا مسافر کی قید یوں کہ اگر مقیم کی اقتدا کرے تو پھر بھی اتمام لازم ہوگا۔ اور ادا کا اضافہ اس لئے کیا کہ یہ بھی استفتاء میں نہیں آیا تھا۔ اور یہ تو واضح ہی ہے کہ یہ سوال چہارگانہ فرض کے متعلق ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ ۳ شعبان المعظم ۱۳۷۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں کہ مسافر مؤکدہ سنتیں ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ادا نہیں کرتے۔

السائل : مولانا محمد نصیر الدین صاحب رکن پورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

سفر میں ادائے سنن بلاشبہ جائز و مستحسن و مسنون ہے اس پر جمہور علمائے کرام کا اتفاق اور ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اطباق ہے اور خود قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے ثابت و مبرہن ہے۔ آیات و احادیث مثبتہ مدعائے مذکور بکثرت ہیں کہ ان کا استقصار محال عادی ہے اور حسب المقدور تحریر کے لئے بھی دفتر ضروری و لابدی ہے لہٰذا بطور اجمال دلائل کثیرہ کی طرف اشارہ اور بعض قلیل قدرے تفصیل سے دکھایا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد مبین ہے وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔ اب حضور پرنور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرامین با تمکین گوش ہوش سے سنیے

Marfat.com

حضرت سیدنا ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روایت فرماتی ہیں مسلم شریف ص۲۵۱ جلد۱، ترمذی شریف ص۶۶ جلد۱، نسائی ص۲۵۶ جلد۱، ص۲۵۷ جلد۱، صحیح مستدرک ص۳۱۱ جلد۱، سنن ابی داؤد ص۱۷۸ جلد۱، مسند ابی داؤد طیالسی ص۲۲۳، ابن ماجہ ص۸۱، سنن بیہقی ص۴۷۲ جلد۲، کنز العمال ص۱۶۶ جلد۴ اور ایسے ہی حضرت سیدتنا ام المؤمنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ترمذی ص۶۵ جلد۱، سنن نسائی ص۲۵۶ جلد۱، سنن ابن ماجہ ص۸۱، کنز العمال ص۱۶۶ جلد۴ میں بالفاظ متقاربہ ہے و

اللفظ من الترمذی عن الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ثابر علی ثنتی عشرۃ رکعۃ من السنۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ اربع رکعات قبل الظہر و رکعتین بعدھا و رکعتین بعد المغرب و رکعتین بعد العشاء و رکعتین قبل الفجر و نحوہ عن ام المؤمنین ام حبیبۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا و فی بعض روایاتہم رکعتین قبل العصر بدل رکعتین بعد العشاء و فی بعض الروایات رکعتین بعد العشاء نحو الروایۃ المارۃ و فی صدر روایتہا ما من عبد یصلی عند مسلم فمن صلی ایضًا عند مسلم وغیرہ و فی بعض الروایات من رکع (ترجمہ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ شخص جو پابندی کرے بارہ رکعتوں پر سنت سے، بنا کرتا ہے اللہ تبارک وتعالٰی اس کے لئے بہشت میں مکان، چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو اس کے پیچھے اور دو مغرب کے پیچھے اور دو عشاء کے پیچھے اور دو فجر سے پہلے) صرف بعض احادیث قولیہ مثبتہ جمیع سنن رواتب پر ہی اختصاراً اقتصار کیا جاتا ہے ورنہ وہ احادیث جلیلہ بکثرت صحاح ستہ وغیرہا میں جلوہ فرما ہیں جن سے سنن رواتب فعلاً عموماً اور قولاً و فعلاً فرادٰی فرادٰی روز روشن کی طرح واضح طور پر ثابت ہیں بلکہ فجر و مغرب کی سنتیں بالخصوص قرآن کریم سے ثابت ہیں، معالم التنزیل ص۱۹۹ جلد۶، کریمہ و سبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب و من اللیل

Marfat.com

فسبحہ وادبار السجود کی تفسیر میں ہے قال عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب والحسن والشعبی والنخعی والاوزاعی ادبار السجود الرکعتان بعد صلوٰۃ المغرب وادبار النجوم الرکعتان قبل صلوٰۃ الفجر وھی روایۃ العوفی عن ابن عباس وروی عنہ مرفوعًا ھذا قول اکثر المفسرین ونحوہ فی الخازن اور ایسے ہی وسبح بحمد ربک حین تقوم ومن اللیل فسبحہ وادبار النجوم کی تفسیر معالم التنزیل ص۲۱۲ جلد۶ میں ہے یعنی رکعتین قبل صلوٰۃ الفجر وذٰلک حین تدبر النجوم ای تغیب بضوء الصبح ھذا قول اکثر المفسرین ونحوہ فی الخازن وزاد یدل علیہ ما روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ادبار النجوم الرکعتان قبل الفجر وادبار السجود الرکعتان بعد المغرب اخرجہ الترمذی وقال حدیث غریب۔

بہرحال احادیثِ مبارکہ کا اطلاق وعموم حاضر ومسافر دونوں کو شامل اور احادیث دونوں کے لئے وعدۂ ثواب کی حامل اور عمومات قطعاً یقیناً بلاگنجائش شکوک وشبہات استدلال واثبات کے لئے وافی وکافی ہیں ورنہ ایک ایک جزئیۂ شرائع کے لئے زید وبکر وعمر دکروڑہا افراد مکلفین کے اسمائے خاصہ دکھانے لازم ہوں گے یا ترکِ امر ونہی کا ارتکاب اور ایک عام طوفانِ بدتمیزی کا ایسا زبردست ہیجان وانقلاب برپا ہوگا جس کا علاج بجز اسی استدلال بالعمومات کے محال وممتنع ہے البتہ اگر بشروطِ معتبرہ کوئی ایسی حدیث قولی یا فعلی ثابت ہو جس سے یہ متیقن ہو کہ مسافر احادیثِ مذکورہ پر عمل نہیں کر سکتا تو گنجائش عدمِ جواز تھی مگر ایسی کوئی حدیث نہیں دکھائی جا سکتی ہے۔ ائمہ کرام ومحدثین عظام نے اسی عموم کو جواز بلکہ استحباب ادائے مسافر کے لئے دلیل بنایا ہے۔ علامہ محی السنۃ نووی علیہ الرحمۃ شرحِ صحیح مسلم ص۲۴۲ جلد۱ میں فرماتے ہیں واستحبہا الشافعی واصحابہ والجمہور

ے ادائی السنن للمسافر ۱۲ منہ غفرلہ

و دلیلہ الاحادیث العامۃ المطلقۃ فی ندب الرواتب۔
بلکہ سیدتنا ام المؤمنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی حدیث مروی کے صدر میں ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، کنز العمال سے ہے من ثابر علی ثنتی عشرۃ رکعۃ اور مثابرت کا معنی مداومت و ملازمت ہے۔ اگر انسان سفر کی حالت میں ترک کرے اور صرف حضر ہی میں ادا کرے تو مداومت ہو ہی نہیں سکتی اور ایسے ہی سیدتنا ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی حدیث مذکور کے صدر میں صحیح مسلم اور سنن بیہقی و کنز العمال میں ہے مامن عبد مسلم یصلی للہ کل یوم تو اگر مسافر ترک کرے تو "کل یوم" یعنے ہر ایک دن میں ادا کرنا کیسے متصور ہو سکتا ہے اور قاعدہ مسلمہ ہے زیادۃ الثقۃ مقبولۃ فالروایات الخالیۃ عن قید کل یوم مملوۃ عنہ حکما و تدل علیہ تتمتہا کما لا یخفی۔

باقی رہی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضے اللہ تعالےٰ عنہما کی وہ حدیث جو صحاح میں مذکور ہے جسے تارکین سنن دلیل بناتے ہیں وہ قطعاً دلیل تخصیص نہیں بن سکتی کہ اس سے عند التحقیق صرف عدم رؤیت ہی ثابت ہے جس سے عموم عدم رؤیت بھی ثابت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ترک یا دوام ثابت ہو وکل من نظائر عند من لہ نظر۔ بلکہ اگر بالفرض دوام ترک بھی ثابت ہو جائے تب بھی احادیث مذکورہ قولیہ کی یہ حدیث فعلی قطعاً نسخ نہیں کر سکتی کہ فعل رافع قول نہیں و ذا ابین من ان یبین عند من لہ بصر و بصیرۃ فی الفن بحمدہ و منہ تبارک و تعالیٰ۔ صرف اتنے ہی بیان سے مدعٰی نہایت پُرنور طریق پر مبرہن ہو چکا اور تفقیر فرائض منصبیہ سے فارغ ہوا مگر افہام قاصرین و اقحام خاسرین کیلئے خود حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور عبد اللہ بن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سفر میں سنن ادا فرمانا روز روشن کی طرح ثابت کیا جاتا ہے۔ سنئے اور غور سے سنئے:

سیدنا براء بن عازب رضے اللہ تعالےٰ عنہ سے ترمذی صـ ۸۳ جلد ۱، سنن ابو داؤد صـ ۱۶۲

ف من الاسنادات علی العمل بالحدیث من الرواۃ کما فی صحیح مسلم والنسائی والمستدرک ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

جلد ۱، صحیح مستدرک ص۳۱۵ جلد ۱، سنن بیہقی ص۱۵۸ جلد ۳، کنزالعمال ص۱۹۹ جلد ۴ میں ہے صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمانیۃ عشر سفرًا فما رأیتہ ترک الرکعتین اذا زاغت الشمس قبل الظہر یعنے میں حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھارہ سفروں میں حاضر رہا تو میں نے نہ دیکھا کہ آپ نے ظہر سے پہلی دو رکعتوں کو ترک فرمایا ہو" اس حدیث سے سنّتِ قبلیہ ظہر کا صاف ثبوت ملا۔ اور سنن ترمذی ص۸۳ جلد ۱ میں انہی حضرت عبداللہ بن عمر سے ہے صلیت مع النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی الحضر والسفر فصلیت معہ فی الحضر الظہر اربعا وبعدھا رکعتین وصلیت معہ فی السفر الظہر رکعتین وبعدھا رکعتین والعصر رکعتین ولم یصل بعدھا شیئا والمغرب فی الحضر والسفر سواء ثلاث رکعات لا ینقص فی حضر ولا سفر وھی وتر النھار وبعدھا رکعتین قال ابو عیسٰی ھٰذا حدیث حسن سمعت محمدا یقول ما روی ابن ابی لیلی حدیثا اعجب الیّ من ھٰذا۔ اور طحاوی ص۲۴۳ جلد ۱ میں روایتِ مذکورہ بایں نظم ہے وصلی فی السفر الظہر رکعتین وبعدھا رکعتین وصلی العصر رکعتین ولیس بعدھا شئ وصلی المغرب ثلاثا وبعدھا رکعتین وصلی العشاء رکعتین وبعدھا رکعتین۔ یعنے حضرت عبداللہ بن عمر رضے اللہ تعالے عنہما اپنا چشم دید بیان فرماتے ہیں کہ حضرتِ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ظہر کے بعد دو رکعتیں ادا فرمائیں اور ایسے ہی مغرب کے بعد دو رکعتیں ادا فرمائیں اور خود اپنا بھی ادا کرنا بیان فرماتے ہیں۔ اور حضرت ابو عیسے ترمذی اس حدیث کی تحسین فرماتے ہیں اور امام بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ انہیں امام ابن ابی لیلے کی سب حدیثوں سے یہ حدیث زیادہ پسندیدہ ہے اور امام طحاوی نے اسی روایت میں عشاء

ملہ اور سنتِ قبلیہ ظہر عبداللہ بن عمر رضے اللہ تعالے عنہما کے نزدیک دو ہی رکعتیں ہیں کما فی الصحاح ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

کے بعد دو رکعتیں ادا فرمانا بھی زیادہ کیا ہے ۔

اس حدیث سے ظہر اور مغرب اور عشاء کے بعد سنن کا ادا فرمانا صراحۃً ثابت ہوا اور سنتِ فجر کا سفر میں ادا فرمانا تو احادیثِ کثیرہ لیلۃ التعریس سے ثابت ہے ۔ حضرتِ ابو قتادہ سے صحیح مسلم ص۲۳۹ جلد ۱ ، سنن بیہقی ص۲۱۶ جلد ۲ ، طحاوی شریف ص۲۳۳ جلد ۱ میں بالفاظِ متقاربہ ہے فلما ارتفعت الشمس صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتی الفجر ثم صلی الفجر ۔ حضرتِ عمران بن حصین سے سنن ابی داؤد ص۶۴ جلد ۱ ، صحیح مستدرک ص۲۷۴ جلد ۱ میں ہے فصلی رکعتین قبل الفجر ثم اقام ثم صلی الفجر حضرتِ ابی ہریرہ سے صحیح مسلم ص۲۳۸ جلد ۱ ، نسائی ص۱۰۲ جلد ۱ ، بیہقی ص۲۱۸ جلد ۲ ، کنز العمال ص۲۳۸ جلد ۴ میں ہے صلی سجدتین ۔ حضرتِ ذی مخبر سے ابو داؤد ص۶۴ جلد ۱ میں ہے فرکع رکعتین غیر عجل ۔ حضرتِ ابی مریم سے کنز العمال ص۲۳۸ جلد ۴ میں ہے صلی رکعتین ۔

ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں فجر کی سنتیں پڑھی ہیں ، نیز حضرتِ ابو قتادہ سے سنن ابو داؤد ص۶۳ جلد ۱ میں ہے فصلوا رکعتی الفجر ثم صلوا الفجر ۔ طحاوی ص۲۳۴ جلد ۱ میں حضرتِ جبیر سے ہے ثم صلوا رکعتی الفجر ، حضرتِ عمرو بن امیہ سے ابو داؤد ص۶۴ جلد ۱ میں ہے وصلوا رکعتی الفجر ۔ حضرتِ عمران بن حصین سے طحاوی ص۲۳۳ جلد ۱ میں ہے فصلینا رکعتین ۔ ان سب روایتوں کا محصول کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نظرِ انور کے سامنے صحابہ کرام نے سفر میں فجر کی سنتیں پڑھیں ۔ حضرتِ جبیر سے نسائی ص۱۰۲ میں ہے فصلی رکعتین وصلوا رکعتی الفجر یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے فجر کی سنتیں سفر میں ادا فرمائیں ۔

بالجملہ سنن رواتب قبلیہ و بعدیہ کا تخصیص سفر بھی نمایاں طور پر ثبوت موجود ہے نیز سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالے عنہما سے ابن ماجہ ص۷۶ ، صحیح بہاری جلد ثانی قسم اول ص۱۳۷ میں بصیغۂ استمرار ہے فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الحضر

سے صحیح بخاری ص۱۴۹ جلد ۱ میں ہے رکع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی السفر رکعتی الفجر ۱۲ ابو الخیر النعیمی غفرلہ

Marfat.com

وصلوٰۃ السفر فکنا نصلی فی الحضر قبلہا و بعدہا وکنا نصلی فی السفر قبلہا وبعدہا ۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضر کی نماز اور سفر کی نماز کو فرض فرمایا تو ہم حضر میں فرض نماز سے پہلے بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور پیچھے بھی اور سفر میں فرض نماز سے پہلے بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور پیچھے بھی ۔ اور صحابی کا کنا نفعل فرمانا حکم حدیث مرفوع میں ہے کما ثبت فی اصول الحدیث ۔ نیز سیدنا عبداللہ بن عباس رضے اللہ تعالےٰ عنہما کا فتوائے مبارکہ بھی یہی ہے ۔ طحاوی ص۲۴۵ جلد۱ ، بیہقی ص۱۵۸ جلد۳ میں ہے والنظر من البیہقی فکما الصلوٰۃ قبل صلوٰۃ الحضر وبعدہا حسن فکذلک الصلوٰۃ فی السفر قبلہا وبعدہا ۔ یعنی جیسے نماز حضر کے پہلے اور پیچھے نماز بہتر ہے ایسے ہی سفر میں فرض نماز کے پہلے اور پیچھے نماز پڑھنا بہتر ہے سیدنا فاروقِ اعظم حضرتِ عمر اور حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضے اللہ تعالےٰ عنہما سفر میں سننِ قبلیہ و بعدیہ ادا فرمایا کرتے تھے ۔ کنز العمال ص۲۴۳ جلد۴ میں ہے ان عمر و ابن مسعود کانا یصلیان فی السفر قبل المکتوبۃ و بعدہا ۔ حضرتِ انس رضے اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی سفر میں ادا کرنا ثابت ہے ۔ طحاوی ص۲۴۴ جلد۱ فصلی الظہر رکعتین ثم بعدہا رکعتین ۔ اور خود حضرتِ عبداللہ بن عمر رضے اللہ تعالےٰ عنہما اپنے صاحبزادے عبیداللہ کو ادا کرتے دیکھا کرتے تھے اور منع نہ فرمایا کرتے تھے ۔ موطا امام مالک مع الشرح ص۱۴۶ جلد۱ میں بلاغاً ہے ان عبداللہ بن عمر کان یری ابنہ عبید اللہ بن عبداللہ یتنفل فی السفر فلا ینکر ذلک علیہ ۔ اور منع کیسے فرما سکتے تھے ! جب کہ خود بھی ادا کر چکے ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ادا فرماتے دیکھ چکے تھے جیسے سننِ ترمذی و طحاوی سے مذکور ہوا ۔ اور حرمت و کراہت کا تو کوئی بھی قائل نہیں جیسے امام ابو عیسےٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں ۔ سننِ ترمذی ص۸۳ جلد۱ میں ہے و معنی من لم یتطوع فی السفر قبول الرخصۃ و من تطوع فلہ فی ذلک فضل کثیر و ہو قول اکثر اہل العلم یختارون التطوع فی السفر ۔ یعنی جو سنتیں ادا نہیں کرتے ان کا مقصود رخصت قبول کرنا ہے (یعنے عزیمت ادا ہے) اور جو ادا کرے تو اس کے لئے ادا میں بہت فضیلت ہے ۔

Marfat.com

اور یہی قول اکثر اہل علم کا ہے کہ وہ سفر میں سنتیں ادا کرنا اختیار فرماتے ہیں بلکہ جمہور اہل اسلام اور ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا یہی مشرب ہے جیسے شرح صحیح مسلم سے منقول ہوچکا۔ اور کتاب "رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ" صـ۵۷ میں ہے ولا یکرہ لمن یقصر التنفل فی السفر عند ابی حنیفۃ و مالک والشافعی و احمد و جماھیر العلماء سواء الرواتب وغیرھا۔ اور ایسے ہی میزان شعرانی صـ۱۸۲ جلد۱ میں ہے اور یہی ہمارے حضرات احناف کا مختار ہے کہ مسافر سنن مؤکدہ ادا کرے مگر خوف و اضطرار کی حالت میں کہ مجبوراً ترک ہوں گی اور یہی روایت عبداللہ بن عمر کا بہترین محمل ہے و بہ یتسق الدلائل۔

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خان صـ۸۲ جلد۱ میں ہے قال الشیخ الامام ابوبکر لا یرخص لہ فی ترک السنن۔ فتاویٰ سراجیہ صـ۲ میں ہے المسافر یأتی بالسنن ولا یترکھا الا بعذر بہ افتی شمس الائمۃ السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ فتاویٰ ہندیہ صـ۷۱ جلد۱ میں وجیز کردری سے اور بحرالرائق صـ۱۳۰ جلد۲ میں ہے والمختار انہ ان کان حال امن و قرار یأتی بھا فانھا شرعت مکملات والمسافر محتاج الیہ وان کان حال خوف لا یأتی لانہ ترک بعذر۔

ان تمام فرامین کا خلاصہ یہ ہے کہ مسافر کو سنتوں کے ترک کرنے کی رخصت نہیں۔ مسافر سنتوں کو ادا کرے اور بلا عذر ترک نہ کرے اور مختار یہ ہے کہ مسافر اگر امن و قرار کے حال میں ہے تو سنتیں ادا کرے اس لئے کہ فرائض کے لئے تکمیل کرنے والی بنائی گئی ہیں اور مسافر تکمیل کا محتاج ہے۔ اور اگر حالت خوف میں ہو تو ترک کرسکتا ہے۔ یہ ترک عذر سے ہے۔ سبحان اللہ! ہمارے مشائخ کرام کا نظریہ کس قدر بلند ہے۔ نہایت ہی بہترین طریق سے روایات اثبات کے ساتھ روایت ترک کو منطبق بنا دیا اور نہایت ہی لطیف ترین استدلال کیطرف اشارہ فرما دیا۔ یعنے سنن جب مکملات فرائض ہیں اور مسافر کو بھی ضرورت تکمیل مقیم کے برابر ہے تو وہ بھی ادا کرے کہ سخت ترین اوقات یوم القیامہ میں کامیابی حاصل کرے اور یہ استدلال مرفوع حدیث سنن ترمذی صـ۶۵ جلد۱ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

سے ہے سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
یقول ان اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیٰمۃ من
عملہ صلوٰتہ فان صلحت فقد افلح و انجح و
ان فسدت فقد خاب وخسر فان انتقص من فریضتہ
شیئ قال الرب تبارك وتعالیٰ انظروا ھل لعبدی
من تطوع فیکمل بہا ما انتقص من عمل ثم یکون
سائر عملہ علیٰ ذٰلك و فی الباب عن تمیم الداری
قال ابوعیسٰی حدیث ابی ھریرۃ حدیث حسن غریب
من ھذا الوجہ و قد روی ھذا الحدیث من غیر
ھٰذا الوجہ الخ تنقیح الرواۃ ربع اول ص۲۳۸ میں ہے رواہ ایضًا ابن ماجۃ
وحسن الحدیث الترمذی و قال غریب من ھٰذا
الوجہ وسکت علیہ ابوداؤد و المنذری فھو صالح
للاحتجاج بہ عندھما ورواہ ایضًا ابوداؤد من
روایۃ تمیم الداری معناہ باسناد صحیح و فی الباب
عن انس عند الطبرانی فی الاوسط والضیاء فی المختارۃ
فی السراج قال الشیخ حدیث صحیح و عن
عبداللہ بن قرط عند الطبرانی فی الاوسط قال
المنذری لاباس باسنادہ ان شاء اللہ ۔ یعنی حضرتِ ابوہریرۃ وتمیم داری
وحضرتِ انس وحضرت عبداللہ بن قرط رضے اللہ تعالےٰ عنہم سے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم
فرماتے ہیں بے شک قیامت کے دن بندے کے عملوں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اگر صحیح
نکلی تو ضرور کامیاب ہوا اور نجات پائی اور اگر غلط نکلی تو ضرور نا کامیاب ہوگا اور نامراد ہوگا۔ پس اگر فرائض میں
کمی ہوئی تو اللہ تبارک تعالیٰ فرمائے گا کہ نظر کرو کہ کیا میرے بندے کے پاس سنن و نوافل ہیں پس مکمل کیا جائیگا
ان سے کمی والا عمل اس کا پھر باقی عمل بھی اسی اندازے پر ہوں گے ۔"

Marfat.com

جانِ برادر! خدارا ایمان سے کہنا کہ کیا یہ ایک ہی دلیل ایسی نہیں کہ زندہ دل انسان کو سنتوں کا سفر و حضر میں پابند بنائے کہ اس سخت دن میں سخت نامرادی سے نجات پائے اور بارگاہِ الٰہیہ میں عزت و آبرو حاصل کرے، چہ جائیکہ اس دلیل کے علاوہ دلائل کثیرہ موجود و ثبت ہیں اور جانبِ ترک میں دلیلِ حرمت و کراہت نہیں۔ واللہ الہادی الی الحق و الصواب والیہ المرجع والمآب وصلی اللہ تعالٰی علی من وعد علی السنن بالثواب لکل مؤمن اواب وعلی اٰلہ وکل الاصحاب ما حررجواب وفرد کتاب۔ وقد بقی الخبایا فی زوایا الکلام طوینا الکشح عنہا لضیق المقام وانجلاء المرام لاولی النھی من الانام والاشارۃ تکفی ذوی البصائر والعمی لا تغنیہ الدفاتر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی الحنفی القادری بصیر پور شریف

Marfat.com

باب صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین

(رسالہ انوار التفن الدّولہ فی اجوبۃ اسئلۃ فکادولہ)

الاستفتاء

بخدمت جناب مولانا مولوی نوراللہ صاحب علمائے دین

السلام علیکم کے بعد آپ کی خدمت میں چند مسائل کی بابت دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں التماس ہے کہ :۔

نمبر۱ جمعہ شریف چھوٹے گاؤں میں جائز ہے یا نہیں ؟ قرآن مجید کی آیات سے ثابت تحریر کریں۔

نمبر۲ عرس کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۳ فاتحہ کا پڑھنا امام کے مگر جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۴ ختم طعام حاضر رکھ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۵ وفات پر ساتواں یا چہلم کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۶ قبر پختہ کا بنانا ، گنبد بنانا ،

ان مسائل کا آیات قرآن کے ساتھ پوری تصدیق کرکے تحریر کردیں جناب کی مہربانی ہوگی، نیز گیارہویں کرنا، عرس پر مدد مانگنا ، قبروں پر چراغ جلانا جائز ہے یا نہیں ؟ داڑھی مون کی امامت جائز ہے یا نہیں ؟ اگر مقتدی و امام کل داڑھی مون ہوں تو کس کی امامت جائز ہے ؟

آپ کا تابعدار

حافظ عبدالوہاب موضع پختہ ڈولہ تحصیل دیپال پور

ضلع منٹگمری

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور و الصّواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ ذی الامر والنہی والعفو العافی وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی المنور المفسر کلماتہ الکافی وعلیٰ آلہ التقی الوفی الوافی واصحابہ کلھم میسرین غیر معسرین بترک عفو الشرع الصافی وان رغم انف الجاھل الجافی النافی لرخص الشفیع الشافی لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ وسلم تسلیما کثیراً کلما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون، اما بعد:

سب سے پہلے ایک مقدمہ ضروری الصدق والضبط سمجھنا ضروری ہے کہ جمیع اجوبہ میں انشاءاللہ العزیز نافع ومفید ہوگا وھی ھذہ :۔

سرور دوسرا حضرتِ محمد مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ارشادِ قرآن کریم ہے حضور پرنور کے فرمان پر عمل کرنا فرمانِ الٰہی پر عمل کرنا ہے کہ خود خداوند کریم نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا" پ۵ ع۸۔ بلکہ ہمیں قرآنِ پاک کا قرآن ہونا فرمانِ مصطفائی سے ہی معلوم ہوا (صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) وھا انا اشرع فی الاجوبۃ :۔

۱۔ مذہبِ مہذبِ حنفیہ میں نہ چھوٹے گاؤں میں نمازِ جمعہ ہے نہ بڑے میں بلکہ بڑے شہر میں بھی نہیں جب تک جامع نہ ہو۔ اس مدعا پر شہود عدول نصوصِ قرآن وحدیث ہیں فالق السمع بقلب شھید۔ نمازِ ظہر فرضِ قطعی ثابت بہ قرآن وحدیث ہے اور اس کی فرضیت قطعاً فرضیتِ جمعہ سے پہلے کی ہے۔ تو جن جن خصوصیات سے نمازِ جمعہ وارد عن الشارع صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہے ان کا لحاظ از حد ضروری ہے کہ یقیناً جمعہ مسقطِ ظہر ہو۔ اسی واسطے تمام اہلِ اسلام وائمہ کرام کے نزدیک آیتِ جمعہ میں مرجعہ کا

Marfat.com

عموم مخصوص عنہ البعض ہے۔ وقتِ خاص وطن اقامت ایسے مکانات جن میں لوگ بستے ہوں مرد نند رست وغیرھا کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں گو تعدادِ جماعت و تعیینِ وقت وخصوصیتِ مکانات وغیرہا میں اختلاف ہے مگر نفسِ جماعت و وقت و مکانات کے شرط ہونے میں ہرگز اختلاف نہیں اور جو عدمِ مراعاۃِ خصوصیات کا مدعی ہو وہ جھوٹا ہے۔ اولاً تو ہر ایک مذہب والا خصوصیات کے ساتھ ہی ادا کرتا ہے کہ جماعت و وقتِ خاص و توطن تو وہابی بھی مانتے ہیں تو انکار کا ہے کا ہے؟ ثانیاً بفرضِ غلط اگر یوں کہے تو ان پر لازم کہ کسی دلیلِ مستند سے سقوطِ ظہر کا ثبوت دے اور جو احتیاط کی آڑ لیتے ہیں وہ سقوطِ جماعت کا روشن ثبوت دیں۔ قرآنِ کریم تو جہاد جیسی نازک حالت میں بھی تعلیمِ جماعت دیتا ہے اور یہ مسجد میں مجتمع جماعت پر قادر ہوتے ہوئے بلا عذر ترکِ جماعت کرتے ہیں بلکہ جائز و ضروری سمجھتے ہیں قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین۔ آخر یہ آیۂ جمعہ میں تو نہیں آیا کہ نمازِ ظہر معاف ہے یا ترک کی اجازت ہے۔ کسی حدیثِ صریح قابلِ استدلال سے ثبوت دے سکتے ہیں تو دیں۔ بہر حال قطعاً یقیناً آیۂ جمعہ مکان کے حق میں اپنے عموم پر ہرگز ہرگز نہیں۔ امام دار الہجرۃ مالک علیہ الرحمۃ وغیرہ تمام کے نزدیک عوالی میں جمعہ نہیں کما سیأتی من الصحیحین ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام مطلبی شافعی واحمد علیہما الرحمۃ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ ایسی آبادی ہو جس میں چالیس مرد آزاد، عاقل، بالغ، مقیم ہوں جو نہ سردیوں میں کوچ کریں نہ گرمیوں میں۔ یہ تفسیر معالم التنزیل ص۶ جلد ۷ وخازن ص۷ جلد ۷ میں ہے جن کے مؤلف شافعی المذہب ہیں۔ اور امام امام امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مصرِ جامع شرط ہے تو معلوم ہوا کہ چھوٹے گاؤں میں جو عوالی کی مانند ہوں جمعہ تمام ائمہ کے نزدیک نہیں۔ ہاں دورِ حاضر کے نئے مجتہد جائز کرلیں تو کوئی تعجب نہیں وہ تو جنگلوں میں بھی پڑھتے ہیں۔ اور فتح القدیر ص۲۳ جلد ۲ میں ہے لا یجوز اقامتھا فی البراری اجماعا ومثلہ فی الغنیۃ شرح المنیۃ ۔ تو جس جگہ ہمارے ہاں صحیح ہوگا وہاں ہر ایک کے نزدیک صحیح ہوگا، تو ہم فرضِ ظہر قطعی سے یقیناً سبکدوش ہوئے۔ اور جہاں صرف ان کے نزدیک جائز ہے وہاں کلیاً اجماعاً جواز نہیں تو سبکدوشی فرضِ قطعی ظہر سے اجماعاً کیسے ہوئی! اور ہم جمعہ کے فرضِ قطعی ہونے کے ضرور قائل ہیں مگر صرف امصارِ جامعہ میں، نہ ہر جگہ فلا یسع لاحد تعکیس السوال علینا۔

بحمدہٖ تعالیٰ بیان سے یہ کھل گیا کہ احناف اس قدر زبردست احتیاط کرنے والے ہیں اور ان کی شرطِ مکان یقینی ہے کہ سب کے نزدیک عموم مکان مخصوص اور شہروں میں پڑھنا اور امر کرنا یقینی طور پر ثابت ہے اور بعض دیہات مثلاً عوالی میں جمعہ کا نہ ہونا یقینی اور دیگر بعض دیہات میں جواز ان کے ہاں ثابت ہے وہ ظنی ہے اور ظنی سے فرض قطعی کی ترک ان کے ہاں آرہی ہے تو یہ مخالف جو آج تک کہا کرتے تھے کہ آیۂ جمعہ قطعی ہے اور تم شرطِ ظنی سے اس کی تخصیص کرتے ہو، وہ الٹا سوال ان پر پلٹا و الحمد للہ علی التوفیق و الافہام و بنعمتہ تتم الصالحات۔

اور جب تمام اہلِ اسلام کے نزدیک مکانِ خاص اجماعاً شرط ہے تو احناف پر یہ سوال کہ قرآن کریم کے حکمِ عام سے تم تخصیص کیوں کرتے ہو باجماع امت نہ رہا کہ اجماعاً ثابت کہ آیت اپنے عموم پر باقی نہیں۔ دوسروں نے قریہ خاصہ سے تخصیص کی اور ہم نے مصرِ جامع سے اور ہمارا قول الیق بالقبول ہے کہ وہی مذہبِ حضرتِ مولےٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الاسنیٰ ہے جو آپ کی حدیثِ موقوف صحیح سے ثابت ہے اور اس حدیثِ موقوف کو حکم مرفوع کا ہے کہ وہ اپنی طرف سے قرآن کریم کے اس عموم کی تخصیص کس طرح کر سکتے ہیں؟ تفسیر معالم التنزیل ص۷۶ جلد۷ میں ہے وقال علی بن ابی طالب لا جمعۃ الا فی مصر جامع۔ فتح القدیر ص۲۲ جلد۲، غنیۃ المستملی ص۵۱۰، بحر الرائق ص۱۴۰ جلد۲ میں ہے والنظم من الغنیۃ روی ابن ابی شیبۃ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ وصححہ ابن حزم فی المحلی و روی مرفوعا وھو ضعیف ولکن الموقوف فی مثل ھذا کالمرفوع لانہ من شروط العبادۃ وھی من احکام الوضع و لا مدخل للرأی فیھا۔ اور فتح القدیر میں یہ بھی ہے و رواہ عبد الرزاق من حدیث عبد الرزاق السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع۔ اور اس حدیثِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معارض کوئی اور حدیث ہے نہیں۔

مخالفین کی سب سے بڑی دلیل حدیثِ جواثی ہے جو عند التامل اصلاً ان کا مدعیٰ ثابت نہیں کر سکتی

Marfat.com

اس حدیث کا محصل یہ کہ مسجد نبوی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جو جمعہ پڑھا گیا اس کے پیچھے پہلا جمعہ جواثی کی مسجد عبد القیس میں پڑھا گیا۔ اس حدیث کے صحیح بخاری میں یہ لفظ ہیں ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین اور چونکہ بعض روایتوں میں جواثی کو قریہ کہا گیا ہے چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں ہے قریة من قری البحرین لہذا وہ اس سے استناد کرتے ہیں کہ حدیث شریف سے ثابت ہو گیا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔ بلکہ حافظ محمد لکھوی نے تو اس قدر غلو کیا کہ کہہ دیا کہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواثی میں جمعہ پڑھا حالانکہ یہ بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ جمعہ حضور پُر نور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد والا سے شروع ہوا تھا اور نہ ہی یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حضور جواثی تشریف لے گئے۔ بہر حال یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ جواثی شہر تھا کہ اس میں عامل بھی تھا، قلعہ بھی، مکانات بھی تھے، غرض شہر کی تعریف اس پر صادق تھی۔ صراح میں ہے جواثے قلعہ تھا، نووی علیہ الرحمۃ نے شرح صحیح مسلم ص۳۸ جلد ا میں نقل کیا ہے، ع قعود فی جواثی محصرینا، اور قریہ کہنے سے اس کا گاؤں ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس زمانہ میں قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوا کرتا تھا قرآن کریم میں مکہ مکرمہ کو قریہ فرمایا گیا ہے والذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریة الظالم اھلھا الآیة پ۵ ع۷، من قریتك التی اخرجتك پ۲۶ ع۶، دونوں جگہ میں قریہ سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور قرآن کریم میں مکہ مکرمہ کو شہر بھی فرمایا گیا ہے لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد۔ ان دو کلمۂ "بلد" سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اور سورہ یٰسین میں شہر انطاکیہ کو قریہ فرمایا گیا کہ اصحاب القریة آیا ہے۔ اور اسی رکوع میں اس کو مدینہ بھی فرمایا ہے کہ جاء من اقصی المدینة الآیة اور مدینہ وبلد کا معنے شہر ہے تو معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں شہر کو قریہ کہا جاتا تھا تو شہر جواثی کو قریہ کہنا ان کا مدعیٰ ثابت نہیں کر سکتا۔

قطع نظر ازیں اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو ہماری زبردست دلیل بنے گی اور مخالفین کا رد کرے گی کہ مدینہ منورہ اور جواثی کے درمیان مسافت دراز ہے چنانچہ خود وفد عبد القیس نے جب مسلمان ہو کر آیا تھا عرض کی یارسول اللہ! انا نأتیك من شقة بعیدة وان بیننا و

Marfat.com

بینک ھذا الحی من کفار مضر وانا لانستطیع ان ناتیک الا فی شھر الحرام رواہ مسلم فی صحیحہ ص۳۳ جلد۱ پھر جب مدینہ منورہ میں جمعہ شروع ہوا تو بعد میں سب سے پہلے جواثی میں پڑھا گیا اور جو قرب وجوار میں آبادیاں تھیں ان میں نہ پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ اگر جواثی بھی گاؤں ہوتا تو اس کا کیا معنے کہ ایک گاؤں میں پڑھا گیا اور دوسروں میں نہ۔ مگر حاشا وکلا اس حدیث کا یہ معنے ہونا بہت ہی مشکل ہے کہ جواثی والے مسلمان ہو کر سنہ میں حاضر ہوئے تھے۔ نووی علیہ الرحمۃ شرح صحیح مسلم ص۳۳ جلد۱ میں فرماتے ہیں قال القاضی عیاض وکانت وفادۃ عبد القیس عام الفتح قبل خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی مکۃ ونزلت فریضۃ الحج سنۃ تسع بعدھا علی الاشھر۔ اور فتح مکہ سے پہلے خیبر وغیرہ شہر فتح ہو چکے تھے۔ بلکہ مجمع البحار ص۴۴۲ میں ہے کہ سنہ میں آئے تھے تو مکہ مکرمہ بھی فتح ہو چکا تھا تو کیا ان بلادِ مفتوحہ میں جمعہ قائم نہ کیا گیا؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اس حدیث کے چار اسناد میری نظر میں ہیں اور ہر چار میں ابراہیم بن طہمان ہے جس کی نسبت تقریب میں ہے تکلم فی الارجاء۔ بہر نہج یہ ثابت ہوا کہ حدیثِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ معارض سے سالم ہے۔

اب قرآنِ کریم سے دریافت کریں کہ آیا متابعتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جائز ہے؟ تو ارشاد ہوتا ہے یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین ۵ پ۱۱ ع۴ ۔ اور یہ حنفی وغیر حنفی کا جھگڑا ہے اور قرآنِ کریم فیصلہ کرتا ہے فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۵ (ترجمہ) تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے جھگڑوں میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔''

اب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیصلہ سنئے ارشاد فرماتے ہیں وسترون اختلافا شدیدا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ رواہ ابن ماجۃ ص۵

والتى مذى ص۹۲ و نحوہ یعنی قریب ہے کہ تم سخت اختلاف دیکھو گے تو لازم پکڑنا میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو نہایت مضبوط پکڑنا اس کو " اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلفاء راشدین مہدیین سے ہیں۔ نیز اہلِ قبا جمعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے ان اهل قباء كانوا يجمعون مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة ، اور اہلِ عوالی بھی۔ صحیح بخاری ص۱۲۳ جلد۱ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے كان الناس يتنابون الجمعة من منازلهم ومن العوالى۔ اور صحیح مسلم میں یہ کلمات ہیں كان الناس يتنابون الجمعة من منازلهم ومن العوالى نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں قوله يتنابون الجمعة اى يأتونها قوله من العوالى هى القرى التى حول المدينة۔ تو معلوم ہوا کہ دیہات میں جمعہ نہیں ورنہ یہ حضرات دوسری نمازوں کی طرح جمعہ بھی اپنے دیہات میں قائم کرتے۔ خصوصاً ابن ماجہ کا باب ما جاء من اين تؤتى الجمعة ، بخاری علیہ الرحمۃ کا باب ما جاء من اين تؤتى الجمعة وعلى من تجب میں درج کرنا اس پر بداہۃً دال ہے۔ صحیح بخاری شریف ص۸۳۵ جلد۲ میں ہے کہ حضرتِ ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید پڑھائی اور وہ دن جمعہ کا تھا تو آپ نے فرمایا يا ايها الناس ان هذا يوم قد اجتمع لكم فيه عيدان فمن احب ان ينتظر الجمعة من اهل العوالى فلينتظر ومن احب ان يرجع فقد اذنت له۔ یعنی اے لوگو! بے شک یہ ایسا دن ہے کہ اس میں تمہاری دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں تو جو اہلِ عوالی سے انتظارِ جمعہ پسند رکھے وہ انتظار کرے اور جو واپس ہونا پسند کرے تو میں نے اجازت دی اسے "۔

اس حدیث شریف سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ عوالی زمانہ خلفائے راشدین میں بھی جمعہ مدینہ منورہ میں پڑھا کرتے تھے اور عید بھی، تو اگر ان کے عوالی میں جائز ہوتا تو وہاں بھی اس فریضۃ اللہ کو ضرور قائم کرتے اور اتنا تو وَذَرُوا الْبَيْعَ سے بھی سمجھ آتا ہے کہ جمعہ وہاں ہے جہاں عام طور پر بیع ہوتی ہو۔ اور عام طور پر بیع شہروں میں ہوا کرتی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب جو بیان ہوا وہی مذہب حضرتِ حذیفہ صحابی

Marfat.com

وعطاء و حسن ونخعی ومجاہد ، ابن سیرین و سحنون رضے اللہ تعالےٰ عنہم کا ہے کما فی الغنیۃ ۔

م۳ے مقتدی پر مطلقاً قرآنِ پاک کا پڑھنا منع ہے ، نہ فاتحہ پڑھ سکتا ہے نہ دوسری سورت ۔ قرآن کریم میں صاف طور پر اس سے منع کیا گیا ہے ، حکم ہوتا ہے واذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ۰ " اور جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگاؤ اس کی طرف اور چپ رہو تاکہ رحم کیا جائے تم پر " جب جہر کرتا ہے امام تو استماع ہوگا اور جب آہستہ پڑھتا ہے تو انصات سکوت ہوگا ۔ سننِ نسائی کی حدیثِ ابوہریرہ مرفوع میں ہے واذا قرأ فانصتوا " اور جب قرآن پڑھے امام تو چپ رہو " یہ حکم عام ہے اور یہ حدیث مرفوعاً ابن ماجہ میں بھی بروایت ابوہریرہ وابوموسیٰ اشعری رضے اللہ تعالےٰ عنہما ہے ۔ باقی رہی وہ حدیث جس میں آیا ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن اس کا جواب بالکل واضح اور بے غبار ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے ۔ تو جب امام نے الحمد شریف پڑھا تو مقتدی کا پڑھنا شرعاً حکماً ثابت ہو گیا ۔ نسائی شریف میں حدیثِ ابودرداء کے آخر میں ہے ما اری الامام اذا ام القوم الا قد کفاھم اور قولِ صحابی مقبول ہے ۔ مسند امام احمد بن حنبل و ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ وفی ابن ماجۃ لہ قراءۃ بتقدیم لہ " شرح معانی الآثار میں طحاوی علیہ الرحمۃ نے حضرت عبداللہ بن عمر و زید بن ثابت و جابر بن عبداللہ کا فرمان روایت فرمایا ہے لاتقرأ خلف الامام فی شیٔ من الصلوٰۃ ۔

م۴۰۲ے اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جب تک دلیلِ حرمت و کراہت نہ آئے کوئی چیز حرام و مکروہ نہیں ہو سکتی ۔ اس مدعا پر دلائل واضحہ آیات و احادیث سے صرف چند پر اختصاراً اقتصار کیا جاتا ہے ۔ سنئے ۔

مولےٰ تبارک و تعالےٰ فرماتا ہے لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القرآن تبد لکم عفا اللہ عنھا واللہ غفور رحیم ۰ (ترجمہ) اے ایمان والو ! ایسی چیزیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے جب قرآن اتر رہا ہو تو تم پر ظاہر

Marfat.com

کردی جائیں گی، اللہ انہیں معاف کرچکا ہے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔" تو معلوم ہوا کہ ایسی چیزیں جن کی حرمت کسی نص سے ثابت نہیں وہ معاف ہیں یہی ہمارا مدعا ہے۔

تفسیر خازن صلا۲ جلد ۲ میں ہے وعن سلمان سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اشیاء فقال الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما قد عفا عنہ فلا تتکلفوا وعن ابی ثعلبۃ الخشنی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان اللہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحد حدودا فلا تعتدوھا وحرم اشیاء فلا تقربوھا وترک اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا ھذان الحدیثان اخرجھما فی جامع الاصول ولم یعزھما الی الکتب الستۃ۔

سنن ابن ماجہ صلا۲۴۹ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث اول باین نظم ہے الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ وروی نحوہ الترمذی عنہ مرفوعا ایضاً۔ مشکوٰۃ شریف صلا۳۶۲ میں ابوداؤد سے بروایت ابن عباس ہے قال کان اھل الجاھلیۃ یاکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذرا فبعث اللہ نبیہ وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرم حرامہ فما احل فھو حلال وما حرم فھو حرام وما سکت عنہ فھو عفو وتلا قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ الآیۃ۔

تفسیر کبیر صلا۲۵۹ جلد ۳ وکان عبید بن عمیر یقول ان اللہ احل وحرم فما احل فاستحلوہ وما حرم فاجتنبوہ وترک بین ذلک اشیاء لم یحلھا ولم یحرمھا فذلک عفو من

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ثم یتلو ھٰذہ الآیۃ وقال ابوثعلبۃ الخشنی ان اللہ تعالیٰ فرض الحدیث نحو ما مر من المشکوٰۃ والخازن و نحوہ (معالم صہ ۸۳)۔

ان تمام احادیث اور عباراتِ تفسیر کا ماحصل یہ کہ اللہ تعالےٰ نے جس چیز کو قرآن کریم میں حلال فرمایا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام فرمایا ہے وہ حرام ہے اور جن چیزوں کا بیان نہ فرمایا وہ معاف ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرائض مقرر فرمائے تو ان کو ضائع نہ کرو، اور کئی چیزوں کو حرام کیا ہے تو ان کے قریب نہ جاؤ اور حدود مقرر فرمائے ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو اور کئی چیزوں کے بیان کو ترک کیا تو ان سے بحث نہ کرو یعنی اس لئے کہ وہ معاف ہیں، ان کا کرنا نہ کرنا برابر ہے ۔ بدلالۃ ھذہ الاحادیث و ما فی معناھا کثیرا ۔ اور حضرتِ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا بیان بیانِ الٰہی اور تفسیر قرآنِ کریم ہے کما نص علیہ الائمۃ ۔ نیز ارشادِ رؤف ورحیم ہے وما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھدٰھم حتی یبین لھم ما یتقون ان اللہ بکل شیئ علیم ۰ (ترجمہ) اور شانِ الٰہی نہیں کہ کسی قوم کو گمراہ فرمائے اور ان پر گمراہی کا حکم لگائے پیچھے ہدایت فرمانے ان کے یہاں تک کہ بیان فرمائے ان کے لئے ان چیزوں کو جن سے بچنا ضروری ہے ان پر ، بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۔"

تو بیّن طور پر ثابت ہوا کہ جس چیز کا عدمِ جواز شرعِ مطہر سے ثابت نہیں وہ ممنوع نہیں ہے جائز ہے ۔ اور کوئی یہ وہم نہ کرے کہ وہاں فلاں حادثہ فلاں صورت زمانۂ نزولِ قرآن میں نہ تھی لہذا اس کا حکم بیان نہ فرمایا کہ ان اللہ بکل شیئ علیم "بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے" واقعات و حوادث آئندہ تمام کے تمام اسے معلوم ہیں اور سہو وبھول کو اس کی بارگاہِ اقدس تک ہرگز ہرگز رسائی و نسبت نہیں ہوسکتی ، تو جس چیز سے منع نہیں فرمایا اسے جائز ومباح قرار دیا ۔ تفسیر کبیر صہ ۲۱۳ جلد ۴ میں ہے و بین انہ تعالیٰ لا یواخذھم بعمل الا بعد ان یبین لھم انہ یجب علیھم ان یتقوہ و یحترزوا عنہ ونحوہ فی الخازن صہ ۱۲۰ جلد ۳ ۔ نیز خازن صہ ۱۲۸ جلد میں ہے وھو ان یقدم الیھم النھی عن ذلک الفعل فاما قبل النھی فلا حرج علیھم فی فعلہ

ومثلہ فی المعالم ص۱۲۵ جلد ۳ ۔ صاوی علے الجلالین ص۱۴۶ جلد ۲ میں ہے
فبین اللہ تعالیٰ انہ لا یواخذ احدا بذنب الا بعد
ان یبین حکمہ فیہ ۔

خداوندِ قدوس کا فرمان تو سن چکے کہ وہ معاف فرما چکا ہے ، گرفت نہیں فرماتا ، گمراہی کا حکم نہیں لگاتا جب تک نہی نہ آئے مگر عجب کہ وہابیہ اتنے دلیر ہیں کہ بات بات پر مسلمانوں کو گمراہ بلکہ مشرک و کافر کہہ دیتے ہیں اور ہر ہر چیز میں یہی مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا جواز دکھاؤ حالانکہ جس سے منع کرتے ہیں اس چیز کے منع ہونے کا اثبات ان پر لازم کہ جب تک نہی ثابت نہ ہو منع نہیں ہو سکتا کہ شرع میں غیر منہی عنہ جائز ہے ایسے کے حق میں قرآنِ کریم کا یہ فتوےٰ ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلال و ھٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۰ متاع قلیل ولھم عذاب الیم ۰ پ۱۴ ع ۲۱۶ ۔

نیز جس طرح جواز بدون اجازتِ شرع نہیں ، اسی طرح منع بھی بدون منعِ شرع نہیں تو یہ ان کی بے انصافی کہ اپنی دلیل بیان نہیں کرتے ، الٹا مطالبہ ہم سے کرتے ہیں ۔ شرعِ مطہر سے اباحتِ اصلیہ کا ثبوت نہایت خوش اسلوبی سے ہم نے پیش کر دیا ، مانع پر لازم کہ دلیلِ منع بیان کرے ۔ جب یہ قاعدہ ممہد ہو چکا تو اب اشیائے مسئولہ میں سے ہر ایک کا تفصیلی جواب سنیں ۔

ایصالِ عرس اہل اللہ جو منہیاتِ شرعیہ سے مُبرّا ہو اس میں عموماً یہ امور ہوتے ہیں :۔

(۱) زیارتِ قبورِ ولی اللہ و دیگر قبور کہ اس جگہ عموماً ہوتے ہیں ۔

(۲) استفاضہ از صاحبِ عرس ۔

(۳) اجتماعِ عامہ مسلمین و صلحاء و علماء ۔

(۴) ملاقاتِ برادرانِ اسلام و سلام و مصافحہ ۔

(۵) زیارتِ صوفیاء و صلحاء و علماء ۔

(۶) وعظ و ہدایتِ عوام ۔

(۷) اطعامِ طعام اور ان چیزوں سے شریعتِ مطہرہ میں ممانعت نہیں تو جائز ہوئیں بحکمِ قاعدۂ ممہدہ

Marfat.com

ہاں ہاں صرف یہی نہیں کہ شرع نے منع نہیں فرمایا بلکہ جائز فرمایا بعرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب و مندوب و مامور بہا بنایا ہے۔

(۱) امام مسلم اپنی صحیح ص۳۱۴ جلد۱ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا زوروا القبور فانہا تذکرکم الموت و نحوہ ابن ماجۃ عنہ و فی اٰخرہ بدل الموت الاٰخرۃ و نحوہ الترمذی عن سلیمان بن بریدۃ۔ امام مسلم حضرت بریدہ سے راوی کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا و نحوہ النسائی عنہ۔ ص۲۸۵ جلد۱ و ابن ماجۃ ص۱۱۲ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزیادۃ فانہا تزھد فی الدنیا و تذکر الاٰخرۃ۔

(۲) اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے یا ایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ۰ صاوی علی الجلالین ص۲۴۵ جلد۱ میں ہے ومن جملۃ ذٰلک محبۃ انبیاء اللہ و اولیاءہ والصدقات و زیارۃ احباب اللہ وکثرۃ الدعاء وصلۃ الرحم وکثرۃ الذکر۔

شیخ محقق عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات میں حضرت امام غزالی سے ناقل کہ وہ فرماتے ہیں "ہر کہ استمداد کردہ میشود بوے در حیات استمداد کردہ میشود بوے در ممات بعد از حیات" اور ان شاء اللہ استفاضہ و استمداد کا بیان شافی جواب سوال دوم میں آئے گا۔

(۳) مشکوٰۃ شریف ص۴۲۶ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی۔ یعنے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ثابت ہوئی محبت میری ان کے لئے جو ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں میرے لئے اور ان کے لئے جو ایک دوسرے کے لئے خرچ کرتے ہیں میرے لئے

Marfat.com

رواہ مالک۔ نیز اسی میں بروایت ابی موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مثل الجلیس الصالح والسوء کحامل المسک ونافخ الکیر فحامل المسک اما ان یحذیک واما ان تبتاع منہ واما ان تجد منہ ریحا طیبۃ ونافخ الکیر اما ان یحرق ثیابک واما ان تجد منہ ریحا خبیثۃ متفق علیہ۔ مشکوٰۃ شریف صـ۳۴ میں بروایت احمد و ترمذی وابوداؤد وابن ماجہ ودارمی ایک حدیث طویل میں ہے ان العلماء ورثۃ الانبیاء کہ بے شک علماء وارث انبیاء کے ہیں"

(۴) مشکوٰۃ شریف صـ۴۲۶ میں بیہقی سے ہے کہ فرمایا ابوہریرہ نے کہ میں حاضر تھا خدمت اقدس رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں تو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بے شک بہشت میں یاقوت کے ستون ہیں جن پر زبرجد کے بالا خانے ہیں، ان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، چمکتے ہیں جیسے ستارہ روشن چمکتا ہے۔ پس صحابہ نے عرض کی کہ ان میں کون لوگ بسیں گے؟ تو فرمایا آپ نے المتحابون فی اللہ والمتجالسون فی اللہ والمتلاقون فی اللہ یعنی وہ لوگ بسیں گے جو اللہ عزوجل کے واسطے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کی ملاقات کرتے ہیں اللہ عزوجل کے لئے"

مشکوٰۃ شریف صـ۳۹۶ میں بروایت امام مسلم ابوہریرہ سے ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ تم بہشت میں داخل نہ ہوگے اس حد تک کہ ایماندار ہو اور کامل ایماندار نہ بن سکو گے اس حد تک کہ ایک دوسرے کے ساتھ دوستی رکھو۔ اور کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں کہ جب اس کو کرو تو ایک دوسرے کے دوست بن جاؤ، آپس میں عام کرو سلام کو"۔ مشکوٰۃ شریف صـ۴۰۱ میں بروایت احمد و ترمذی وابن ماجہ براء بن عازب سے ہے کہ فرمایا نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا کہ جب دو مسلمان ملاقات کریں اور مصافحہ کریں تو جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہ ضرور معاف ہو جاتے ہیں"

(۵) ثبوت گزر چکا۔

Marfat.com

(۶) قرآن کریم میں ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ پ۴ع۳، مشکوٰۃ شریف ص۳۲ میں صحیح بخاری سے بروایت عبداللہ بن عمر کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلغوا عنی ولو اٰیۃ "میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی"۔

(۷) قرآن کریم میں ہے ومما رزقنھم ینفقون پ۱ع۲ "اور ہمارے دیئے گئے رزق سے خرچ کرتے ہیں" نیز ہے ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا پ۲۹ ع ۱۹ "اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین، یتیم، اسیر کو" مشکوٰۃ شریف ص۲۹۷ میں صحیح مسلم سے بروایت عبداللہ بن عمرو ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا اسلام (اعمال اسلام) بہتر ہے؟ فرمایا کہ کھلائے تو کھانا اور کہے تو سلام جس کو پہچانے اور جس کو نہ پہچانے" تو جب عرس کے اجزاء وافراد کی مشروعیت انفراداً ثابت ہوئی تو اجتماعاً ضرور ثابت ہوگی کہ عبادات ایک دوسرے کے ساتھ مل کر گناہ نہیں بن سکتیں۔ ہاں ایک اور چیز بھی مانعین کو دھوکا دے رہی ہے یعنی عدم جواز تعیین، کہ وہ کہتے ہیں معین کرکے مستحب کام کا ادا کرنا جائز نہیں، ممنوع ہے۔ اور عرس معین کرکے کیا جاتا ہے لہذا منع ہوا۔ مگر ان کا یہ قاعدہ عدم جواز تعیین محض کھوکھلا اور بے بنیاد ہے۔ جن اشیاء کی مشروعیت مطلقاً شرع مطہر سے ثابت ہے وہاں تعیین ضرر رساں نہ ہوگی کہ مطلق معین وغیر معین دونوں کو شامل ہے تو دونوں صورتوں میں مشروعیت ثابت ہوگی ورنہ لازم آئے گا کہ وہ مطلق مطلق نہ رہے بلکہ مقید بعدم التعیین بن جائے۔ اور یہ جائز نہیں کہ مطلق کو اپنی طرف سے مقید کیا جائے۔ اتقان ج۲ ص۳۱ میں ہے یبقی المطلق علی اطلاقہ۔ افسوس کہ معبود حقیقی جو اپنے فضل وکرم سے ثواب دینے والا ہے وہ تو مطلق کام پر وعدۂ ثواب کرے اور یہ لوگ اپنی طرف سے حاشیہ آرائی کریں کہ ثواب تب ہوگا اگر مقرر کرکے نہ کرے۔ اور مقرر کرکے کرنے میں ثواب نہیں بلکہ الٹا گناہ وعذاب ہے ان ھذا الا اختلاق۔

خداوند سبوح وقدوس ارشاد فرماتا ہے وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ان اللہ بما تعملون بصیرۃ یعنی جو بھلا کام اپنی جانوں کے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے نزدیک پاؤ گے، اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے" نیز فرماتا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ یعنی جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا"

Marfat.com

تو عدمِ تعیین کی قید کہاں سے لاتے ہیں؟

یہاں تک مدعیٰ تو ثابت ہو چکا مگر ہم قرآن و حدیث سے بالخصوص جوازِ تعیین کا ثبوت بھی دکھاتے ہیں کہ مخالفین کی تسکی بھی بند ہو جائے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ اپنے خاص بندوں کی تعریف میں ارشاد فرماتا ہے والذین فی اموالھم حق معلوم پ ۲۹ ع ۶، یعنی وہ لوگ جن کے مالوں میں حق معلوم ہے" تفسیر کبیر صہ ۲۱۲ جلد ۸، تفسیر خازن صہ ۱۲۶ جلد ۷ میں ہے و النظم من الخازن وقیل ھی صدقۃ التطوع و ذٰلک بان یوظف الرجل علی نفسہ شیئا من الصدقۃ یخرجہ علی سبیل الندب فی اوقات معلومۃ یعنی ایک قول یہ ہے کہ "حق معلوم" سے مراد صدقہ نفلی ہے اور بایں طور کہ مقرر کرے بندہ اپنے اوپر صدقہ جو استحبابی طور پر کرے مقرر وقتوں میں " صحیح بخاری صہ ۳۰۷ جلد ۱ میں حضرت صدیقہ رضے اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہر روز صبح و شام صدیقِ اکبر رضے اللہ تعالےٰ عنہ کے دولت سرا میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے ان عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت لم اعقل ابوی الا وھما یدینان الدین و لم یمر علینا یوم الا یأتینا فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طرفی النھار بکرۃ و عشیا۔ نیز صحیح بخاری شریف صہ ۴۱۴ جلد ۱ میں حضرتِ کعب بن مالک سے مروی کہ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جب کسی سفر میں تشریف لے جاتے تو عموماً خمیس کے دن تشریف لے جاتے ان کعب بن مالک یقول لقلما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج فی سفر الا یوم الخمیس۔ نیز اسی میں انہی سے مروی کہ آپ خمیس کے دن تشریف لے جانا پسند فرمایا کرتے تھے و کان یحب ان یخرج یوم الخمیس۔ ترمذی شریف صہ ۲۲۳/۲ میں حضرتِ عائشہ صدیقہ رضے اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی کہ جب حضرتِ فاطمۃ الزہرا رضے اللہ تعالےٰ عنہا کبھی خدمتِ اقدس نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوتیں تو آپ ان کے لئے قیام فرماتے اور بوسۂ محبت دیتے اور بٹھاتے ان کو اپنی مجلسِ پاک میں اور جب کبھی نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لیجاتے تو کھڑی ہو جاتیں اپنی مجلس سے اور ادب سے چوم کر اپنی مجلس میں بٹھاتیں حضور پُر نور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو" قالت

Marfat.com

وکانت اذا دخلت علی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قام الیہا فقبلہا و اجلسہا فی مجلسہ وکان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذا دخل علیہا قامت من مجلسہا فقبلتہ واجلستہ فی مجلسہا۔ صحیح بخاری شریف ص۱۵۹ جلد ا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مسجد قبا میں ہر سنیچر تشریف فرما ہوا کرتے تھے اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما بھی، کان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یأتی مسجد قباء کل سبت ماشیا او راکبا وکان عبد اللہ بن عمر یفعلہ۔ صحیح بخاری شریف ص۱۶ جلد ا میں ابی وائل سے مروی کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ ہر خمیس کو وعظ فرمایا کرتے تھے کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس۔ صحیح بخاری شریف ص۱۲۸ جلد ا میں حضرت سہل رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی کہ ایک صحابیہ ہر جمعہ کے روز صحابہ کرام کو بعد از نماز جمعہ مختصر سی دعوت کھلاتی تھی کہ چقندر کو ہانڈی میں ڈالتی اور مٹھی بھر جو کا آٹا اوپر سے ڈالتی تو یہ ہمیں کھلایا کرتی تھی اور ہم اس طعام کے لئے روز جمعہ کی آرزو کیا کرتے تھے فکانت اذا کان یوم الجمعۃ تنزع اصول السلق فتجعلہ فی قدر ثم تجعل علیہ قبضۃ من شعیر تطحنہا فتکون اصول السلق عرقہ وکنا ننصرف من صلوۃ الجمعۃ فنسلم علیہا فتقرب ذلک الطعام الینا فنلعقہ وکنا نتمنی یوم الجمعۃ لطعامہا ذلک۔

یہ حدیث صحیح بخاری کے ص۳۱۶ جلد ا اور ص۹۳۸ جلد ۲ میں بھی ہے اور ان دونوں جگہوں میں "نزورہا" زیادہ ہے تو اس حدیث نفیس سے دعوت بتعیین الیوم اور تعیین قسم طعام اور تعیین زیارت و

Marfat.com

سلام بھی ثابت ہے رصحابیہ دعوت کرنے والی تھی اور صحابہ کرام کھانے والے تھے اور ان کو شبہ عدم جواز کا وہم بھی نہ ہوا۔ تفسیر کبیر صـ۲۰۰ جلد ۵، تفسیر ارشاد العقل صـ۱۵۰ جلد ۱ میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم ہر سال بہ نفس نفیس قبور شہدار کی طرف تشریف لے جاتے اور خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالے عنہم بھی ہر سال تشریف لے جایا کرتے تھے والنظم للامام فخر الدین الرازی وعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ یأتی قبور الشہداء رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ ھٰکذا کانوا یفعلون جذب القلوب شریف صـ۱۹۴ میں ہے " درخبر است کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بر سر ہر سال بر قبور شہدائے احد می آمد و می فرمود السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار"

غور سے دیکھا جائے تو یہ عرس کا خاص جزئیہ ہے۔ یہاں تک جواز تعیین اجزائے عرس کا بیان تھا ہے مگر دلیل عام اول کی طرح ایک اور دلیل بھی سنئے کہ صدہا مسائل کا فیصلہ بوجہ واضح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ عبادات مستحبہ کو اوقات معینہ میں بالتعیین کرنا مطلقاً جائز و مستحب مستقل ہے جسے اللہ جل جلالہ خود اور اللہ کے رسول صلے اللہ تعالے علیہ وسلم بہت پسند فرماتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف صـ۱۱ جلد ۱، ابن ماجہ صـ۳۲۲، نسائی شریف میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے پاس ایک بی بی تھی تو آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ عرض کیا فلاں، جو سوتی نہیں اپنی نماز کا ذکر کرتی ہے پس فرمایا آپ نے چپ رہو، عمل میں سے اپنے مقدور کو لازم پکڑو کہ اللہ کی قسم کہ اللہ عزوجل ثواب دینا بند نہیں کرتا جب تک تم اکتا نہ جاؤ۔ اور بہت پیارا اعمال دین سے حضور کو وہ عمل تھا جس پر دوام ہو۔ نسائی شریف میں یہ کلمات ہیں ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دخل علیہا وعندھا امرأۃ فقال من ھٰذہ قالت فلانۃ لاتنام تذکر من صلوتہا فقال مہ علیکم من العمل ما تطیعون فواللہ لا یمل اللہ عزوجل حتی تملوا وکان احب الدین الیہ ما دام علیہ صاحبہ۔

صحیح بخاری شریف صـ۵۲ جلد ۱ میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضے اللہ تعالے عنہا سے مسروق علیہ الرحمۃ نے سوال کیا

Marfat.com

کہ کونسا عمل نبی کریم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کو بہت پیارا تھا، فرمایا ہمیشگی والا ۔" قال سألت عائشۃ ای العمل کان احب الی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قالت الدائم ۔ اور یونہی بخاری کے صفحہ ۹۵۵ جلد ۲ میں بھی ہے ۔ صحیح مسلم شریف صفحہ ۲۶۶ جلد ۱ میں ہے کہ ام المؤمنین صدیقہ رضے اللہ تعالے عنہا نے فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ کونسا عمل اللہ تعالے کو بہت پیارا ہے ؟ فرمایا ہمیشگی والا اگرچہ تھوڑا ہو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سئل ای العمل احب الی اللہ قال ادومہ وان قل و مثلہ فی صحیح البخاری صفحہ ۹۵۵ جلد ۲ ۔ نیز صحیح مسلم شریف صفحہ ۳۶۵ جلد ۱ میں حضرت صدیقہ رضے اللہ تعالے عنہا سے مروی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ اعمال میں سے مقدور بھر اختیار کرو کہ بے شک اللہ تعالے ثواب دینا ہرگز بند نہیں کرتا یہاں تک کہ تم خود اکتا جاؤ " اور فرمایا کرتے تھے کہ بہت پیارا عملوں کا اللہ تعالے کے نزدیک وہ عمل ہے جس پر عمل کرنے والا ہمیشگی کرے احب العمل الی اللہ تعالی ما دام علیہ صاحبہ وان قل و نحوہ فی صفحہ ۲۶۶ وفیہ زیادۃ وکان ال محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذا عملوا عملا اثبتوہ ۔ ابن ماجہ صفحہ ۳۲۲ میں حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضے اللہ تعالے عنہا سے مروی ہے کہ سب عملوں سے پیارا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ نیک عمل تھا جس پر ہمیشگی کرے بندہ اگرچہ تھوڑا ہو وکان احب الاعمال الیہ العمل الصالح الذی یدوم علیہ العبد وان کان یسیرا ۔ نیز ابن ماجہ صفحہ ۳۲۳ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے ایسے عمل کی خواہش کرو جس پر دوام کی طاقت ہو تمہیں اس لئے کہ بہتر عملوں کا ہمیشگی والا ہے اگرچہ تھوڑا ہو اکلفوا من العمل ما تطیقون فان خیر العمل ادومہ وان قل ۔ اور یہ ارشادات اعمال مندوبہ یا واجبہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مطلق ہیں اور مطلق اپنے اطلاق پر رہا کرتا ہے ۔ نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضے اللہ تعالے عنہا نماز نافلہ کے متعلق یہی فرما رہی ہیں کہ صحیح مسلم صفحہ ۲۷۰ جلد ۱ میں ہے کہ حضرت صدیقہ

سہ اور آل رسول صلے اللہ علیہ وسلم جب عمل کرتے تھے ثابت کر لیتے تھے ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

رضی اللہ تعالے عنہا سے سوال کیا گیا ان دو رکعتوں سے جو رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم عصر سے پہلے پڑھا کرتے۔ پھر کسی عارضے سے رہ گئیں تو آپ نے ان کو عصر سے پیچھے پڑھا، پھر ہمیشگی فرمائی ان پر اور جب آپ کسی نماز کو پڑھتے تو ہمیشگی فرماتے تھے فقالت کان یصلیھما قبل العصر ثم انہ شغل عنھما و نسیھما فصلاھما بعد العصر ثم اثبتھما وکان اذا صلی صلوٰۃ اثبتھا قال یحیی بن ایوب قال اسماعیل یعنی الدوام علیھا و نحوہ فی النسائی ص۶۹ جلد ۱۔

دیکھو صراحۃً ثابت ہوگیا کہ نماز نافلہ پر دوام فرمایا کہ وہ رکعتیں پہلی دفعہ گو قضائے سنت تھیں مگر صرف ایک دن اور آیندہ نفلی تھیں۔ بلکہ حضور پُر نور صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے نفل کا نام ہی سنت ہے تو یہ نفلی عبادت پر دوام تھا۔ اور سنیئے صحیح بخاری شریف ص۱۵۲ جلد ۱ میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضے اللہ تعالے عنہا نے فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم ضرور چھوڑا کرتے تھے کسی عمل کو حالانکہ آپ دوست رکھتے تھے اس کے کرنے کو بسبب خوف اس بات کے کہ عمل کریں ساتھ اس کے لوگ پس فرض کیا جائے ان پر قالت ان کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لیدع العمل وھو یحب ان یعمل بہ خشیۃ ان یعمل بہ الناس فیفرض علیھم۔ اور یہ بھی یقیناً نوافل ہی میں تھا کہ ترک واجب غیر متصور بلکہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام کی طرف قیام رمضان کے لئے تشریف آوری ترک فرمائی تو یہ عذر فرمایا کہ میں نے تشریف لانا اس لئے ترک کیا کہ تم پر فرض کا خطرہ تھا۔

صحیح بخاری شریف ص۱۵۲ جلد ۱، اور صحیح مسلم شریف ص۲۵۹ جلد ۱ میں ہے ثم اجتمعوا من اللیلۃ الثالثۃ او الرابعۃ فلم یخرج الیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما اصبح قال قد رأیت الذی صنعتم فلم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان یفرض علیکم قال و ذلک فی رمضان۔ پس امس و شمس کی طرح واضح و لائح ہوا کہ عبادات مستحبہ

Marfat.com

بالتعیین بہت محبوب ہیں اللہ تعالٰی اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تو مانعین پر لازم کہ محبوب ترین خدا اور رسول خدا کو ممنوع وحرام نہ کہیں واللہ الھادی۔ ہاں اگر کسی ایک عبادت کے کسی خاص وقت میں کرنے سے شرع منع کرے تو اس عبادت کو اس وقت میں کرنا جائز نہیں نہ مطلقاً نہ معین، جیسے نماز طلوع واستوا، وغروب کے وقت اور اگر کسی عرس کے موقع پر کوئی کام غیر مشروع کوئی شخص کرے جیسے ناجائز کشتیاں کھیلے بندروں قوالی وغیرہ تو اس کام کا ازالہ از حد ضروری ہے مگر اس کی وجہ سے عرس حرام و ممنوع نہیں ہو سکتا چنانچہ بیاہ شادی جسے عربی میں عرس کہا جاتا ہے اس میں بھی لوگوں نے کئی ناجائز کام گھڑولی وغیرہ داخل کر لئے ہیں تو ان کی وجہ سے نفس شادی حرام نہیں ہو سکتی بلکہ ان کا ازالہ از حد ضروری ہے اور اس کی نظائر بہت ہیں۔

ہاں اگر کوئی عرس محض اس غرض سے شروع کیا جائے کہ افعال محرمہ کا وسیلہ بنایا جائے چنانچہ آجکل کئی بھنگڑ چرس نوش زندیق ملنگوں نے محض پیٹ پروری کی غرض سے کئی مصنوعی عرس بنائے ہوئے ہیں جن میں اعمال صالحہ مذکورہ سے کوئی ایک برائے نام ہی ہوتا ہے اور وہ بھی ناجائز طریق پہ، اور علمائے کرام کے پکے دشمن ہوتے ہیں، تو ایسا مصنوعی عرس یقیناً ممنوع اور واجب الازالہ ہے کہ یہ عرس ہے ہی نہیں، محض فریب ومکر او بہانہ چرس نوشی وحرام کوشی ہے مگر حاشا وکلا ایسے مصنوعی عرسوں کی وجہ سے اعراس مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہرگز ناجائز وممنوع نہیں ہو سکتے۔ مولٰی عزوجل ارشاد فرماتا ہے لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی۔ لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت۔

مسئلہ طعام حاضر رکھ کر پڑھنا شرعاً جائز ہے جس کے جواز میں اصلاً شک وشبہ وریب کو راہ نہیں کہ جب شرع مطہر نے منع نہیں فرمایا تو بحکم اباحت اصلیہ کم از کم مباح ضرور ہوگا اور مباح نیت صالحہ سے مستحب وعبادت بن جایا کرتا ہے کہ انما الاعمال بالنیات وصرح بہ محی الدین النووی فی شرح صحیح مسلم والقاضی عیاض فی کتاب الشفاء وغیرھما فی غیرھما۔ سوال میں تخصیص حضور طعام سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر طعام حاضر نہ ہو تو سائل کو اس کے جواز میں شک وشبہ نہیں لہذا ہم اطمینان سائل کے لئے طعام کو حاضر رکھ کر پڑھنا ثابت کرتے ہیں۔

Marfat.com

صحیح بخاری شریف ص۳۰۴ جلد ۱ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی کہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے شہادت پائی حالانکہ ان پر قرض تھا پس پیش کیا میں نے ان کے تمام قرض خواہوں پر کہ تمام تازہ کھجوریں تمام قرضوں کے بدلے لیں تو انہوں نے انکار کیا کہ ان کو کھجور کم معلوم ہوئی تو میں نے نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب کھجوروں کو کاٹ کر کھلیان میں رکھو تو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو اطلاع کرنا تو آپ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر بھی تھے تو حضور کھجوروں پر بیٹھے اور دعائے برکت فرمائی۔ پھر فرمایا قرضداروں کو بلا کر پورا پورا ادا کر دو تو میں نے ہر ایک کا قرض ادا کر دیا جو میرے باپ پر تھا اور تیرہ وسق بچے (الحدیث) کلمات استدلالیہ یہ ہیں فجلس علیہ فدعا بالبرکۃ۔

صحیح بخاری شریف ص۳۳۸ جلد ۱ میں ہے کہ ایک غزوہ میں صحابہ کرام کے خرچ کم ہو گئے اور محتاج ہو گئے پس نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اونٹوں کے نحر کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے دی، پس ملے ان کو حضرت عمر پس خبر دی انہوں نے ان کو تو فرمایا کہ کیا باقی رہنا تمہارا ہے تمہارے اونٹوں کے بعد، پس خدمت اقدس نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ کیا باقی رہنا ان کا ہے ان کے اونٹوں کے بعد تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے کہ لوگوں میں منادی کرو کہ بچے ہوئے خرچ لائیں پس بچھایا گیا اس کے لئے چام اور وہ بچی ہوئی چیزیں اس پر رکھی گئیں پھر کھڑے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم، پس دعا فرمائی اور برکت ڈالدی اس پر، پھر منگوائے ان کے توشہ دان تو لوگوں نے پُر کئے حتے کہ فارغ ہوئے پھر فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے کہ گواہی دیتا ہوں میں اس کی کہ لا الٰہ الا اللہ و انی رسول اللہ۔ کلمات استدلالیہ ہیں فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعا وبرک علیہ۔ اور اسی طرح ہے ص۴۱۹ جلد ۱ پر بھی۔

اور صحیح مسلم شریف ص۱۷۹ جلد ۲ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰے عنہ سے ہے کہ ابوطلحہ نے ام سلیم کو فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو طعام کی ضرورت ہے تو کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے تو عرض کی ہاں، پس نکالا جو کی روٹیوں کو اور اپنے کپڑے کے ایک حصے میں لپیٹ کر میرے کپڑے کے نیچے دبا دیا اور باقی کپڑا مجھے اوڑھا دیا۔ پھر بھیجا مجھے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی طرف۔

Marfat.com

کہا پس میں لے گیا اس طعام کو تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقدس میں تشریف فرما پایا اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی تھے تو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے۔ تو میں نے عرض کی جی ہاں تو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو جو آپ کے ساتھ تھے اٹھو کہا پس چلے حضور اور چلا میں ان کے آگے آگے حتے کہ ابوطلحہ کو آکر خبر دی تو ابوطلحہ نے کہا اے ام سلیم! ضرور تشریف لائے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں کہ تمام کو کھلائیں تو ام سلیم نے عرض کیا اللہ اور اللہ کا رسول بہتر جانتا ہے، کہا پس استقبال ابوطلحہ آگے سے جا کر ملے پس تشریف لائے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ساتھ اس کے حتی کہ داخل ہوئے آپ اور ابوطلحہ تو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لاؤ جو کچھ تمہارے پاس ہے اے ام سلیم! تو وہ لائیں انہی روٹیوں کو تو حکم فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے ریزہ ریزہ کرنے کا تو ریزہ ریزہ کی گئیں اور نچوڑا ام سلیم نے اپنے کپے کو تو سالن ڈالا اس نے پھر پڑھا اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جو چاہا اللہ تعالےٰ نے کہ پڑھیں پھر فرمایا دس کو اجازت دے تو اجازت دی اور پیٹ بھر کر کھا کر نکلے پھر فرمایا اجازت دو دس کو تو اجازت دی پس سیر ہو کر نکلے پھر فرمایا اجازت دو دس کو حتے کہ تمام قوم نے پیٹ بھر کر کھایا اور وہ قوم ستر یا اسی مرد تھے۔ اس میں یہ کلمات مبارکہ ہیں ثم قال فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما شاء اللہ ان یقول۔

اور اسی طرح اور پانچ سندوں سے بھی اسی صفحہ میں ہے اور سنن ترمذی صنہ ۲۱ جلد ۲ میں بھی ہے تو رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا کھجور طعام حاضر پر دعا و برکت فرمانا اس کی بین دلیل ہے کہ طعام حاضر رکھ کر دعا مانگ سکتا ہے اور ہر فاتحہ کے بعد ضرور دعا ہوا کرتی ہے لہذا کھانا بھی رکھا جاتا ہے۔ تو یہ سنتِ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ثابت ہوا بلکہ حدیثِ انس مذکورہ سے طعام پر پڑھنا صراحۃً ثابت ہے ومن ادعی الفرق فی ھذا بین کلام و کلام فعلیہ البیان ببرھان تام۔

نیز طعام پاک کے پاس قرآن کریم پڑھنا کیونکر منع ہو سکتا ہے حالانکہ قرآن کریم شفاء و رحمت ہے سورۂ بنی اسرائیل میں ہے وننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمؤمنین تو اگر اس شفاء و رحمت کا اثر اس طعام پر ہوا اور ہوگا ضرور تو فبہا ورنہ یہ تو متیقن کہ باعث مضرت نہیں۔ بلکہ احادیث سے ثابت کہ قرآنِ پاک پانی پر استشفاء کے لئے پڑھا جائے۔ اتقان جلد ثانی صفحہ ۱۶۴

میں ہے و اخرج ابن حاتم عن لیث قال بلغنی ان هٰؤلاء الاٰیات شفاء من السحر تقرأ علی اناء فیہ ماء تو جب پانی پر پڑھنا ثابت ہوا تو کونسا فارق طعام پر پڑھنے سے منع کرتا ہے؟ بلکہ لکھ کر پینا بھی احادیث سے ثابت ہے۔ اسی میں صفحہ ۱۶۵ میں ہے و فی المستدرک عن ابی جعفر محمد بن علی من وجد فی قلبہ قسوة فلیکتب یٰسٓ فی جام بماء ورد و زعفران ثم یشرب۔ نیز اسی میں ہے و اخرج البیہقی فی الدعوات عن ابن عباس موقوفا فی المرأة تعسر علیہا ولادتہا قال یکتب فی قرطاس ثم تسقی۔ نیز اسی کے ص۱۶۶ میں ہے مسئلة قال النووی فی شرح المہذب لو کتب القراٰن فی اناء ثم غسلہ وسقاہ المریض فقال الحسن ومجاہد و ابو قلابة والاوزاعی لا باس بہ، تو طعام پر پڑھنا بطریقِ اولےٰ ثابت ہوا بلکہ اسی میں ہے فقد قال القاضی حسین و البغوی وغیرہما لو کتب القراٰن علی حلوی او طعام فلا باس باکلہ۔

سب سے بڑی دلیل جو معاندین پر جبالِ قاہرہ سے بھی صعب تر ہے وہ یہ ہے کہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی جو وہابیوں کے چوٹی کے امام ہیں، اپنی کتاب " الدار والدوار" کے ص۸۹ پر تحریر کر گئے ہیں کہ کسی شیرینی پر فاتحہ حضراتِ مشائخ کرام پڑھ کر تقسیم کر دے"۔ نیز اسی میں ہے کہ "پھر شیرینی پر فاتحہ پڑھ کر اور ثواب اس کا روحِ پر فتوح آنحضرت و مشائخِ طریقت کو دے کر تقسیم کر دے"۔ یہ بھی اسی میں ہے "پھر شیرینی پر فاتحہ شیخ جیلی رضی اللہ تعالےٰ عنہ پڑھ کر تقسیم کر دے"۔ تو پھر یہ لوگ انکار کا ہے کا کر رہے ہیں خصوصًا جبکہ وہ اپنی اسی کتاب میں اپنے اذناب و اتباع کو یہ تنبیہ بھی کر گئے ہیں کہ میں نے اس رسالے میں انہی اعمال کو ضبط کیا ہے جو نہایت صحت و قبول و شہرت کے ساتھ ماثور ہیں اور اکثر اعمال کی بنیاد آیاتِ کتاب اللہ و احادیثِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اور وہ اعمال جو مشائخِ طریقت سے منقول و معمول بہا ہیں ان میں سے چند اعمال صحیح و مجرب کو اخذ کر کے لکھا ہے ص۱۰۱، بلکہ ان ختموں کے متعلق یہ

Marfat.com

افادہ ۶۵۵ پر کیا ہے کہ یہ اعمال بھی مجرب ہیں اور لائق اعتماد ہیں۔

ص۶/۵ ساتواں، چہلم اگر وِرثا بطیبِ خاطر اپنی رضا و رغبت سے کریں اور ان میں سے کوئی یتیم یا غیر حاضر نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ وہ مندوب و مستحب ہے کہ وہ کھانا ایصالِ ثواب کے لئے پکایا جاتا ہے اور اس پر ختم پڑھ کر فقراء و مساکین کو دیا جاتا ہے اور یہ ایصال بدنی و مالی دونوں عبادتوں کا جمع کرنا ہے اور یہ دونوں ایصال اہلِ سنت کے نزدیک جائز و ثابت ہیں اور اطعامِ طعام و ختم پڑھنے کا ثبوت ماسبق سے معلوم ہو چکا اور جوازِ تعیین بھی بخوبی روشن ہو چکا۔ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ تفسیر فتح العزیز پارہ عم تیسا ر لون ص۹۰ میں ارشاد فرماتے ہیں" وارد ہے کہ مردہ اس حالت میں غریق کی مانند ہے کہ انتظار فریاد پہنچنے کا رکھتا ہے اور صدقے اور فاتحہ اس وقت اس کے بہت کام آتے ہیں۔ اسی واسطے اکثر لوگ ایک سال تک علی الخصوص ایک چلے تک موت کے بعد اس قسم کے کاموں میں کوشش اور سعی کرتے ہیں۔

ص۷ قبر کا اوپر سے پختہ بنانا اگر نیتِ صالحہ سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور ایسے ہی روضہ بنانا نیتِ صالحہ سے۔ اور مشکوٰۃ شریف میں جو حدیث ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ۔ یعنے منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے گچ کرنے سے اور ان پر بنا کرنے سے اور بیٹھنے سے" یہ حدیث اور اس کے ہم معنے جو اور ہو ان سے قبر کو نیت صالحہ سے اوپر سے مطلقاً پکا کرنا اور روضہ بنانا ممنوع نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ معنے مراد ہوتا تو روضۂ انور محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم تعمیر نہ کیا جاتا اور ایسے ہی صحابہ کرام اور سلف صالحین ہرگز ہرگز صلحاء کے روضے بنا نہ کرتے اور قبورِ مطہر کو کنکریوں اور پانی سے پختہ نہ کیا جاتا جن کا ثبوت آگے آتا ہے ان شاء اللہ تعالے، تو معلوم ہوا کہ یہ معنے مراد نہیں۔ اور دوسری احادیث سے پتہ ملتا ہے کہ یہود و نصارٰے قبر کے عین اوپر بنا بنایا کرتے تھے اور پرستش کیا کرتے تھے مشکوٰۃ میں بخاری سے ہے الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاءھم و صالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انھٰکم عن ذلک یعنے آگاہ ہو کہ بے شک وہ جو تم سے پہلے تھے قبورِ انبیاء و صالحین کو مسجدیں بنایا کرتے تھے۔ آگاہ ہو پس

Marfat.com

نہ بنانا تم قبروں کو مسجدیں، بے شک میں روکتا ہوں تمہیں اس سے "۔ تو نہی تجصیص و بناء مذکور کا محمل اس معنے پر کہ قبور پر مساجد بنانا ممنوع ہے بقرینہ حدیث مذکور وہم معنی اس کے اولیٰ ہے کہ احادیث ایک دوسری کی تفسیر کیا کرتی ہیں۔ یا یہ مراد ہو کہ جب تجصیص و بناء میں فائدہ نہ ہو تو نہ کرو کہ عبث ممنوع ہے، یا اس بناء پر نہی ہو کہ قصد تکبر و مفاخرت وغیرہا اغراض فاسدہ سے ہو تو ممنوع ہے۔ یا قبرستان موقوف ہو کہ اس میں تجصیص و بناء سے زمین موقوف رکتی ہے۔ مشکوٰۃ شریف ص۱۴۸ میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی قبر پہ پانی چھڑکا اور کنکریوں کو رکھا وان رش علی قبر ابنہ ابراھیم و وضع علیہ حصباء رواہ فی شرح السنۃ وروی الشافعی من قولہ رش۔

اس سے آگے صاحب مشکوٰۃ نے حدیث نہی تجصیص جابر رضے اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرکے آگے یہ حدیث لکھی ہے کہ حضرت جابر سے مروی کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی قبر مطہر پر پانی چھڑکا گیا اور چھڑکنے والے بلال بن رباح تھے کہ مشک کے ساتھ چھڑکا تھا وعنہ قال رش قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و کان الذی رش الماء علی قبرہ بلال بن رباح بقربۃ الحدیث و رواہ البیھقی۔ نیز اسی میں ہے کہ قبر انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی قبروں پر کنکریاں چنی ہوئی تھیں، سرخ عرصہ کی کنکریوں سے مطبوحۃ ببطحاء العرصۃ الحمراء۔ تو خود نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ایک قسم کا پختہ بنانا ثابت ہوا اور صحابہ کرام سے بھی گویا کہ صاحب مشکوٰۃ بھی اسی طرف اشارہ فرما رہے ہیں بتقدیم حدیث وضع الحصباء و رش الماء و تاخیرہ۔

جذب القلوب شریف ص۱۲۱ میں شیخ الہند شاہ عبد الحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضے اللہ تعالےٰ عنہ نے حجرہ شریف نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو کچی اینٹوں سے بناء کیا۔ بعد ازاں عمر بن عبد العزیز نے ولید بن عبد الملک کے حکم سے اس کو منہدم کرکے منقوش پتھروں سے بناء کیا" و بعد ازاں کہ امیر المؤمنین عمر در مسجد زیارت کرد حجرہ را از خشت خام بناء کرد و تا زمان حدوث عمارت ولید ایں حجرہ ظاہر بود عمر بن عبد العزیز بحکم ولید بن عبد الملک آں را ہدم کرد و بحجارہ منقوشہ برآورد و برظاہر آں

Marfat.com

حظیرہ دیگر بنا کرد۔

مشکوٰۃ شریف ص۱۵۲ میں بخاری شریف سے ہے۔ جب حضرت حسن بن امام حسن بن حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وصال شریف ہوا تو آپ کی زوجہ شریفہ نے آپ کی قبر پر قبہ بنایا اور سال تک رکھا اور بعدازاں اٹھایا و عن البخاری تعلیقا قال لما مات الحسن بن الحسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ ضربت امرأتہ القبۃ علی قبرہ سنۃ ثم رفعت۔ تو وہ بی بی صاحبہ تابعیہ تھیں، اہلِ بیتِ کرام سے تھیں، زمانۂ تابعین میں یہ کام کیا اور کسی نے منع نہ کیا، صرف ایک دو دن نہیں ایک سال تک غرضِ صحیح سے رکھا۔ اتنی مدتِ مدید میں کسی کی نظر سے اوجھل رہ سکتا ہے؟ اور بعد کو اٹھانا ہمیں مضر نہیں کہ جب وہ غرض منتفی ہوئی تو اٹھالیا۔ اور مدار نیت و غرض پر ہے کما سمعت۔

جذب القلوب شریف ص۱۷۱ میں ہے کہ حضرتِ عقیل بن ابی طالب برادرِ حضرتِ امیرالمؤمنین علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے ام المؤمنین امِ حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا روضہ بنایا" قبورِ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالےٰ عنہن نیز قریبِ دارِ عقیل است کہ چوں عقیل بن ابی طالب چاہی در دارِ خود حفر کرد از آنجا سنگے برآمد کہ در وے نوشتہ اند قبرِ ام حبیبہ بنت صخر بن حرب عقیل آں چاہ را انباشت و عمارتے بر بالا قبر بنا کرد" تو جب صحابہ کرام و تابعین عظام سے روضے بنانا ثابت ہوا تو اس میں کونسا خدشہ رہا؟ حالانکہ حدیثِ صحیح ہے انما الاعمال بالنیات اس کے بہت نظائر ملیں گے کہ کام نیتِ صالحہ سے صالح ہو جاتا ہے مثلاً ملتے وقت حدِ رکوع تک جھکنا ممنوع اور ہاتھ پاؤں چومنے معظمِ شرعی کے جائز و احادیث سے ثابت حالانکہ چومنے میں جھکنا ضرور پایا جاتا ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ الادب المفرد ص۳۳۹ میں وازع بن عامر سے راوی کہ فرماتے ہیں جب ہم حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ مبارک اور پاؤں مبارک پکڑ کر چومے قال قدمنا فقیل ذاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخذنا بیدیہ و رجلیہ نقبلها۔ وہیں روایت کہ حضرتِ علی نے حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے ہاتھ پاؤں چومے عن صہیب قال رأیت علیا یقبل ید العباس و رجلیہ۔ مسلمان روضے بنانے مستحسن سمجھتے ہیں اور حدیث میں وارد کہ مارآہ المومنون حسنا فھو عند اللہ

Marfat.com

حسن۔ تو روضے بنانے مستحسن عند اللہ ہوئے۔ اور نیت صالحہ کئی وجہوں سے ہوسکتی ہے مثلاً یہ کہ عوام دیکھ کر پہچانیں گے کہ یہاں کوئی اہل اللہ آرام فرما ہیں، فاتحہ پڑھیں گے، فیض اٹھائیں گے تو یہ نشان عرفان قبور اہل اللہ کا ہے۔ اور آنے والے سایہ میں فاتحہ پڑھ لیں گے، گرمی و سردی، آندھی وغیرہ سے محفوظ رہیں گے، قرآن شریف پڑھنا چاہیں تو وہ بھی بآرام پڑھ سکیں گے۔

حضرت شیخ الہند شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوۃ شریف ص۴۴۲ جلد ۱ میں فرماتے ہیں " ودر مطالب المؤمنین گفتہ اند کہ مباح داشتہ اند سلف کہ بنا کردہ شود بر قبور مشائخ وعلماء مشہور تا زیارت کنند ایشاں را مردم واستراحت یابند دراں ونشینند در سایہ آں۔ نقل کردہ است آں را از مفاتیح شرح مصابیح الخ " اور اسی طرح مجمع البحار شریف میں ہے۔

اسواط العذاب کے آخر میں حضرت ابن حجر کی شرح صحیح بخاری، فتح الباری سے منقول ہے ضرب الفسطاط ان کان لغرض صحیح کالتستر من الشمس للحی لا لاظلال المیت فقد جاز۔ اور ایک یہ نیت بھی صحیح ہے کہ عوام قبروں کی بے حرمتی کے خوگر ہو رہے ہیں تو یہ صاحب روضہ جو شرعاً معظم ہیں ان کی تربت اطہر کی بے حرمتی بھی نہ کریں۔ اسواط العذاب کے آخر میں تفسیر روح البیان سے ہے بناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء امر جائز اذا قصد بذلک التعظیم فی اعین العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب ہذا القبر۔

گیارہویں شریف کا ثبوت ثبوت عرس کے ضمن میں گزر چکا کہ گیارہویں بھی خیرات وصدقہ معینہ ہی ہے۔

۱۲ سائل نے یہ بیان نہیں کیا کہ کس سے مدد مانگنے کے متعلق سوال ہے؟ یہاں کئی احتمال ہیں، مولے تعالے سے مدد مانگنا مراد ہے یا مسلمانوں سے علی العموم یا صاحب روضہ سے؟ اور یہ تمام استمداد جائز ہیں جن کا جواز قرآن کریم واحادیث وتفاسیر سے ثابت ہے۔ استمداد باللہ تعالے کے جواز کے تو مخالفین بھی قائل ہیں رہی تعیین، اس کا ثبوت کامل گزر چکا اور استمداد واستعانت بالمخلوق بھی کامل طور پر ثابت ہے۔ قرآن پاک میں ہے استعینوا بالصبر والصلوٰۃ پ ع۔ یا ایہا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ پ۲ ع۳۔ تو استعانت بالصبر والصلوٰۃ استعانت بالمخلوق ہے کہ صبر وصلوٰۃ اعمال ہیں اور تمام اعمال مخلوق ہی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے واللہ

Marfat.com

خلقکم و ما تعملون پ۲۳ ع۶ یعنے اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ حضرت ذوالقرنین علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سدِ سکندری بنانے کے وقت متعلقہ لوگوں سے مدد طلب کی فاعینونی بقوۃ اجعل بینکم و بینہم ردما پ۱۶ ع۲ اللہ تعالےٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ مکے والے مسلمان جنھوں نے ہجرت نہیں کی ان کا ترکہ تم کو نہیں ملتا جب تک ہجرت نہ کریں اور اگر وہ دین کے بارے میں مدد طلب کریں تم سے تو تم پر ان کی مدد ضروری ہے و الذین لم یہاجروا مالکم من ولایتہم من شیٔ حتی یہاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علیٰ قوم بینکم و بینہم میثاق واللہ بما تعملون بصیر ۰ پ۱۰ ع۶۔ قرآن کریم میں ہے کہ سیدنا عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حواریوں سے مدد طلب فرمائی یا ایہا الذین اٰمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسٰی بن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ پ۲۸ ع۶۔ اللہ تعالےٰ نے مؤمنین کو علے العموم حکم دیا ہے کہ میری طرف وسیلہ طلب کرو یا ایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ۰ پ۶ ع۱۰ اور وسیلہ الی اللہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بارگاہِ الٰہی کے قریب کرے۔ تفسیر جلالین وصاوی علے الجلالین ص۲۴۵ جلد۱، تفسیر کبیر ص۳۹۹ جلد۳، تفسیر ارشاد العقل ص۴۴ جلد۳، تفسیر خازن ص۲۹ جلد۲، تفسیر معالم التنزیل ص۲۹ جلد۲ و النظم من الجلالین ما یقربکم الیہ۔ اور اولیاء اللہ یقیناً اللہ کا مقرب بنانے والے ہیں۔ وہ تو وہ ہیں کہ جب نظر آجائیں اللہ تعالےٰ یاد آجاتا ہے تفسیر کبیر ص۱۰ جلد۵، خازن ص۱۶ جلد۳، معالم التنزیل ص۱۱ جلد۳، صاوی ص۱۶۶ جلد۲ میں رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے اولیاء کے متعلق ہے ھم الذین اذا رأوا ذکر اللہ و النظم من الخازن۔ مشکوٰۃ شریف ص۴۲۷ میں ہے خیارکم اذا رأوا ذکر اللہ رواہ ابن ماجۃ۔

سبحان اللہ! معنیٔ وسیلہ ان کی ذواتِ بابرکات پر کیسا چسپاں ہوا! رہا بعض کا اقتصار طاعت پر تو وہ بطورِ تمثیل ہے کہ مفسرین کرام بعض افراد پر تمثیلاً اقتصار فرمایا کرتے ہیں چنانچہ اتقان ص۱۷۷ جلد۲ میں ہے

Marfat.com

الثانی ان یذکر کل منھم من الاسم العام بعض انواعہ علی سبیل التمثیل وتنبیہ المستمع علی النوع لا علی سبیل العد المطابق للمعدود فی عمومہ وخصوصہ الخ اور احادیثِ شفاعتِ کبریٰ وغیرہا سے روزِ روشن کی طرح جوازِ توسل واستمداد واضح ولائح ہے اور اس کا شرک نہ ہونا بھی کہ اس میدانِ جاں گداز میں شرک وشرکیات کے بطلان پر موقوف کفاذنک کو بھی ثابت ہوگا و للّٰہ الحجۃ البالغۃ۔ اب معاندین بتائیں کہ ان کے امام کا قول تقویۃ الایمانی صہ۸ (پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے) کیا معنے رکھتا ہے؟ کیا جو چیز قرآن وحدیث سے ثابت ہو اور دنیا وآخرت میں موجود ومتحقق ومتکرر ومتقرر ومقرر ہو وہ شرک ہوسکتی ہے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

اب خاص استمداد وامداد بعد از انتقال کا ثبوت سنیئے!

پہلے سمجھنا چاہیئے کہ امداد روح کرتا ہے اور روح ہر ایک کا زندہ ہوتا ہے کہ موت جسم پر واقع ہوتی ہے اور موت قبضِ روح از جسم کا نام ہے تو جو اولیا قبل از وصال امداد کر سکتے ہیں وہ بعد از انتقال بھی کر سکتے ہیں شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات صہ۳۶۱ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "بتحقیق ثابت شدہ است بآیات واحادیث کہ روح باقی است واو را علم وشعور بزائراں واحوالِ ایشاں ثابت است وارواح کاملاں را قربی ومکانتی در جنابِ حق ثابت است چنانچہ در حیات بود یا بیشتر ازاں واولیا را کرامات وتصرف در اکوان حاصل است وآں نیست مگر ارواحِ ایشاں را وارواح باقی ست۔"

صاوی علے الجلالین صہ۳۰۱ جلد۳ میں ہے ارواح المطیعین مطلقۃ غیر محبوسۃ

تفسیر کبیر صہ۴۹۸ جلد۲ میں ہے الارواح المفارقۃ عن ابدانھا المشاکلۃ لھذہ الارواح فی الصفات والطبیعۃ والخاصیۃ یحصل لھا نوع تعلق بھذا البدن بسبب المشاکلۃ والمجانسۃ وتصیر کالمعاونۃ لھذہ الروح علی اعمالھا (الیٰ ان قال) انعکس انوارھا بعضھا علی بعض علی مثال المرأۃ المشرقۃ

Marfat.com

المتقابلة وكذا عن الغزالی فی التفسیر الکبیر ص۲۱۳ جلد ۸ بلکہ قوی ہوجاتا ہے۔ تفسیر کبیر ص۲۲۴ جلد ۵ میں ہے وان النفوس البشریۃ والارواح الانسانیۃ اذا فارقت ابدانہا قویت فی تلک الصفات التی اکتسبتہا فی تلک الابدان وکملت فیہا الی ان قال وتصیر تلک النفس المفارقۃ معاونۃ لہذہ النفس المتعلقۃ بہذا البدن ومعاضدۃ لہا علی افعالہا واحوالہا۔

اشعۃ اللمعات میں ہے کہ سیدی احمد رزوق علیہ الرحمۃ نے جو اعاظم فقہاء وعلماء مشائخ مغرب سے ہیں فرمایا کہ ایک دن شیخ ابو العباس حضرمی نے مجھ سے دریافت کیا کہ امداد زندے کی زیادہ قوی ہے یا مردے کی تو میں نے کہا کہ ایک گروہ کہتا ہے امداد زندے کی بہت قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ امداد مردے کی زیادہ قوی ہے، تو شیخ نے فرمایا ہاں! اس لئے کہ وہ بارگاہِ حق تعالٰے میں ہے " پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وے در بساطِ حق ست و در حضرۃ اوست "

بیضاوی شریف، کبیر، روح البیان وتفسیر عزیزی میں فالمدبرات امرًا کی ایک تفسیر یہ بتائی کہ اس سے مراد ارواح ہیں تو لامحالہ استمداد جائز ہوئی کہ وہ امداد کر سکتے ہیں اور امداد کرنیوالوں سے استمداد کا ثبوت گزر چکا۔ شیخ محقق دہلوی علیہ الرحمۃ جذب القلوب شریف ص۲۲۴ میں فرماتے ہیں " اما تبرک وتوسل در عالمِ برزخ وموطنِ قبر در اختصاصِ او بہ حضراتِ قدسی سماتِ انبیاء ورسل صلوات اللہ علیہم اجمعین تردد است وظاہر جواز اوست در غیر ایشاں از اولیاء اللہ وعلمائے امت واللہ اعلم از جہتِ عمومِ جوازِ توسل در حالتِ حیات باضمیمۂ بقائے روح میت وشعور وادراک (الی ان قال) وورودِ نصِ صریح در وے حاجت نیست از جہتِ وجود وبقائے ذات متوسل بخلاف موطنِ اول بلکہ عدمِ ورود نص بر منعِ آں کافی ست الخ

تفسیر عزیزی ص۹ پ۳۰ میں شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں (مترجم سے ہے) اور بعض خاص اولیاء اللہ جن کو اللہ تعالٰے نے محض اپنے بندوں کی ہدایت اور ارشاد کے واسطے پیدا کیا ہے ان کو اس حالت میں بھی اس عالم کے تصرف کا حکم ہوتا ہے اور اس طرف متوجہ ہونے سے ان کے استغراق میں کمال وسعت مدارک کے سبب سے کچھ خلل واقع نہیں ہوتا (الی ان قال) اور حاجتمند اور غرض والے اپنے اڑے کاموں کی کشادگی کا سبب ان سے پوچھتے ہیں اور ان کے کہنے پر چلنے سے اپنا مطلب پاتے ہیں الخ اولیائے کرام تو

Marfat.com

مظہر صفاتِ حق تعالےٰ ہیں۔ ان کی امداد امدادِ حق تعالےٰ ہے تو ان سے استمداد درحقیقت حق تعالےٰ سے استمداد ہے تو یہ ممنوع کیسے ہوسکے؟ صحیح بخاری شریف ص۹۶۳ جلد ۲ حدیثِ قدسی میں ارشادِ حق تعالےٰ ہے کہ میں جب اپنے بندے کو دوست بناؤں تو بن جاتا ہوں اس کا کان جس سے سنتا ہے اور اس کی آنکھ جس سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ جو پکڑتا ہے اس سے اور اس کا پاؤں جو چلتا ہے اس سے یعنی وہ بندہ مظہر صفاتِ علیہ بن جاتا ہے فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا۔ اور جب ان حضرات کا یہ شان ہے تو قبل از وصال و بعد از وصال ہر حال میں جوازِ استمداد ثابت ہوا کہ درحقیقت یہ استمداد حق تعالےٰ سے ہے اور امداد اس کی طرف سے ہے اور وہ ہر وقت امداد فرما سکتا ہے۔ اور موت سالب ولایت نہیں بلکہ موکد ولایت ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون بلکہ ان کے ارواحِ طیبہ بعد از وصال مدبّرات بن جاتے ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں آیت فالمدبرات امرًا کی ایک تفسیر یہ بھی فرمائی ہے کہ ثم ان ھذہ الارواح الشریفۃ العالیۃ لا یبعد ان یکون فیہا ما یکون لقوتہا و شرفہا یظہر منہا اثار فی احوال ھذا العالم فہی المدبرات امرًا الیس ان الانسان قد یری استاذہ فی المنام و یسئلہ عن مشکل فیرشدہ الیہا الخ اور اس کی مثل تفسیر بیضاوی و تفسیر روح البیان میں بھی ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ نے بھی اسے صفتِ نفس بتایا کہ تفسیر عزیزی مترجم ص۲۱ میں ہے " اور پانچواں درجہ وہ ہے کہ کمال کے سبب عدوں کو طے کر کے تکمیل کے رتبے کو پہنچے اور اس کے کام کا پیشوا اور استاد ہو جائے کہ اور لوگ اس سے اپنی مشکل حل کرا دیں اور اس صفت میں بے تدبیر اور مشورے اس شخص کے کام نہ کر سکیں۔ اسی حالت کو اس عبارت سے تعبیر فرمایا ہے :-

فالمدبرات امرًا۔ وللہ الحمد۔

مخالفین پر سب سے بھاری شہادت کہ اس کا اصلًا انکار نہیں کر سکتے ان کے امام میاں اسمٰعیل

Marfat.com

دہلوی کا قول ہے ؏ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے شہادت تیری ۔ صراطِ مستقیم صہ ۱۶۶ میں کہتا ہے کہ جناب غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کے ارواحِ مقدسہ میرے پیر پہ جلوہ گر ہوئے اور ایک پہر تک توجہ قوی اور تاثیر زور آور فرماتے رہے۔ اس حد تک کہ دونوں طریقوں کی نسبت اسی ایک پہر میں پوری ہوئی " روزے ہر دو روحِ مقدس برحضرتِ ایشاں جلوہ گر شدند و تا قریب یک پاس ہر دو امام برنفسِ نفیس حضرتِ ایشاں توجہ قوی و تاثیرِ زور آور مے فرمودند تا ایں کہ در ہماں یک پاس حصولِ نسبت ہر دو طریقہ نصیبہ حضرتِ ایشاں گردید" اسی ایک قول سے افاضہ ارواح اور تاثیر ارواح ثابت ہوئی اور دور سے جاننا اور توجہ قوی فرمانا بھی ثابت ہو گیا کہ اول تو پیر جی دونوں حضرات کرام کے مزاراتِ طیبہ پر حاضر نہ تھے اور اگر ہوں تو ایک مزار کے پاس حاضر ہو سکتے ہیں نہ کہ دونوں کے پاس، اور توجہ دونوں حضرات نے یک وقت فرمائی، مان رہا ہے کہ "ہر دو امامؓ اور" در ہماں یک پاس" کہہ رہا ہے تو اب انکاری کیوں ہیں؟

اس سے بھی سخت تر شہادت سنئے کہ وہی امام مزار پر جا کر فیض لینا بھی مان رہا ہے۔ اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے کہ ایک دن پیر جی حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے مرقدِ منور کی طرف گئے اور مرقدِ منور پہ مراقبہ میں بیٹھے اور مراقبہ میں ان کے روح پُرفتوح سے ملاقات ہوئی اور آنجناب نے پیر جی پر بڑی قوی توجہ فرمائی اور اس کے سبب ابتدا، حصولِ نسبتِ چشتیہ ہو گیا " روزے حضرتِ ایشاں بسوئے مرقدِ منور حضرتِ خواجہ خواجگان قطب الاقطاب بختیار کاکی علیہ الرحمۃ تشریف فرما شدند و بر مرقدِ مبارک ایشاں نشستند و دریں اثنا بروحِ پُرفتوح ایشاں ملاقات متحقق شد و آنجناب بر حضرتِ ایشاں توجہے بس قوی فرمودند کہ بہ سبب آں توجہ ابتدار حصولِ نسبتِ چشتیہ متحقق شد" اسی قول سے مزاروں پر حاضر ہونا، مراقبہ میں مزاروں کے پاس بیٹھنا، ملاقاتِ ارواح، علمِ ارواح و تصرفِ ارواح، ارواح کا پُرفتوح ہونا وغیرہ ثابت ہو رہا ہے۔ ہاں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کوئی جاہل مخلوق کو مستقل بالذات سمجھ کر مدد مانگے یعنے یوں سمجھے کہ وہ خدا تعالیٰ کے محتاج نہیں، اس کی دی ہوئی طاقت کے سوا مدد کر سکتے ہے تو ضرور وہاں شرک میں گرفتار ہو جاتا ہے مگر اس میں یہ تفرقہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ زید و عمرو عوام کو یوں سمجھے تو کوئی حرج نہیں اور اولیائے کرام کو یوں سمجھے تو شرک ہو جاتا ہے یا بالعکس یا تفرقِ موت و حیات ہو کہ شرک میں تفرقہ محض خبط ہے اور خواہ

Marfat.com

محض ظن بد بھی مسلمان پر حرام ہے اور سخت حرام ہے۔ مسلم کا اسلام اعلیٰ قرینہ ہے کہ وہ بندگانِ خدا کو وسیلہ و واسطہ و مظہرِ قدرت سمجھ کر ہی مدد طلب کر رہا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ مخالف تو یوں بھی مشرک ہی کہتے ہیں کہ تقویت الایمان کے صد۶ پر ان کا امام صاف صاف لفظوں میں کہہ رہا ہے کہ (سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے) مگر عاقل خوب سمجھتا ہے کہ یہ شرک نہیں ہو سکتا جس کا ثبوت بیّن گزر چکا۔ خود مخالفین حکمار و حکام سے امداد مانگا کرتے ہیں، چندے و غیرہا طلب کرتے ہیں۔ بلکہ خود ان کے امام کے اقوال ابھی سن چکے کہ افاضۂ و استفاضۂ ارواح کا اقرار کر چکا تو بحکم اقرار مرد آزار مرد خود اپنے منہ سے اپنے آپ کو مشرک کہہ گیا۔ مگر بحمدہٖ تعالیٰ اس استعانت سے مسلمان ہرگز ہرگز مشرک و مرتکبِ گناہ نہیں ہو سکتے بلکہ مستفیض و مستفیز و مستفید ہیں والحمد للہ علیٰ ذلک۔

۱۱ قبروں پر چراغ جلانا ممنوع ہے کہ قبر حق مقبور ہے۔ اس میں تصرف نہ کیا جائے۔ اور بعض احادیث سے ثابت ہے مگر اس سے یہ سمجھنا کہ قبر کے پاس نیتِ صالحہ سے بھی ممنوع ہے غیر صحیح ہے کیونکہ بعض احادیث میں " علیٰ " آیا ہے اور " علیٰ " کا معنے حقیقی استعلاء ہے نہ کہ " عند و لدیٰ " کہ مخالف دلیل پکڑ سکے اور بلا دلیل شرعی عدول عن الحقیقۃ سخت منع ورنہ نصوصِ شرعیہ سے امان اٹھ جائے۔ اور جب اس سے ممانعت نہیں آئی تو بحکم اباحتِ اصلیہ مباح ضرور ہو گا بلکہ بحکم انما الاعمال بالنیات نیتِ حسنہ سے مندوب و مستحسن ہو گا۔ مجمع البحار ص۱۰۳ جلد۳ میں ہے وان کان ثم مسجد او غیرہ ینتفع فیہ للتلاوۃ والذکر فلا باس بالسراج فیہ بلکہ غرضِ صحیح کے ساتھ قبر کے پاس خود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے چراغ جلانا مروی ہے کہ سنن ترمذی شریف ص۱۳۷ جلد۱ میں ہے عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دخل قبرا لیلاً فاسرج لہ سراج فاخذہ من قبل القبلۃ وقال رحمک اللہ ان کنت لاواھا تلاًّ القرآن وکبر علیہ اربعا۔ اور اس حدیث کی تحسین بایں الفاظ فرمائی ہے قال ابو عیسیٰ حدیث ابن عباس حدیث حسن۔ ہاں بلا غرض یا معاذ اللہ نیتِ تعبد یا اغراضِ فاسدہ سے ہو تو ضرور ممنوع ہے۔ مگر ان صورتوں میں قبر کی کیا تخصیص ہے جہاں ہو ممنوع ہے اور بلا دلیل مسلمانوں پر ظنِ بد بھی حرام ہے کہ ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ

Marfat.com

مسئولا وارد ہے۔

۱۲-۱۳ ڈاڑھی منڈانے والے کی امامت جائز بایں معنی کہ فرض ذمۂ امام و مقتدی سے ساقط ہو جاتا ہے۔ ضرور ثابت ہے مگر مکروہ اور سخت مکروہ ہے کہ ڈاڑھی منڈانے والا گنہگار ہے اور گناہ کو بدلنا اور بُرا جاننا ہر ایک مسلمان پر بہت ہی ضروری ہے حتّٰی کہ صرف دل سے بُرا جاننے والے کو اضعف الایمان فرمایا گیا، اور اس کے پیچھے کوئی درجہ نہیں چھوڑا گیا۔ صحیح مسلم شریف صلہ میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذٰلک اضعف الایمان۔ اس کی شرح میں نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں فقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فبقلبہ معناہ فلیکرہ بقلبہ۔ تو مسلم من حیث ہو مسلم اس کو ضرور بُرا جانے گا اگرچہ کسی عارضے کی وجہ سے ظاہر نہ کر سکے۔ اسے اس کے آقا نے بتا دیا کہ اس کے ترک کرنے کی اجازت نہیں، اس کے پیچھے درجۂ ایمان نہیں اور اسے یہ کیونکر پسند آئے کہ تارکِ اسوۂ حسنۂ محبوب صلے اللہ علیہ وسلم مصلائے محبوب صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر کھڑا نظر آئے اور احادیثِ طیبہ میں وارد کہ ایسے کی نماز قبول نہیں ہوتی کہ امام بنے اس قوم کا کہ اسے ناپسند جان رہے ہوں۔ مشکوٰۃ شریف صنا میں ابوداؤد و ابنِ ماجہ سے ہے کہ ثلاثۃ لاتقبل منہم صلٰوتہم من تقدم قوما وہم لہ کارھون۔ ہاں اگر مقتدی محض مجبور ہیں کہ اس کے پیچھے نہ پڑھیں تو سخت خطرہ ہے کہ سلطان یا نائبِ سلطان ہے تو ان مقتدیوں کو اجازت ہے اور تمام جماعت کا اہلِ جماعت نہ ہونا جائے تعجب نہیں کہ نبیٔ علیم صلی اللہ علیہ وسلم دانائے ماکان و ما یکون اس کی خبر پہلے دے چکے ہیں اور آپ کی ہر خبر یقیناً صحیح و صادق ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

مشکوٰۃ شریف صنا میں ائمہ احمد و ابوداؤد و ابنِ ماجہ سے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے نشانوں سے ہے ان یتدافع اھل المسجد لایجدون اماما یصلی بہم۔ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو توفیق عطا کرے تو توبہ کرنی مشکل نہیں، کچھ خرچ نہیں آتا، کچھ دیر نہیں لگتی، توبہ ظاہرہ کر کے اسی وقت امام بلا کراہت بن سکتا ہے کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ اور المہاجر من ھجر ما نہی اللہ عنہ۔ کیا مسلمانوں کی جماعت میں ایک بھی رجلِ رشید ایسا نہیں کہ تارکِ اسوۂ حسنہ

Marfat.com

محبوب رب العالمین نہ رہے اور نافرمانی ارشاد پر سردار سید الاولین والآخرین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے باز آئے اور جنت کا در باز پائے۔ واللہ الموفق وصلی اللہ تعالیٰ علی المحبوب الاعلیٰ و آلہ وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں کہ نماز جمعہ گاؤں چھوٹے یا بڑے میں عندالاحناف ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا ماجورین۔

السائل:۔ غلام حیدر از قلعہ دیوا سنگھ ۷ ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصّواب

سیدنا حضرت مولی المشکلکشا علی المرتضےٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ وحضرت حذیفہ وعطاء وحسن بن ابی الحسن ونخعی ومجاہد وابن سیرین وثوری وسحنون وامام ہمام حضرت ابوحنیفہ وابو یوسف ومحمد رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کے نزدیک نماز جمعہ دیہات میں نہیں ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے لا تجوز فی القریٰ عندنا وھو مذھب علی بن ابی طالب و حذیفۃ و عطاء و الحسن بن ابی الحسن و النخعی ومجاھد و ابن سیرین و الثوری و سحنون خلافا للائمۃ الثلاثۃ لما روی ابن ابی شیبۃ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ انہ قال لاجمعۃ و لا تشریق ولا صلوٰۃ فطر و لا اضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ وصححہ ابن حزم فی المحلی

کتب مذہب میں متوناً وشروحاً وفتاوےٰ یہی مصرح ومشرح ہے کہ ادائے جمعہ کے لئے شہر شرط ہے اور شہر بھی جامع، جب شہر ہونا متحقق ہولے تو بعد ازاں جامع ہونے کی تحقیق ضروری ہے اور مصر جامع کی صحیح

Marfat.com

تعریف وہ ہے جو غنیہ وغیرہا میں مذکور ہے ان بلدة کبیرة فیها سکک واسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غیره یرجع الناس الیه فیما یقع من الحوادث وهذا هو الاصح (ترجمہ) بے شک وہ (مصرِ جامع) ایسا بڑا شہر ہے جس میں متعدد محلے اور بازار ہوں اور اس کے متعلق دیہات ہوں اور اس میں کوئی حاکم با اختیار ہو ایسا کہ مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے سکے اپنے رعب سے اور علم سے یا اپنے غیر کے علم سے اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہوں اپنے مقدمات میں" حدیثِ جواثیٰ جسے مجوزین اپنی زبردست دلیل سمجھے ہوتے ہیں وہ در اصل ہماری زبردست دلیل ہے اور ان کا زبردست رد کرتی ہے۔

بہر نہج احناف کے نزدیک گاؤں میں نماز جمعہ ادا نہیں کر سکتے کما لا یخفی علی اولی النهی، والتفصیل ذکرناه فی "انوار تقن الدولة" من شاء فلیطالع ثمه۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ نورہ اللہ بہ وقواہ الحنفی القادری النعیمی الفریدی غفرلہ

۱۷ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۰ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس شخص کے بارہ میں جو ذیل کی عبارت کے مطابق عقیدہ رکھے اور اس کو شائع کرے اور لکھ کر دے آیا مسلمان ہے یا کافر؟ عبارت یہ ہے: جمعہ فرضِ عین ہے دیہاتوں میں، جو شخص دیہاتوں میں جمعہ نہ پڑھے گا یا اب نہیں پڑھتا ہے محمد صاحب (ایک شخص مسمّٰی با محمد) قرآن وحدیث کی رو سے اسے کافر ثابت کریں گے بینوا ماجورین من رب العالمین۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک وشبہ وریب نمازِ جمعہ فرضِ عین ہے مگر بالشرائط اور چونکہ مصرِ جامع بھی ان شرائط میں سے ہے لہذا دیہات میں نمازِ جمعہ فرض نہیں۔ اس مدعا پر دلائل قاہرہ باہرہ زاہرہ ظاہرہ شہود عدل ہیں جن میں سے چند حوالۂ قلم کئے جاتے ہیں۔

(۱) وہی حدیثِ جواثی جو طائفہ بھیر کی مایہ ناز اور بہترین دلیل ہے، ہمارے مدعا کے لئے نہایت ہی واضح و روشن دلیل ہے جو یہ ہے وعن ابن عباس قال ان اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین رواہ البخاری فی صحیحہ (ص۱۲۲ مجتبائی) و البیہقی فی سنن الکبریٰ (ص۱۷۶ جلد۳ دائرۃ المعارف) وابوداؤد فی سننہ مع زیادۃ فی الاسلام وقریۃ من قری البحرین۔

وجہ استدلال یہ کہ جب مسجدِ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے نمازِ جمعہ جواثی میں قائم کی گئی حالانکہ احادیثِ صحاح سے ثابت کہ جواثی مدینہ طیبہ سے بہت ہی دور ہے تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ دیہات میں جمعہ نہیں ورنہ قبا، وعوالی وغیرہا بہت سے دیہات جو مدینہ طیبہ سے بہت قریب تھے سب سے پہلے ان میں جمعہ قائم کیا جاتا اور ان سب کو پس پشت ڈال کر سب سے پہلے جواثی میں قائم نہ کیا جاتا اور روایتِ ابوداؤد میں زیادتی قریۃ من قری البحرین نہ ہمیں مضر اور نہ ہی مخالف کو مفید کہ لفظِ قریہ کا اطلاق لغتِ عرب میں شہر پر بھی ہوا کرتا ہے چنانچہ قرآنِ کریم پ۲۶ ع۹ میں مکہ شریف کو قریہ فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وکاین من قریۃ ھی اشد قوۃ من قریتک الآیۃ حالانکہ قرآنِ کریم پ۳۰ ع۱۵ میں مکہ شریف کو شہر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لااقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد الآیۃ۔ اور اسی طرح قرآنِ کریم میں شواہد کثیرہ موجود ہیں۔ صراح ص۶۰۷ مجیدی، مجمع البحار ص۲۱۷ جلد۱، کشوری و النظم من المجمع ھو حصن بالبحرین اور جس آبادی میں قلعہ ہو اس پر تعریفِ مصرِ جامع صادق آتی ہے۔

Marfat.com

(۲) قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لاجمعۃ ولاتشریق الا فی مصر جامع رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ ص۱۷۹ جلد۳ والطحاوی فی مشکل الآثار ص۵۴ جلد ۲ اور قاعدۂ مسلمۂ اصولِ حدیث کی رو سے یہ موقوف حکم مرفوع میں ہے مشکل الآثار کے اسی صفحہ میں ہے مما یحیط علما انہ لم یقلہ رأیا اذ کان مثلہ لا یقال بالرأی و انما لم یقلہ الا توقیفا ولا توقیف یوجد فی ذلک الاعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۳) حضرت صدیقہ رضے اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کان الناس یتنابون الجمعۃ من منازلہم و العوالی رواہ البخاری فی صحیحہ ص۱۲۳ جلد۱ و مسلم فی صحیحہ ص۲۸۳ جلد۱ و البیہقی فی سننہ الکبریٰ ص۱۷۳ جلد ۳۔ اگر دیہات میں جمعہ فرض ہوتا تو دوسری نمازوں کی طرح وہ حضرات عوالی میں بھی قائم کرتے اور ہمیشہ مدینہ طیبہ میں حاضر نہ ہوتے۔ مجمع البحار ص۲۰ جلد۳ و فیہ انہ لا یجب الجمعۃ علی من ھو خارج المصر۔

(۴) اور ایسے ہی اہلِ قبار مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر جمعہ ادا کیا کرتے تھے۔ سننِ ابنِ ماجہ ص۸ فاروقی میں ہے ان اھل قباء کانوا یجمعون مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعۃ۔

(۵) اور باوجودیکہ سرکارِ دوعالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا دس روز سے زیادہ قبار میں تشریف فرما ہونا اکثر اقوال سے ثابت ہے مگر جمعہ قائم نہ فرمایا تو ثابت ہوا کہ دیہات میں جمعہ نہیں۔ صحیح بخاری کے ص۵۵۵ جلد۱ میں ہے فلبث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی بنی عمرو بن عوف بضع عشرۃ لیلۃ۔ اور ص۵۶۰ میں ہے فاقام فیھم اربع عشرۃ لیلۃ اور تفسیر اتقان ص۳۶ جلد۱ والجمعۃ فرضت بمکۃ۔

(۶) صحیح بخاری شریف ص۸۳۵ جلد ۲ اور موطا امام مالک ص۱۵۵ جلد۱ میں ہے کہ حضرتِ عثمان رضے اللہ تعالےٰ عنہ نے عید کے دن فرمایا کہ جو اہلِ عوالی سے جمعہ کے لئے ٹھہرنا چاہے تو ٹھہرے اور جو واپس ہونا چاہے تو میں نے اسے اجازت دے دی و النظم من البخاری قال یا ایھا

Marfat.com

الناس ان هذا یوم قد اجتمع لکم فیہ عیدان فمن احب ان ینتظر الجمعۃ من اھل العوالی فلینتظر ومن احب ان یرجع فقد اذنت لہ۔ امام مالک نے اس حدیث کو باب لا جمعۃ فی العوالی ومن حضر المدینۃ منھم فلہ الرجوع قبل دخول الوقت میں اخراج فرمایا۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ اہلِ دیہات پر جمعہ نہیں۔

(۷) بلکہ خود حضور پرُنور سید یوم النشور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ثابت کہ آپ نے اجازت فرمائی چنانچہ مشکل الآثار صـ۵۳ جلد ۲، سنن ابوداؤد صـ۱۵۳، صحیح مستدرک صـ۲۸۸ جلد ۱، مسند ابی داؤد طیالسی صـ۹۴ میں ہے والنظم من المسند ثم رخص فی الجمعۃ فقال من شاء ان یصلی فلیصل۔

(۸) اور اس کے ماسوا بہت سے دلائل ہیں جو اختصاراً تحریر نہیں کئے جاتے۔ ہاں اتنا سمجھنا نہایت ہی ضروری کہ نمازِ ظہر فرضِ قطعی اور فرضِ عین ہے۔ غیر مقلدین کے پاس وہ کونسی قطعی دلیل ہے جس سے دیہات میں اس فرضِ قطعی کو جمعہ کے روز بلاعذر ترک کر کے مسلمان بنے رہتے ہیں۔ آیۂ جمعہ بالاجماع مخصوص ہے حتے کہ طائفۂ غیر مقلدین کے نزدیک بھی کہ بیمار اور نابینا، لنگڑا، غلام، مسافر، عورت اور تنہا، بالاجماع مخصوص ہیں حالانکہ ان تمام پر بھی نمازِ ظہر فرضِ عین ہے۔

صد افسوس کہ برائے نام اور کمزور دلائل کو اپنی رائے قاصر سے دلائل سمجھ کر جہل مرکب میں گرفتار ہو کر علماء وائمہ عظام وصحابہ کرام پر معترض بنتے ہیں۔ صرف معترض نہیں بلکہ کفر وشرک تک پہنچتے ہیں۔ اس کے متعلق ہمیں کسی فتوے تحریر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ عوام اہلِ اسلام بلکہ خواص یعنی ائمہ کرام اور اخص الخواص یعنے صحابہ کرام کو کافر کہا بلکہ خاک بدہانِ گستاخ اس کی یہ گستاخی سرکارِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تک پہنچی کہ سرکار سے دیہات والوں کے لئے رخصت ثابت جیسے مذکور ہوا حالانکہ صرف کسی عام مومن کو اگر کوئی کافر کہے تو ظاہر حدیث کے لحاظ سے خود کافر ہو جاتا ہے اور ظاہر ہی پر عمل کرنا انکا مذہب ہے۔ صحیح بخاری صـ۹۰۱ جلد ۲ میں حضرتِ ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے ہے والنظم للثانی ان رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ایما رجل

Marfat.com

قال لاخیہ کافر فقد باء بہا احدھما۔ بلکہ عدالتِ مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ایسے طائفہ بھر کے لئے یہ حکم نافذ ہو چکا کہ دینِ اسلام سے خارج ہے چہ جائیکہ اس کا قول بد تر از بول کہاں سے کہاں تک پہنچا؟ چنانچہ صحیح بخاری ص۶۲۴، ص۱۰۲۴ جلد ۲ وغیرہ میں ہے یمرقون من الدین اور بے ادبی اولیائے کرام اور انبیائے عظام تو ان کے نزدیک شیرِ مادر ہے جس کی وجہ سے اسلام و ایمان سے خارج اور دنیا و آخرت میں ملعون اور عذابِ مہین کے سزاوار بن جاتے ہیں۔ خود قرآنِ کریم سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعد لھم عذابا مھینا۔ اہلِ اسلام پر لازم کہ ان سے ہر حال میں بچے رہیں اور اپنے دین و ایمان پر قائم و ثابت قدم رہیں اور جلتی آگ سے زیادہ انہیں مضر سمجھیں کہ ذیاب فی ثیاب یہ ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد و
علیٰ الہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۸ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ موجودہ زمانہ میں پاکستان کے دیہات میں جہاں پہلے جمعہ نہیں پڑھا جاتا اب جمعہ پڑھا جانا چاہیئے یا نہیں؟ کیا وہ شرائط جو جمعہ کے لئے ہونی لازمی ہیں وہ سلطنتِ پاکستان میں پوری ہو چکی ہیں۔ اور جمعہ اگر پڑھا جاوے تو فرضی پڑھنا چاہیئے یا احتیاطی؟ بینوا توجروا۔

السائل: فضل حق از ڈولو وال تحصیل دیپال پور ۵۸-۷-۲۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

سیدنا حضرت مولیٰ مشکل کشا علی المرتضےٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ و حضرتِ حذیفہ و عطاء و حسن بن

Marfat.com

ابی الحسن و نخعی و مجاہد و ابن سیرین و ثوری و سحنون و امام ہمام حضرت ابوحنیفہ و ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ تعالے اجمعین کے نزدیک نمازِ جمعہ دیہات میں نہیں ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے لاتجوز فی القریٰ عندنا وھو مذھب علی بن ابی طالب وحذیفۃ وعطاء والحسن بن ابی الحسن والنخعی ومجاھد وابن سیرین والثوری وسحنون خلافا للائمۃ الثلاثۃ لما روی ابن ابی شیبۃ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال لاجمعۃ ولا تشریق ولاصلوٰۃ فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ وصححہ ابن حزم فی المحلی۔

کتبِ مذہب میں متوناً و شروحاً و فتاوٰے یہی مصرح و مشرح ہے کہ ادائے جمعہ کے لئے شہر شرط ہے اور شہر بھی جامع، جب شہر ہونا متحقق ہولے تو بعد ازاں جامع ہونے کی تحقیق ضروری ہے اور مصر کی صحیح تعریف وہ ہے جو غنیہ وغیرہا میں مذکور ہے ان بلدۃ کبیرۃ فیھا سکک واسواق ولھا رساتیق وفیھا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث وھذا ھو الاصح (ترجمہ) بیشک وہ (مصر جامع) ایسا بڑا شہر ہے جس میں متعدد محلے اور بازار ہوں اور اس کے متعلق دیہات ہوں اور اس میں کوئی حاکم با اختیار ایسا ہو کہ مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے سکے اپنے رعب سے اور علم سے یا اپنے غیر کے علم سے، اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہوں اپنے مقدمات میں۔"

حدیثِ جواثے جسے مجوزین اپنی زبردست دلیل سمجھے ہوئے ہیں وہ دراصل ہماری زبردست دلیل ہے اور ان کا زبردست رد کرتی ہے۔ بہرنہج احناف کے نزدیک گاؤں میں نمازِ جمعہ ادا نہیں کر سکتے کما لایخفی علی اولی النہی۔ اور سلطنتِ پاکستان کے دیہات بھی دوسرے ممالک اسلامی کی طرح دیہات ہی ہیں اور اگر کوئی بزعمِ خود جمعہ پڑھے تو فرضِ ظہر از روئے مذہبِ مہذب احناف ضرور ادا کرے کہ فرضِ ظہر اس جمعہ کے ساتھ ساقط ہوتا ہے جو حقیقۃً شرائط کے ساتھ جمعہ ہو کما مر۔

Marfat.com

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

جناب عالی صاحب

السلام علیکم کے بعد گزارش ہے کہ ہمارے گاؤں کا پینتالیس گھر ہے۔ حضرتِ امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جمعہ اس گاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: غلام محمد بقلم خود ۲؍ ربیع الاول شریف ۱۳۷۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ایسے موضع میں حضرتِ امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک نمازِ جمعہ نہیں پڑھی جاتی، جو دعوےٰ کرے وہ ثبوت دے ورنہ کاذب متصور ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۲؍ ربیع الاول شریف ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

مکرمی محترم نور اللہ صاحب

السلام علیکم۔ سب سے پہلے اپنا تعارف پیش کرنا ضروری ہے۔ امید ہے آپ حاجی کرم الٰہی صاحب اور محمد اسحاق رکن پورہ والوں کو جانتے ہی ہوں گے۔ محمد اسحاق کا لڑکا ہوں اور مولوی محمد اکرم صاحب کا ہم جماعت اور دوست ہوں۔ یہاں پہ ملازمت کے سلسلے میں آیا ہوا ہوں۔ یہاں پہ ہم ایک بجلی گھر بنا رہے ہیں اور اس کے

Marfat.com

ساتھ ساتھ مسجد بنانے کی بھی کوشش شروع کی ہے۔ مجھ ناچیز کو مسجد کمیٹی کا سیکریٹری منتخب کیا گیا ہے اس لئے اپنے فرائض کو انجام دینے کے لئے کبھی کبھی آپ کی رہبری کی ضرورت پیش آتی رہے گی اور میں امید واثق کرتا ہوں کہ آپ مایوس نہیں فرمائیں گے۔ فی الحال مندرجہ ذیل دو مسئلوں کے متعلق آپ سے دریافت کر رہا ہوں :-

نمبر۱ : نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے کم از کم کن شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے جن کے بغیر نمازِ جمعہ ادا نہیں کی جاسکتی؟

نمبر۲ : ایک شخص نے کسی بزرگ کو اپنا مرشد تسلیم کیا اور مرشد کی وفات ہو گئی۔ اب مذکورہ شخص دوسرے کو مرشد بنا سکتا ہے یا نہیں؟ جوابی لفافہ ارسالِ خدمت ہے جواب دیکر مشکور فرمادیں۔

الراقم : میاں بشیر احمد جاوید کوئٹہ تھرمل سکیم شیخ ماندہ براستہ کوئٹہ ۲۵-۵-۶۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ : بعد از دعوات عافیت طرفین آنکہ مرسلہ ملفوف ملا میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں اور آپ کے خط سے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ آپ بڑے شوق سے سوال بھیجا کریں میں حاضر ہوں مگر چونکہ کام بہت زیادہ ہے لہذا کبھی جواب ذرا دیر سے دیا جاتا ہے۔ اور اب تو کئی دن مجھے تکلیف رہی ہے۔ امید کہ اسے صحیح عذر پر محمول کریں گے۔

۱ : جمعہ پڑھنے کے لئے چھ شرطیں ہیں کہ ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو ہوگا ہی نہیں۔ ۱۔ شہر ۲۔ بادشاہِ اسلام حقیقۃً یا حکماً۔ ۳۔ وقتِ ظہر۔ ۴۔ خطبہ۔ ۵۔ جماعت۔ ۶۔ اذنِ عام، یہ سب شرطیں آسانی سے پائی جاتی ہیں مگر صرف پہلی شرط ہے جو دیہات میں نہیں پائی جاتی لہذا دیہات میں جمعہ نہیں کما فی عامۃ معتبرات المذہب۔

۲ : ہاں جب پہلے مرشد کا انتقال ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کہ دوسرے مرشد سے استفادہ کیا جائے مگر یہ ضروری ہے کہ مرشد وہی ہو سکتا ہے جو عالمِ دین، سُنّی، صحیح العقیدہ، پابندِ شریعت ہو۔ یہ شرط ضروری ہے پہلا مرشد ہو یا دوسرا یا تیسرا کیونکہ جو خود ناواقف ہو یا گمراہ ہو تو دوسرے کو وہ معرفت یا ہدایت و رشد کا سبق کیا دے سکتا ہے؟

باقی سب خیریت ہے آپ کی خیریت مطلوب۔ دو تین دن ہوئے آپ کے والدِ ماجد صوفی محمد اسحاق صاحب اسٹیشن پر ملے تھے، سب خیریت بتاتے تھے۔ والسلام (الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۸-۶-۶۳)

Marfat.com

الاستفتاء

بخدمت جناب واجب الاحترام حضرت مولانا مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب شیخ الحدیث دار العلوم جامع فریدیہ حنفیہ بصیر پور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے بعد گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل فتوٰی تحریر فرمادیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری منڈی رائے ونڈ جو ضلع لاہور کی ایک اہم منڈی ہے یہاں ریلوے اسٹیشن، اڈا لاریاں، آڑھتیں، بازار، تھانہ، ڈاکخانہ، شفاخانے، ٹیلیفون، بجلی ٹاؤن، کمیٹی منڈی، محصول چونگی وغیرہ ہر ایک چیز پائی جاتی ہے غرضیکہ ضلع لاہور کا مشہور قصبہ ہے۔ یہاں کی جامع مسجد اہل السنت والجماعت جو کہ محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے، میں جمعۃ المبارک باحسن وجوہ بروقت ادا کیا جاتا ہے اور جمعہ میں مجمع تقریباً بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہاں احتیاط الظہر کے متعلق کیا حکم ہے؟ آیا یہاں احتیاط الظہر کا ادا کرنا فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟ آیا ہر خاص وعام کو احتیاط الظہر کے متعلق مجبور کیا جائے یا نہ؟ اگر عوام الناس احتیاط الظہر نہ پڑھیں تو کیا حکم ہے؟ نیز واضح فرمادیں کہ جمعہ فرض ہے یا کہ نہیں؟ آیا جمعہ علیحدہ فرض ہے یا ظہر کا نعم البدل ہے؟ آیا حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدسہ میں احتیاط الظہر ادا کی جاتی تھی یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا من اللہ اجراً عظیما۔

السائل الحائل: فقیر محمد منظور احمد نقشبندی مرتضائی خطیب جامع مسجد اہل سنت منڈی رائے ونڈ ضلع لاہور

نوٹ: اپنے فتوٰی پر دار العلوم حنفیہ فریدیہ کے مدرسین حضرات کی طرف سے تاکید اور دستخط زیادہ مناسب ہیں، ضرور ہونے چاہئیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ایسے مقام میں جمعہ فرض ہے۔ فتاوٰے عزیزیہ صد۳ میں ہے لا شك فی جواز الجمعۃ فی البلاد والقصبات۔ اور جمعہ فرض محکم ہے۔ فتح القدیر صد۲۱ جلد۲ میں ہے ان الجمعۃ فریضۃ محکمۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع اسی کے صفحہ ۲۲ میں ہے وقد صرح اصحابنا بانها اکد من

Marfat.com

الظهر۔ اور یہیں سے ظاہر کہ وہ علیحدہ فرض ہے اور ظہر کا بدل نہیں اور صرف استظہاری نہیں بلکہ اسفارِ مذہب مذہب اس کی تصریحاتِ جلیلہ سے مملو ہیں۔ اسی کے صلا۲ میں ہے ھی فرض ابتداء پھر صلا۳۳ میں متن وشرح میں تصریح ہے کہ امام زفر علیہ الرحمۃ کے نزدیک ظہر جمعہ کا بدل یا کالبدل ہے اور یہ کسی کا بھی قول نہیں کہ جمعہ ظہر کا بدل ہے فیما روی۔ احتیاط الظہر ایسے مقام میں فرض یا واجب نہیں اور سنت تو کہیں بھی نہیں۔ ہاں بعض وجوہ کی بنا پر مستحب ہے مگر وہ بھی عوام کے لئے نہیں تو مجبوریہ کیوں کئے جائیں؟ اور کیا حکم کیا جائے؟ فتاوٰے رضویہ صلا۰۸ جلد ۳ میں ہے ویفتی بہ الخواص لا العوام۔ اور ظاہر ہے کہ زمانِ اقدس میں احتیاط الظہر ادا نہیں کی جاتی تھی کہ اس کا مبنی وسبب ہی اس وقت نہ تھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الانور وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۹ رشوال المکرم ۱۳۸۳ھ ۲۲-۲-۶۴

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ گاؤں میں نماز جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

سائل: عبدالعزیز بقلم خود، محمد رمضان بقلم خود ۲۸-۵-۶۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

گاؤں میں نماز جمعہ فرض نہیں حسب الارشاد حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سننِ بیہقی صلا۱۷۹ جلد ۳ وغیرہا میں ہے قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لاجمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے۔ فتاوٰے عالمگیر صلا۱۴۳ جلد ا میں ہے ولادائہا شرائط فی غیر المصلی منہا المصر۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ

Marfat.com

الاکرم و آلہ و اصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بانی و مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۸ صفر المظفر ۱۳۸۶ھ ۶۶-۵-۲۸

الاستفتاء

نمبر۱ : عرض ہے کہ ایک آدمی نے ریش کے بارے میں تنگ کر رکھا ہے۔ آپ حدیث شریف سے بیان فرمائیے۔

نمبر۲ : عید فطر کی نماز عورتوں پر با جماعت جائز ہے تو یہ بھی غریب کو بتا دیجیے۔ نہایت مہربانی ہوگی۔

السائل : صوفی محمد اسماعیل از کماں اسلام پور ۲۶ ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور و الصواب

حامدًا ومصلیا ومسلمًا میرے محترم!

نمبر۱ : اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ (الی) اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول یعنی رسول اللہ کی پیروی کرو اور اللہ کا حکم مانو " اور بخاری شریف ص۸۷۹ جلد۲ میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں و فروا اللحی و احفوا الشوارب " بڑھاؤ ڈاڑھیوں کو اور ترشواؤ مونچھوں کو " نیز ارشاد فرماتے ہیں انھکوا الشوارب و اعفوا اللحی " مونچھوں کو ترشواؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ " ان دو حدیثوں کے ہم معنے بہت سی حدیثیں کتبِ حدیث میں وارد ہیں اور بہت سے دلائل قویہ سے ڈاڑھی کا بڑھانا ثابت ہے مگر میں نے بغرضِ اختصار صرف دو آیتوں اور دو حدیثوں پر اکتفاء کیا کہ ایماندار کو یہی کافی اور بدمذہب تابع نفس و ہوا کو ہزار ہا دفتر بھی نا دافی۔ اور یہ بھی خیال کہ شاید آپ اس فتوے کے پہنچنے سے پہلے ہی یہاں پہنچیں۔

نمبر۲ : میرے معزز! عورتیں نماز عید میں شریک نہیں ہو سکتیں کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے و قرن فی بیوتکن۔ " اور اپنے گھروں میں ٹھہرو " یہ خطاب خواتین کو ہے تو جب گھر میں ٹھہرنے کا حکم ہے تو باہر جانا خود بخود ہی منع ہوا۔ البتہ جہاں دلیل سے ثابت ہو جائز ہے جیسے حج ورنہ اسی حکم میں داخل، جن احادیث

Marfat.com

سے جواز ثابت، وہ زمانۂ اقدس ومقدس محبوبِ دو عالم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے ساتھ مختص کہ سب زمانوں سے ستھرا اور پاکیزہ اور نیک تھا۔ حدیث شریف میں ہے خیر القرون قرنی "سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے" اسی واسطے حضرت عائشہ صدیقہ رضے اللہ تعالے عنہا نے فرمایا لو ادرك رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد" اگر رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں عورتوں کا یہ حال ہوتا تو آپ ضرور منع فرما دیتے"

دیکھا صدیقہ رضے اللہ تعالے عنہا کس طرح تاکید فرما رہے ہیں کہ حضور ضرور منع فرما دیتے۔[1] اور دراصل یہ اجتہادِ صدیقہ رضے اللہ تعالے عنہا نفس حدیث مرفوع سے ہے[2] کما اشار الیہ مسلم وھو واضح کہ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا اذا شهدت احدٰكن المسجد فلا تمس طیبا "کوئی ایک تمہاری جب مسجد میں آنا چاہے تو خوشبو نہ لگائے" اس حدیث سے قبل مشکوٰۃ شریف میں ہے لا تقبل صلوٰۃ امرأۃ تطیبت للمسجد حتی تغتسل غسلها من الجنابۃ رواہ ابوداؤد و احمد و النسائی و نحوہ۔

سبحان اللہ! جب صدیقہ رضے اللہ تعالے عنہا باوجود پرہیزگاری و اجتہاد و علوِشان اپنے زمانہ کی نسبت جو ہمارے زمانے سے ہزارہا مرتبہ بہت بہتر تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے ان کو اپنے زمانہ سے دوسرے مرتبہ میں رکھا اور صحابہ وصحابیات بکثرت موجود تھے، حدودِ شرعیہ جاری تھیں، احتمالِ بدی بہت ہی کم تھا، صرف اسی وجہ سے کہ اس زمانہ میں بہ نسبت زمانِ محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم زیادہ زینت و زیب و خوشبو اور اچھے کپڑے پہنے

---

[1] یعنے زینت خوشبو اور اچھے کپڑے ۱۲ من النووی علی صحیح مسلم [2] حیث اتی بالحدیث الاتی ولم یسناہ وقول الصدیقۃ بعد الاحادیث المطلقۃ وعادتہ غیرہ من ائمۃ الحدیث ان یذکروا الاحادیث التی یرونها منسوخۃ ثم یعقبونها بالناسخ صرح بہ النووی فی شرح صحیح مسلم وکذا یاتون بعدها ما یستنبط منها ۱۲ منہ غفر لہ

Marfat.com

جانتے تھے مگر وہ بھی موافق شرع، نہ زمانے کی طرح تب بھی بہ لحاظِ احادیثِ مذکورہ وغیرہ کے یہ فرماتی ہیں تو ہمارے زمانے کا حالِ پرملال تو یقیناً قطعاً منع وعدمِ جواز کا مقتضی ہوا کہ اس زمانہ میں صحابہ وصحابیات موجود اور اب بالکل مفقود اور اس زمانہ میں حدودِ شرعیہ جاری جن سے لوگوں پر سخت رعب طاری تھا اور اب آزادی کا وہ عالم کہ اگر عورت راضی ہو تو زنا پر بھی کوئی تعزیر عائد نہیں کی جاتی۔ زیب و زینت ولباس وخوشبو کا وہ منظر کہ خدا امان دے بانکی ادا بانکی چال شیطان کا پورا پورا جال، تو ثابت ہوا کہ زمانۂ نبوت پر اس زمانہ کا قیاس محض غلط وفاسد ہے اور صحابی دلی سے بھی افضل وبہتر ہے اور جو بعض منافق تھے وہ مجلس مبارک میں نہایت ہی دبے ہوئے ہوتے تھے اور ڈرتے تھے کہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ اپنے محبوب اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو ان کی شرارتوں سے مطلع فرما دیتا تھا چنانچہ آیت ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستأخرین کا سببِ نزول ایک قول پر یہی ہے۔ نیز رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے وہ طاقت عطا فرمائی کہ آپ جیسا آگے دیکھتے تھے ویسا ہی پیچھے دیکھتے تھے چنانچہ آیت واحادیثِ صحاح سے ثابت ہے خصوصاً مجلس مطہر اشرف المجالس تھی کہ شرف المکان بالمکین، ہاں اگر اب بھی تمام حاضرین وحاضرات صحابی اور مجلس مجلسِ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہے تو ضرور حاضر ہوں اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو نہ، اس بنا پر کتبِ فقہ میں مصرح کہ عورتیں کسی جماعت میں حاضر نہ ہوں چنانچہ درالمختار، ردالمحتار، بحرالرائق وغیرہ میں ہے ونظمہ من البحر (قولہ لا یحضرن الجماعات) لقولہ تعالیٰ وقرن فی بیوتکن الخ

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک چک (جس میں شرائطِ جمعہ وعیدین نہیں پائے جاتے)

Marfat.com

کا امام مسجد عید کے دن لوگوں کو خود بخود جمع ہو جانے پر دو رکعت نفل محض با جماعت بغیر تکبیرات عیدین ادا کرتا ہے اور نمازِ عید کو وہاں واجب نہیں سمجھتا کیا یہ نماز جائز ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ چک مذکور کے قریب ایک دوسرے چک کا امام مسجد نور احمد دیوبندی نماز مذکور کو مکروہ تحریمہ اور نماز پڑھانے والے کو گنہگار کہتا ہے اور اپنی دلیل کی صحت کے لئے فتاوٰے شامی کی عبارت (قوله بما لا يصح) اى على انه عيد والا فهو نفل مكروه لادائه بالجماعة پیش کرتا ہے۔ اور نمازِ عید کو گاؤں میں واجب قرار دیتے ہوئے اس کے تارک کے لئے فتوٰیٔ خوفِ کفر بھی صادر کرتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے اور واقعی نفل محض با جماعت مکروہ تحریمہ اور پڑھنے پڑھانے والے گناہگار و حرام کار ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو مفتی مذکور کا فتوٰے غلط اور خود کذاب و خطا کار ہوگا یا نہیں؟ بينوا توجروا۔

المستفتی : ابوالفیض علی محمد نوری غفرلہٗ چک ۷-۴/۱۳۱ ضلع منٹگمری ۶-۷-۵۴

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الجواب اللّٰهم اجعل لى النور والصواب

حسبِ تصریحاتِ جلیلہ حضرتِ امامِ اعظم اور دیگر ائمہ احناف علیہم الرحمۃ گاؤں میں نمازِ عید نہیں کہ حضرتِ مولیٰ علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم کا یہی فتوٰے ہے جو حقیقۃً حضور پر نور سید عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا فتوٰے ہے اور ان کا فتوٰی ان کے رب اکرم جل وعلا کا فتوٰی ہے۔ اسفارِ مذہبِ مہذب متوناً و شروحاً و حواشی و فتاوٰے اور دفاترِ احادیث و شروح ان تصریحاتِ جلیلہ سے گونج رہے ہیں جنفی بن کر اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو عقل و انصاف کے وجود کا ہی قائل نہ ہو۔ تو اس روشن کی طرح واضح ہوا کہ امام مسجد اولیں کا نمازِ عید کو واجب نہ سمجھنا اور ادا نہ کرنا اپنے پسندیدہ اور پیارے مذہبِ حنفیہ پر عمل کرنا ہے جو اس کا شرعاً عرفاً عقلاً ہر طرح حق ہے اور نمازِ نفل محض کی ادائیگی اوقاتِ خاصہ میں گو بجماعتِ کثیرہ ہو قطعاً جائز اور آیۂ کریمہ واستعينوا بالصبر والصلوة میں یقیناً داخل۔ پھر تکبیراتِ عیدین چونکہ مخصوص بہ عیدین ہیں تو ان کے بغیر ادا کرنا بعید از انصاف نہیں بلکہ عینِ انصاف ہے۔ رہا با جماعت ادا کرنا تو وہ بھی قابلِ گرفت نہیں بلکہ کریمۂ مذکورہ کا اطلاق مجوز اور ظاہر صیغۂ جمع متقاضیٔ جواز ہے و اطلاق النصوص حجة لا يجوز نسخه

Marfat.com

بخبر الواحد و القیاس فضلا عن آراء الاغبیاء کما نصوا علیہ فی مظانہ۔

باقی اس دیوبندی امام کا مکروہ تحریمہ کہنا اور نماز پڑھانے والے کو گناہ گار و حرام کار بتانا تو یہ ان بہادروں کا روزانہ مشغلہ ہے کوئی نئی چیز نہیں۔ ان کے نزدیک تو سارا جہان شرک آباد ہے گیارہویں شرک، میلاد شریف شرک، یہ شرک وہ شرک غرض شرک ہی شرک ہے تو اس بیچارے کا شکوہ ہی کیا؟ ہر ایک اپنی عادت سے مجبور ہوتا ہے بلکہ یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ صرف گناہ و حرام و خوفِ کفر پر اکتفاء کیا ورنہ شرک و کفر کہتا۔ اس کا تو عبارتِ شامی کو بطورِ سند پیش کرنا ہی اس کے علم و عقل کا بہترین شاہد عدل ہے ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد، کا مصداق جلتی پر تیل بلکہ پڑول چھڑکنے کا کارنامہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ درالمختار میں ہے کہ نمازِ عید گاؤں میں مکروہ تحریمہ ہے اس لئے کہ بغیر صحیح کام میں مشغول ہونا ہے اور شامی نے اسے برقرار رکھتے ہوئے فرمایا کہ غیر صحیح و مکروہ تحریمہ تب ہے کہ عید جان کر ادا کرے ورنہ وہ نفل ہے اور ادا بالجماعت کیوجہ سے مکروہ ہے جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ اگر عید نہ سمجھے تو صحیح ہے اور مکروہ تحریمہ نہیں ہاں جماعت کیوجہ سے مکروہ ہے تولامحالہ یہ مکروہ تنزیہی بنے گا کہ وہی صحیح ہوتا ہے اور وہی مکروہ تحریمہ کے مقابلہ میں آتا ہے ورنہ شامی علیہ الرحمۃ کا "الا" بے معنی اور بے جا ہو جائے گا حالانکہ یہی شامی دوسری جگہ تصریح فرماتے ہیں کہ نفل باجماعت مکروہ تنزیہی ہے۔ شامی ص ۶۶۴ جلد ۱، منحۃ الخالق ص ۷ جلد ۲ میں ہے وھو کالصریح فی انہا کراھۃ تنزیہ۔ منحۃ الخالق ص ۳۴۵ جلد ۱ میں ہے وان الکراھۃ کراھۃ تنزیہ تو خود اس کی پیش کردہ عبارت سے ثابت ہو گیا کہ:

(۱) گاؤں میں نمازِ عید مکروہ تحریمہ ہے اور صحیح نہیں۔

(۲) ادائے نفل باجماعت صحیح ہے یہی پہلے امام کا نظریہ و عمل ہے اور دوسرا اس کے مخالف ہے باقی شامی علیہ الرحمۃ کا مکروہ تنزیہ کہنا تو یہ بھی امام اولین پر اعتراض نہیں بن سکتا کہ مکروہ تنزیہ حرام نہیں بلکہ حرام کا مقابل اور جائز ہوتا ہے ورنہ مقابل نہیں رہے گا۔ اور اگر مواظبت و ہمیشگی سے باجماعت ادا نہ کرے بلکہ گاہے گاہے ادا باجماعت کرے تو مکروہ تنزیہ بھی نہیں۔ شامی ص ۶۶۳ جلد ۱ میں ہے ان کان احیانا کما فعل عمر کان مباحا غیر مکروہ

Marfat.com

اور یہی صورت ہے اس مسئلہ کی کہ کبھی کبھی ہی پڑھتا ہے تو مکروہ تنزیہی بھی نہ رہا۔ پھر دوسرے امام مسجد کا گاؤں میں نمازِ عید کو ایسا واجب قرار دینا کہ تارک پر خوفِ کفر ہو محض نادانی اور خطرناک ظلم ہے۔ اس کا یہ خوفِ کفر کہاں کہاں جا پہنچا، یہ اوائلِ جواب سے بخوبی واضح، ظالم اگر ہمارے ائمہ کرام و حضراتِ عظام کا لحاظ نہیں کرتا تو کم از کم اپنوں ہی کا پاس کرتا۔ اکابرِ دیوبند بھی گاؤں میں نمازِ عید کے قائل نہیں۔ بلکہ ظالم کو تو اپنا بھی خیال نہ رہا کہ اسی کی پیش کردہ عبارت سے ثابت کہ گاؤں میں نمازِ عید مکروہ تحریمہ اور غیر صحیح ہے اور مکروہ تحریمہ سے بچنا واجب، شامی ص۲۳۲ جلد ا میں ہے کراھۃ التحریم فی رتبۃ الواجب تو الٹے وہ خود تارکِ واجب بنا، کہ گاؤں میں نمازِ عید مکروہ تحریمہ کا ارتکاب کیا تو اس کے اپنے اس فتوٰے سے خود اس پر خوفِ کفر ثابت ہو گیا۔

؎ دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

کذلک العذاب و لعذاب الآخرۃ اکبر و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ اس کے اس فتوی دستندِ مذکور کی اغلاط کثیرہ وجہالات وغیرہ وغیرہ اہلِ علم سے نہاں نہیں اور متلاشیِ حق وانصاف کے لئے یہی چند سطور ہی کافی اور معاند و دشمنِ حق کے لئے صدہا دفتر بھی نادانی۔ تو اس پر اختصار و اقتصار ہوا۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

ابوالخیر غفرلہٗ ۶ ر ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۷۳ھ

(نوٹ) حضرت علامہ مولانا الحاج ابوالبیان غلام علی صاحب اوکاڑہ نے اس فتوٰے کی تائید عبارت ذیل سے مع اپنے دستخطوں کے فرمائی ہے۔

"نفل مع الجماعت علی سبیل التداعی مکروہ تنزیہی ہیں حرام نہیں، معصیت بھی نہیں"

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا

Marfat.com

آیا سنتِ مؤکدہ ہے، غیر مؤکدہ یا مکروہ؟ اس سلسلہ میں نقل کی جانے والی حدیثِ ابی داؤد استنباطِ مسائل میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ کے متعلق فتوےٰ صادر فرمایا ہے فتاویٰ رضویہ میں کہ بعض نے سنت لکھا ہے اور بعض نے مکروہ۔[۱] اگر سنت بھی ہے تو غیر مؤکدہ، بنظرِ اختلاف بچنا ہی بہتر ہے مگر کوئی عذر ہو (لان الفعل اذا تردد بین السنۃ و الکراھۃ فکان ترکہ اولی۔ نیز احکامِ شریعت[۲] میں فرمایا کہ سنت و مکروہ میں تعارض ہو تو ترک اولیٰ ہے کیونکہ جامع الرموز میں محیط سے نقل ہے کہ سنت ہے اور محیط میں مکروہ لکھا ہے۔ زید نے اعلیٰ حضرت کے فتوےٰ کے خلاف دیوبندی مفتی سے فتویٰ لیا ہے اور اس نے ان الفاظ میں فتویٰ دیا ہے فی روایۃ ابی داؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام ای فی الخطبۃ متکئا علی عصا او قوس کذا رواہ السراج ابن عائب و محمد بن السکن و فی شامی (الخلاصۃ، المغرو من وغیرہ محرم من السوال فی امکن) ونقل القہستانی عن عبد المحیط ان اخذ العصا سنۃ کالقیام (رد المحتار ص۶۸۴، ج۲)

مندرجہ بالا احادیث اور شامی کے فتوے سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لیا ہے جو کم از کم سنت پر دلالت کرتا ہے اور ان دلائل کی موجودگی میں کسی شخص کا کہنا کہ عصا ہاتھ میں لینے کا ثبوت نہیں اور خطبہ میں غیر مشروع ہے، بہت بڑی جسارت ہے اور اس سے لازم کہ خطیب کو استغفار کرے اور کوئی بات بلا دلیل شرعی نہ کرے۔ قہستانی نے کہا ہے کہ عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے باقی عصا کو ہاتھ میں لازم قرار دینا اور اس کے بغیر خطبہ نہ ہونے کا اعتقاد کرنا درست نہیں۔

تحقیق سے بیان فرمائیں اس مفتی کا یہ فتوےٰ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اور جامع الرموز اور صاحب محیط اور صاحبِ خلاصہ و درالمختار و عالمگیری تمام فقہائے کرام اور ان فتاویٰ کے خلاف ہوا یا نہیں؛ علماءِ اہلسنت کے نزدیک اعلیحضرت مجددِ مائۃ حاضرہ کے فتوے کی حیثیت ہے کیا، اعلیٰ حضرت کی تحقیق حقیقت ہے یا کچھ اور؟ اور زید جو اعلیٰ حضرت کے فتوے کے خلاف دیوبندی مفتی کے فتوے کو ترجیح دیتا ہے۔ کیا یہ رسولِ کریم

---

[۱] ص۶۸۴ جلد ۲۔ ۱۲ ابو الخیر النعیمی غفرلہ [۲] حصہ ص۱۳۵ حصہ دوم مطبوعہ مراد آباد شریف ۱۲ ابو الخیر النعیمی غفرلہ

Marfat.com

صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کی تائید نہیں اور اعلیٰ حضرت نے فرمایا من شك فی کفرہ فھو کافر۔ بینوا بالتحقیق وتوجروا

السائل: محمد بشیر مدرس دار العلوم قمر الاسلام سلیمانیہ، پنجاب کالونی گزری روڈ کراچی ملا

نوٹ: اوائل ربیع الآخر میں یہ سوال آیا، ابوالخیر النعیمی غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم وآلہ واصحابہ وبارك وسلم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے مسند امام احمد (المکتب الاسلامی بیروت) صـ۲۱۲ جلد ۴، سنن ابی داؤد صـ۱۵۶ جلد ۱، سنن بیہقی صـ۲۰۶ جلد ۳ میں حضرت حکیم بن حزن کلفی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث طویل میں بالفاظ متقاربہ ہے والنظم عن المسند فلبثنا عند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایاما شھدنا فیھا الجمعۃ فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوکئا علی قوس او قال عصا۔ مواہب اللدنیہ صـ۳۸۴ جلد ۷ میں ہے (مطبوعہ مع الشرح الزرقانی) وعند ابی داؤد باسناد حسن انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قام متوکئا علی قوس او عصی فی خطبۃ الجمعۃ۔ سنن ابن ماجہ صـ۷۹، سنن بیہقی صـ۲۰۶ جلد ۳ میں حضرت سعد موذن رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بالفاظ متقاربہ ہے اذا خطب فی الجمعۃ خطب علی عصی۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے جامع صغیر صـ۲۸۰ جلد ۲ میں اس حدیث کی تصحیح فرمائی۔ مستدرک حاکم صـ۶۰۷ جلد ۳ میں انہی حضرت سعد سے خطبہ عیدین کے متعلق ہے و یخطب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی عصا۔ سنن بیہقی صـ۳۰۰ جلد ۳ میں حضرت براء بن عازب رضے اللہ تعالےٰ عنہ سے خطبہ اضحیٰ کے متعلق ہے واعطی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوسا او عصا فاتکأ علیھا اور سنن ابی داؤد صـ۱۶۲ جلد ۱ کی اسی حدیث میں ہے نوّل یوم العید قوسا فخطب علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ زرقانی علی المواہب صـ۳۸۴ جلد ۷ اور صـ۳۹۴ جلد ۷ میں مکرر ہے

وفی ابی داؤد کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام یخطب اخذ عصا فتوکأ علیہا وھو علی المنبر. کتاب الام ص۲۰۰ جلد ا (للامام الشافعی) میں حضرت عطاء بن ابی رباح تابعی جلیل القدر کی حدیث مرسلؔ ہے۔ اسناد کے بعد ہے قلت لعطاء اکان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقوم علی عصا اذا خطب قال نعم کان یعتمد علیہا اعتمادا امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے جامع صغیر ص۱۸۰ جلد ۲ میں اس حدیث کا ذکر فرما کر تصحیح فرمائی۔ سنن بیہقی ص۲۰۶ جلد ۳ میں بھی اس حدیث کو بالاسناد ذکر فرمایا ہے اور المنیر شرح جامع صغیر ص۱۲۴ جلد ۳ میں ہے قال الشیخ حدیث صحیح طحطاوی علے المراقی ص۳۰۹ میں محقق ابن امیر حاج رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے: انہ ثبت انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قام خطیبا بالمدینۃ متکئا علی عصا او قوس کما فی ابی داؤد وکذا رواہ البراء بن عازب عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصححہ ابن السکن۔ شامی ص۷۶۲ جلد ا میں در المختار کی عبارت وفی الخلاصۃ ویکرہ ان یتکئ علی قوس او عصا کی تضعیف میں فرمایا استشکل فی الحلیۃ بانہ فی روایۃ ابی داؤد انہ صلی اللہ علیہ وسلم قام ای فی الخطبۃ متوکئا علی عصا او قوس اھ ونقل القہستانی عن عبد المحیط ان اخذ العصا سنۃ کالقیام۔

شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ شرح سفر السعادت ص۲۰۹ میں فرماتے ہیں "صحیح آنست کہ مکروہ نیست از جہت ورود سنت" رہی تردد و تعارض سنت و کراہت کی بات تو وہ اس مسئلہ میں مشکل ہے کیونکہ تعارض کے لئے شرط ہے کہ دونوں دلیلیں برابر ہوں کما بین فی محلہ۔ اور مسئلہ ہذا کا اثبات صحیح و حسن حدیثوں سے ہے حالانکہ نفی کیلئے کوئی حدیث نہیں لائی گئی۔ رہا خلاصہ وغیرہ میں ذکر کراہت تو وہ کسی شیخ کا قول

ؔ والمرسل حجۃ عندنا ۱۲ منہ غفرلہ للعہ کوئی ایسے صاحب جو بیبیرث محدثانہ سے عاری ہوں ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

ہی ہو سکتا ہے جو تلفظات و تفقہات مشائخ سے ہی ہے تو اس میں یہ طاقت کہاں کہ صحیح وحسن حدیثوں کے مقابلے آئے۔ امام اہل السنت والجماعت کے فتاوٰی میں ہونا بظاہر کاتب یا مرتب کی غلطی ہی ہوسکتی ہے خود اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاوٰی رضویہ شریفہ میں اکابر مشائخ عظام پر بکثرت تطفلات کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ پہلے ہی جلد میں انیس صد سے بھی زیادہ ذکر کئے ہیں۔ مثلاً ص۸۲۷ جلد ۱ میں فرمایا سبق قلم من الامام فقیہ النفس رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ و رحمنا بہ فی الدنیا و الآخرۃ آمین۔ اور پھر نہایت زریں ارشاد فرمایا و لاغرو فلکل جواد کبوۃ و لکل صارم نبوۃ و لاعصمۃ الا لکلام الالوھیۃ ثم النبوۃ۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ ثلاثین ص۱۳ جلد ۱ میں فرماتے ہیں و قد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابا من کتب المتأخرین و یکون القول خطأ أخطأ بہ اول واضع لہ فیأتی من بعدہ و ینقلہ عنہ و ھکذا ینقل بعضھم عن بعض پھر ص۱۵ میں فرمایا و لھذا الذی ذکرناہ نظائر کثیرۃ اتفق فیھا صاحب البحر و النھر و المنح و الدر المختار و غیرھم وھی سھو منشأھا الخطأ فی النقل او سبق النظر اور یہ بھی واضح کہ کسی دیوبندی کی کوئی سچی بات صرف اس لئے جھوٹی نہیں ہوسکتی کہ دیوبندی کی بات ہے الکذوب قد یصدق حق ہے ھذا ما لدیّ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

نوٹ: حضرت کا استفتار صاف نہیں لکھا ہوا ذرا آرام سے صاف لکھا جائے اور پھر تاریخ بھی درج کرنی چاہیئے۔ شکریہ ۱۲ منہ غفرلہ

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ خادم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ ۱۰-۶-۷۱

Marfat.com

مسائلِ شتّٰی

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کرام اس مسئلہ میں کہ زید برائے تبلیغ بر دوکان فرید بخش گیا۔ نماز کے لئے کہا فرید بخش نے عذر کیا۔ آئندہ پڑھنے کا وعدہ کیا۔ قریب ہی ایک پیر صاحب مسمیٰ غلام قادر شاہ بیٹھے تھے۔ وہ چلاکر کہتے ہیں خالی پیشانی رگڑنے سے تو "یہ" بھی نہیں ہے۔ "یہ بھی" کا اشارہ اپنے آلۂ تناسل کی طرف کرتے ہیں۔ ایسا کرنا ہمارے عرف میں توہین ہے۔ دوسرا اشارہ بھی استہزا کرتا ہے۔ عند الشرع کیا حکم ہے؟

السائل : مولوی الٰہی بخش چک نمبر ۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

العیاذ باللہ! نماز کو خالی پیشانی رگڑنے کا نام دینا اور پھر بیہودہ جاہلانہ اشارہ سے توہین و استہزا، بدترین حرام ہے۔ غلام قادر نے سخت ترین جرم سنگین کا ارتکاب کیا۔ اس پر لازم کہ فوراً سچے دل سے اہلِ اسلام کے روبرو توبہ نصوحا کرے۔ قرآن کریم میں صاف موجود ہے واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزوًا و لعبًا ذٰلک بانھم قوم لا یعقلون۔ پ ۶ رکوع ۱۳۔ اور ارشاد ہوتا ہے قل اباللہ و اٰیٰتہٖ ورسولہ کنتم تستھزءون ہ لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔ اور اگر نہ مانے اور توبہ نہ کرے تو اہلِ اسلام پر لازم کہ اس سے بالکل الگ رہیں۔ بیٹھنا اٹھنا وغیرہ کسی قسم کا تعلق و رابطہ نہ رکھیں۔ حضرتِ رب العالمین کا حکم قرآنِ کریم میں ہے یاایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم و الکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین پ ۶ ع ۱۳۔

Marfat.com

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ
وآلہ وصحبہ وسلم الیٰ ابد الآباد۔

حررہ : الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ بندہ ریلوے چھاپہ خانہ میں ملازم ہے۔ میرے ساتھ اسی چھاپہ خانہ میں ایک اور آدمی بھی کام کرتا ہے۔ میرا اس سے لڑائی جھگڑا ہے۔ ہم نے بات چیت کبھی نہیں کی۔ ایک دن وہ میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک تیسرے شخص نے ہمیں اکٹھا بیٹھا دیکھ کر تمسخر کے لہجے میں مسکرا کر زور سے کہہ دیا اللہ اکبر! میں نے غصہ میں آکر اُس کے جواب میں کہہ دیا" اوکتے بکومت" کیوں کہ وہ مجھے پہلے بھی تمسخر و مذاق کرتا رہتا تھا۔ میں نے اس وقت بھی یہ سمجھا کہ یہ شرارتی آدمی ہے، شرارت کر رہا ہے اور غصہ میں آکر یہ الفاظ کہہ دئے۔ بلکہ غصہ میں مجھے یہ بھی پتہ نہیں لگا کہ اس نے کیا الفاظ استعمال کئے ہیں اور میں کیا کہہ رہا ہوں۔ باقی میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ توہینِ نامِ خدا میرا قطعاً مقصد نہیں تھا۔ میں تو ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں۔ آپ جیسے بزرگوں سے سنکر صوم و صلوٰۃ و داڑھی وغیرہ کی پابندی کر رکھی ہے۔ اسی لئے وہ مجھے مخول کرتا رہتا تھا۔ اب میں اپنے اس لفظ پر نادم ہوں اور وہ مخالف بھی پروپیگنڈا کرتا ہے کہ اس نے خدا کے نام کی توہین کی ہے۔ کفریہ لفظ بولے ہیں، اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ لہٰذا میں آپ سے سائل ہوں۔ برائے مہربانی بندہ کے لئے شریعت کی رُو سے جو حکم ہو اس سے واپسی ڈاک مطلع فرمائیں۔ بندہ شریعت کے حکم کی تعمیل کے لئے بدل وجان حاضر ہے۔ والسلام

السائل : ولایت علی ساکن گڑھی شاہو لاہور ، ۵۸-۸-۸ بروز جمعۃ المبارکہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اس تیسرے شخص نے اگر واقعی لہجۂ تمسخریہ میں مسکراتے ہوئے زور سے تکبیر کہی تو وہ خود سخت گنہگار ہوا توہینِ نامِ پاک اور بے ادبی تکبیر کا مرتکب بنا۔ فتاوٰے عالمگیر صـ۹ جلد ۴ میں ہے الکلام

Marfat.com

من ما يوجب اجرا كالتسبيح والتحميد وقراءة القرآن والاحاديث النبوية وعلم الفقه وقد يأثم به اذا فعله فى مجلس الفسق وهو يعلمه لما فيه من الاستهزاء والمخالفة لموجبه۔ تو آپ کا اس کے جواب میں " دکتے بکومت " کہنا اسے اس استہزاء وتمسخرسے (جو موجبِ توہین ہے) روکنا بنا جو سراسر جائز ہے۔ بلکہ اگر آپ یہ معنے سمجھ کر ردِ توہین کے لئے کہتے تو موجبِ اجرِ عظیم بھی بنتا کہ نہی عن المنکر ہے۔

اور ایسے ظالموں کا رد جو ارادہ فاسدہ سے اچھا کلام بولیں، سنتِ الٰہیہ بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكاذبون ۔ بنا برعلیہ حضرتِ مولیٰ علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم کے سامنے جب خارجیوں نے لاحكم الا لله پڑھا تو آپ نے فرمایا كلمة حق اريد بها باطل ۔ الى غير ذلك من النظائر المتكاثرة والجزئيات المتظاهرة المتوافرة۔

بہرحال آپ اندریں حالات اس الزام سے پاک اور ایمان ونکاح پر قائم ہیں۔ ہاں خود وہ مخالف نامِ پاک کی توہین کرنے والا، گستاخ ہے اور جھوٹا ہے، اپنے نکاح کا فکر کرے، پھر اس کا صوم و صلوٰۃ ولحیہ پر پابندی کی وجہ سے مخول کرتے رہنا بھی حرکتِ کفریہ ہے اور توہینِ شریعتِ علیہ ہے۔

والله تعالىٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم وصلى الله تعالىٰ على حبيبه و آله واصحابه وبارك وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۸ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

Marfat.com

بَابُ الجَنَائِز

الاستفتاء

جناب عالی!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جو لڑکی ایک سال یا دو سال کی فوت ہو جائے۔ اسے غسل دینے والی عورتیں موجود ہوتے ہوئے بھی پھر اس لڑکی میت کو غسل مرد دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ امام لڑکیوں کو غسل دیتا رہے کیا شریعت اس مسئلہ میں کیا حکم دیتی ہے؟ اور مرد کو کیا شریعت کا حکم ہے؟

دعاگو: سید احمد علی شاہ ولد سید حیدر علی شاہ نقوی کرمانی شیر گڑھی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور و الصّواب

بالکل چھوٹا بچہ نر ہو یا مادہ اسے مرد اور عورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیر ص۸۳ میں ہے

ان کان المیت صغیرا لا یشتھی جاز ان یغسلہ النساء وکذا اذا کانت صغیرۃ لا تشتھی جاز للرجال غسلھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۲۴-۳-۶۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کرام و مفتیان عظام دین متین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ میں کہ

Marfat.com

زید کی عورت (زوجہ) زید کو چھوڑ کر اختر کے ساتھ بھاگ گئی اور اس عورت نے اختر سے زنا کر کے تین بچے جننے کے بعد اختر فوت ہوگیا اور دس سال تک یہ عورت یعنی زید کی عورت آوارہ گردی کرتی رہی اور اب زید کی عورت فوت ہوگئی ہے اور زید ابھی زندہ ہے۔ کیا اب اس عورت کا نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جس شخص نے اس کا نماز جنازہ پڑھا ہے اس کے متعلق کیا حکم شرع وارد ہے؟ بجواله تحریر فرماویں۔

از: شاہو ملوزح ضلع منٹگمری تحصیل پاکپتن شریف ۱۴ جمادی الثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وہ عورت گو بڑی سخت گنہگار تھی مگر جبکہ کلمہ گو اور مسلمان تھی تو اس کا جنازہ پڑھنا ضروری تھا کہ نمازِ جنازہ کی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے۔ فتاوٰے عالمگیری ص۸۳ جلد ا میں ہے وشرطها اسلام الميت نیز اسی میں ہے ويصلى على كل مسلم مات الخ شرح عقائد ص۱۱۵ میں ہے ويصلى على كل بر وفاجر اذا مات على الايمان للاجماع الخ اگر مرنے والے کلمہ گو نے اپنی زندگانی میں اپنے فرائض ادا نہ کئے اور گنہگار رہا تو وہ اس کا اپنا معاملہ ہے اور جب فوت ہوا تو اس کا کفن و دفن اور نماز جنازہ ہمارے فرائض ہیں تو ہم اپنے فرائض ترک کر کے گنہگار کیوں بنیں جس شخص نے جنازہ پڑھا اس نے اپنا فرض ادا کیا اور نیک کام کیا۔ اس پر اعتراض کرنے والا گنہگار ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

بخدمت جناب حضرت فقیہ اعظم مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب مدرسہ بصیر پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ قصبہ کرم پور میں ایک شخص محمود ماچھی قضاءِ الٰہی سے فوت ہوگیا۔ اس کے جنازہ کے لئے مولوی صاحب امام مسجد کو بلایا گیا تو امام مسجد کو ایک شخص شعبان کمہار نے شہادت دی کہ یہ شخص مسمّٰی محمود شیعہ ہے۔ اس کا جنازہ اہلسنت والجماعت کا کوئی فرد نہ پڑھا سکتا ہے

Marfat.com

اور نہ پڑھ سکتا ہے مگر شہر کے باقی معززین سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ محمود تو ساری عمر اہلِ سنت والجماعت کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتا رہا ہے تو شیعہ کس طرح ہو سکتا ہے ؟ جس شخص یعنی شعبان کمہار نے شہادت دی تھی کہ یہ شیعہ ہے اس سے شہر کے چیرمین صاحب اور دیگر معززین نے بلا کر پوچھا کہ تیرے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ شیعہ ہے تو اس نے کہا کہ جامع مسجد میں میرے ساتھ مسمیٰ محمود نے نماز ادا کی اور بعد میں اس نے دعا مانگتے وقت کہا " اے علی المرتضٰے علی المرتضٰی مجھے بخش دے اور تین دفعہ اس نے یہی الفاظ کہے۔ چیرمین صاحب اور دیگر حضرات نے پوچھا کہ کوئی اَور گواہ ؟ تو اس نے جواب دیا میرے پاس کوئی اور گواہ نہیں ہے۔ کئی آدمی بمع امام مسجد اس اکیلے کی شہادت پر نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر گئے اور جن کے ساتھ وہ ہمیشہ باجماعت ادا کرتا رہا ہے۔ ان لوگوں نے دوسرے امام کو کھڑا کر کے اس کا جنازہ پڑھا دیا۔ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد تقریباً دو اڑھائی سو ہے۔ اب امام مسجد شعبان کمہار اور دوسرے لوگ جنازے میں شریک نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ جن لوگوں نے محمود ماچھی کا جنازہ پڑھا ہے اور جس نے پڑھایا ہے وہ توبہ تائب ہوں اور نکاح دوبارہ پڑھائیں۔

نوٹ :۔ امام مسجد کا نام واحد بخش ہے۔

السائل :۔ فیض محمد چیرمین یونین کونسل کرم پور ۱۶۱ تحصیل میلسی ضلع ملتان ڈاک خانہ کرم پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر مسمیٰ محمود ماچھی عمر بھر اہل السنت والجماعت کے ساتھ نماز پڑھتا رہا ہے اور اس سے کوئی ایسی حرکت شرعی شہادت سے ثابت نہیں ہوئی جو اس کے بدعقیدہ ہونے کی دلیل بنے تو وہ شرعاً مسلمان ہے اور سُنی ہے۔ اس کا جنازہ پڑھنا فرض تھا۔ رہا شعبان کمہار کا کہنا تو وہ شرعی شہادت نہیں۔ شرعاً شہادت کا نصاب دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں، اور وہ بھی پابندِ شریعت ہوں تو گواہی کے قابل ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے ذوا عدل منکم، وغیرہ من الآیات تو اکیلے شعبان کا قول غیر معتبر ہے۔ پھر وہ قول بھی ایسا ہے جو شیعہ ہونا ثابت نہیں کرتا۔ اس " اے علی المرتضٰے مجھے بخش دے " کہنے میں اگر نیت اس کی درست تھی تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالٰے کے مقبول اور پیارے اس کی دی ہوئی طاقت سے برزخ میں سن لیتے ہیں لہذا یا علی یا غوث وغیرہ ندائیں اس بنا پر جائز ہیں اور " بخش " کہنا بھی جائز ہے کیونکہ بندگانِ خدا اپنے حقوق بخش سکتے ہیں۔ دیکھئے قرآنِ کریم پ ۲۵ ع ۵ میں ہے واذا غضبوا ھم یغفرون " اور جب ناراض ہو جائیں تو بخش

Marfat.com

دیتے ہیں۔" پھر اسی رکوع میں ہے ولمن صبر وغفر ان ذلک لمن عزم الامور (ترجمہ) اور ضرور جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں سے ہے" نیز اسی پارہ کے رکوع ۱۸ میں ہے قل للذین آمنوا یغفروا الآیۃ (ترجمہ) فرمادو ایمان داروں کو معاف کریں۔"

بہر حال بخشنا، معاف کرنا مغفرت کا ترجمہ ہے جو قرآنِ کریم کی ان تین آیتوں میں مادہ "مغفرۃ" سے ہے اور اللہ تعالے کے پیاروں کی صفت بن رہا ہے تو حضرتِ شیرِ خدا مشکل کشا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالے وجہہ الکریم کیوں نہیں بخش سکتے! ہاں ہاں وہ اللہ رب العالمین کی عطا کردہ طاقت سے ندا، غائبانہ سن لیتے ہیں اور اپنے نیاز مندوں کی کوتاہیاں بھی جان لیتے ہیں اور بخش بھی سکتے ہیں، تو بلا وجہ ایک مسلمان سنی نمازی پر بدنیتی کی تہمت کیوں لگائی جائے جبکہ قرآنِ کریم نے بدگمانی اور افتراء و بہتان کو حرام قرار دیا ہے اور حدیثِ پاک میں بھی بدگمانی سے سخت منع فرمایا ہے لہٰذا اگر یہ قول محمود کا ثابت بھی ہو جائے تب بھی وہ اس قول کی بنا پر جب تک نیتِ بد کا شرعی ثبوت نہ ملے، شیعہ نہیں بن سکتا۔ لہٰذا اس کا جنازہ ادا کرنا فرض تھا شعبان کمہار اور اس کے ساتھیوں نے سخت ترین غلطی کی، صدقِ دل سے توبہ کریں اور عذابِ آخرت سے بچیں اور جن لوگوں نے نمازِ جنازہ ادا کی ان لوگوں نے فرض ادا کیا وہ ثوابِ جزیل اور اجرِ جمیل کے مستحق ہیں ان کو یہ کہنا کہ توبہ کریں اور نکاح دوبارہ کریں محض بیہودہ اور حرام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ خادم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع منٹگمری

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ ۶۶-۸-۲۰

الاستفتاء

نمبرا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے کہ زید نے نادانستہ والدین کی گواہی پر مسماۃ ہندہ بیوہ کا نکاح قبل از انقضاءِ عدت کر دیا۔ نکاح کرنے کے بعد کافی مدت تقریباً دو ماہ گزرنے کے بعد پتہ چلا کہ مسماۃ مذکورہ کا نکاح قبل از انقضاءِ عدت ہوا ہے۔ اب کیا صورتِ حال ہوگی؟ اور نکاح خوان حاضرین

Marfat.com

مجلس وغیرہ کے نکاح میں کوئی شرعاً نقص وارد ہوگا یا نہیں ؟

نمبر۲ : مسمّٰی زید نے مساۃ ہندہ کا بغیر علم کے نکاح پر نکاح کر دیا۔ آیا از روئے شریعت زید و حاضرین مجلس پر کیا جرم عائد ہوگا؟ آیا ان کے نکاح میں کوئی نقص آئے گا یا نہیں؟

نمبر۳ : مسمّٰی امان اللہ نے اپنی بیوی مساۃ زانی کو تحریری طور پر بایں الفاظ طلاق دی الفاظ یہ ہیں : تجھے طلاق ۔ طلاق ۔ طلاق ہے ۔ ان الفاظ سے شرعاً کونسی طلاق واقع ہوگی ؟

نمبر۴ زید میں یہ مندرجہ ذیل وصف ہیں ۔ کیا زید کا جنازہ اہل السنت والجماعت کو کرنا درست ہے یا نہیں ؟ : (۱) نماز میں رکوع و سجود نہیں ۔ (۲) کسی کا جنازہ نہیں پڑھتا ۔ (۳) قرآن پاک کے ۲۵ پاروں کا قائل ہے ۔ بینوا توجروا

نوٹ :۔ صورت اول و دوم میں اگر قصداً یہ عمل کرے تو کیا جرم عائد ہوگا ؟

السائل : منیر احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱ : وہ نکاح جو عدت کے اندر کیا گیا فاسد ہے ۔ مرد اور عورت پر لازم ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں ۔ نکاح خواں اور حاضرین مجلس کو جب معلوم نہیں اور دھوکا سے نکاح پڑھایا گیا ہے تو ان کا کوئی جرم نہیں ۔

۲ : اوپر بیان ہوا کہ اندریں صورت ان کا کوئی جرم نہیں لہٰذا ان کے نکاحوں میں کوئی خلل نہیں ۔

۳ : اگر یہ الفاظ مسمّٰی امان اللہ نے مساۃ زانی کو باقاعدہ خط وکتابت کے طریقہ پر لکھے ہیں تو تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور یہ طلاق مغلظہ بنے گی کہ بلا حلالہ امان اللہ پر حلال نہیں ہوگی ۔

۴ : ایسے شخص کا جنازہ اہل السنت والجماعت کو پڑھنا جائز نہیں ۔

۵ : علم ہوتے ہوئے نکاح پر نکاح پڑھانا ، ایسے نکاح کا گواہ بننا یا رضا و رغبت سے اس مجلس میں شامل ہونا حرام اور سخت حرام ہے ۔ اگر حلال جان کر ایسا کریں تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں گے تو ان کے نکاح بھی فاسد ہو جائیں گے ۔ ان پر فرض و لازم ہے کہ صدقِ دل سے توبہ کریں اور کلمۂ اسلام پڑھ کر مسلمان ہوں از سرِ نو تجدیدِ نکاح کریں ۔

Marfat.com

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور

الاستفتاء

نمبر۱ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید نے اسلم کا حق کسی صورت سے کھا لیا چاہے ظلم سے کھا لیا یا ادھار لے کر پھر نہ دیا، یا چوری کر کے کھا گیا۔ کیا زید کو شرع شریف اجازت دیتا ہے کہ اسلم کا اسی قدر مال جس طرح ہو سکے کھا لے یا نہ؟ مفصل جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

نمبر۲ : ایک شخص لین دین کے معاملہ میں اپنا مقدمہ یونین کونسل میں لے کر آیا ہے۔ کافی جد وجہد کے بعد چیئرمین صاحب اور ممبران کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ فریقین میں سے ایک قرآن پاک کی قسم اٹھائے اور دوسرا نقدی ادا کرے۔ قرآن کا فیصلہ فریقین کو منظور ہونا چاہئے۔ اس فیصلہ پر مسمّی سلطان جو ایک فریق کا امدادی تھا اس نے کہا کہ ہمیں قرآن کا فیصلہ منظور نہیں ہے۔ ہمارا فیصلہ جج صاحب کریں گے۔ ہر چند کوشش کی گئی کہ مسلمان ہو، قرآن کے فیصلے سے انکار نہ کرو مگر مسمّی مذکور نے ہرگز ہرگز منظور نہ کیا۔ بینوا توجروا

۳ : اہل شیعہ کو اہل سنت والجماعت والے اپنے جنازہ میں شامل ہونے دیں یا نہ؟ کیا شامل کرنے سے شرعاً کوئی سقم ہے یا نہیں! بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱ : ہاں حسب مختار فقہائے کرام متاخرین اجازت ہے کہ وہ شخص جس کا مال ناحق چوری وغیرہ سے کسی نے کھا لیا ہو اور دیتا نہ ہو تو حق والا اپنے حق کا قدر اس ظالم کے مال سے لے سکتا ہے کما فی التنویر والدر والشامیۃ۔

۲ : ظاہر یہ ہے کہ مسمّی سلطان یونین کونسل کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا مگر مخالف فریق بوجہ مخالفت اس کو قرآن کریم کے فیصلہ کا منکر کہتا ہے حالانکہ چیئرمین کے اس کہہ دینے سے کہ "ایک فریق قرآن پاک کی قسم اٹھائے" یہ فیصلہ

Marfat.com

قرآن کا فیصلہ نہیں بن جاتا۔ ایسی باتوں پر ہر مسلمان کو منکرِ قرآنِ کریم اور کافر و مرتد نہیں کہنا چاہیئے وذا معلوم من الشرع الشریف ضرورۃ۔

۳۔ نمازِ جنازہ بارگاہِ ربّانیہ میں میّت کی شفاعت ہے تاکہ اس کی مغفرت ہو اور مور دِ رحمت بنے اور شفاعت اس شخص کی معتبر ہو سکتی ہے جو پسندیدۂ بارگاہِ ربّانیہ ہو لہذا جنازہ میں ہر ایسے شخص کو شامل کیا جاتا ہے جو پسندیدۂ بارگاہِ حقیقیہ ہو اور ہر وہ شخص جو شرعاً پسندیدہ نہیں بلکہ مردود و مغضوب ہے اس سے اجتناب کیا جائے وذا لا یخفی علی من لہ ادنیٰ فہم فی الدین۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ

وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۶۳-۶-۸

نوٹ :- آپ کے سوالات صاف نہیں اور پہلا سوال تو بالکل ہی بظاہر الٹا سا ہے۔ زید ہی اسلم کا حق کھانے والا ہے اور پھر زید کے نام ہی سے سوال کیا جاتا ہے کہ اسلم کا اسی قدر کھا سکتا ہے! بہرحال ظاہر مفہوم کے لحاظ سے جواب لکھے گئے ہیں۔

الاستفتاء

ذی المجد والفضل والکرم حضرت علامہ مولانا محمد نور اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ و انوار علومہ ساطعہ وبراہین حججہ علی اخصامہ مسکتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :- مزاجِ گرامی!

عبارتِ کبیری مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۵۴۵ ۱۷ احسبِ ذیل ہے :-

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی میت فی المسجد فلا اجر لہ وروی فلا شیٔ لہ۔ اور ص۵۴۶ س۳ میں ہے واعلم ان لفظ حدیث ابی ھریرۃ محتمل لکل من الکراھۃ فی ھذہ الصورۃ وعدمھا

فان الجار والمجرور ان تعلق بالفعل اقتضی الکراھۃ وان تعلق بصفۃ النکرۃ لم یقتضھا۔ جار مجرور اگر متعلق بفعل ہوئے تو کیا معنے ہوں گے جو مقتضی کراہت ہے؟ کیا یہ معنے ہے کہ میت بھی مسجد میں ہو، صفت نکرہ کیا ہے اور حرف جار "علٰی" کی بحث ہے یا "فی" کی؟ اور ایسی صورت میں کیا معنے ہوں گے؟ اس سے میت کا بیرون مسجد ہونا، کس طرح سمجھا جائے (یعنی نماز مسجد میں پڑھی جائے اور میت بیرون مسجد ہو تو کراہت نہیں، یہ عبارت سے کس طرح سمجھا جائے؟ براہِ کرم تفصیل سے ارقام فرمائیں۔

نیاز مند: حکیم تجمل حسین خان از ڈرگ کالونی بلاک ۱۸ اسٹاپ ۲ کراچی مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۶۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

یہ دو احتمال حرف جار "علٰی" کے متعلق ہرگز ہرگز نہیں (علٰی "تو" صلٰی" کے متعلق ہی ہے کہ یہ مسئلہ متعلقہ صلوٰۃ الجنازہ ہے اور صلوٰۃ الجنازہ صلوٰۃ علٰی میت ہی ہے بلکہ "فی المسجد" کے متعلق ہیں)۔ پہلے احتمال یعنی تعلق بالفعل کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جو شخص کسی میت (عام ازیں کہ میت مسجد کے اندر ہو یا باہر کہ "میت" نکرہ غیر موصوفہ ہے اور نکرہ حیز شرط میں عام ہوا کرتا ہے) پر مسجد کے اندر نماز پڑھے تو اس کے لئے کوئی ثواب یا کوئی شئے نہیں، تو اس کا صریح تقاضا یہ ہے کہ نمازی مسجد سے باہر پڑھیں کہ نماز ثواب کے لئے ادا کی جاتی ہے اور مسجد کے اندر نہ پڑھیں، میت مسجد کے اندر ہو یا باہر دونوں صورتوں میں۔ اور دوسرے احتمال یعنی تعلق "بصفۃ النکرۃ" کی صورت میں یہ معنے ہوں گے کہ جو شخص ایسے میت پر جو "حاصل" یا "کائن" یا "ثابت" فی المسجد ہو، نماز پڑھے (عام ازیں کہ خود نمازی مسجد کے اندر ہو یا باہر، کہ اس صورت میں "مَن" موصولہ شرطیہ کے صلہ "صلّی" کے لئے فی المسجد کی قید نہیں) تو اس کے لئے کوئی ثواب یا کوئی شئے نہیں تو اس کا صریح تقاضا یہ ہے کہ میت بوقت نماز مسجد میں نہ ہو کہ فی المسجد کی قید ہے ہی میت کے لئے۔ اور جب تقاضائے حدیث کے موافق عمل کرے تو کراہت نہیں ہو سکتی اور اس ترجمہ سے ہی واضح ہو گیا کہ صفت النکرہ سے مراد وہ اسم فاعل مقدر ہے جو اسی ظرف مستقر فے المسجد کا متعلق بہ ہے حاصل ہو یا کائن یا ان کا ہم معنی کوئی اور کلمہ، اور پہلی صورت میں فی المسجد ظرف لغو بنے گی کہ اس صورت میں متعلق بہ "صلّی" ملفوظ ہے مقدر نہیں۔ کبیری

Marfat.com

کی اسی ساری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ اسی حدیث ابی ہریرہ میں دو احتمال ہیں جن میں سے ایک صورت مذکورہ بالا (و لو وضعت خارج المسجد و الامام و بعض القوم معہما و الباقی فی المسجد الخ) کی کراہت کا تقاضا کرتا ہے اور دوسرا احتمال عدم کراہت کا حالانکہ یہ قاعدہ مشہورہ ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال تو اس حدیث سے صورت مذکورہ کی کراہت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

اقول یہاں تین احتمال اور بھی ہیں وہ یوں کہ فی المسجد ظرف مستقر بنے اور مقدر کے متعلق ہو کر ضمیر مستتر " ھو " (جو صلّٰی کا فاعل ہے) سے یا میت سے یا ھُوَ اور میت دونوں سے حال واقع ہو تو اس احتمال نمبر اول اور نمبر دوم کے حاصل معنٰے بالترتیب وہی ہیں جو پہلے دو احتمالوں سے حاصل ہیں۔ البتہ احتمال سوم کی صورت میں حاصل معنٰی بدل جاتا ہے یعنی حدیث کا یہ تقاضا بن جاتا ہے کہ نمازی اور میت دونوں مسجد میں ہوں تو اجر نہیں اور اگر نمازی یا میت میں سے کوئی ایک فریق مسجد سے باہر ہو تو کراہت نہیں۔

البحر الرائق ص۱۸۷ جلد ۲ ، شامی ص۸۲۳ جلد ۱ ، طحطاوی علی الدر ص۳۷۷ جلد ۱ میں ہے و النظم من ان لفظ فی المسجد الواقع فی الحدیث یحتمل ان یکون ظرفا للمصلّی او للمیت او لہما الخ اس احتمال سے پانچوں احتمال ہی واضح ہو رہے ہیں۔ فی المسجد " صلّٰی " کی ظرف بنے اس کا صدق دو طرح ہے بلا واسطہ صلّٰی سے متعلق ہو یا مقدر کے متعلق ہو کر فاعل صلّٰی کا حال بنے کہ حال بھی اپنے عامل کی ظرف بنا کرتا ہے اور میت کا ظرف بننا بھی دو طرح ہے۔ ایک یہ کہ فی المسجد کا متعلق بہ مقدر میت کی صفت واقع ہو اور دوسرا یہ کہ حال واقع ہو۔ اور میت و صلّٰی دونوں کے لئے ظرف بننا یوں ہے کہ فاعل و مفعول دونوں سے حال واقع ہو۔ علامہ ابراہیم حلبی علیہ الرحمۃ نے چونکہ صرف حدیث کا محتمل ہونا ہی دکھانا تھا اور حصر مقصود نہیں تھا لہذا دو ہی احتمال ذکر فرمائے کہ محتمل ہونے کا ادنٰی درجہ یہی ہے۔

یہاں بحر الرائق میں ایک اعتراض کرتے ہوئے اس کا جواب دیا ہے جسے شامی علیہ الرحمۃ نے رَدّ کرتے ہوئے اپنا تحقیقی جواب بلکہ مستقل تحقیق بیان کی ہے مگر عبارت کبیری کی تفہیم جس کا ارشاد ہوا ہے اس پہ موقوف نہیں لہذا تفصیل سے سکوت مناسب۔ ہاں اجمالاً اتنا معروض کہ شامی علیہ الرحمۃ کی نظر میں یہ سب احتمالات مضمحل ہیں اور حدیث کا معنٰے متعین صرف ایک ہے اور " فی المسجد " " صلّٰی "

Marfat.com

کی طرف ہے۔ ان کا صرف ایک ہی جملہ عرض کئے دیتا ہوں۔ صفحہ ۹۳ جلد ا میں ہے فقولہ من صلی علی میت فی مسجد یقتضی کون المصلی فی المسجد سواء کان المیت فیہ او لا فیکرہ ذلک اخذا من منطوق الحدیث۔ پھر آخیر میں فرمایا فاغتنم ھذا التحریر الفرید فانہ مما فتح بہ المولی علی اضعف خلقہ والحمد للہ علی ذلک۔

کبیری کی عبارت تو بفضلہ تعالے پہلی ہی نظر میں واضح تھی مگر بفضلہ تعالے مجھے التزام ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو متعدد معتمداتِ مذہب ضرور دیکھا کرتا ہوں۔

واللہ تعالی اعلم وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

حضور والا فقیہ اعظم مدظلہٗ!

السلام علیکم۔ گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل مسئلہ کی صحیح تحقیق سے مطلع فرمائیں کہ یہاں اس مسئلہ پر اختلاف آئے باعثِ فتنہ ہو رہا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ زید نمازِ جنازہ کی امامت کرتے ہوئے دائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے دایاں ہاتھ چھوڑ دیتا اور بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے بایاں ہاتھ چھوڑ دیتا ہے لیکن بکر کہتا ہے کہ اس طرح نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور یہ چیز باعثِ فتنہ ہے۔ امید ہے کہ حضور والا تشفی فرمائیں گے۔ والسلام

السائل: نذیر احمد بٹ کریانہ سٹور گھاس منڈی ساہیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بکر کا یہ کہنا کہ اس طرح نماز فاسد ہو جاتی ہے بالکل غلط ہے۔ بلاشک و شبہ نماز صحیح رہتی ہے مگر ہے زید کا فعل بھی بے دلیل۔ صحیح یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے فوراً بعد دونوں ہاتھ کھول دے

Marfat.com

پھر دونوں سلام کہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۲۵ جلد ا میں ہے فالصحیح ان یحلل الیدین ثم یسلم تسلیمتین ھٰکذا فی الذخیرۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ ۲۴/۶/۷۲

الاستفتاء

بخدمت جناب مولانا مولوی محمد نوراللہ صاحب جی ساکن دُرس بصیرپور شریف

عرض ہے کہ ہمارے گاؤں چک ۲۹/ڈی میں قضائے الٰہی سے ایک آدمی فوت ہوگیا ہے اور اس کے جنازے کے واسطے تمام گاؤں والے اکٹھے ہوگئے اور صفاں باندھیں اور آگے امام بھی کھڑا ہوگیا اور جب امام نے نیت جنازہ کی کردی تو پہلی تکبیر کہہ دی تو ایک آدمی جو فتح دین قوم ترکھان نے پیچھے سے امام کو کہا کہ تھوڑا سا آگے ہوجاؤ۔ اور مخول کے ذریعے اس نے کہا اور اس آدمی کے ساتھ ایک ماچھی نام مراد تھا وہ ہنسنے لگا۔ اسی ہنسی میں دوسری تکبیر بھی امام نے کہہ دی اور ایسی ہنسی ان دونوں کو ہوئی کہ تمام آدمی ہنسنے لگے اور شور ہوگیا۔ اسی طرح جنازہ ٹوٹ گیا اور امام نے بھی سلام پھیر دیا۔ جناب عالی عرض ہے اس واسطے آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ فتح دین اور مراد ماچھی کو کسی چیز کا فتویٰ لگنا چاہئے یا نہیں؟ جو آپ فیصلہ کریں گے ہم اس پر عمل کریں گے۔ جب ان کو ہنسی ہوئی تو آدمی بہت گالی دینے لگے اور وہ ان دونوں کو روکنے لگے بلکہ یہ نہ رُکے اور ان کی ہنسی سے تمام کے تمام بُرا بھلا کہنے لگے۔ فقط والسلام

مورخہ ۵۷-۹-۲۶ کا واقعہ ہے تقریباً اس جنازہ میں ۳۵ آدمی تھے۔

سائل: نظام الدین بقلم خود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر فتح دین ترکھان نے امام کو بحیثیتِ امام ہی مخول کیا تو یہ شریعتِ مطہرہ کے ساتھ مخول بنے گا اور اس صورت میں

؎ ای بعد التکبیر الرابع کما قبیل ھٰذہ العبارۃ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا۔ اس پر لازم کہ وہ از سرِ نو کلمۂ اسلام پڑھے اور مسلمان ہو اور عورت سے دوبارہ نکاح کرے اور ایسے ہی جو لوگ اس کا یہ فعل بد جانتے ہو شامل یا راضی ہوئے ان کا بھی یہی حکم ہے و ذا ظاهر جداً لاغبار علیہ قطعاً۔ اور اگر امام کی حیثیت سے معزول نہیں کیا بلکہ دنیاوی طور پر ویسے ہی شرارت کی اور ظاہر بھی یہی ہے کہ آخر وہ کلمہ گو ہے۔ اندریں صورت وہ اور جو اس کے کام میں شریک ہوئے سب کے سب سخت گنہگار ہوئے اور ان سب کے برابر اس اکیلے کا گناہ ہوا۔ اس پر فرض ہے کہ سچے دل سے توبہ کرے اور امام صاحب سے معافی مانگے۔ قرآن کریم میں ہے والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا و اثما مبینا ٥ پ۲۲ ع ۴ ۔ ایضاً یا ایها الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیراً منهم (الی قوله تعالی) ومن لم یتب فاولئک هم الظالمون ٥ پ۲۶ ع ۱۳۔ باقی رہی تعزیر وغیرہ تو وہ اسلامی حکومت کا کام ہے وہ سخت سے سخت تعزیر ایسے برے کاموں پر لگا سکتی ہے۔ ہاں زمیندار وغیرہ با اثر لوگ آپ جتنا زیادہ سے زیادہ کر سکتے ہیں جوتوں وغیرہ سے مرمت کریں کہ ایسے گندے اور برے کام سے لوگ باز رہیں اور نمازیں حسبِ شریعت ادا کرتے رہیں و ذا واضح جدا من الآیات المنیفة و الاحادیث الشریفة۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و صحبہ
و بارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہ

الاستفتا

منجانب مولانا ابو الفیض علی محمد صاحب نوری خطیب ہاڑی، خط کے ضمن میں :۔

ایک مسئلہ دریافت طلب ہے کہ قبرستان میں جبکہ قبریں سامنے موجود ہوں تو وہاں نمازِ جنازہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر جنازہ اور سامنے والی قبروں میں کوئی چیز حائل ہو تو پھر تو جائز ہوگا؟ مجھے اس سلسلے میں حوالہ بھی مطلوب ہے۔

Marfat.com

ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۱۰ واسطہ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

یہ سوال بوجہ اجمال تفصیل طلب ہے مگر بوجہ قلّتِ فرصت ایسا مجمل جواب دیتا ہوں کہ عاقل کے لئے بفضلہٖ تعالیٰ اکثر صُور کا تفصیلی جواب بن جائے گا فاقول مستعینا بہ کافیا لعبادہ قبرستان میں قبروں کے سامنے بلکہ قبروں کے درمیان بھی اگرچہ مکان نجس ہو نمازِ جنازہ جائز بلکہ فرض بھی ہے جبکہ بلا نمازِ جنازہ یا قبل از تکمیلِ غسل یا بلا ولی اقرب جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا ہو بشرطیکہ قدم پاک چیز پر ہوں۔ تنویر الابصار، در المختار، رد المختار صفحہ ۸۲۶ جلد ا میں ہے (و ان دفن) و اھیل علیہ التراب (بغیر صلوٰۃ) او بھا بلا غسل او ممن لا ولایۃ لہ (صلی علی قبرہ) الخ شامی فرماتے ہیں ای افتراضا فی الاولیین و جوازا فی الثالثۃ لانھا لحق الولی افادہ ح۔ ہمارے پیارے نبی اولیٰ بالمومنین متعدد صحابہ کرام کی قبروں پر نمازِ جنازہ ادا فرما چکے ہیں حالانکہ قبر عموماً قبرستان میں ہوتی ہے ایک طرف یا درمیان اور یونہی میت غیر مدفون کی نمازِ جنازہ بھی قبرستان میں قبروں کے سامنے ہو سکتی ہے جبکہ قبروں کے درمیان نہ ہو جبکہ قبریں کراہت مرورِ مار از امام المصلی کی حد سے دور ہوں (جو ایک قول پر جائے سجدہ ہے اور صحیح یہ کہ نمازی باخشوع جب جائے سجدہ پر نظر رکھے تو مار پر نظر نہ پڑے کما فی الھندیۃ وغیرھا) شامی صفحہ ۶۱۲ جلد ا میں ہے لا تکرہ الصلوٰۃ فی جہۃ قبر الا اذا کان بین یدیہ بحیث لو صلی صلوٰۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ کما فی جنائز المضمرات۔ ہندیہ صفحہ ۵۶ جلد ا میں ہے ان کانت القبور ما وراء المصلی لا یکرہ۔ اور اگر قبریں بالکل نزدیک ہوں اور سترہ شرعیہ ہو تو بھی کراہت نہیں کہ وہ ایسا حجاب ہے جو شرعاً معتبر ہے۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۷۳ میں مرفوعاً ہے اذا وضع احدکم بین یدیہ مثل مؤخرۃ الرحل فلیصل و لا یبال من مر

عہ اصل مسائل کے ماسوائے صرف اسمائے کتب پر اکتفار کیا ہے اختصاراً ۱۲ امد غفرلہٗ

Marfat.com

وراء ذلك رواہ مسلم۔ فتاوٰے ہندیہ صفحہ۵۶ میں ہے ان کان بینہ و بین القبر مقدار ما لوکان فی الصلوٰۃ و یمر انسان لایکرہ فھٰھنا ایضا لایکرہ کذا فی التتارخانیۃ۔ اقول یصدق علی السترۃ ایضا ورنہ تو مسلم ہی ہے کہ سترۃ الامام سترۃ القوم اور میت چونکہ عادۃً چارپائی پر ہوتا ہے تو چارپائی ہی بہترین سترہ بن جاتی ہے۔ مرقات صفحہ۲۴۰ جلد۲ میں ہے ھی بالضم ما یستتر بہ کائنا ما کان و قد غلب علی ما ینصبہ المصلی قدامہ من عصا او سجادۃ او سوط او غیر ذلک من اٰدمی او شجرۃ او دابۃ الخ (ھٰذا مما یجب التنبہ لہ لیفید) ہاں اگر وہ مکان نجس ہو اور نجاست نہ اٹھائی جائے بلکہ مصلے دغیرہ ڈال کر پڑھی جائے کہ بدبو وغیرہ آئے تو مکروہ کہا جاسکتا ہے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ۲۰۲ جلد۲ میں ہے و محاذاتھا (ای النجاسۃ) فی الصلوٰۃ مکروھۃ سواء کانت فوقہ او تحت ما ھو واقف علیہ اقول و عندی ھٰذا محمول علی مجیئ الریح او کون نحو العذرۃ امام المصلی۔ اور قبروں کے درمیان جبکہ قبریں نزدیک اور غیر مستور ہوں تو مکروہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے حدیث مرفوع ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان یصلی علی الجنائز بین القبور (جامع صغیر صفحہ۲۰۶ جلد۲ برمز طس اشارح فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔ بدائع صنائع صفحہ۳۲۰ جلد۱ طحطاوی علی المراقی صفحہ۳۶۱ میں ہے قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا ینبغی ان یصلی علی میت بین القبور و کان علی و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما یکرھان ذلک۔ ہاں اگر پڑھا جائے تو ہو جائے گا۔ انہی میں ہے و ان صلوا اجزاھم لما روی انھم صلوا علی

عہ ھذا لفظ الھندیۃ صفحہ۵۶ جلد۱ ۱۲ منہ غفرلہ سہ عزیزی علیہ الرحمۃ السراج المنیر صفحہ۴۳۵ جلد۳ میں فرماتے ہیں و اسنادہ حسن ۱۲ منہ غفرلہ

عائشۃ وام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بین مقابر البقیع

والامام ابوھریرۃ و فیھم ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اور اگر مقبرہ میں نماز کی جگہ تیار کی گئی ہو اور وہاں قبریں نہیں اور پاک وصاف ہو تو مطلقاً حرج نہیں جبکہ سامنے قبر بلا سترہ

نہ ہو۔ شامی ص۳۵۳ جلد ا میں ہے ولا بأس بالصلوٰۃ فیھا اذا کان فیھا موضع

اعد للصلوٰۃ ولیس فیہ قبر ولا نجاسۃ کما فی

الخانیۃ ولا قبلتہ الی قبر حلیہ اھ ۱ اگر قبریں نمازیوں کے صرف دائیں

بائیں یا پیچھے ہوں اور جگہ پاک ہو تو نمازِ جنازہ میں پھر بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ مقبرہ میں کراہت نماز (جو حدیثِ

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مستفاد ہے) اس کی وجہ بعض یہ فرماتے ہیں کہ مقبرہ میں چونکہ

اموات کے جسم سے خارج ہونے والا مواد پیپ وغیرہ اور گوشت اور ہڈیاں بھی خاک شدہ ہوتے ہیں

اور بار بار کھدائی سے ایسی ناپاک مٹی اوپر آجاتی ہے لہذا طہارتِ مکان مشکوک ہوجاتی ہے طحطاوی علی

الدر ص۱۸۳ جلد ا وذٰلک لان تراب المقابر قذر بسبب ما یصیبہ

من مائعات الموتٰی و یکثر تقلبہ بجعل اسفلہ اعلاہ

شامی ص۳۵۲ جلد ا میں ہے لان فیھا عظام الموتٰی وصدیدھم

وھو نجس، مرقاۃ[سے] اور عینی علی البخاری ص۳۵۱ جلد ۲ میں گوشت کا ذکر بھی ہے مگر یہ وجہ صرف ان مقابر

میں پائی جاتی ہے جو بڑے پرانے ہوں اور ان پر بھی دوبارہ، سہ بارہ کھدائی کے بعد بارش نہ پڑی ہو ورنہ

ناپاک نہیں کہ یوں ہو تو ہر جگہ احتمال ہو سکتا ہے کہ یہاں کوئی قبر رہی ہو۔ پھر بارش سے پہلے بھی ناپاک یا

مشکوک کہنا مشکل ہے کہ دوبارہ سہ بارہ وہی قبریں کھودی جاتی ہیں جو پرانی اور مٹی ہوئی ہوں تو ایسے اموات کے

فضلاتِ نجسہ بھی خاک بن چکے ہوتے ہیں حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ ہر شئے قلبِ ماہیت کے بعد پاک ہوجاتی ہے

کما قیل فی حمار وقع فی مملحۃ فصار ملحا وعذرۃ

سے مرقات ص۲۰۲ جلد ۲ میں ہے وقیل تاویل الحدیث (اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد)

ان الغالب من حال المقبرۃ اختلاط تربتھا بصدید الموتٰی ولحومھا والنھی لنجاسۃ

المکان فان المکان طاھر فلا بأس ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

صارت ترابا و خمر تخلل۔ شامی ص۲۹۱ جلد ا وغیرہ میں ہے بخلاف نحو خمر صار خلا و حمار وقع فی مملحۃ فصار ملحا و کذا دردی خمر صار طرطیرا و عذرۃ صارت رمادا او حمأۃ فان ذٰلک کلہ انقلاب حقیقۃ الی حقیقۃ اخری اسی میں ہے ان العلۃ عند محمد ھی التغیر و انقلاب الحقیقۃ و انہ یفتی بہ للبلوی۔ غالباً اسی بنا پر اس وجہ کے متعلق شامی میں و ھو نجس کے بعد ہے و فیہ نظر اور مرقات میں فرمایا کہ قبر بھی چونکہ اموات پر مشتمل ہیں اور نجاست کا آگے پیچھے یا نیچے ہونا اگرچہ پردہ سے ہو مکروہ ہے و نصہ لتصریحھم بکراھۃ الصلٰوۃ فی مقبرۃ غیر الانبیاء و ان لم تنبش لانہ محاذ للنجاسۃ و محاذاتہا فی الصلٰوۃ مکروھۃ سواء کانت فوقہ وخلفہ او تحت ماھو واقف علیہ (مرقاۃ ص۲۰۳ جلد ۲) مگر یہ قطعاً مسلّم نہیں کہ یوں دبی ہوئی نجاست کہ بو تک بھی نہ آئے۔ کراہت پیدا کرے رغنیۃ المستملی ص۳۵۳ میں خلاصہ سے ہے ھذا اذا لم یکن بین یدی المصلی و بین ھذہ المواضع حائل کالحائط و ان کان حائط لا یکرہ۔ (منہا القبر ۱۲ منہ غفرلہ) اور یونہی بحرالرائق ص۱۱۶ جلد ا میں بھی ہے۔ اور فتح القدیر ص۳۶۵ جلد ا میں ہے و یکرہ و قدام عذرۃ کما یکرہ ان تکون قبلۃ المسجد الی حمام او مخرج او قبر فان کان بینہ و بین ھذہ حائل حائط لا یکرہ۔ اور غنیہ کے اسی صفحہ میں ہے لان الکراھۃ فی المسجد انما ھی لاحترامہ لا لان الصلٰوۃ الی النجاسۃ لان جدار الحمام حائل بخلاف ما لو صلی و بین یدیہ عذرۃ او غیرھا من النجاسات بلا حائل حیث یکرہ لذٰلک۔ پھر یہ بھی مسلّم نہیں کہ ہر مسلمان خاک ہو جاتا ہے

سہ مشاہدے سے ثابت ہے کہ کئی منور بعینہ رہتے ہیں وجاء فی الاحادیث ایضا کما فی شرح الصدور ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

یا اس کی قبر ناپاک ہے البتہ ایسے پرانے قبرستان میں اور ادب سے جانا چاہیئے کہ خاک بھی محترم ہے۔ اور یہ تو تمام صورتوں میں ضروری ہے کہ قبر پر کھڑے نہ ہوں یا پاؤں نہ پڑیں کما بین فی جنائز کتب المذهب فی زیارة القبور۔ اور بعض نے قبرستان میں کراہتِ نماز کی یہ علت بیان کی ہے کہ بے سمجھ لوگ قبروں کی آڑ میں بول و براز کر لیتے ہیں تو جہاں نجاستِ مانعہ متیقن پر قیام ہو نماز ہوگی ہی نہیں اور شک و ظن کی صورت میں کراہت۔ بدائع صفہ۱۱۵ جلد۱، مبسوط صفہ۲۰۶ جلد۱ میں ہے و النظم من البدائع قیل معنی النهی ان المقابر لا تخلو عن النجاسات لان الجهال یستترون بما شرف من القبور فیبولون و یتغوطون خلفه فعلی هذا لا تجوز الصلوٰة لو کان فی موضع یفعلون ذلك لانعدام طهارة المکان۔ مگر یہ علت بھی عام نہیں۔ اور بعض نے یہ علت بیان کی کہ اس میں یہود سے تشبہ ہے کہ قبورِ انبیاء و صالحین کو سجدے کرتے ہیں جیسے بخاری و مسلم کی احادیثِ مرفوعہ سے ثابت ہے اتخذوا قبور انبیائهم و صالحیهم مساجد۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ علت یہ ہے کہ مشرکین کی عبادتِ اصنام کا اصل یہ ہے کہ قبورِ صالحین کو سجدے کیا کرتے تھے تو شیطان نے مجسمے بنادیے یا بنوائے۔ شامی وغیرہ میں و قیل لان اصل عبادة الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد و قیل لانه تشبه بالیهود و علیه مشی فی الخانیة۔ اور یہ دونوں علتیں بلاشبہ تمام مقابر کے متعلق عام ہیں جبکہ سترہ نہ ہو مگر یہ سجود والی نمازوں کے ساتھ خاص ہیں کہ ان کا اصل سجود الی القبور ہی ہے۔ اور چونکہ نمازِ جنازہ میں سجدہ نہیں لہذا کراہت ثابت نہیں ہو سکے گی۔ بلکہ حدیثِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جس میں صلوٰۃ فی المقابر سے نہی ہے اور یونہی حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وغیرہ کی حدیثیں جن میں صلوٰۃ الی القبر سے نہی ہے صلوٰۃِ جنازہ کو شامل نہیں ہونی چاہیے کہ یہ حقیقۃً صلوٰۃ ہے ہی نہیں بلکہ دعا و استغفار ہے اور مجازاً صلوٰۃ کہا جاتا ہے

ـــــه کہ القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار۔ نیز میتِ مسلم کی نجاست جو موت سے عارض ہوتی ہے غسل سے ساقط ہو جاتی ہے حتی کہ میتِ مسلم مغسول کو اٹھانا مفسدِ صلوٰۃ نہیں جیسا احادیث میں آگیا سبحان اللہ! ان المؤمن لا ینجس حیا و لا میتا ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

یاصلوٰۃ بمعنے دعاء ہے چنانچہ رکوع و سجود و قرأت رکنِ صلوٰۃ ہیں اور جنازہ میں نہیں کہ وہ حقیقۃً صلوٰۃ نہیں مبسوط ص۶۴ جلد ۲، بدائع صنائع ص۳۱۴ جلد ۱ و النظم ص۵۶ و قوله عليه السلام لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب و لا صلوٰة الا بقراءة لا يتناول صلوٰة الجنازة لانها ليست بصلوٰة حقيقة انما هي دعاء و استغفار للميت الا ترى انه ليس فيها الاركان التي تتركب منها الصلوٰة من الركوع والسجود الا انها تسمّى صلوٰة لما فيها من الدعاء و اشترط الطهارة و استقبال القبلة فيها لا يدل على كونها صلوٰة حقيقة كسجود التلاوة و لانها ليست بصلوٰة مطلقة فلا يتناولها مطلق الاسم اور یہ یوں بھی واضح ہے کہ قبر کو سجدہ حرام ہے مگر قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعاء و استغفار حرام نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہے اور جنازہ ہے ہی یوں۔

بہر حال فقیر کی نظرِ قاصر میں نمازِ جنازہ کی کراہت ان علتوں سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور ہندیہ ص۸۵ جلد ۲ میں جو ہے و الصلوٰة على الجنازة في الجبانة و الامكنة و الدور سواء كذا في المحيط۔ اس جبانہ کا معنے قبرستان ہو سکتا ہے کہ جبانہ کے معانی سے ہے كما في منتهى الارب و المنجد۔ ہاں بین القبور کی نہی میں صلوٰۃِ جنازہ کی تصریح ہے تو وہ بلاشبہ مکروہ ہے تنزیها او تحريما و الظاهر الاول كما يتبين من ماهر السراج المنير ص۲۰۲ جلد ۳ میں ہے مكروهة تنزيها۔ ہاں مقبرہ میں نمازِ جنازہ حضرت ابو برزہ اور انس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے بھی مروی ہے سنن بیہقی ص۳۲ جلد ۴ میں ہے ان جنازة وضعت في مقبرة اهل البصرة (الى ان قال) فتقدم ابو برزة فصلى بهم المغرب و في الناس انس بن مالك و ابو برزة من الانصار من اصحاب النبي صلى الله تعالى عليه و سلم ثم صلوا على الجنازة۔ بہرنہج بین القبور والی صورت کے علاوہ جب کہ مکان پاک ہو اور قبور پر پاؤں بھی نہ آئیں

لان فيه تفصيلا حسنا ۱۲ منه غفر له

کراہت فقیر کی نظرِ قاصر میں ثابت نہیں خصوصاً جبکہ بلا سُترہ قبور سامنے نہ ہوں تو اصلاً کوئی وجہ کراہت نہیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ
وبارک وسلم۔

الفقیر النعیمی غفرلہٗ ۲۳ رماہ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ ، ۲۷ جنوری ۱۹۶۵ء

الاستفتار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرعِ متین مسئلہ ذیل کے متعلق :

نمبرا :- کہ جب نمازِ جنازہ کسی میت پر پڑھی جائے سلام پھیرنے کے بعد فوراً اس میت پر اسی جگہ کھڑے دعا مانگنی شرع شریعت شریف کے نزدیک جائز ہے کہ نہیں ؟

نمبر۲ :- پھر جب میّت کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم پر قبرستان سے باہر آکر جو دعا مانگی جاتی ہے یہ بھی شریعت کے مطابق جائز ہے ؟

حضور کی خدمت میں بعد السلام علیکم کے نہایت مؤدّبانہ التماس ہے مذکورہ بالا دونوں مسائل کی پوری کوشش فرما کر دلائل قویہ کے ساتھ بحوالہ کتب شرعیہ کے ثبوت کے ساتھ تحریر فرمادیں بہت مہربانی ہوگی

ازطرف : فدویان مولوی محمد عارف امام مسجد چک ۳۲/۲-۲-ایل براستہ اوکاڑہ ضلع منٹگمری
شیخ عبدالعزیز دوکاندار چک ۳۲/۲-۲-ایل ، عبدالعزیز بقلم خود ، محمد عارف بقلم خود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

نمبرا :- شرعاً یہ دونوں صورتیں یقیناً جائز ہیں۔ آیاتِ متکاثرہ واحادیثِ متظافرہ اور اقوالِ ائمہ وعلماء کرام متواترہ سے روزِ روشن کی طرح نمایاں وعیاں ہے کہ دعا ایسی خصوصی عبادت و مغزِ عبادت ہے کہ اس کا جواز زمان و مکان و تعداد کی قیود سے آزاد ہے تولامحالہ ان دونوں صورتوں میں بھی جائز ہی رہے گی کہ کسی آیت و حدیث یا اجماعِ امت سے ان آیات و احادیثِ مشرعۂ دعا و اجماعِ مجوز کی تخصیص ان دونوں صورتوں کے ماسوا کے لئے ہرگز ہرگز ثابت نہیں بلکہ ان کے عموم و شمول کی تائیدِ صریح ثابت ہے کہ قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ و اجماعِ امت سے بالخصوص بلا کسی قیدِ زمانی و مکانی و تعدادی کے ثابت کہ دعائے احیاء اموات مؤمنین کیلئے

Marfat.com

نافع و مفید اور سنتِ محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کا دستور مسلم ہے حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ شرح الصدور طبع مصر صـ۱۲۷ میں فرماتے ہیں قد نقل غیر واحد الاجماع عـہ علی ان الدعاء ینفع المیت و دلیلہ عـہ من القراٰن قولہ تعالیٰ والذین جاءوا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان یعنی متعدد حضرات نے اس پر اجماع نقل فرمایا کہ بے شک دعا میت کو نفع دیتی ہے اور دلیل اس کی قرآن کریم سے اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے اور وہ لوگ جو آئے ان کے پیچھے عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے بخشش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کے لئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے" اور یونہی قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ تذکرۃ الموتٰے مجتبائی صـ۳۵ میں یہ اجماع و دلیل بیان فرماتے ہیں حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح فقہ اکبر طبع مصر صـ۱۱۱، صـ۱۱۹ میں فرماتے ہیں ان دعاء الاحیاء للاموات نفع لھم بے شک زندوں کی دعائیں اموات کے لئے سود مند ہیں (الی ان قال) و قد توارثہ السلف و اجمع علیہ الخلف یعنی پہلوں اور پچھلوں سب کا اس پر اتفاق ہے۔ پھر آیاتِ کثیرہ و احادیث سے استدلال کے بعد فرماتے ہیں اتفق اھل السنۃ ان الاموات ینتفعون من سعی الاحیاء یعنی اہلِ سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ مردے زندوں کی کوشش (دعا و استغفار وغیرہ) سے نفع اٹھاتے ہیں۔ اور یونہی عقائدِ نسفیہ و شرح تفتازانی طبع مجیدیہ صـ۱۲۳ اور تکمیل الایمان تصنیف حضرتِ مولانا عبدالحق محدثِ دہلوی صـ۷۷ مجتبائی میں ہے۔ بلکہ ابن قیم جوزیہ کی کتاب الروح طبع حیدرآباد صـ۱۸۵ اور نواب صدیق حسن خان بہادر بھوپالی کی ثمار التنکیت طبع بھوپال صـ۱۰ میں ہے مجمع علیہما بین اھل السنۃ من الفقہاء و اھل الحدیث والتفسیر

عـہ فی ثمار التنکیت للنواب صدیق حسن خان البھوفالی صـ۱۰ ان الدلیل علی انتفاعہ بما فعل لہ الاحیاء الکتاب والسنۃ والاجماع و قواعد الشرع اما الکتاب فقولہ تعالیٰ والذین جاءوا من بعدھم الاٰیۃ (الی ان قال) وھذا اعنی انتفاع المیت بدعاء الاحیاء لا نزاع فیہ الخ ۱۲ عـہ و قد استدل بہ امام المنکرین ابن القیم الجوزیۃ فی کتاب الروح صـ۱۹۰ علی ھذا و قال بعد ذکر الاٰیۃ فاثنی اللہ سبحانہ علیھم باستغفارھم للمؤمنین قبلھم فدل علی انتفاعھم باستغفار الاحیاء ۱۲

Marfat.com

احدهما ما تسبب الیہ المیت فی حیاتہ و الثانی دعاء المسلمین لہ و استغفارھم الی آخرہ۔ یعنے تمام گروہ اہل السنت والجماعت فقہاء و محدثین و مفسرین اس پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کی دعاؤ استغفار سے اموات نفع اٹھاتے ہیں۔ نیز ابن قیم کی اسی کتاب کے ص۱۹۱ میں ہے و دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم للاموات فعلا و تعلیما ودعاء الصحابۃ والتابعین و المسلمین عصرا بعد عصر اکثر من ان یذکر واشھر من ان ینکر یعنے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعاء مردوں کے لیے جو آپ نے خود کی اور امت کو تعلیم فرمائی اور صحابہ کرام، تابعین، تمام اہل اسلام کا زمانہ بعد زمانہ اموات کے لیے دعاء کرتے رہنا اس سے زیادہ ہے کہ اس کا ذکر کیا جاسکے اور اس سے زیادہ مشہور ہے کہ اس کا انکار کیا جاسکے۔ یہ دونوں صاحب معترضین کے مسلم امام ہیں ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔ حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالے علیہ کشف الغمہ طبع مصر ص۱۷۳ جلد ا میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما سے ناقل کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یحث علی الدعاء والصدقۃ والقرب المھداۃ للاموات من اقاربھم واخوانھم و یقول ان ذلک ینفعھم یعنی رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم شوق دلایا کرتے تھے ان دعاؤں اور خیراتوں اور نیکیوں پر جو اموات کے لیے ان کے رشتہ داروں اور بھائیوں کی طرف سے بطور تحفہ بھیجی جائیں، فرمایا کرتے تھے کہ بے شک یہ سب کچھ انہیں نفع دیتا ہے وقد صرح الشعرانی بتصحیح جمیع الاحادیث المذکورۃ فی کتابہ ص۹۰ ۔ اور استدلال بعموم و اطلاق نصوص طریقہ ائمہ قدیم وحدیث بالاتفاق ہے و ذا مما لا ینکر من رای کلماتھم العالیۃ۔ حتے کہ معترضین کے مسلم امام نواب صدیق حسن خان بہادر اپنے رسالہ حل سوالات مشکلہ مطبوعہ نظامی کے ص۵ میں بعد از نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت میں کہتے ہیں کہ مطلقاً ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے مگر بعد از نماز کی قید نہ نفیاً ہے اور نہ اثباتاً، پس عموم ادلہ و مطلقات آں شامل فریضہ خواہد بود تا آنکہ دلیل بر تخصیص درے قائم شود، یعنی ان دلائل جواز کا عموم و اطلاق دعا بعد از نماز فرض کو بھی شامل ہوگا تا آنکہ کوئی دلیل یہ تخصیص ثابت کرے کہ بعد از نماز جائز نہیں (ہمارے ائمہ کرام بھی یونہی فرماتے ہیں کہ بلا دلیل تخصیص حکم عام سب افراد کو شامل ہے) لہذا بعد از نماز فرض جنازہ بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا جواز انہی کے مسلم پیشوا کے دلائل سے بھی ثابت ہوگیا اور جواز شرعی واضح و ہویدا، مگر اطمینان سائلاں کے لیے اور توضیح کی جاتی ہے :۔

Marfat.com

(۱) بالخصوص دعا بعد از نمازِ جنازہ کی تصریح بھی بلاشبہ ثابت ہے۔ سنن ابوداؤد مجیدی ص۱۰۰ جلد ۲، سننِ بیہقی طبع حیدرآباد ص۴۰ جلد ۴، سنن ابنِ ماجہ اصح المطابع ص۱۰۹ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا ہے اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء یعنی جب میت پر نماز پڑھ چکو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرو" مرقات ص۵۹ جلد ۴ میں ہے قال ابن حجر وصححہ ابن حبان۔ یعنی ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ ابنِ حبان نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔ بدائع صنائع ص۳۱۱ جلد ۱ طبع مصر میں ہے کہ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پر نماز پڑھا چکے تو حضرت عمر حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی، دوبارہ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصلوٰۃ علی الجنازۃ لا تعاد ولکن ادع للمیت واستغفر لہ یعنی جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جاتی مگر اس میت کے لئے (جس پر ابھی نمازِ جنازہ پڑھی گئی ہے) دعا و استغفار کرلو۔ وھذا نص فی الباب کما قال ملک العلماء علیہ الرحمۃ نیز بدائع کے اسی صفحہ اور مبسوط سرخسی طبع مصر ص۶۷ جلد ۲ میں ہے کہ حضرت ابنِ عباس اور ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم ایک جنازہ پر نماز سے رہ گئے تو اسی جنازہ پر حاضر ہوکر اس کے لئے استغفار کیا نیز ان دونوں کے انہی صفحات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نمازِ جنازہ سے رہ گئے تو حاضر ہوکر بولے ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ آپ لوگوں نے اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر نماز میں مجھ سے پہل کرلی ہے تو ان کے لئے دعا کرنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو۔

اس سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام بعد از نمازِ جنازہ دعا کیا کرتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز طبع ملتان ص۳۳۱ میں ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں ثم مشی حتی اتاہ وقال اللھم عبدک وابن عبدک نزل بک الیوم فاغفرلہ ذنبہ ووسع مدخلہ فانا لا نعلم منہ الا خیرًا وانت اعلم بہ۔ یعنی بعد از نمازِ جنازہ چل کر میت کے نزدیک ہوکر یہ دعا فرمائی۔ شرح الصدور ص۵۳ میں بحوالہ بزاز حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث مرفوع طویل میں ہے کہ فرشتے مومن قرآنِ کریم پڑھنے والے کی روح پر روحوں میں نمازِ جنازہ ادا کرتے ہیں۔ ثم تستغفرلہ الی یوم یبعث پھر فرشتے اس

Marfat.com

کے لیے قیامت کے دن تک استغفار کرتے رہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا ایسی عبادت ہے جو فرشتے بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ استغفار عمومِ آیاتِ مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے الذین یحملون العرش و من حولہ یسبحون بحمد ربہم و یؤمنون بہ و یستغفرون للذین اٰمنوا الاٰیات۔ یعنی وہ فرشتے جو حاملینِ عرش ہیں اور وہ جو عرش کے ارد گرد ہیں اپنے رب کے حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں ساتھ اس کے اور استغفار کرتے رہتے ہیں ایمانداروں کے لئے "آخر دعا تک۔ نیز قرآن کریم میں ہے و الملٰئکۃ یسبحون بحمد ربہم و یستغفرون لمن فی الارض فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔" میت تو میت اور محتاج ہے۔ میت کے احسان کرنے والے پر بھی بعد از نمازِ جنازہ دعا رفرمانی حدیثِ طویل مرفوع سے ثابت ہے سننِ دار قطنی ص۳۰۳ طبع دہلی، کشف الغمہ ص۱۶۱ جلد ۲، عمدۃ القاری علی البخاری ص۶۶۵، ص۶۶۶ جلد ۵، فتح الباری ص۳۶۹ جلد ۴ مطبوعاتِ مصر میں حضرتِ انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے میت کا قرض اپنے ذمہ لیا تو حضور پاک صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھائی۔ پھر حضرتِ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو یہ دعا فرمائی جزاک اللہ خیرا فک اللہ رہانک کما فککت رہان اخیک اور اس دعا کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جو مرنے والا اس حالت میں مرے کہ اس پر دَین (قرض وغیرہ) ہو تو وہ اپنے دَین کے بدلے گروی ہی رکھا ہوا ہوتا ہے۔ پھر ہر اس شخص کے لئے جو میت کے دَین ادا کر کے گروی سے چھڑائے، یہ دعا دی و من فک رہان میت فک اللہ رہانہ یوم القیامۃ تو آفتابِ نیمروز و ماہِ نیم ماہ کی طرح واضح ہوا کہ بعد از نمازِ جنازہ دعا رجائز ہے، کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر۔ آخر نمازِ جنازہ میں بھی کھڑے ہو کر ہی دعا کیا کرتے ہیں اور کسی آیت یا حدیث بلکہ کسی امامِ معتمد کی تصریح کسی کتابِ مستند میں قطعاً کوئی نہیں دکھا سکتا کہ بعد از نمازِ جنازہ کھڑے ہو کر ایسی مختصر دعائیں ناجائز ہیں۔ ہاں یوں کھڑے رہنا جائز نہیں کہ کھڑے ہی رہیں اور دفن میں دیر کر دیں۔ یوں کھڑے رہنا تو بلا دعا بھی منع ہے مگر یہ اور چیز ہے۔ فوری دعا جس سے دیر نہ ہو دلائل مذکورہ بالا کی رُو سے یقیناً جائز ہے۔ اور بعض لوگ جو یہ شبہ کرتے ہیں کہ جب جنازہ میں دعا ہو گئی تو دوبارہ کیوں کی جائے؟ تو ان کا یہ شبہ بھی دلائل مذکورہ بالا سے اُڑ گیا۔ نیز کثرت و تکرار دعا ریقیناً جائز و مستحب مستحسن ہے کما اثبتناہا بالدلائل المحکمۃ فی فتاوانا من الکتاب

Marfat.com

و السنة لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ دوبارہ کیوں نہ کی جائے؟ جو کہے، دلیلِ شرعی سے عدمِ جواز ثابت کرے۔ ہم نے تو جواز ثابت کر دیا۔

بدائع صنائع ص۳۱۲ جلد۱ میں اسی تکرارِ دعا بعد از جنازہ کے اثبات میں فرمایا ان التنفل بالدعاء والاستغفار مشروع۔ یعنے دعا و استغفار نفلی طور پر دوبارہ شروع کرنے مشروع ہیں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) دفنِ میت کے بعد خصوصی طور پر اس کے لئے بخشش مانگنے اور جوابِ منکر ونکیر میں کامیاب رہنے کی دعا کرنے کا حکم حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت سے ثابت ہے۔ سنن ابوداؤد ص۱۰۳ جلد۲، بیہقی ص۵۶ جلد۴، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص۱۵۸، حاکم بحکمِ صحت و تقریرِ ذہبی مستدرک ص۳۷۰ جلد۱ میں یہ کلمات متقارب ہے و النظم للبیہقی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت قال استغفروا لمیتکم وسلوا لہ التثبیت فانہ الاٰن یسئل۔ یعنے پیارے مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جب دفنِ میت سے فارغ ہوتے تو فرماتے اپنے میت کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے سوالِ تثبیت کرو اس لئے کہ وہ ابھی سوال کیا جائے گا۔ صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال وجواب سے فارغ ہونے تک یہ استغفار و دعائے تثبیت جاری رہیں تو بہت ہی اچھا ہے اور مقبور کی سخت احتیاج کے وقت بہترین امداد ہے۔ سراج المنیر شرح جامع الصغیر ص۱۳۳ جلد۳ طبع مصر میں ہے (وسلوا) اللہ (لہ التثبیت) ای اطلبوا منہ ان یثبت لسانہ وجنانہ لجواب الملکین فانہ الاٰن یسئل ای یسئلہ الملکان منکر و نکیر فھو احوج الی الدعاء۔ حالانکہ ان سوالاتِ منکر نکیر کا سلسلہ کافی دیر تک قائم رہتا ہے۔ صحیح مسلم ص۷۶ جلد۱ اصح المطابع، سنن بیہقی ص۵۶ جلد۴ میں حضرتِ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وصیت میں ہے و النظم للمسلم ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر جزور و یقسم لحمہا حتی استأنس بکم و انظر ما ذا اراجع بہ رسل ربی یعنی بعد از دفن میری قبر کے گرداگرد اتنے وقت کے لئے ٹھہرے رہنا کہ اونٹ نحر کیا جائے اور اس کا گوشت بانٹا جائے تاکہ میں تمہارے ساتھ اُنس حاصل کرتا رہوں اور دیکھ لوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوؤں (منکر نکیر) کو کیا جواب دیتا ہوں۔" مرقات ص۸۰ جلد۴ میں استانس بکم کی شرح میں فرمایا

Marfat.com

ای بدعائکم و اذکارکم و قراءتکم و استغفارکم یعنی تمہاری دعاؤں اور ذکر دل اور قرآن خوانی و استغفار سے"

بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو نحر کر کے گوشت بنا کر تقسیم کرنے پر جتنا وقت خرچ آتا ہے اتنے وقت کے لئے سوالات ہوتے رہتے ہیں اور زیادہ وقت تک جاری رہنے کی نفی نہیں۔ اور شرح الصدور ص۵۷، کشف الغمہ ص۱۷۲ جلد ا، ثمار التنکیت مصنفہ صدیق حسن خان بھوپالی ص۷۶ تا ۷۷، تفسیر در المنثور ص۸۳ جلد ۴ میں احادیث موقوفہ لفظاً، مرفوعہ حکماً سے ہے کہ یہ سلسلہ سوالات سات دن تک جاری رہتا ہے اور الحاوی للفتاوی طبع درب الاتراک میں ص۱۷۸ سے ص۱۹۵ تک جلد ۲ انہی احادیث کی تحقیق انیق ہے۔ شرح الصدور کے لفظ یہ ہیں واخرج الامام احمد فی الزھد وابو نعیم فی الحلیۃ عن طاؤس قال ان الموتی یفتنون فی قبورھم سبعا فکانوا یستحبون ان یطعم عنھم تلک الایام یعنی امام احمد نے زہد میں اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں بے شک مردے اپنی قبروں میں سوال کئے جاتے ہیں سات دن تک پس پسند کرتے تھے وہ (صحابہ کرام) یہ کہ ان دنوں میں کھانا مردوں کو ثواب پہنچانے کے لئے کھلایا جائے۔ حاوی ص۱۸۳ جلد میں ہے فالحکم علی مثل ھذا بالرفع من الامور التی اجمع علیہ اھل الحدیث یعنی بالاجماع ایسی حدیثیں حکماً مرفوع ہیں اور یونہی بھوپالی نے بھی ثمار التنکیت کے ص۷۷ میں لکھا ہے۔ نیز حاوی کے اسی صفحہ میں ہے اذا تقرر ان اثر طاؤس حکمہ حکم الحدیث المرفوع المرسل واسنادہ الی التابعی صحیح کان حجۃ عند الائمۃ الثلاثۃ ابی حنیفۃ ومالک واحمد مطلقا من غیر شرط یعنی یہ حدیثیں مرفوع حکمی صحیح الاسناد حضرات امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد کے نزدیک بلا کسی شرط کے دلیل قوی ہے۔ پھر آگے امام شافعی کے نزدیک بھی دلیل قوی ہونے کا بیان مفصل ہے۔ پھر یہ بھی بظاہر کہ صحابہ کرام کا سات سات دن تک اس اطعام طعام سے مقصود یہ تھا کہ میت کی امداد جاری رہے اور منکر نکیر کے جوابات میں اس کے دل و زبان ثابت رہیں۔ حاوی ص۱۸۵ جلد ۲ میں ہے ان الاخبار عن الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم بانھم کانوا یستحبون

ص۱۸۵ حاوی ص۱۸۳ جلد ۲ میں ہے اطبق العلماء علی ان المراد بقولہ یفتنون و بفتنۃ القبر سوال الملکین منکر و نکیر ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

الاطعام عن الموتی تلک الایام السبعۃ صریح فی ان ذٰلک کان معلوما عندھم وانھم کانوا یفعلون ذٰلک لقصد التثبیت عند الفتنۃ فی تلک الایام اور جب سات دن تک اطعام طعام برائے تثبیت جائز ہے تو دعا، واستغفار وقرآن خوانی بھی جائز رہے گی لہذا قرونِ سالفہ میں بھی یہ سب کچھ اہالیانِ اسلام میں رائج رہا حاوی ص۱۹۳ جلد۲ میں ہے الظاھر انھا لم تترک من عھد الصحابۃ الی الاٰن وانھم اخذوھا خلفا عن سلف الی الصدر الاول ورأیت فی التواریخ کثیرا فی تراجم الائمۃ یقولون واقام الناس علی قبرہ سبعۃ ایام یقرءون القراٰن الخ اور دعا، واستغفار کا مفیدِ تثبیت ہونا تو حدیث مندرجہ بالا عن سیدنا عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت ہو چکا بلکہ اسی سے سات دن تک بالخصوص دعا، واستغفار کا کرنا بوجہ وجودِ علّت سوال ثابت ہو رہا ہے نیز اطعامِ صحابہ سے سات دن تک دعا، واستغفار وقرآن خوانی کا جواز واستحباب یوں بھی مستفاد کہ دلائلِ شرعیہ میں یہ تفریق قطعاً نہیں کہ ایک عمل کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور دوسرے کا نہیں بلکہ نصوصِ کثیرہ سے تمام اعمالِ خیر کا ثواب پہنچنا ثابت ہے۔ یہ صرف ہمارے ہی ائمہ کا فرمان نہیں بلکہ مخالف حضرات کے مسلّم مقتدا بھی یہی اقرار کرتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب کی کتاب ثمار التنکیت ص۱۰۲ میں ہے فای نص او قیاس او قاعدۃ من قواعد الشرع یوجب وصول احدھما ویمنع وصول الاٰخر بل ھذہ النصوص متظافرۃ علی وصول ثواب الاعمال من الاحیاء الی الاموات الخ۔ ابنِ قیم کی کتاب الروح ص۲۲۷ میں ہے وھل ھذا الا تفریق بین المتماثلات۔ تو بالوضاحت ثابت ہو گیا کہ سات دن تک میت کے لئے دعا، واستغفار اور اطعام وقرآن وفاتحہ خوانی بالخصوص مفیدِ تثبیت اور جائز ومستحسن ہیں۔ اور جب سات دن تک جائز ہے تو صرف چالیس قدم چلتے ہی کیسے ناجائز ہو جائے گی تو آفتابِ تاباں سے بھی زیادہ واضح ہو گیا کہ چالیس قدم پر دعا، جائز ہے اور مفید ومستحسن ہے اور یوں ہی چالیس قدم سے پہلے اور پیچھے بھی جائز ومفید ہے چالیس کی تخصیص محض اتفاقی طور پر ہے کہ غالباً اس[۱]

---

[۱] کہ اس وقت لوگ قبرِ میت سے متفرق ومنتشر ہو جاتے ہیں اور منکر ونکیر کی آمد کا وقت احادیث میں اذا ولوا منصرفین حین یولون اذا ولیتم عنہ مدبرین تفرق عنہ اصحابہ۔ انصرف الناس بکلماتِ متقاربہ آیا ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

تک امتحانِ میت شروع ہو جاتا ہے اور وہ پانی میں ڈوبنے والے فریادی کی مانند امداد کا بہت زیادہ مستحق ہوتا ہے اور حاضرین امتحان سے فارغ ہونے تک عادۃً ٹھہرا نہیں کرتے لہذا قبر پہ دعا مانگ کر روانہ ہونے کے بعد جاتے جاتے کچھ اور دعا بھی کر جاتے ہیں اور پھر سات دنوں تک نوبت بہ نوبت فاتحہ خوانی بھی جاری رکھتے ہیں اور شرعِ مطہر سے ممانعت قطعاً نہیں بلکہ دلائلِ جواز بے شمار موجود، تو یقیناً جائز ہے۔

وہی نواب بھوپال اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۱ میں مسئلہ ایصالیہ میں کہتے ہیں وھب انہ ما فعل ھذا احد منھم فانہ لا یقدح فیھم لانہ مندوب لا واجب ولانہ قد ثبت لنا دلیل جواز فعلہ سواء سبقنا الیہ احد اولا۔ شرح الصدور صفحہ ۱۲۷ میں دیلمی اور بیہقی کی شعب الایمان سے اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۰۶ اصح المطابع میں ہے عن عبد اللہ بن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من ابٍ او ام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیھا وان اللہ تعالیٰ لیدخل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مظاہر حق صفحہ ۲۹۲ جلد ۲ طبع لکھنؤ میں اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے، روایت ہے عبد اللہ بن عباس سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہوتا ہے مردہ قبر میں مگر مانند ڈوبنے والے فریاد کرنے والے کے کہ کوئی ہاتھ اس کا پکڑے منتظر ہوتا ہے دعا کا کہ پہنچے اس کو باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے یا بھائی کی طرف سے یا دوست کی طرف سے پس جس وقت کہ پہنچتی ہے دعا، اس کو ہوتا ہے پہنچنا دعا کا بہت پیارا طرف اس کی دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے اور تحقیق اللہ تعالیٰ البتہ پہنچاتا ہے قبر والوں کو بسبب دعا، زمین والوں کے مانند پہاڑوں کے یعنی ثواب بڑا اور رحمت اور بخشش اور تحقیق تحفہ زندوں کا طرف مردوں کی استغفار کرنا ہے ان کے لئے۔ نقل کی یہ بیہقی نے شعب الایمان میں۔"

ـــہ شرح الصدور اور تذکرۃ الموتیٰ میں ہے من اب او ام او ولد او صدیق ثقۃ ۱۲ منہ غفرلہ

Marfat.com

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ بھی تذکرۃ الموتیٰ ص۳۵ میں بیہقی اور دیلمی سے یہ ذکر فرماتے ہیں بنا بریں علیہ زیادہ سے زیادہ دعا رو خیرات و فاتحہ خوانی و استغفار سے ایسے نازک وقت میں خصوصاً اولین اوقات ہیبت ناک میں امداد میت کی بہت زیادہ ضرورت ہے مگر بعض لوگ اس تھوڑی سی امداد سے بھی روکنے کے درپے ہیں جو مستحسن نہیں مستحسن یہ ہے کہ ایسے امورِ خیر پر جو رائج ہیں قائم رہتے ہوئے اور زیادہ امداد کی طرف توجہ دی جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

مکرمی و معظمی جناب مفتی صاحب مدرسہ عربیہ بصیر پور

السلام علیکم ورحمۃ و برکاتہ :۔ عرض ہے کہ چند دن ہوئے ایک دوست کے جنازہ میں شرکت کا اتفاق ہوا متوفی کے حلقہ احباب میں بریلوی اور دیوبندی سب ہی تھے۔ ہماری اہل السنت والجماعت (بریلوی) کی اکثریت تھی مگر اتفاق ایسا ہوا کہ ایک دیوبندی عالم کو جنازہ کے لئے امام بنا لیا گیا۔ اس امام نے جنازہ کے بعد دعا نہیں کی جس پر ہنگامہ ہو گیا اور بحث شروع ہو گئی۔ ہمارے سب بریلوی حضرات دعا مانگنے پر زور دیتے رہے لیکن وہ مولوی صاحب دیوبندی انکار کرتے رہے۔ ہمارا یہ دعوےٰ تھا کہ جنازے کا سلام پھیرنے کے بعد دعا کرنا سنت ہے۔ ان کا یعنی فریق مخالف کا کہنا ہے کہ یہ سنت نہیں ہے۔ آخر فیصلہ اس بات پر ہوا کہ فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے جو آج سے کم از کم دو سو برس پہلے کی لکھی ہوئی ہوں دو سو سال سے بعد کی لکھی ہوئی کتاب کو نہیں مانا جائے گا۔ ان کتابوں میں سے فتویٰ لادیں کہ جنازہ کے بعد دعا مانگنی چاہیئے۔ ہم نے بفضلہ تعالیٰ دیوبندیوں کا چیلنج قبول کر لیا ہے۔ مہربانی فرما کر فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں سے جو دو سو سال قبل کی لکھی ہوں ان میں سے مفتیٰ بہ قول معہ کتاب کا نام تحریر فرمائیں تاکہ جھگڑا ختم ہو۔ دعا فرمائیں فتح اہل السنت والجماعت کی ہو۔ ور خدا کے سچے رسول کی سنت زندہ ہو۔

دعاگو :۔ شیخ محمد حنیف بزاز ریل بازار منڈی بورے والا ضلع ملتان ۶۹-۱۰-۱۶

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

نمازِ جنازہ کے بعد دعار مانگنے کا ثبوت بفضلہٖ وکرمہٖ تعالےٰ قرآن کریم کی آیات اور صحاح ستہ کی حدیثوں سے دیا جا سکتا ہے مگر آپ کے فیصلہ کے لحاظ سے صرف فقہ حنفی کی نہایت مستند کتابوں سے جو دو صدیوں سے بھی کئی صدیاں پہلے کی لکھی ہوئی ہیں اور جن کو دنیائے حنفیت میں نہایت ہی بلند پایہ اور مستند سمجھا جاتا ہے حوالے دیتے جاتے ہیں۔ مبسوطِ سرخسی ص۶۷ جلد ۲ طبع مصر، بدائع صنائع ص۳۱۱ جلد ا طبع مصر میں ہے کہ حضرت ابنِ عباس اور ابنِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہم (جو جلیل القدر صحابی ہیں) ایک جنازہ پر نمازِ جنازہ سے رہ گئے تو اسی جنازہ پر حاضر ہو کر اس کے لئے استغفار کیا و لنا ما روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہما فاتہما الصلوٰۃ علی جنازۃ فلما حضرا ما زادا علی الاستغفار لہ۔ نیز ان دونوں میں ہے کہ حضرتِ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرتِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے جنازہ سے رہ گئے تو حاضر ہو کر کہا ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ یعنے آپ حضرات نے اگر حضرتِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر نمازِ جنازہ میرے آنے سے پہلے پڑھ لی ہے تو ان کے لئے دعار کرنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو۔" اس سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام بعد از نمازِ جنازہ دعار کیا کرتے تھے۔

تنبیہ

مصنفِ مبسوطِ سرخسی حضرتِ امام سرخسی کی وفات ۴۸۳ھ میں ہے کما فی کشف الظنون ص۱۵۸۰ جلد ۲ اور بدائع صنائع کے مصنف علامہ کاشانی کی وفات ۵۸۷ھ میں ہے کما فی کشف الظنون ص۳۷۱ جلد ا طبع تہران اور صاحبِ کشف الظنون کی وفات ۱۰۶۷ھ میں ہے۔ تو واضح ہوا کہ مبسوط کے تصنیف ہونے کو کم از کم ۹۰۶ سال ہو چکے ہیں۔ اور بدائع صنائع کی تصنیف کو کم از کم ۸۶۲ سال ہو چکے ہیں۔ دیوبندیوں نے تو دو صدیوں سے پہلے کی لکھی ہوئی کتابِ فقہ کا حوالہ مانگا ہے مگر فقیر نے بفضلہٖ تعالےٰ چار مرتبہ دو دو صدیاں گزرنے سے بھی پہلے کا حوالہ دے دیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیب سیدنا

Marfat.com

محمد و علی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ ۱۶-۱۰-۶۹

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر قبرستان مشرق کی طرف ہو تو جنازے کے پیر قبلہ کی طرف کئے جائیں یا سامنے؟ اور جو مولوی قبلہ شریف کا ادب نہ کرتا ہوا پاؤں قبلہ کی طرف کروا دے اس کو کوئی شرعی ڈنڈ ہے یا نہیں؟ اسی طرح قطب (شمال) کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا یا پاؤں کر کے سونا یا میت کے پاؤں قطب کی طرف کرنا یہ تمام جائز ہیں یا ناجائز اور حرام؟ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

فقہائے کرام نے جنازہ اٹھانے کا جو طریقۂ سنت کاملہ بیان فرمایا وہ مستلزم ہے کہ اگر قبرستان جانب مشرق ہو تو پاؤں قبلہ کی طرف کئے جائیں۔ ہندیہ وغیرہا میں ہے اما کمال السنۃ فلا یتحقق الا فی واحد الخ۔ رہا بے ادبی کا شبہ تو وہ محض جہالت ہے۔ مریض ومیت کے حق میں یہ صورت توجہ الی القبلہ ہے کما صرحوا فی صلوٰۃ المریض و الغسل۔ اور جب بے ادبی نہ ہوئی تو مولوی صاحب بے ادب نہ بنے بلکہ ادب سکھلانے والے بنے تو سزا کے مستحق وہ لوگ ہیں جو مولوی صاحب کی مخالفت کرتے ہیں نہ مولوی صاحب۔ اسی طرح قطب شمالی کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت یا پاؤں کر کے سونا یا وقت غسل میت کے پاؤں کرنا سب جائز وحلال ہے، جو ناجائز بتاتا ہے وہ شریعت غراء پر افتراء کرتا ہے۔ اگر سچا ہے تو دلیل لائے اصل اباحت ہے قرآن کریم فرماتا ہے عفا اللہ عنہا، حدیث شریف میں ہے مما عفا، فقہائے کرام نے بھی اس کی تصریح فرمائی کما فی الدر وغیرھا بلکہ پہلے دو مسئلے مفہوماً بیان فرماتے و مفہوم الکتب حجۃ اور تیسرا صراحۃً بیان فرمایا۔ در المختار، فتاویٰ عالمگیری میں ظہیریہ سے ہے والاصح انہ یوضع کما تیسر۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

Marfat.com

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ومفتیانِ شرعِ امین اندریں صورت کہ میت کو قبرستان لے جاتے وقت سر کس طرف کرنا چاہیئے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر قبرستان مشرقی جانب ہو تو اس میں بے ادبی ہے کہ سر آگے ہو۔ بینوا توجروا۔

سائل: شیر محمد از شہامند ۲۶ شعبان المعظم ۱۳۷۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

سر آگے ہی ہونا چاہیئے۔ فتاوٰی عالمگیر ص۸۳ جلد ۱، بحرالرائق ص۱۹۳ جلد ۲، فتاوٰی برہنہ ص۳۵۷ دفتر اول میں ہے والنظم من الهندية وفی حالة المشی بالجنازة یقدم الرأس کذا فی المضمرات اور یہی اکثر کتب معتبرۂ مذہب مہذب سے صراحۃً مستفاد کہ سنت طریقہ جنازے اٹھانے کا کامل یہ بیان فرمایا کہ پہلے جنازے کی اگلی طرف دائیں شانے پر پھر پچھلی طرف دائیں شانے پر پھر اگلی طرف بائیں شانے پر پھر پچھلی طرف بائیں شانے پر یوں اٹھائے کہ میت کی دائیں جانب اور اٹھانے والے کا دایاں شانہ اور میت کی بائیں جانب اور اٹھانے والے کا بایاں شانہ ملتے جائیں۔ ہدایہ مصریہ مع الفتح ص۹۷ جلد ۲، شرح الوقایہ ص۲۵۷ جلد ۱، کنزالدقائق ص۴۷، بدائع صنائع ص۳۰۹ جلد ۱، مبسوط امام سرخسی ص۵۶ جلد ۲، فتاوٰی قاضی خان ص۹ جلد ۱، درالمختار، شامی ص۸۳۳ جلد ۱، نورالایضاح، مراقی الفلاح، حاشیہ طحطاوی ص۳۶۵، بحرالرائق ص۱۹۳ جلد ۲، فتح القدیر، عنایہ شرح ہدایہ ص۹۷ جلد ۲ والنظم من الهندية واما کمال السنة فلا یتحقق الا فی واحد وهو ان یبدأ الحامل بحمل یمین مقدم الجنازة کذا فی التتارخانية فیحمله علی عاتقه الایمن ثم المؤخر الایمن علی عاتقه الایمن ثم المقدم الایسر علی عاتقه الایسر ثم المؤخر الایسر علی عاتقه الایسر هکذا فی التبيين اور روزِ روشن کی طرح واضح کہ اس صورتِ مسنونہ میں سر آگے ہی ہوگا ولا یقول بخلافه الا من اکب علی وجهه۔ رہا بے ادبی کا خیال تو اس کا جواب یہ ہے کہ خیالِ جہال مقدم ہے یا منصوص کتب شرعیہ

آخر خیال اور وہ بھی جہال کا خیال ہی تو ہے بلکہ شرعاً مریض و میت کے توجہ الی القبلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ پاؤں اس طرف ہوں لیٹے ہوئے کے کما لا یخفی علی من طالع باب صلوٰۃ المریض و بیان غسل المیت من اسفار المذہب المہذب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ از بصیر پور

جواب مسئلہ جو مولوی صاحب نے لکھا ہے واقعی درست ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے۔

نصیر الدین بقلم خود از رکن پورہ

الاستفتاء

بخدمت شریف اقدس حضرت مولانا ابوالفضل اولٰنا دام اقبالہٗ : سلام مسنون نبوی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام و صوفیائے ذوالکرام :۔

نمبر۱ :۔ بعض علماء نے جو تحریر فرمایا ہے اگر کسی کا قبرستان مشرق کی طرف ہو تو وہ جنازے کا سر مشرق کیطرف کیا جائے اور قدم کعبہ شریف کی طرف بھی ہو جائیں تو جائز ہے ؟

نمبر۲ :۔ زید کی بیوی فوت ہو گئی ہے اور اس کا ارادہ ثانی نکاح کا پہلی بیوی جو گزر چکی اس کی ہمشیرہ سے ہے کیا جس سے وہ نکاح کا خواہش مند ہے بغیر عدت کے وہ پہلی بیوی کی ہمشیرہ سے نکاح کر سکتا ؟ اگر عدت ہو تو کتنی عدت گزار کر نکاح ثانی کرے۔ مہربانی فرما کر ان دو مسائل کو تفصیل سے لکھ کر روانہ فرمائیں جناب کی بڑی مہربانی ہو گی۔

خادم العلماء حافظ بشیر احمد امام مسجد چک ۱۲/۷۷۔ ایل ڈاکخانہ خاص براستہ اقبال نگر ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

۱ :۔ حضرت امام عالی مقام امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد اور خود ان کا اپنا معمول ہے جو ہماری کتابوں میں مفصل ہے وہ یہ ہے کہ میت اٹھانے والا میت کی اگلی دائیں طرف پہلے اپنے دائیں شانے پر اٹھائے پھر میت کی پچھلی دائیں طرف اپنے دائیں شانے پر اٹھائے۔ پھر اگلی بائیں طرف اپنے بائیں شانے پر

Marfat.com

بعدازاں پچھلی بائیں طرف اپنے بائیں شانے پر اٹھائے۔ فتاویٰ عالمگیر ص۱۶۲ جلد ا میں ہے واما کمال السنۃ فلا یتحقق الا فی واحد وھو ان یبدأ الحامل بحمل یمین مقدم الجنازۃ کذا فی التتارخانیۃ فیحملہ علی عاتقہ الایمن ثم المؤخر الایمن علی عاتقہ الایمن ثم المقدم الایسر علی عاتقہ الایسر ثم المؤخر الایسر علی عاتقہ الایسر ھکذا فی التبیین۔ جامع صغیر ص۱۲ میں ہے قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ رأیت اباحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصنع ھذا و یقولہ۔ اور جب اس طریقہ سے اٹھایا جائے تو سر قبرستان کی طرف ہی ہوگا۔ باقی رہا یہ وہم کہ قبرستان مشرق کی طرف ہو تو میت کے پاؤں کعبہ شریف کی طرف ہو جائیں گے تو وہ بالکل غلط ہے کیونکہ مریض اور میت کا ایسی صورت میں منہ قبلہ کی طرف سمجھا جاتا ہے۔ اگر اکھڑا کر دیا جائے تو قبلہ رخ نظر آئے گا لہذا اس صورت میں قبلہ رُخ تصور کیا جائے گا اور کوئی حرج نہیں ہوگا۔ فتاوٰے عالمگیر ص۱۸ جلد ا میں ہے الوضع طولا کما فی حالۃ المرض اذا اراد الصلوٰۃ بایماء۔

۲: بیوی کے مرنے کے بعد بیوی کی ہمشیرہ سے فوراً نکاح ہو سکتا ہے جبکہ کوئی اور مانع نہ ہو کہ عدت نہیں پڑتی تو جمع بین الاختین بھی نہیں بن سکتا اور قرآن کریم میں ہے واحل لکم ماوراء ذٰلکم فتاوٰے عالمگیر ص۷ جلد ۲ میں ہے ولا یجوز ان یتزوج اخت معتدتہ۔ اور جب کہ مرنے والی پر یقیناً عدت نہیں تو اس کی بہن کے ساتھ نکاح بلا عدت گزارے جائز ہوگا لہذا فتاویٰ عالمگیر کے اسی صفحہ میں فرمایا کما اذا ماتت۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۱۴ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ ۳۰/۱/۶۴

الاستفتاء

بخدمت اقدس حضرت مولانا ابوالخیر مفتی اعظم دام اقبالہٗ۔ سلام مسنون نبوی

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرعِ متین کہ بعض علماء نے جو یہ تحریر کیا ہے اگر کسی کا قبرستان مشرق کیطرف ہو تو وہ جنازے کا سر مشرق کیطرف کیا کریں اور پاؤں کعبہ شریف کو، اسی طرح میت کو غسل کے وقت بھی، کیونکہ میت کا منہ کعبہ کو ہوتا ہے اگر بیٹھایا جائے یا نہ بیٹھایا جائے یکساں ہے۔ نیز سونے کی انگوٹھی پہننا مرد کے لئے جائز ہے یا نہیں سفر کے لئے۔ ان دو مسائل کی تفصیل ساتھ پوری تحقیق آیات و احادیث شریفہ سے تحریر فرما کر ذرہ نوازی فرمائیں حضور کی عین نوازش ہوگی۔

خادم العلماء : محمد نذیر ولد غلام قادر زرگر شہیدی بازار پاکپتن شریف

(نوٹ، ایک علیحدہ کاغذ پر یہ بھی لکھا ہوا تھا : جناب ایسی دلیلیں ہم کو شیعہ دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری اہلِ سنت وجماعت کی کتابوں میں بھی ایسا ہے۔ حدیث تفسیر کا ہم کو علم نہیں۔ فقط والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

جنازہ اٹھانے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے اٹھانے والا اپنے داہنے شانے پر میت کا اگلا داہنا حصہ اٹھائے پھر اسی پر پاؤں کا داہنا حصہ بعد ازاں بائیں شانے پر میت کی اگلی بائیں طرف پھر اسی پر پاؤں والی بائیں طرف۔ اب اس طریقہ سے اٹھانے کی صورت میں اگر مشرق کی طرف قبرستان ہو تو بظاہر پاؤں قبلہ کیطرف ہو جائیں گے اور یونہی غسل کے ایک طریقہ میں بھی مگر ایسی مجبوری کی صورت میں ظاہر پر نظر نہیں ہونی چاہئے بلکہ دل پر ہو۔ حدیث پاک میں صاف ارشاد ہوا انما الاعمال بالنیات۔ اور اس کی شریعت میں کافی صورتیں ہیں کہ ظاہر میں کچھ اور دکھائی دیتا ہے مگر دوسرا پہلو جو ذرا تھوڑا ظاہر ہوتا ہے، ہو جاتا ہے مثلاً غیر اللہ کے لئے جھکنا یا رکوع کرنا منع ہے مگر جب کہ ایک شخص یا جانور کے پاؤں میں کانٹا لگا تو کوئی رحمدل کانٹا نکالنے کے لئے جھکے تو یہ جھکنا وہ جھکنا نہیں ہوگا جو ناجائز ہے کیونکہ نیت کانٹا نکالنے کی ہے۔ دیکھئے کسی کو تنگ کرنا دکھانا یا خون بہانا اور زخمی کرنا جائز نہیں مگر طبیب یا ڈاکٹر مریض کا اپریشن کرے یا فصد کھولے تو یہ تنگ کرنا، دکھانا اور خون بہانا جائز ہے کہ نیت علاج کی ہے۔ اس کی صدہا مثالیں ہیں جو قرآن کریم اور حدیث پاک سے ثابت ہیں۔ باقی شیعہ صاحبان کی کتابیں تو واقعی ان میں بھی یونہی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے مگر کسی ہمارے مسئلہ میں ان کی موافقت سے یہ تصور کرنا کہ ہمارا مسئلہ غلط ہے کہ شیعہ کے موافق ہو گیا بالکل غلط ہے۔ کئی چیزوں میں وہ ہمارے موافق ہیں۔ دیکھئے خانہ کعبہ کیطرف منہ کر کے ہم بھی نماز پڑھتے ہیں اور

Marfat.com

وہ بھی ادھر ہی منہ کرتے ہیں تو کیا ہم ان کی وجہ سے خانہ کعبہ کو منہ نہ کریں ؟ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے ؟ مگر اس سے یہ بھی دھوکا نہیں کھانا چاہیئے کہ ہمارا ان کا کوئی فرق ہی نہیں۔ حقیقت پر قائم ہونا چاہیئے۔ ہمیں اپنے مذہب پر ثابت قدم ہونا ضروری ہے۔

رہی سونے کی انگوٹھی تو حدیث پاک مسلم اور بخاری وغیرہا میں مرد کے لئے حرام قرار دی گئی ہے تو نہ سفر میں مرد پہن سکتا ہے اور نہ ہی گھر میں۔ ہاں اگر کوئی اور نقدی نہیں سونا ہی گھر ہے تو سفر میں ضرورت کے لئے ساتھ لے جا سکتا ہے مگر یہ جائز نہیں کہ مرد پہن بھی لے بلکہ بٹوہ وغیرہ میں محفوظ رکھے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۱۴ شوال المکرم ۱۳۸۳ھ ۲۸/۲/۶۴

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مفتیان فقہ اس بارہ میں کہ ایک آدمی درویش، عالم، حکیم، خلیفہ عارف، کامل جو کہ تقریباً دو تین ماہ کا دنیا فانی سے رخصت ہو گیا ہے اور اس کی مزار ایک تنگ جگہ پر واقع بنائی جا چکی ہے جس کی وجہ سے عام طور پر دنیا دار بھی معترض ہیں اور عوامی درویشی طبقہ بھی یہی چاہتا ہے کہ ان کو یہاں سے نکال کر کسی اور جگہ پر دفن کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دو تین مرد عورتوں کو بذریعہ خواب مکمل طور پر اس بزرگ نے کہا ہے کہ مجھے یہاں تکلیف بہت ہے مجھے یہاں سے نکال لیں لہذا آپ جناب ان بیانات کے مطابق فیصلہ فرما دیں اور ہمیں نکالنے کے شرائط اور دوسری جگہ دفن کرنے کے قانون اور خیرات وغیرہ حسب توفیق حکم دے کر مشکور فرما دیں تاکہ بندہ ہر طرح شریعت طریقت کے لحاظ سے مطمئن ہو سکے۔ بندہ ہمیشہ ہمیشہ جناب کا شکریہ ادا کرتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

احقر العباد وتابعدار بندہ خاکسار خادم الفقراء پیر غلام رسول سجادہ نشین دربار شریف حضرت الٰہی بخش نوشاہی قادری از موہل شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

Marfat.com

ان بزرگ صاحب کو وہیں آرام کرنے دیں۔ دنیا دار اور عوام کیا جانتے ہیں۔ حدیث پاک سے ثابت ہے کہ اللہ کے پیاروں کی قبریں بہت فراخ ہو جاتی ہیں جہاں تک ان کی نظر پہنچتی ہے وہاں تک فراخ ہو جاتی ہیں تو ظاہری تنگی کا کیا حرج ہے؛ کتب مذہب مہذب حنفی میں بعد از دفن نکالنے کی ممانعت ہے۔ کما فی اسفار المذھب المھذب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۸ رشعبان المعظم ۱۳۸۶ھ ۲۲-۱۱-۶۶

الاستفتاء

محب ملک وملت جناب سلطان علی صاحب ممبر یونین کونسل پھلانتولی

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ:۔ مزاج شریف! محمد امین ڈولا نے دریافت کیا ہے کہ قبرستان میں قبر تیار ہونے پر میت کو دوسرے گاؤں کے قبرستان میں دفنایا گیا تو پہلی قبر کا کیا کیا جائے؛ لوگ کہتے ہیں کہ غلہ جو یا مونجی سے پُر کی جائے۔ کیا یہ درست ہے؛

تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں جو یا مونجی ڈال کر خراب کرنا شرع شریف میں ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اسراف یعنی بے جا خرچ کرنا ہے اور اضاعت مال یعنی مال کا ضائع کرنا ہے جو بحکم قرآن کریم اور حدیث پاک بالکل ناجائز اور حرام ہے لہٰذا قبر کو مٹی سے پُر کیا جائے یا کوئی میت ہو تو اسے دفن کر دیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۱۴ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک مردہ کے دفن کئے ہوئے کو عرصہ سال کا گزر چکا ہے۔ اب بوجہ بارش یا سیلاب قبر میں پانی داخل ہو گیا ہے۔ قبر بھی زمین میں دب گئی ہے

Marfat.com

اور یہ بھی یقین کامل ہے کہ مٹی و پانی باہم مل کر کیچڑ بن گیا ہے اور کیچڑ سے مردہ آلودہ ہو گیا ہے اب اس صورت میں علمائے کرام کیا حکم صادر فرماتے ہیں ؟ مردہ کو قبر سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کیا جائے یا اسی قبر پر مٹی ڈال دی جائے ۔ بینوا توجروا یا اولی الابصار ۔ المستفتی : غلام رسول انسپکٹر ون

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بعداز تکمیل دفن نبش قبر و اخراج میت کو حضرات احناف ادام اللہ تعالیٰ فیوضہم و برکاتہم نے ممنوع و حرام قرار دیا ہے لہٰذا اوپر سے قبر بنادی جائے ۔ مبسوط، فتاویٰ قاضیخان، فتاویٰ عالمگیر، بحرالرائق، مراقی الفلاح، حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، در المختار، ردالمحتار، فتح القدیر وغیرہا اسفار مذہب میں ہے والنظم من مراقی الفلاح والنبش حرام حقاللّٰہ تعالیٰ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم ۔ ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۱۲ شوال المکرم ۱۳۶۷ھ

الاستفتاء

مکرمی معظمی قبلہ و کعبہ جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی ـــــ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ـــ مزاج گرامی ! قبلہ ! ایک استفتار آپ کی خدمت عالیہ میں پیش کر رہا ہوں یہاں اس فتویٰ کی سخت ضرورت ہے اسلئے آپ سے استدعا ہے کہ فوری جواب سے سرفراز فرمائیں ، میں ہمیشہ آپکا بیحد ممنون رہونگا :

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک میت کو عارضی طور پر ایک سال کے لئے کسی جگہ ایک عام قبرستان میں لکڑی کے صندوق میں رکھ کر امانۃً دفن کر دیا گیا تاکہ مناسب اور موقع کے مطابق جگہ حاصل ہونے پر وہاں سے منتقل کرکے دفن کیا جا سکے ۔ اندریں حالات کیا مذہب حنفی سنت و الجماعت میں میت کو عارضی طور پر دفن کرنا جائز ہے ؟

۲۔ اگر جائز ہے تو میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی کیا صورت ہے ؟

السائل : سید محمد یونس گیلانی مکان ۸۲۷/سی ، کوچہ منفر اگی گمٹی بازار لاہور مورخہ ۳۰۷۰ ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱ : مذہبِ مہذب حنفی میں ایسی کوئی صورت نہیں ۔

۲ : بعد از دفن میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی ایسی کوئی وجہ جواز نہیں ۔ فتاویٰ شامی ص ۸۴۰ جلد اول میں ہے واما نقلہ بعد دفنہ فلا مطلقا قال فی الفتح واتفقت کلمۃ المشائخ فی امرأۃ دفن ابنہا وھی غائبۃ فی غیر بلدھا ولم تصبر وارادت نقلہ علی انہ لایسعہا ۔ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعداز دفن نقل کی بالکل اجازت

Marfat.com

اور گنجائش نہیں اور اس پر ہمارے مشائخ کرام کا اتفاق ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۶ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۹ھ ۵-۳-۷۰

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں میرے عم محترم جناب حاجی چراغدین صاحب مرحوم نے وفات کے وقت بندہ کو فرمایا تھا کہ میں نے جناب میاں غلام اللہ صاحب دام فیضہ سے آستانہ عالیہ شرقپور شریف میں دفن ہونے کے لئے جگہ طلب کی تھی اور آپ نے آمادگی کا اظہار فرمایا تھا۔ وفات کے بعد مجھے صندوق میں رکھ کر بطور امانت ملتان میں دفن کرنا اور اس کے بعد شرقپور شریف لے جانا۔ مرحوم کو شرقپور شریف لے جاتے وقت ان کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بعض اقارب وفات کے وقت زیارت نہ کر سکے ہوں تو ان میں سے جو زیادہ قریب ہیں وہ زیارت کر سکتے ہیں یا تمام؟ نیز شرقپور شریف لے جاتے وقت مرحوم کا دوبارہ جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل: شیخ علی محمد از بصیرپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً دفن کرنے کے بعد صرف نقل مکانی کے لئے نکالنا جائز نہیں اور یہ جو لوگوں میں امانت رکھنا مشہور ہے، شرعاً بے اصل ہے۔ اور جب نکالنا جائز نہیں تو دیدار کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اور دوبارہ جنازہ پڑھنا بھی ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۸ ربیع الاول شریف ۱۳۹۰ھ

الاستفتاء

نوٹ: مولوی اللہ بخش صاحب مدرس شرقپوری نے بذریعہ جوابی کارڈ سوال ذیل کا جواب طلب کیا ہے:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ قبروں پر پھول عدس ماش پانی چھڑکنا پینا

Marfat.com

پیسے ڈالنے خصوصًا محرم الحرام میں جائز ہے یا کہ نہیں ۔ کتبِ معتبرہ بمع حوالات تحریر فرمادیں ۔ بینوا توجروا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

قبروں پر پھول وغیرہ ڈالنے اصل میں امورِ مباح ہیں کہ شریعتِ مطہرہ نے جس چیز کو حرام و منع نہیں فرمایا وہ اباحت اصلیہ پر ہے ۔ یہ قاعدۂ احناف متعدد آیات اور کثیر احادیث ابوداؤد و ترمذی و ابنِ ماجہ و مستدرک و بیہقی وغیرہا سے ثابت ہے وقد صرح بہ الائمۃ الاعلام من المفسرین والمحدثین والمتفقہین اور جب اباحت ثابت ہوئی تو نیتِ صالحہ سے مستحب بن سکتے ہیں کہ مباحات نیاتِ صالحات سے عبادات اور نیاتِ فاسدات سے خطیات بن جاتے ہیں وذا ایضا ثابت بالآیات والاحادیث وتصریحات المحدثین والفقہاء ۔ اور بلاوجہ مسلمانوں پر ظنِ بد رکھنا جائز البتہ یہ معلوم ہو کہ اس خاص شخص نے نیتِ فاسدہ سے ڈالے ہیں تو اسے سمجھا دیا جائے نہ یہ کہ علی العموم حرمت و بدعت کا فتوٰی دے دیا جائے وقد صرح الفقہاء باستحباب وضع الورد ونحوھا علی القبور وذا ایضا مقید بحسن النیۃ والباقی عند التلاقی ان شاء المولی الباقی ۔

نوٹ : ۔ آیات واحادیث ونصوصِ ائمہ کرام کارڈ پر نہیں لکھ سکتے ۱۲ منہ غفرلہٗ

مسائلِ شتّٰی

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین دوبارہ تعمیر کردہ مسجد کے پہلے سامان کے متعلق جو دو حالتوں پر مبنی ہے ۔

اولاً وہ سامان جو کسی صورت میں بھی استعمال کے لائق نہیں فقط ایندھن ہی ایندھن ہے کیا اس کو فروخت کر سکتے ہیں اور اس کی قیمت مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا کہ یونہی ضائع ہونے دیں ؟

ثانیاً ایسا سامان جو استعمال کے لائق تو ہے لیکن اس مسجد میں کسی جگہ بھی صرف نہیں ہو سکتا کیونکہ دوسری مرتبہ مسجد کی تعمیر نئے ڈیزائن پر کی گئی ہے ۔ کیا اس کو بیچ سکتے ہیں اور اس کی قیمت دوبارہ مسجد میں ہی صرف کی جائے اور کیا اس صورت میں مشتری خریدا ہوا سامان جہاں جی چاہے لگا سکتا ہے یا کہ بعض شروط پر ؟ اور یا کہ وہ سامان سرے سے بیچ ہی نہیں سکتے ؟

Marfat.com

برائے کرم اس مسئلہ کو بالتفصیل دلائل بیّنہ سے حل فرما کر ارسال فرمائیں اور ساتھ ہی اپنی مُہر بھی ثبت کریں تاکہ لوگ ہمیں جعلی فتوے کا طعنہ نہ دیں۔

سائل: میرزمان مقیم موضع فتوٹ نزد بھگواڑی بازار آزاد کشمیر روڈ تحصیل کوہ مری ضلع راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

شرعًا ان دونوں صورتوں میں وہ سامان فروخت کر کے قیمت مسجد پر صرف کرنا جائز ہے کیونکہ فروخت نہ کرنے کی صورت میں وہ سارا مال ضائع ہو جائے گا اور اللہ تعالےٰ مال کا ضائع کرنا پسند نہیں کرتا صحیح بخاری شریف ص۲۰۰ جلد ۱، اور مسلم شریف ص۷۶ جلد۲ کی حدیث مرفوع متفق علیہ میں ہے ان اللہ کرہ لکم ثلاثا قیل وقال واضاعۃ المال وکثرۃ السوال لہٰذا قرآن کریم میں فرمایا کہ بے عقلوں کا مال ان کے سپرد نہ کیا جائے۔ ارشاد فرمایا ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما وارزقوھم الآیۃ سورۃ النساء آیۃ ۵۔ پھر اس کے متعلق آیۃ میں بھی ہدایت فرمائی نیز فضول خرچی سے منع فرمایا اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی بتایا۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۶ میں ہے ولا تبذر تبذیرًا اور ۲۷ میں ہے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین تو آفتاب و ماہتاب کی طرح واضح ہوا کہ اضاعت مال ناجائز ہے۔ اور مسجد کا ایسا سامان جو مسجد پر حال و مآل میں خرچ نہیں ہو سکتا چونکہ مال ہے اور اس کی اضاعت سے بچاؤ فروخت کرنے میں ہے لہٰذا فروخت کرنا جائز ہوا کہ ناجائز سے بچ سکیں بنا بریں علیہ ہمارے مشائخ کرام احناف نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔ ہدایہ، فتح القدیر ص۴۳۶ جلد ۵، وقایہ شرح الوقایہ ص۲۱۲ جلد۲، بحرالرائق ص۲۲۰ جلد ۵ تبیین الحقائق ص۳۲۸ جلد۳، درالمختار شامی ص۵۲۹ جلد۳ وغیرہا کتب مذہب مہذب حنفیہ میں بالفاظ متقارب ہے واللفظ من الہدایۃ وان تعذر اعادۃ عینہ الی موضعہ بیع وصرف ثمنہ الی المرمۃ صرفا للبدل الی مصرف المبدل اور مشتری کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے اسے لگائے کیونکہ یہ اس کا اپنا مال بن گیا۔ البتہ مویشی خانہ یا بیت الخلاء پر نہ لگائے اس لئے کہ اس کو مسجد کے ساتھ نسبت خاصہ ہے حالانکہ درالمختار و شامی ص۱۶۵ میں ہے کہ مسجد کا گھاس اور کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جو تعظیم میں مخل ہو فرمایا کحشیش المسجد وکناستہ لا یلقی فی

Marfat.com

موضع یخل بالتعظیم۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۱۱-۸-۷۳

الاستفتاء

قبلہ وکعبہ حضرت صاحب مدظلہ العالی جناب مولانا نور اللہ صاحب

السلام علیکم - جناب عالی گذارش یہ ہے کہ ہم انڈیا کی قید میں ہیں اور ہمارے لئے کونسی نماز کا حکم ہے؟ ہمیں بہت ساری جگہوں سے فتوے اور مسئلے وصول ہوئے ہیں۔ کسی فتوے پر نوٹ ہوتا ہے نماز قصر پڑھیں اور کسی پر ہوتا ہے کہ نماز پوری پڑھیں۔ بندہ آپ کے ہاں بصیر پور غلہ منڈی سے ہے۔ قبلہ حافظ صاحب محمد عبداللہ صاحب سے قرآن پاک ختم کر کے فوج میں بھرتی ہوا ہے۔ بندہ مولوی محمد عظیم کا بھتیجا ہے اور نور محمد ڈولا کھیانوالی والا، اُس کا دوہا ہے اور بندہ اس جگہ پر قیدیوں کو نماز پڑھاتا تھا پوری۔ دو تین فتوے پوری کے آچکے ہیں اور دو تین قصر نماز کے۔ بندہ پہلے تو پوری نماز پڑھاتا رہا مگر جب یہ فتوےٰ آیا تو امام اعظم کے قول کے مطابق قیدی آدمی اپنی پندرہ یا بیس دن یا کم یا زیادہ کی نیت نہیں کر سکتا تو بندہ نے نماز پڑھانا چھوڑ دی۔ ابھی ہمارے کیمپ میں دو نمازیں ہوتی ہیں اور بندہ کا دل مطمئن نہیں جب تک آپ کا فتوےٰ نہیں آئے گا ہم چند آدمی نہ تو پوری نماز باجماعت پڑھیں گے اور نہ ہی قصر باجماعت پڑھیں گے۔ اگر آپ کا فتوےٰ آگیا تو انشاء اللہ اس پر ضرور عمل کریں گے۔ برائے مہربانی آپ جتنا بھی جلد ہوسکے اس کا جواب جلدی دیں کیونکہ یہ آپ پر لازم ہے۔ باقی برائے مہربانی آپ پورا پورا حوالہ دیں اور واضح طور پر بتا دیں مہربانی ہوگی۔ باقی جوابی خط کیونکہ یہاں قید میں میسر نہیں اس لئے تکلیف گوارا کریں مہربانی ہوگی باقی تمام قیدیوں کے حق دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ جلد ہمیں پاکستان لادے اور انڈیا کی قید سے رہائی دے (آمین) باقی اگر قبلہ حافظ عبداللہ صاحب اور حافظ منظور حسین اور مولانا محمد عظیم صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو ان کو میرا سلام کہہ دینا ہوگا مہربانی، باقی ہمیں یہاں پر تقریباً دینی معاملے میں ہر قسم کی آزادی ہے جماعتیں ہوتی ہیں، قرآن خوانی ہوتی ہے۔ مذہبی بارے ہمیں یہاں پر کوئی تکلیف نہیں۔ اور یہ بھی بتا دیں کہ ہم پر روزے فرض ہیں یا نہیں؟ اور عیدین کے متعلق بھی بتا دیں مہربانی ہوگی۔ دارالعلوم حنفیہ کی مُہر فتوےٰ پر لگا دیں۔ باقی یہاں کیمپوں میں نماز قصر

Marfat.com

زیادہ پڑھی جاتی ہے اور میں نے بھی قصر نماز شروع کی ہوئی ہے اس لئے بندہ کو جلد آگاہ کریں کہ کونسی پڑھنی چاہیئے باقی جنگی قیدیوں کی طرف سے تمام اساتذہ اور طالب علموں کو سلام۔ اچھا اجازت دیں۔

آپ کا: بندہ خاکسار محمد اسلم ولد محمد یار منچریاں، حال جنگی قیدی انڈیا (۳، ۳۰، ۳،)

۴۸۶/۹۲

عزیز القدر حافظ محمد اسلم صاحب یَسّر اللہ تعالیٰ خلاصہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ :۔ بعد از دعوات خلاص و عافیت دارین آنکہ آپ کا خط مورخہ ۳،۳،/۱۳ کا لکھا ہوا موصول ہوا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العالمین جلد از جلد آپ سب کو خیریت سے رہائی نصیب فرماتے اور جلد از جلد وطن واپس لائے۔ آپ کے سلام حافظ صاحبان کو پہنچا دیئے ہیں۔ اتفاقاً آپ کے والد صاحب اور صوفی پہلوان صاحب ملنے آئے تو ان کو بھی آپ کا خط دکھایا ہے۔ آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ ہمیں یہاں پر تقریباً دینی معاملے میں آزادی ہے اور کوئی تکلیف نہیں، تو اس سے بہت خوشی ہوئی۔ میں اس سال بفضلہ تعالیٰ حج کر کے آیا ہوں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ آپ سب کی رہائی کے لئے بہت ہی زیادہ دعائیں ہوئی ہیں اور اب بھی ہو رہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ جلدی ہی رہائی ہونے والی ہے۔ سب احباب سے سلام محبت۔ آپ کے دریافت کردہ سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

آپ سب جنگی قیدی شرعاً مسافر ہیں اور چونکہ حکومت پاکستان اور بھارت دونوں کی خواہش ہے کہ آپ جلد از جلد رہا ہو جائیں صرف چند معاملات کے تصفیہ کی انتظار ہے جس وقت بھی تصفیہ ہو گیا آپ رہا ہو جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ تو ایسے حالات میں آپ حضرات کی نیت اقامت کا شرعاً اعتبار نہیں لہٰذا آپ پر نماز قصر واجب ہے، اکیلے پڑھیں یا جماعت کے ساتھ پڑھیں جبکہ امام بھی آپ جیسا ہی ہو۔ ہاں اگر ہندوستان کا مقیم امام نماز پڑھائے تو اس کی اقتداء میں آپ بھی پوری نماز پڑھیں۔ اور قصر صرف چار رکعتوں والے فرض میں ہے باقی فجر اور مغرب اور وتر پورے پڑھیں اور سنتیں بھی پڑھا کریں اور ان میں بھی قصر نہیں۔ نماز عیدین آپ لوگوں پر لازم نہیں اس لئے کہ آپ مسافر ہیں اور رمضان پاک کے روزے آپ پر ضرور فرض ہیں البتہ رخصت ہے کہ تکلیف سفر کی وجہ سے اگر چند روز کی رخصت کریں تو جائز ہے مگر عذر زائل ہونے پر قضاء لازم ہے اور بہتر یہی ہے کہ وقت پر ہی ادا کرتے رہیں خصوصاً جبکہ آپ کو مذہبی معاملات میں بالکل آزادی ہے اور کوئی تکلیف نہیں تو وقت پر ہی فرض ادا کرنا بہتر ہے بلکہ قابل برداشت تکلیف ہو تب بھی وقت پر

Marfat.com

ہی ادا کرنا بہتر ہے۔ یہ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ یہ مسائل فتاوٰے عالمگیر، ہدایہ، فتح القدیر، بحرالرائق، بدائع صنائع، مبسوط وغیرہا کتب فقہ حنفیہ سے لکھے گئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ بانی ومہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور ضلع ساہیوال تعلم خود ۸ ربیع الاول شریف ۱۳۹۳ھ ۱۲-۴-۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص کسی غصے کی بنا پر اپنے امام مسجد کی غائبانہ زبانی بے ادبی کر بیٹھتا ہے بعد میں اسکو احساس ہوتا ہے کہ میں نے غلطی کی ہے۔ آیا اب وہ اپنے امام مسجد کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا کہ نہیں؟ توبہ استغفار بھی کر لیتا ہے اس مسئلہ کی وضاحت قرآن وسنت کے مطابق کیجائے عین نوازش ہوگی بینوا توجروا

السائل:۔ محمد عارف خان نمبردار چک ۲۳۵/ای۔بی ڈاکخانہ چک ۲۲۹/ای۔بی ضلع ساہیوال

نوٹ:۔ یہ سوال مولانا محمد شفیع نوری عارفی نے پیش کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

جب توبہ واستغفار کر لیتا ہے اور اپنی غلطی کا احساس کرتا ہے تو اسے نماز امام مسجد کی اقتدا میں ضرور ادا کرنی چاہیے کیونکہ سچی توبہ سے گناہ مٹ جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے بہی برائیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ و یعفو عن السیات پ۲۵ ع۴۶۔ نیز ارشاد ہے ان الحسنات یذھبن السیات پ۱۲ ع۱۰۔ اور حدیث شریف میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ جامع صغیر ص۲۵۶ جلد ا اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ صحیح بخاری ص۹۵ جلد ا۔ اور قرآن کریم میں ہے واركعوا مع الراکعین پ ۱ ع۵۔ لہذا اسے اپنے امام کی اقتداء میں نماز ضرور ادا کرنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ از بصیرپور جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ ۲۸-۳-۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولوی صاحب امام مسجد جنڈوالی پاکپتن شریف نے حافظ صاحب جو کہ

Marfat.com

قرآن پاک نماز تراویح میں سنا رہے تھے ایک رات ان کے سامع جو حافظ صاحب تھے وہ موجود نہ تھے تو امام مسجد نے بعد نماز تراویح کے اعلانیہ نمازیوں کو کہا کہ آج رات نماز تراویح بالکل نہیں ہوئی نمازیوں نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے مولوی صاحب نے کہا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز تراویح پڑھائی تو اس رات جبریل امین علیہ السلام سامع نہیں تھے۔ اس رات کے قبل حضرت جبریل امین سامع ہوتے اور حضور نماز پڑھاتے لہذا جبریل امین کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے نماز تراویح نہ ہوئی تو حضور نے صحابہ کو فرمایا کہ آج رات سب کی نماز تراویح نہیں کیونکہ میرے پیچھے جبریل سامع نہیں تھے۔ تو مولوی صاحب نے نمازیوں کو یہ زبانی ثبوت دے کر کہا کہ ہماری بھی نماز تراویح نہیں ہوئی۔ ۱ نماز تراویح ہوگئی یا کہ نہیں۔ ۲ مولوی صاحب نے جو ثبوت دیا ہے یہ بالکل صحیح ہے یا کہ نہیں؟ اگر مولوی صاحب کی دلیل کا ثبوت نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا السائل: حافظ پیر بخش فریدی پاکپتن شریف ۲۳-۱۰-۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورت سوال صحیح اور واقعی ہے تو اس مولوی نما برائے نام امام کا یہ اعلان جھوٹ اور افتراء و بہتان ہے ایسی کوئی حدیث کسی ایک مستند کتاب میں بھی ہرگز ہرگز نہیں۔ اس کا یہ افتراء اللہ جل و سبحانہ کے پیارے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر خود اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے جس کی سزا بہت ہی سخت ہے۔ قرآن کریم میں ہے فمن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا لیضل الناس بغیر علم ط ان اللہ لایھدی القوم الظّٰلمین۔ نیز فرمایا انظر کیف یفترون علی اللہ الکذب وکفٰی بہ اثما مبینا۔ پھر ایسا کوئی مسئلہ بھی نہیں کسی معتمد کتاب میں بھی نہیں کہ سامع کا ہونا شرط جواز ہے۔ سچا ہے تو کوئی واقعی ثبوت دے، بتائے کہ یہ کس کتاب میں ہے اور کونسے امام کا قول ہے؟ اس کا زبانی کہنا تو غلط اور جھوٹا دعوے ہے۔ ثبوت نہیں، پھر ایسے جھوٹے اور بڑے ظالم کا امام بنانا سرے سے ہی ناجائز وہ جبتک اپنی غلطی کو غلطی مانتے ہوئے اپنے دل سے توبہ نہ کرے امامت کے قابل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی حبیبہ الاعظم محمد رسول اللہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ ۲۳-۱۰-۱۴

تم الجزء الاول من الفتاویٰ النوریۃ

فالحمد للہ علی اتمامہ

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

شاندار عمارات والی مساجد میں عمدہ دریوں اور قالینوں پر نماز بلا کراہت وقباحت جائز اور اہلِ اسلام کا معمول ہے تو لاؤڈ سپیکر بیچارے کا کیا قصور کہ اس کی اجازت نہ ہو۔ پھر اگر یونہی ہوتا تو اذان بھی سپیکر پر جائز نہ ہوتی اور وعظ بھی منع ہوتا حالانکہ سب جائز مانتے ہیں۔

پانچواں نام نہاد مفسدہ کہ مساجد نزدیک ہوں تو آوازیں ٹکرائیں گی، بھی محض جزوی حیثیت کا ہے جس سے ممانعتِ کلیہ قطعاً ثابت نہیں ہو سکتی ورنہ مبلغین کی کلی ممانعت بھی ثابت ہو جاتی کہ ان میں تو بکثرت ایسے پائے جاتے ہیں جو بڑے بڑے مفاسد کا ارتکاب کر جاتے ہیں اور عادی مجرم ہیں۔ جب وہ کلی طور پر متروک نہیں تو یہ آلہ کلیۃً کیوں متروک ہو؟ کیا ایسی جذباتی باتوں سے جائز ناجائز بن جاتا ہے؟

چھٹا مفسدہ یہ کہ چونکہ لاؤڈ سپیکر میں اختلاف ہے اور احتیاط یہ ہے کہ اختلاف سے بچا جائے تو اس قاعدۂ مسلمہ کا احتیاطی تقاضا یہ قطعاً نہیں کہ جو چیز ہمارے نزدیک جائز وروا ہو، وہ بوجہ اختلاف ناجائز و ناروا بن جاتے۔ بلکہ رعایتِ خلاف کے لئے نہ کہ صرف مندوب و مستحب ہوتا ہے اور اس ندب و استحباب کے مرتبے بھی دلیل مخالف کے قوت وضعف کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں کما فی رد المحتار عن النهر ص۱۳۶ جلد ۱، ص۱۳۶ (قوله لكن يندب للخروج من الخلاف) قال في النهر الا ان مراتب الندب تختلف بحسب قوة دليل المخالف وضعفه۔ اور مسئلہ زیرِ بحث میں چونکہ دلائلِ مخالفین بالکل ہی عاری از قوت ہیں تو یہ ندب بھی برائے نام ہی ہو سکتا تھا اور وہ بھی تب جب یہ اختلاف ائمہ مجتہدین یا اصحابِ مذاہب کا اختلاف ہوتا ورنہ علماءِ مقلدین کا خلاف اور وہ بھی وضوحِ حق کے بعد قابلِ لحاظ نہیں۔ اور اگر بالفرض قابلِ لحاظ ہوتا تو پھر بھی لحاظِ مجتہدین سے تو کسی صورت بھی بڑھ نہیں سکتا تو درجۂ ندب ہی میں رہتا نہ یہ کہ حرمت و عدمِ جواز ثابت کر سکے۔

بفضلہ وکرمہ تعالیٰ شمس و امس کی طرح واضح ہوا کہ مفتیانِ سائل کے بیان کردہ مفاسد مل کر بھی مطلقاً ناروا نہیں بنا سکتے کہ اکثر تو مفاسد ہیں ہی نہیں، اور جو ہیں بھی تو وہ محض جزوی ہی ہیں، ان سے عدمِ جواز کا حکمِ کلی قطعاً ثابت نہیں ہو سکتا، تو معلوم ہوا کہ صورتِ سوال میں اعادۂ نماز کی ضرورت نہیں اور نہ ہی استعمالِ سپیکر ناروا ہے بلکہ جائز اور روا و درست ہے اور نیتِ صالحہ تعاون علی البر سے دوسرے

فتاویٰ نوریہ

جلد اول

مفتی اعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی قادری

انجمن حزب الرحمٰن شعبۂ تبلیغ

العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (ساہیوال)

Marfat.com